مکتوباتِ سرسیّد

جلد اوّل

ڈاکٹر سرسید احمد خان

مرتبہ

شیخ محمد اسماعیل پانی پتی

مجلس ترقیِ ادب

کلب روڈ لاہور

مکتوباتِ سرسیّد

جلد اوّل

ڈاکٹر سر سیّد احمد خان

مرتّبہ

شیخ محمّد اسماعیل پانی پتی

مجلس ترقّیِ ادب

کلب روڈ لاہور

طبع ثانی : جون ۱۹۷۶ء

تعداد : ۱۱۰۰

ناشر : احمد ندیمؔ قاسمی
ناظمِ مجلسِ ترقّیِ ادب ، لاہور

مطبع : زرین آرٹ پریس ، ۶۱ - ریلوے روڈ ، لاہور

طابع : محمد زرین خاں

قیمت : [illegible] روپے

حرفِ آغاز

مسلمانانِ برعظیم کی نشاۃ الثانیہ میں سرسید احمد خاں نے جو تاریخ ساز کردار ادا کیا ، اس کا اعتراف ایک دنیا کر چکی ہے ۔ حق بات یہ ہے کہ سلطنتِ مغلیہ کے مکمل خاتمے کے بعد حکمران مسلمانوں کو شدید شکستہ دلی اور خوفناک مایوسی کا سامنا تھا ۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ اس طرح کی کیفیت میں قومیں یا تو دوسری قوموں کی غیر مشروط غلامی قبول کر لیتی ہیں ، یا خودکشی کر لیتی ہیں ۔ سرسید احمد خاں نے مسلمان قوم کی رہنمائی کی ذمہ داری اُس وقت قبول کی جب ایسے انفعالیت اور تاریک خیالی گُھن کی طرح چاٹنے لگی تھی ۔ پھر اس عظیم شخصیت نے ایک مضمحل اور مایوس قوم کو جس طرح سہارا دیا اور اسے اپنے قدموں پر کھڑا کر دیا ، وہ اُنیسویں صدی کے تاریخی تناظر میں کسی اعجاز سے کم نہیں ۔

''مجلسِ ترقیِ ادب'' نے سرسید احمد خاں کے مقالوں ، مضمونوں ، تقریروں ، تبصروں اور تنقیدوں کو سولہ جلدوں میں نہایت اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے اور اہل الرائے کا کہنا ہے کہ اگر مجلس صرف اسی کام پر اکتفا کر لیتی تو جب بھی تاریخِ ادب میں اس کا نام زندۂ جاوید ہو جاتا ۔ ان سولہ جلدوں کے علاوہ مجلس نے سرسید کے خطبات (دو جلدوں میں) ، سفر نامہ ''مسافرانِ لندن'' اور سفر نامہ پنجاب بھی شائع کردیا ہے ۔ اور اب ان کے مکتوبات کے دوسرے ایڈیشن کی پہلی جلد آپ کے سامنے ہے ۔ پہلے ایڈیشن میں ، جو ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا تھا ، کم و بیش ساڑھے تین سو خطوط شامل تھے جبکہ زیر نظر ایڈیشن کی پہلی جلد ۳۲۷ خطوط پر مشتمل ہے اور دوسری جلد میں ۳۳۸ خطوط ہوں گے ۔

اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مرتّب ِ مرحوم نے خطوط کی فراہمی میں کس قدر محنت اور عرق ریزی سے کام لیا ہے ۔

''مکاتیب'' علم و ادب کی نہایت دلچسپ صنف ہوتے ہیں کہ ان کی ''تصنیف'' کسی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت عمل میں نہیں آتی اور نہ ہی مکتوب لکھنے والے کو اس طرح کا کوئی شبہ ہوتا ہے کہ یہ تحریر کسی روز پوری قوم کے زیر ِ مطالعہ ہوگی ۔ اس صورت میں مکاتیب میں جو بے تکلفی اور بے ساختگی ہوتی ہے ، اس کی کوئی ایک بھی مثال کسی صنف ِ ادب کے پاس نہیں ہے ۔ اُن شخصیات کے مکاتیب تو بطور خاص دلچسپی سے پڑھے جاتے ہیں جن کے قلم سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ تاریخ و تمدن کے ایوانوں کی تعمیر میں حصہ لیتا ہے ۔ سرسید کے یہ مکاتیب اسی لیے صرف ایک بڑی شخصیت کے کردار و مزاج ہی کے عکاس نہیں ہیں ، بلکہ ہماری قومی تاریخ کی کتنی ہی دلچسپ اور معلومات افزا جزئیات کی پردہ کشائی بھی کرتے ہیں ۔ ان کے موضوعات بے حد متنوّع ہیں ۔ علم و ادب اور تعلیم و تہذیب سے لے کر عزیزوں اور دوستوں کے معاملات میں سرسید کی دلسوزی کے ساتھ حصہ داری ان مکاتیب میں موجود ہے ۔ چنانچہ یہ نہ صرف سرسید کی شخصیت کی مزید تفہیم میں مددگار ثابت ہوں گے ، بلکہ ان کی اس تحریک کے پس منظر اور پیش منظر کو بھی نمایاں کریں گے جس نے مسلمانان ِ برعظیم کو حالات سے نمٹنا اور پھر ان پر چھا جانا سکھایا ۔

یقین ہے کہا جا سکتا ہے کہ سرسید کے مکاتیب سے اساتذہ ، طلبہ ، ادباء اور مورخین کے علاوہ عام قارئین بھی بھرپور انداز میں مستفید ہوں گے ۔

خطوط کے شروع میں ، دونوں طرف سے حاشیہ چھوڑ کر ، جو سوانحی اور وضاحتی عبارتیں درج ہیں ، یہ سب مرتّب کی طرف سے ہیں ۔ اسی طرح حواشی کی تمام تر عبارات بھی مرتّب ِ مرحوم کے قلم سے ہیں ۔

احمد ندیم قاسمی

ناظم

۲۲- اپریل ۱۹۷۶ع

فہرست مکتوب الیہم

(بہ ترتیبِ حروفِ تہجی)

پیش لفظ طبع اول		۱۱

الف

نام	تعداد خطوط	صفحہ
۱- جان میواسن آرنلڈ	۱	۱
۲- آٹرن سائڈ - سی - بی	۱	۴
۳- (مولوی) ابوالحسن	۲	۷
۴- (حکیم) احمد الدین	۲۷	۹
۵- (مولوی) احمد بابا مخدومی	۳	۲۸
۶- (منشی) احمد خان صوفی	۷	۳۱
۷- (منشی) احمد علی شوق	۱۰	۳۷
۸- احمدی بیگم	۱	۴۰
۹- (سید) اشرف علی	۱	۴۱
۱۰- (سید) اکبر حسین اکبر الہ آبادی	۵	۴۲
۱۱- (مولانا) الطاف حسین حالی	۸	۴۶
۱۲- (کرنیل) الکٹ	۱	۵۵
۱۳- (منشی) الہ دین	۱	۵۷
۱۴- (مولوی حافظ) امام الدین گجراتی	۲	۶۰

۱۵- (مولوی) امجد علی - - - - - ۳ ۶۲
۱۶- (ڈپٹی) امدادالعلی اکبر آبادی - - - - ۳ ۶۴
۱۷- (مولوی سید) امداد العلی مظفرپوری - - - ۱ ۶۹
۱۸- ایڈیٹر 'اودھ اخبار' - - - - - ۵ ۷۸
۱۹- ایڈیٹر اخبار 'پایونیر' - - - - - ۵ ۹۲
۲۰- ایڈیٹر 'پنجابی اخبار' - - - - - ۱ ۱۱۲
۲۱- ایڈیٹر اخبار 'سائنٹیفک سوسائٹی' - - - ۱۱ ۱۱۷
۲۲- ایڈیٹر اخبار 'شمس الاخبار' - - - - ۱ ۱۳۳
۲۳- ایڈیٹر اخبار 'وفادار' - - - - - ۱ ۱۳۷

ب

۲۴- بدرالدین طیّب جی - - - - - ۲ ۱۴۲
۲۵- مسٹر بک - - - - - - ۱ ۱۴۴
۲۶- (مسٹر جوزف) بک - - - - - ۱ ۱۴۷
۲۷- (مولوی سید) بندہ علی - - - - - ۶ ۱۴۹
۲۸- (آر پی) بولڈ - - - - - - ۱ ۱۶۱
۲۹- (ایچ) بے بنگ ٹن - - - - - - ۱ ۱۶۳

ج

۳۰- (راجا) جے کشن داس - - - - - ۸ ۱۶۵

چ

۳۱- (نواب اعظم یار جنگ مولوی) چراغ علی - - ۳ ۱۸۸

ح

۳۲- (سید) حامد - - - - - - ۳ ۱۹۲
۳۳- (سید) حبیب اللہ - - - - - - ۱ ۱۹۵

خ

۳۴- (خان) خیر اللہ خاں	١	١٩٦

د

۳۵- دانشمند	١	١٩٩
۳٦- (بابو) دُرگا پرشاد	۵	٢٠٣

ذ

۳٧- (مولوی) ذکاء اللہ	٨	٢٠٧

ر

۳٨- رانی راجا گوبند سنگھ	١	٢١٣

ز

۳٩- (سید) زین العابدین	١١	٢١۵

س

۴٠- (مسٹر) سڈنس	١	٢٢۵
۴١- (سر) سالار جنگ	١	٢٢٨
۴٢- (منشی) سراج الدین احمد	١٨	٢٣١
۴٣- (راجا) سرپتی سنگھ	١	٢۵۴
۴۴- (ٹھاکر) سرنام سنگھ	١	٢۵۵
۴۵- (بابو) سرودا پرشاد سنڈل	٢	٢۵٧
۴٦- (لالہ) سری لال	١	٢٦٣
۴٧- (منشی) سعید احمد	١	٢٦۵
۴٨- (مولوی) سمیع اللہ	١	٢٧٠

۴۹- (نواب عمادالملک) سید حسین بلگرامی	۱۲	۲۷۳

ش

۵۰- (منشی) شام بہاری لال	۱	۲۹۴
۵۱- (مولانا) شبلی نعمانی	۳	۲۹۸
۵۲- (مولوی) شرف الدین	۵	۳۰۳
۵۳- (قاضی) شہاب الدین	۱	۳۰۷

ع

۵۴- (مولوی) عبدالحق دہلوی	۱	۳۰۹
۵۵- (مولوی حکیم سید) عبدالحی	۱	۳۱۲
۵۶- (نواب) عبدالسلام خاں	۳	۳۱۵
۵۷- (سید) عبدالعلی	۱	۳۱۸
۵۸- (سید) عبدالغنی	۱	۳۱۹
۵۹- (سید) عبداللہ الہ آبادی	۱	۳۲۰
۶۰- عبداللہ مہر علی دیرمسی	۱	۳۲۲
۶۱- (مولوی) علی بخش خاں	۱	۳۲۴
۶۲- (نواب سید) علی حسن	۱۴	۳۲۹
۶۳- (شیخ) عمر بخش	۱	۳۴۴
۶۴- (مولوی) عنایت اللہ دہلوی	۴۲	۳۴۶
۶۵- (مولانا) عنایت رسول چریا کوٹی	۴	۳۷۵

غ

۶۶- (شیخ) غلام حسین	۲	۳۸۰
۶۷- (حاجی شیخ) غلام علی	۱	۳۸۳
۶۸- (حکیم) غلام نجف خاں صاحب	۱	۳۸۵

ف

۶۹- فتح علی شیخ احمد - - - - - ۲ ۳۸۷
۷۰- (سید) فرزند احمد صفیر بلگرامی - - - - ۱ ۳۸۹
۷۱- (مولوی شیخ) فرید احمد امروہوی - - - ۶ ۳۹۱
۷۲- (مولوی) فریدالدین - - - - - ۱ ۳۹۷
۷۳- (مولوی) فریدالدین نعمانی ردولوی - - - ۱ ۳۹۹

ق

۷۴- (صوفی) قادر علی خاں - - - - - ۲ ۴۰۱

ک

۷۵- (منشی) کریم بخش - - - - - ۱ ۴۰۳
۷۶- (نواب) کلبِ علی خاں - - - - - ۲ ۴۰۵

گ

۷۷- (چارلس) گبنس - - - - - - ۲ ۴۰۸

ل

۷۸- (سیٹھ) لکھمین چند - - - - - ۱ ۴۱۱

م

۷۹- (نواب) محسن الملک مولوی مہدی علی خاں :
خطوط از لندن - - - - - ۲۶ ۴۱۳
متعلق تفسیر القرآن - - - - ۵ ۴۸۰
متفرق - - - - - - ۴ ۵۲۴
۸۰- (مولوی) محمد ابراہیم آروی - - - - ۳ ۵۳۱

☆ ☆ ☆

پیش لفظ

(طبع اول)

۱۹۱۸ع میں ، جب کہ میں پانی پت میں مولانا حالی کے کتب خانے کا انچارج تھا ، مجھے خیال پیدا ہوا کہ اگر سرسید کے خطوط جمع کر کے شائع کیے جائیں تو یہ ادب کی ایک اچھی خدمت ہوگی اور خطوط کا یہ مجموعہ اردو لٹریچر میں ایک مفید اضافے کا موجب ہوگا ۔

اس خیال کے پیدا ہونے کا محرک یہ امر ہوا کہ ۱۹۰۱ع میں مولانا حالی نے سرسید کی سوانح عمری ''حیات جاوید'' کے نام سے شائع کی تو سرسید کے وہ تمام خطوط ، جو اس کتاب کے لیے انھوں نے جمع کیے تھے ، مولانا سے اُن کے دوست مولوی سید وحید الدین سلیم نے مانگ لیے اور اُن کو اپنے ماہنامے ''معارف'' میں بالاقساط چھاپ دیا ۔ مولانا کے کتب خانے میں ''معارف'' کے اِن پرچوں کو دیکھ کر ہی مجھے سرسید کے خطوط کو کتابی شکل میں شائع کرنے کا خیال پیدا ہوا ۔ اس پر پہلے تو میں نے ''معارف'' کے پرچوں سے وہ تمام خطوط نقل کیے اور اس کے بعد مزید خطوط حاصل کرنے کے لیے مولانا حالی کے کاغذات و مسودات کا ایک ایک ورق چھان مارا ۔ اس چھان بین کے نتیجے میں جس قدر مزید خطوط ملے وہ محفوظ کر لیے ۔ زاں بعد جس رسالے یا اخبار میں سرسید کا کوئی خط ملا وہ نقل کرتا رہا اور تلاش کا یہ سلسلہ چالیس سال تک برابر جاری رہا ، جب جا کر میں اِس قابل ہوا کہ ایک معقول ذخیرہ سرسید کے خطوط کا قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر سکوں ۔ اگرچہ اب بھی متعدد

خطوط ایسے ہوں گے جن تک میری رسائی نہیں ہو سکی[۱] ۔

جب میں نے ان خطوط کے مجموعے کو مجلسِ ترقی ادب میں اشاعت کے لیے پیش کیا تو مجلس کے معتمد جناب کریم احمد خاں صاحب نے فرمایا کہ ''اگر اس کتاب میں سر راس مسعود کے شائع کردہ ''خطوطِ سرسید'' بھی شامل کر لیے جائیں تو زیادہ مناسب ہوگا ، کیونکہ وہ خطوط بھی آج کل نایاب ہیں ، اور ان کو شامل کرنے سے سرسید کے خطوط کا ایک مکمل مجموعہ تیار ہو جائے گا ۔''

سر راس مسعود کے مرتّبہ کردہ مجموعے کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے ۔ جب میں نے خاں صاحب محترم کے ارشاد کی تعمیل کے لیے اس مجموعے کو دیکھا تو اس میں بیشتر خطوط وہی تھے جو ۱۹۰۱ء کے رسالۂ ''معارف'' میں چھپ چکے تھے ۔ بعض نئے خطوط بے شک سر راس مسعود نے اپنے دادا کے ملنے والوں سے فراہم کر کے اس مجموعے میں شامل کیے تھے ، مگر نہ کتاب کی ترتیب ٹھیک تھی ، نہ کتابت صحیح اور درست تھی ۔ بعض جگہ سے فقرے حذف ہو گئے تھے اور بعض جگہ سے الفاظ رہ گئے تھے ۔ بعض جگہ سنہ غلط لکھے تھے اور بعض جگہ الفاظ کچھ کے کچھ لکھ دیے تھے ۔ کاتب صاحب نے کتاب کے لکھنے میں سخت بے پروائی سے کام لیا تھا اور بے حد غلطیاں کر دی تھیں ۔ خصوصاً عربی جملوں اور فقروں کے ساتھ تو بڑا ظلم کیا گیا تھا اور وہ بالکل مسخ ہو کر رہ گئے تھے ۔ پروف دیکھے ہی نہیں گئے اور اس طرح پوری کتاب کا ستیاناس ہوگیا ۔

مجھ سے جہاں تک ممکن ہو سکا وہاں تک میں نے اِن خطوط کی تصحیح اور درستگی کی اور اس کے بعد ہی میں ان کو اپنے مرتّبہ مجموعے میں شامل کر سکا ۔

اگر میں اِس مجموعے کے ہر ایک خط کو بالکل اُسی رسم الخط اور اُسی طرز تحریر کے مطابق پیش کر سکتا جس طرح سرسید نے انھیں لکھا تھا تو مجھے بڑی خوشی ہوتی کیونکہ اس طرح یہ مجموعہ اُنیسویں صدی کی عام طرزِ تحریر اور اُس وقت کے رسم الخط کا ایک مستند نمونہ ہوتا اور ہم قریباً ایک صدی پہلے کے رسم الخط اور آج کل کی طرزِ تحریر کا فرق بآسانی معلوم کر سکتے ،

۱- اس کا ثبوت زیر نظر دوسرا ایڈیشن ہے جس میں پہلے ایڈیشن کے مقابلے میں کم و بیش دُگنے خطوط شامل ہیں ۔ (ادارہ)

مگر افسوس ایسا ممکن نہ ہو سکا ، کیونکہ اس مجموعے کے تمام خطوط سرسید کے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے خطوط سے نقل نہیں کیے گئے بلکہ مختلف اخباروں ، رسالوں ، مطبوعہ تحریروں اور کتابوں وغیرہ سے فراہم کیے گئے ہیں ۔ اور جس جس شخص نے ان کو نقل کیا اس نے نقل کرتے وقت اصل رسم الخط کا لحاظ نہ رکھا بلکہ ان خطوط کو موجودہ طرزِ کتابت کے مطابق لکھا ۔ علاوہ ازیں کتاب کے ٹائپ میں چھپنے کی وجہ سے اُس قدیم رسم الخط کی پوری نقل ہو بھی نہیں سکتی تھی ، اس لیے افسوس ہے کہ اس امر کا التزام نہ ہو سکا ۔ مگر سرسید کی جو طرزِ تحریر تھی اس کی بعض خصوصیات سرسید کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے خطوط کے مطالعے کے بعد میں ذیل میں بیان کرتا ہوں ۔ اس سے قارئین کو سرسید کی طرزِ تحریر سے بہت حد تک واقفیت ہو جائے گی ۔

بعض الفاظ ، فقرات اور جملوں کو موجودہ طرزِ تحریر کے برخلاف اس طرح لکھا گیا ہے :

کرکر	بجائے	کر کے
اوس	,,	اُس
پہونچا	,,	پہنچا
کے	,,	کی
ہین	,,	ہیں
بہی	,,	بھی
مان	,,	ماں
اوے	,,	آئے
ملاوت	,,	ملاوٹ
اپکا	,,	آپ کا
اونکی	,,	اُن کی
نکلی	,,	نکلے
چلی انا	,,	چلے آنا
مجہی	,,	مجھے
جو کہ	,,	چونکہ
اون	,,	اُن

اپنی	بجائے	اپنے
مین	,,	میں
ارام	,,	آرام
سی	,,	سے
کچہہ	,,	کچھ
ہی یا ہے	,,	ہے
یہہ	,,	یہ
اپ نی	,,	آپ نے
اوسوقت	,,	اُس وقت
چلی او	,,	چلے آؤ
تہرنا	,,	ٹھہرنا
چتہیان	,,	چٹّھیاں
اوتارنا	,,	اُتارنا
بہرنیکا	,,	بھرنے کا
اونسی	,,	اُن سے
دیکہا	,,	دیکھا
چھاپہ ہوی ہے	,,	چھپی ہے
کیا جاوے	,,	کیا جائے
اجرت چھاپہ کا	,,	چھپائی کی اُجرت
چھاپہ ہوویں گے	,,	چھاپے جائیں گے
اپ کے نذر کرتا ہوں	,,	آپ کی نذر کرتا ہوں
چھاپہ ہونے کو	,,	چھپوانے کے لیے
بی مرقتی	,,	بے مرقتی
رہنی دیا	,,	رہنے دیا
اونکا انا	,,	اُن کا آنا
تکیاں	,,	ٹکیاں
اتہویں	,,	آٹھویں
مجہکو	,,	میرے لیے

پوچھا	بجائے	پوچھا
پڑ جاوے گا	,,	پڑ جائے گا
خط لکھا ہی	,,	خط لکھا ہے
نہیں ہونے کی	,,	نہیں ہوگی
ہوویں گے	,,	ہوں گے
خرید کر کے	,,	خرید کر
چھاپہ ہونگی	,,	چھپیں گی
اوتھا سکیں	,,	اُٹھا سکیں
روک نہیں سکتی	,,	رک نہیں سکتے
دی جاوے گی	,,	دیا جائے گا

انگریزی الفاظ عجیب طریقے سے لکھتے تھے۔ مثلاً :

ریوت	بجائے	ریورٹ	لیف	بجائے	لائف
مستر	,,	مسٹر	اسپیج	,,	سپیچ
پمفلت	,,	پمفلٹ	داکتر	,,	ڈاکٹر
ہائی کورت	,,	ہائی کورٹ	گورنمنت	,,	گورنمنٹ
منی اردر	,,	منی آرڈر	پوست کارد	,,	پوسٹ کارڈ
ایدریس	,,	ایڈریس	ترستی	,,	ٹرسٹی

اس قسم کے فقرے بھی سرسید کے خطوط میں ملتے ہیں :

''بذریعہ ایک ڈیپوٹیشن کے'' (خط بنام نیاز محمد خاں ، ۱۳ فروری ۱۸۹۳ع)

''بہ نسبت سابق کے'' (خط بنام نیاز محمد خاں ، ۱۳ ستمبر ۱۸۹۷ع)

''میرے پاس بذریعہ ڈاک کے'' (خط بنام مولوی عنات اللہ ، ۱۰ فروری ۱۸۹۸ع)

''بطور نمونہ کے'' (خط بنام مولوی عنایت اللہ ، ۲۹ جولائی ۱۸۹۵ع)

''آپ کا عنایت نامہ اور چند اجزا جواب سوال پہونچے ۔ زائد از حد آپ کی عنایت کا شکر کرتا ہوں ۔''

مکتوبات کا یہ مجموعہ سرسید کی پرائیویٹ زندگی کا بہت عمدہ اور بالکل صحیح خاکہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہے[1] اور ان کے ذاتی اخلاق و عادات کی بہت معقول واقفیت ان خطوط سے ہو جاتی ہے ۔ اُن کی تعلیمی سرگرمیوں ، اُن کی اصلاحی کوششوں اور اُن کے مذہبی عقائد کے متعلق ان کے ذاتی خیالات کی بھی بہترین عکاسی ان خطوط سے ہوتی ہے ۔ ہندوستان کے پچاس برس کے علمی ، مذہبی ، معاشرتی اور سیاسی واقعات و حالات کا فوٹو بھی آپ ان خطوط میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں ۔ جو جو سکیمیں سرسید نے قومی بھلائی اور مسلمانوں کی دنیوی ترقی و بہبودی کی اِس دوران میں شروع[2] کیں یا جو جو تجویزیں اُن کے ذہن میں تھیں ، جن کو وہ عملی جامہ نہ پہنا سکے ، اُن کی کیفیت بھی ان خطوط سے معلوم ہوتی ہے ۔ جس محبت و شفقت کے ساتھ وہ لوگوں سے برتاؤ کرتے تھے ، جس خندہ پیشانی کے ساتھ آنے جانے والوں سے ملتے تھے ، جس اخلاق و مروّت کے ساتھ وہ ہر آئے گئے کا خیرمقدم کرتے تھے ، بزرگوں سے جس ادب و احترام کے ساتھ ، دوستوں سے جس خلوص و یک رنگی کے ساتھ ، چھوٹوں سے جس شفقت و اُلفت کے ساتھ ، غیروں سے جس رواداری اور حسنِ سلوک کے ساتھ ، اپنوں سے جس یگانگت اور محبت کے ساتھ ، مخالف مولویوں سے جس طنز و مزاح کے ساتھ ، اپنے دشمنوں سے جس سختی و ترش روئی کے ساتھ اور اپنے یار دوستوں سے جس بے تکلفی کے ساتھ وہ پیش آتے تھے ، اس کی بڑی صحیح ، بہت مکمل اور نہایت درست تصویر آپ کو ان اوراق میں نظر آئے گی ۔

سرسید کے اخلاق و عادات ، اُن کی سیرت و کردار اور اُن کے عقائد و خیالات کے متعلق آپ کی بہت سی غلط فہمیاں بھی ان خطوط کے پڑھنے سے دور ہو جائیں گی اور سرسید آپ کو ان خطوط میں بالکل ویسے ہی نظر آئیں گے جیسے فی الحقیقت وہ تھے ۔ کیونکہ تصنیف و تالیف میں تو[3] انسان تصنّع اور

۱- طبع اول میں یہ فقرہ یوں تھا : "مکتوبات کا یہ مجموعہ سرسید کی پرائیویٹ زندگی کا بہت عمدہ اور بالکل صحیح خاکہ آپ کے سامنے کھینچتے ہیں ۔" (ادارہ)

۲- لفظ "شروع" طبع اول میں نہیں تھا ۔ (ادارہ)

۳- طبع اول میں لفظ "تو" نہیں تھا ۔ (ادارہ)

بناوٹ سے کام لے سکتا ہے اور اپنے آپ کو ایسا ظاہر کر سکتا ہے جیسا وہ دراصل نہیں ہے ، مگر پرائیویٹ خطوط میں ایسا نہیں ہوتا ۔ کیونکہ ان خطوط کے متعلق اسے وہم بھی نہیں ہوتا کہ یہ کبھی جمع اور فراہم ہو کر شائع ہوں گے ۔ اس لیے وہ ان خطوط میں اپنے دل کی بات صاف صاف بیان کر دیتا ہے ۔ چنانچہ[1] پرائیویٹ خطوط سے بہتر[2] کسی لیڈر یا ریفارمر کے اصلی اور واقعی خیالات و افکار معلوم کرنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں ، اور ان خطوط سے زیادہ مستند واقعات ، کسی مُصلح یا قومی رہنما کے متعلق ، اور کہیں سے دریافت نہیں ہو سکتے ۔ اسی وجہ سے مولانا حالی کی زبردست خواہش تھی کہ سرسید کے پرائیویٹ خطوط جمع اور فراہم کرنے کی طرف کوئی شخص متوجہ ہو ، جن سے سرسید کی نجی زندگی آئینے کی طرح صاف طور پر معلوم ہو سکے ۔ چنانچہ مولانا حالی ان مؤثر الفاظ میں سرسید کے خطوط جمع کرنے کی طرف ''حیاتِ جاوید'' میں ناظرین کو ترغیب دلاتے ہیں :

''افسوس کہ اب تک کسی نے سرسید کے خطوط جمع کرنے کی طرف توجہ نہیں کی ۔ اگرچہ اُمید نہیں ہے کہ ان کا دسواں حصہ بھی اب فراہم ہو سکے لیکن جس قدر دستیاب ہو سکیں ان کا جمع کرنا نہایت ضروری ہے ۔ وہ ایک ایسا مجموعہ ہوگا جو غیروں کو اپنا بنانا اور وحشیوں کو رام کرنا سکھائے گا ۔ وہ سچی دوستی اور سچی محبت کا نمونہ ہوگا ۔ وہ آئندہ نسلوں کو یاد دلائے گا کہ ہمارے اسلاف کیسے بے ریا اور کیسے محبت والے ہوتے تھے ؟ کس طرح دوستوں کا دل اپنی مٹھی میں رکھتے تھے اور کیونکر اُن کے دلوں کا شکار کرتے تھے ۔''

خدا کا شکر ہے کہ آج اٹھاون برس کے بعد (''حیاتِ جاوید'' ۱۹۰۱ء میں شائع ہوئی تھی) مولانا کی یہ خواہش اُنھی کے ایک ہم وطن اور پڑوسی کے ہاتھ سے پوری ہو رہی ہے ۔

سرسید خطوط کا جواب جتنی جلدی دیتے تھے ، گالیوں بھرے خطوط کو جس طرح نظر انداز کر دیتے تھے ، معترضین اور مخالفین کے خطوط کو جس طرح

۱۔ طبع اول میں ''چنانچہ'' کی بجائے ''اس لیے'' تھا ۔ (ادارہ)

۲۔ طبع اول میں ''بہتر'' کی بجائے ''زیادہ'' تھا ۔ (ادارہ)

تلف کر دیتے تھے ، دوستوں اور محبّوں کی بیماری اور علالت سے جس درجہ بے چین اور فکر مند ہوکر اُن کو بار بار خطوط لکھتے اور تار بھیجتے تھے ، اپنے مخصوص دوستوں اور یاروں کو جس دلچسپ اور جس پُر لطف طرز پر خطوط لکھتے تھے ، اس کی کیفیت مولانا حالی کی زبان سے سنیے ۔ فرماتے ہیں :

''خطوں کا جواب دینے میں سرسید نہایت فیاض تھے ۔ جو خط کہ پانی پت سے علی گڑھ بھیجا جاتا ہے ، اگر وہاں پہنچتے ہی اُس کا جواب لکھا جائے تو تیسرے دن وہاں سے جواب آ جاتا ہے ۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میرے خط کا جواب کبھی چوتھے دن آیا ہو یا بالکل نہ آیا ہو ۔ جب کہ اُن کا برتاؤ ہم لوگوں کے ساتھ یہ تھا تو دیکھنا چاہیے کہ اپنے خاص دوستوں اور ہمسروں اور ہم رتبہ لوگوں کے ساتھ کیسا ہوگا ؟ دوستوں کو معذوری کی حالت کے سوا وہ ہمیشہ پرائیویٹ خطوط اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے ۔ البتہ مدرسہ وغیرہ کے متعلق جو خط لکھتے تھے وہ اکثر پیش دست لکھتا تھا اور وہ خود بتاتے جاتے تھے ۔ لیکن جو فضول تحریریں لوگ ان کے پاس بھیجتے تھے ان کا کچھ جواب نہ دیتے تھے ۔ جس خط کا جواب لکھ چکتے اس کو فوراً چاک کر ڈالتے تھے ۔ کبھی انھوں نے کسی تحریر کو اس خیال سے کہ مخالف کو الزام دینے یا شرمندہ کرنے کا موقع رہے ، اپنے پاس دستاویز بنا کر نہیں رکھا ۔ جب کسی خالص و مخلص دوست کی زیادہ بیماری کی خبر آتی تو جب تک صحت نہ ہوتی وہ برابر تار پر تار یا خط پر خط بھیجتے رہتے ۔ جو خط کہ وہ اپنے بے تکلف اور خالص و مخلص دوستوں کو لکھتے تھے اُن کا انداز تحریر فی‌الواقع ایسا دلکش اور دل نشیں ہوتا تھا کہ اگر اُس کو جادو یا افسوں یا سحر کا عمل کہا جائے تو کچھ مبالغہ نہ ہوگا ۔'' (حیات جاوید ، ص ۷۸۸)

میں نے ان مکتوبات کو ترتیب دیتے وقت جن جن باتوں کو ملحوظ رکھا ہے ان کی تفصیل یہ ہے :

(۱) سرسید کے ذاتی خیالات و اعتقادات سے بالکل تعرّض نہیں کیا گیا ۔ نہ اُن پر کوئی تنقید کی گئی اور نہ ان پر کوئی اختلافی نوٹ

لکھا گیا! ۔ بلکہ ان کی صحت و عدمِ صحت کا فیصلہ ناظرینِ کرام کی رائے پر چھوڑ دیا گیا ہے ، اگرچہ ان خطوط میں درج شدہ بعض آرا کے متعلق مجھے خود شدید اختلاف ہے ۔

(۲) جن جن اصحاب کے نام خطوط تھے اُن کے مختصر سوانحی حالات نہایت تلاش سے فراہم کر کے اس مجموعے میں درج کیے گئے ہیں تاکہ خطوط کے ساتھ ساتھ ناظرین ، مکتوب الیہ کی شخصیت سے بھی واقف ہو جائیں ۔

(۳) جہاں جہاں ضرورت سمجھی ، کچھ حواشی کسی بات کی توضیح و تشریح کے لیے مختصر طور پر لکھے گئے ہیں تاکہ معاملہ آسانی سے سمجھ میں آ جائے ۔

(۴) جہاں جہاں عربی اور فارسی طرزِ تحریر کے مطابق بڑی بڑی رقمیں سرسید نے لکھی ہیں وہ رقمیں ہندسوں میں لکھ دی گئی ہیں ، کیونکہ ٹائپ میں اُن رقموں کی ہوبہو نقل نہیں ہو سکتی تھی ۔

(۵) جو قلمی خطوط سرسید کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے دستیاب ہوئے ہیں اُن کو بالعموم اُسی طرح نقل کیا گیا ہے جس طرح سرسید نے وہ لکھے تھے تاکہ سرسید کے اسلوبِ تحریر اور طرزِ ادا کا ناظرینِ کرام کو صحیح اندازہ ہو جائے ۔ پس ان خطوط میں جہاں جہاں آپ کو موجودہ طرزِ تحریر کے خلاف عبارت نظر آئے تو سمجھ لیں کہ یہ تحریر سرسید کے وقت کی اور خود ان کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے ۔

(۶) خطوط کی ترتیب اس طرح رکھی گئی ہے کہ جن صاحبان کے خطوط پہلے سنہ میں شروع ہوئے ان کے خطوط پہلے درج کیے گئے ہیں ، جن کے بعد میں لکھے گئے ان کو بعد میں رکھا گیا ہے : مثلاً سید بندہ علی کے نام کے خطوط ۱۸۴۹ع سے شروع ہوتے ہیں اور محمد سعید خاں کے ۱۸۶۲ع سے ۔ تو بندہ علی کو پہلے رکھا

۱- زیر نظر ایڈیشن میں فاضل مرتّب نے بعض جگہ اختلافی نوٹ بھی لکھے ہیں - (ادارہ)

ہے اور محمد سعید کو بعد میں ۔[۱] اسی طرح آخر تک ۔

تمہید کے آخر میں اُن بزرگوں اور احباب کا شکریہ ادا کرنا میرا اخلاقی فرض ہے جنھوں نے اس علمی اور ادبی کام میں میری امداد اور اعانت فرمائی ۔ ان کی مدد کے بعد ہی میں اس قابل ہو سکا کہ یہ اوراق قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر سکوں ۔

اس سلسلے میں سب سے اول مجھے محترم سید عابد علی صاحب عابد کا شکریہ ادا کرنا ہے جن کی بے انتہا عنایت و مہربانی کی بدولت یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ سکا ۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر سید صاحب موصوف دلی خلوص کے ساتھ میری اعانت نہ فرماتے تو شاید یہ مجموعہ کبھی ناظرین کی خدمت میں پیش نہ ہو سکتا ۔

اپنے فاضل دوست ڈاکٹر وحید قریشی ایم ۔ اے ، پی ایچ ۔ ڈی کا شکریہ ادا کرنا بھی مجھ پر واجب ہے جنھوں نے میرے لیے شمس العلما مولوی سید ممتاز علی صاحب کے کچھ خطوط فراہم کیے ۔ یہ خطوط ڈاکٹر صاحب نے غلام حسین صاحب شاکر صدیقی (گوجرانوالہ) سے حاصل کیے تھے ، لہٰذا میں صدیقی صاحب کا بھی اس ضمن میں شکر گزار ہوں ۔ علاوہ ازیں قاضی سراج الدین ایڈیٹر ''چودھویں صدی'' راولپنڈی کے حالات بھی ڈاکٹر صاحب ہی کی مہربانی سے مجھے ملے ۔

رسالہ ''نقوش'' کے ''مکاتیب نمبر'' میں سرسید کے ۱۶ غیر مطبوعہ خطوط شائع ہوئے تھے ۔ میں نہایت ہی ممنون ہوں اپنے مکرم دوست محمد طفیل صاحب ایڈیٹر ''نقوش'' کا کہ انھوں نے میری درخواست پر بڑی فراخ دلی کے ساتھ ان خطوط کو اس مجموعے میں شامل کرنے کی اجازت دے دی ۔

علاوہ ازیں جن جن اخباروں ، رسالوں اور کتابوں سے میں نے جو خطوط نقل کیے ہیں اُن سب کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں ۔

۱- زیرنظر ایڈیشن میں مرتّب مرحوم نے اس ترتیب کو بدل کر مکتوب الیہم کو حروفِ تہجی کی ترتیب سے شامل کیا ہے ۔ البتہ ہر مکتوب الیہ کے خطوط میں ترتیبِ زمانی کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے ، یعنی جو خط کسی کو پہلے لکھا گیا ہے اسے پہلے رکھا گیا ہے اور جو بعد میں لکھا گیا ہے اسے بعد میں ۔

محب صادق مولوی عبداللہ صاحب قریشی بی ۔ اے ایڈیٹر ماہنامہ ''حقیقت اسلام'' کا بھی بے حد شکر گزار ہوں کہ آپ نے اس مجموعے کے بعض ایسے اصحاب کے حالات زندگی میرے لیے مہیا کیے جن کے ملنے کا میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں تھا ۔

برخوردار محمد احمد اگر خطوط کی نہایت احتیاط اور محنت کے ساتھ نقل کرنے میں میرا ہاتھ نہ بٹاتے تو کبھی بھی یہ مجموعہ مرتب نہ ہو سکتا اور یونہی ردی کی طرح پڑا رہتا ۔ میں نے اپنی عمر میں ہزارہا صفحات لکھے مگر کسی کتاب یا رسالے میں سے کچھ اقتباس نقل کرتے وقت یا اپنے ہی مسودے کو صاف کرتے ہوئے طبیعت کو بڑی اُلجھن محسوس ہوتی ہے ۔ برخوردار محمد احمد نے مجھے اس کوفت سے بچا لیا ۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر دے اور اس مجموعے کو پڑھنے والوں کے لیے نافع اور سود مند بنائے ۔ آمین ! کتاب کی پروف ریڈنگ میں بھی انھوں نے مجھے کافی مدد دی ۔

عزیزی محمد صالح صاحب تبسّم کاشمیری کا بھی میں نہایت ممنون ہوں کہ ''سرسید کے گشتی چٹھی اخبارات کے نام'' انھی کی مہربانی سے مجھے ملی ۔

مورخہ یکم جون ۱۹۵۹ء خاکسار ، محمد اسماعیل پانی پتی ،

رام گلی نمبر ۳ ، لاہور

عزیزی محمد عنایت اللہ

نہایت عمدہ مضمون اور نہایت عمدہ اور بے مثل ترجمہ

ہو چکی مجلہ و نماہ تہذیب جس چاہیے ہوگا تمہارا بہت

دل سے شکر ادا کرتا ہوں دعاگو خاکسار

علیگڑھ ۱۲ جون ۱۹۰؟

۱

بنام جان میولسن آرنلڈ

جان میولسن آرنلڈ نے اپنی کتاب "قرآن اینڈ بائیبل" مطبوعہ ۱۸۶۶ء میں سرسید کی مندرجہ ذیل چٹھی چھاپی ہے۔ یہ اُنھوں نے اپنی تفسیر بائیبل کی پہلی جلد کے متعلق مصنّف موصوف کی چٹھی کے جواب میں اُن کے پاس بھیجی تھی۔ اس چٹھی سے تفسیر مذکور کے لکھنے کا اصل منشا اور اُس کی نسبت مسلمانوں اور عیسائیوں کے خیالات، جو اُس وقت تھے، اور خود سرسید کا اپنے ارادے پر ثابت قدم رہنا اور لوگوں کی مخالفت کا کچھ خیال نہ کرنا، بخوبی واضح ہوتا ہے۔

بے شک آپ کا خیال صحیح ہے کہ کسی مسلمان نے آج تک بائیبل مقدس کی تفسیر نہیں لکھی۔ خواہ کچھ ہی وجوہ ہوں جن کی وجہ سے ہمارے آبا و اجداد نے اس کام کو نہیں اُٹھایا، مگر جو امر کہ موجودہ زمانے کے ہندوستانی مسلمانوں کو اس کام سے مانع رہا ہے، اور بہت کچھ مانع ہے، وہ یہ ہے کہ مسلمان عیسائی مذہب کی کتابوں کو ہمیشہ ایک بیکار اور لغو اور جھوٹے قصّوں کا مجموعہ سمجھتے اور یقین کرتے رہے ہیں۔ اور اُن کے اس مضر یقین کو اکثر اوقات بعض پادریوں کی نا عاقبت اندیشی اور بے سمجھی کے دلائل سے بہت قوت اور مدد ملی ہے۔ ان دلائل سے بجز اس کے کہ جانبین میں ناپسندیدہ جھگڑا اور تعصّب اور مخالفت اور دشمنی پیدا ہو اور دونوں کے دل برے ہوں، اور کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہوتا۔

جب کہ فریقین کی یہ حالت ہو تو آپ بہ آسانی خیال کر سکتے ہیں اور نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان ایسی تصنیف کرے جس کا مقصد انجیل مقدس کی تفسیر لکھنا ، اُس کی تائید کرنا اور اُس کو آسمانی کتاب ماننا ہو ، تو اس کی حالت اور منزلت اُس کے ہم مذہب لوگوں میں کیا ہوگی ؟ بلا شبہ اس سے سب لوگ متنفّر ہوں گے اور اُس کو برا کہیں گے ۔ یہی حالت میری ہوئی ۔ اس کام کے شروع میں میرے ساتھ بھی یہی برتاؤ ہوا ، مگر میں نے اُن کی بے جا تضحیک ، بے بنیاد دھمکیوں اور اسی قسم کی زیادتیوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور اُس بات کے کہنے میں ، جس کو میں حق سمجھتا تھا ، کسی چیز سے اندیشہ نہیں کیا ۔ جو انعام کہ مجھ کو عیسائیوں سے میرے کام کے آغاز میں ملا وہ بھی اس سے کم نہ تھا جو میرے ہم مذہبوں نے مجھ کو دیا ۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ میری تفسیر کا اول حصہ چھپنے کے بعد مسلمانوں کو معلوم ہوگیا کہ جو کچھ میں انجیل کی تائید میں لکھتا تھا وہ خود قرآن پاک اور دیگر مستند کتابوں کی بنا پر تھا ۔ بہت سے میری تعریف کرنے لگے اور انجیل مقدس پر اعتقاد رکھنے اور اس کا ادب کرنے میں میرے ہم خیال ہوگئے ، اور بہت سے توہّمات اور خیالات فاسد ، جو انجیل کی بابت مدتوں سے تھے ، کم ہوگئے ۔ جیسا کہ آپ کو ذیل کے فقرات سے معلوم ہوگا ، جن کو میں ایک بڑے مولوی[1] کے خط سے ، جو میرے نام تھا ، نقل کرتا ہوں :

"میں نے آپ کی تفسیر کو پڑھا اور میں برملا اقرار کرتا ہوں کہ بلاشک وہ بے مثل کتاب ہے اور مذہب اسلام کی تائید اور حمایت کرتی ہے ۔ خدا کا شکر ہے اور بے حد شکر ہے کہ اس زمانے میں آپ ایسے شخص ہیں جو راہِ راست کی رہنمائی کرتے ہیں ۔ آپ کی تصنیف ہر سہ شبہ کو پڑھی جاتی ہے اور اُس کے قابلِ تعریف فقروں کے پڑھنے سے خدا کا شکر اور آپ کے واسطے دعا دل سے نکلتی ہے ۔"

بائیبل مقدّس میں بعض مقامات ایسے ہیں جن کی وجہ سے مسلمان اُس سے بہت بداعتقاد ہوگئے ہیں ؛ مثلاً ابراہیم علیہ السلام کی طرف مصر میں جھوٹ بولنے

۱۔ غالباً یہ خط مولانا محمد فصیح مرحوم غازی پوری یا مولوی تراب علی صاحب مرحوم کا تھا ۔

کی نسبت کرتا - عیسائی مفسّروں نے ان مقامات کی پوری تفسیر نہیں لکھی - لیکن میں برخلاف ان کے کہتا ہوں کہ خود بائیبل سے ان فقروں کے یہ معنی نہیں نکلتے جو عموماً مانے جاتے ہیں - اس بنا پر مجھ کو اُمید ہے کہ میری تفسیر کا دوسرا حصہ[1] چھپنے کے بعد مسلمانوں کا تعصّب بائیبل کے ساتھ بہت کم ہو جائے گا۔

بایں ہمہ مجھ کو یقین ہے کہ میری زندگی میں عام مسلمانوں کی گالیوں اور نفرت سے مجھے نجات نہ ملے گی - عیسائی بھی میری تفسیر سے خوش نہیں ہو سکتے ، کیونکہ جس طرح میں انجیل کی تعلیم کو صحیح اور درست سمجھتا ہوں اس طرح تثلیث کے مسئلے کا قائل نہیں ہوں ، اس لیے کہ میں انجیل میں کہیں اس مسئلے کی تائید اور وجود نہیں پاتا ہوں - مجھ کو یقین ہے کہ مذہب اسلام صحیح ہے اور اُس کی صحت اور وجود دونوں انجیل سے ثابت ہیں ، اس لیے مجھے کچھ پرواہ نہیں کہ میں کسی گروہ کے لوگوں کو ، خواہ وہ مسلمان ہوں یا عیسائی ، خوش کروں۔ میں حق پر ہوں اور اُس خدا کو خوش کرنا چاہتا ہوں جس کے روبرو ایک دن سب کو جانا ہے - البتہ میری یہ خواہش رہی ہے کہ مسلمان اور عیسائیوں میں محبت پیدا ہو ،کیونکہ قرآن مجید کے موافق اگر کوئی فرقہ ہمارا دوست ہو سکتا ہے تو وہ عیسائی ہیں - میری یہ خواہش اُن چند رسالوں کے پڑھنے سے آپ پر بخوبی ظاہر ہو جائے گی جو میں نے اس باب میں لکھے ہیں اور جن کو اب آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں - میں نے آپ کے نام اپنی تفسیر کا پہلا حصہ بھی روانہ کیا ہے جس کا قبول کرنا میری عزت افزائی کا باعث ہوگا - دوسرا حصہ[2] جب تیار ہو جائے گا ، آپ کی خدمت میں ارسال ہوگا ۔

یقیناً میں بھی بائیبل کا اتنا ہی طرف دار اور مؤیّد ہوں جس قدر کہ آپ ہیں - میرا قصد ہے کہ میں ڈاکٹر کلنزو کے اعتراضات کا اپنی تفسیر کے مناسب حصوں میں ، جب اُن کا موقع آئے ، جواب دوں ۔

۱، ۲- دوسرے حصے کے چھپنے کی نوبت نہیں آئی ۔

۲

بنام آئرن سائڈ ، سی - بی -

(اخبار سائنٹی فک سوسائٹی علی گڑھ ، ٦ نومبر ١٨٦٨ع)

سر سید نے ، جب وہ بنارس میں جج عدالت خفیفہ تھے ، وہاں سب سے پہلے ہومیو پیتھک طریق علاج کی ترویج و اشاعت کے لیے ایک ہومیو پیتھک سوسائٹی قائم کی اور اس کے ماتحت ایک شفاخانہ بھی جاری کیا - یہ خط سوسائٹی کے پریزیڈنٹ مسٹر جے - ایچ - آئرن سائڈ سی - بی - کو سر سید نے اُس وقت لکھا تھا جب اُنھوں نے صدارت سے استعفا دیا تھا -

جناب والا !

بنارس کے شفاخانۂ ہومیوپیتھی کی کمیٹی کے عہدۂ پریزیڈنٹی سے استعفا دیتے وقت جو تقریر آپ نے کی تھی اس کے جواب میں کمیٹی کی خواہشات سے مندرجہ ذیل درخواست کرتا ہوں :

۱- کمیٹی نہایت خوشی سے آپ کا شکریہ ادا کرتی ہے - آپ نے نہایت لیاقت اور ہوشیاری کے ساتھ اپنے عہدے کا کام انجام دیا - اور وہ آپ کی کوششوں کے عمدہ نتائج کی دل سے شاہد ہے - کمیٹی کے ممبروں کا دل گواہی دیتا ہے کہ آپ کی امداد کے بغیر اس شفاخانے کے فائدوں کو علی العموم اُن ہزارہا مریضوں تک نہ پہنچا سکتی جو

گزشتہ سال میں اس کے ذریعے سے اچھے ہوگئے ۔

۲- اگرچہ ایسی طرز سے پہلے بھی اس شہر میں معالجہ ہوتا تھا مگر تاہم پہلے اس کو سب لوگ انوکھا اور عجیب سمجھتے تھے اور بہت لوگ یہ بات دریافت کرنا چاہتے تھے کہ ایسے سخت مرض ، اس قدر سہل اور نرم دواؤں سے کیوں کر رفع ہو جاتے ہیں ۔ چنانچہ بہت لوگ اب اس شفاخانے میں بھی دریافت کرنے کی غرض سے آتے ہیں اور بہت لوگ اس سے آگاہ بھی ہوگئے اور اب پسند کرنے لگے ہیں ۔

ہم سب لوگ یعنی کمیٹی کے کارپرداز ممبروں نے ہر روز شفاخانے کو دیکھا ہے اور ہمارے ساتھ اکثر ایسے لوگ گئے ہیں جو اس قاعدے کی حقیقت کو دریافت کرنا چاہتے ہیں اور ہنوز اس کے معتقد نہیں ہیں اور ہم نہایت خوشی سے یہ بات بیان کرتے ہیں کہ اس شفاخانے سے ہماری آنکھوں کے روبرو اچھے اچھے نتیجے حاصل ہوئے ۔

بعض امراض اس قسم کے ہم نے دیکھے جن کا معالجہ کبھی پہلے نہ ہوا تھا ، اور اکثر ہم میں سے ایسے ہیں جو ایسی بیماریوں کے رفع ہو جانے سے نہایت تعجب کرتے ہیں ۔

۳- پس ایسے ایسے نتائج اور شفاخانے کی کامیابی اور غربا کی جانب سے اس کی قدر شناسی سے ، جو ان کی کثرتِ رجوع سے صریح ظاہر ہے ، ہم لوگ اس رائے کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ اب ایسی صورتوں میں ایک ایسے شخص کی علیحدگی سے ، جو آغاز میں اس کی ترقی اور بھلائی کا ذریعہ تھا ، چنداں ضرر نہ پہنچے گا ۔

جس وقت آپ نے عہدۂ پریزیڈنٹی سے استعفا دیا تو اُس وقت کمیٹی کو بالکل اس امر کی توقع نہ تھی بلکہ وہ نہایت متردد ہوئی کہ اب کیا کیا جاوے ۔ پس اس وقت یہی اس سے بن پڑا کہ وہ آپ کی علیحدگی پر اپنا افسوس ظاہر کرے اور آپ کی کارگزاریوں کا شکریہ ادا کرے ۔

۴- ایک خاص اجلاس میں ، جو آج کے دن منعقد ہوا تھا ، کمیٹی کی یہ رائے قرار پائی کہ وہ آپ سے عہدۂ لائف پریزیڈنٹی کو قبول کرنے کی درخواست کرے اور بلا لحاظ آپ کے قیام و عدمِ قیام کے تمام

حقوق اس عہدے کے آپ کی ذات سے متعلق رکھے ۔ اس واسطے کہ اس تدبیر سے آپ اس وعدے کو بخوبی پورا کر سکیں گے جو آپ نے اس کے کاروبار کی نگرانی کی نسبت کیا ہے ۔ گو آپ کا قیام کہیں ہو اور کمیٹی ، باوجود آپ کی علیحدگی کے افسوس کے ، جب چاہے آپ سے نیک صلاح دریافت کر سکے ۔

۵۔ کمیٹی اس عرصے میں ایک مشہور رسالہ معالجۂ ہومیو پیتھی کا اُردو ترجمہ تیار کرا رہی ہے ۔ پس ہم اُمید کرتے ہیں کہ ایک ایسے جلسے کی یادگار کے واسطے ، جس سے ہمارے تمام شہر کو فائدہ پہنچا ہے ، آپ اس بات کی اجازت دیں گے کہ وہ رسالہ آپ کے نام سے مشہور کیا جاوے اور آپ کی تصویر اس عمدہ کام کی یادگار میں اس کے سرنامے کے مقابل لگائی جاوے ، تاکہ اس عمدہ کام کے ساتھ ہمیشہ آپ کا نام باقی رہے ۔ اور ہماری بڑی خواہش یہ ہے کہ اس تدبیر سے تا مقدور ان فوائد کو وسعت دی جاوے جو اس معالجے سے غربائے بنارس وغیرہ کو حاصل ہوئے ہیں ۔

٦۔ خاتمے پر ہم صرف اس عنایت کی خواستگاری ظاہر کرتے ہیں کہ آپ کمیٹی کی درخواستِ مذکورالصدر کا جواب بہت جلد مرحمت فرماویں ۔ اور ہم دل سے آپ کو دعائے خیر دیتے ہیں ۔

بنارس ، ۲۹ ستمبر ۱۸٦۸ء آپ کا خادم ، سید احمد

سیکریٹری کمیٹی شفاخانۂ ہومیو پیتھی ، بنارس

۳

بنام مولوی ابوالحسن

(ماخوذ از خطوط سرسید ، مرتبہ سر راس مسعود)

مولوی ابوالحسن صاحب صدیقی ، بدایوں (صوبہ یو - پی) کے رہنے والے ایک بہت ہی مخلص ، محنتی اور دیانت دار شخص تھے - ریاست حیدر آباد میں عرصے تک چیف جج عدالت دیوانی رہے اور آخر میں وظیفہ یاب ہوکر اپنے وطن بدایوں چلے گئے - بڑی مستعدی اور نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انھوں نے دو برس تک سرسید کے پرسنل اسسٹنٹ اور پرائیویٹ سیکرٹری کے فرائض انجام دیے - جب سرسید انڈین لیجسلیٹو کونسل کے رکن تھے ، ان کے کام سے نہایت خوش ہو کر سرسید نے انھیں ایک سرٹیفکیٹ بھی دیا تھا جس کی نقل ہم یہاں شایع کر رہے ہیں - سرسید نے انھیں مختلف اوقات میں جس قدر خطوط لکھے تھے وہ سب انھوں نے مولوی سراج‌الدین صاحب ایڈیٹر ''چودھویں صدی'' راولپنڈی کو بھیج دیے تھے ، کیونکہ وہ بھی سرسید کی سوانح عمری لکھنے کا ارادہ کر رہے تھے اور شاید کچھ لکھ بھی لی تھی - مگر وہ خطوط سب ضائع ہوگئے - صرف ایک خط مل سکا جو سرٹیفکیٹ کے بعد ہم یہاں درج کر رہے ہیں -

(۱)

سرسید کا سرٹیفکیٹ جو انھوں نے مولوی ابوالحسن صدیقی کو دیا

دو برس[۱] تک یعنی جب تک کہ میں گورنمنٹ آف انڈیا (کی) لیجس لیٹف کونسل میں ممبر رہا ، مولوی ابوالحسن میرے پاس بطور پرسنل اسسٹنٹ کے رہے ۔ اُس عہدے کے لیے مجھے ایسے شخص کی مدد درکار تھی جو انگریزی میں لایق ہو اور سب سے زیادہ یہ کہ ایماندار اور معتمد و رازدار ہو ۔ یہ سب صفتیں مولوی ابوالحسن میں موجود تھیں اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ انھوں نے مجھ کو اس مشکل کام میں ہر طرح کی مدد دی اور نہایت ایمانداری اور معتمدی اور رازداری سے کام کیا ۔ اور ان کی انگریزی کی قابلیت اور لیاقت نے مجھ کو بہت بڑی مدد دی ۔ وہ برابر کلکتہ و شملہ میں میرے ساتھ رہے ۔ پس میں احسان مندی کے ساتھ یہ سارٹیفکٹ ان کو دیتا ہوں ۔

مقام علی گڑھ ، ۱۴ جنوری ۱۸۸۱ع سید احمد

(۲)

مکرمی مولوی ابوالحسن صاحب !

آپ کو اختیار ہے کہ اگر میرے خطوط آپ کے پاس ہوں تو جس طرح آپ مناسب سمجھیں اسی طرح حسبِ خواہش منشی سراج الدین صاحب آن کو کام میں لاویں ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۱۴ جون ۱۸۹۰ع خاکسار ، سید احمد

۴

بنام حکیم احمدالدین

احمد الدین نامی ایک صاحب سرسید کی پوتی احمدی بیگم (دخترِ سید محمد حامد) کی والدہ امۃ الحی (زوجۂ سید محمد حامد) کے سگے بھائی تھے اور حکیم محمد عزیزالدین دہلوی کے بیٹے تھے اور دہلی میں سرسید کا جو آبائی مکان تھا، اُس میں رہا کرتے تھے۔ مکان کی دیکھ بھال اور مرمت وغیرہ اُن کے ذمے تھی۔ سرسید کے جو دوست اور ملنے والے کبھی‌کبھار جب دہلی میں آتے تو اُن کے قیام و طعام کا انتظام بھی یہی صاحب حسبِ ہدایتِ سرسید کیا کرتے تھے۔ دہلی والے مکان میں سرسید کے جو قریبی عزیز اور نزدیکی رشتہ دار (بیٹے اور بہن وغیرہ) رہتے تھے ان کی مختلف ضروریات بھی وہی فراہم کرتے تھے۔ گھر پر جو ماہانہ خرچ سرسید بھیجا کرتے تھے، وہ بھی ان ہی کی معرفت آیا کرتا تھا اور وہی اُسے تقسیم کیا کرتے تھے۔

ان صاحب کے نام سرسید کے ستائیس خطوط ملے ہیں۔ ان خطوط میں سے بعض خطوں میں القاب کے ساتھ ”حکیم“ کا لفظ بھی لکھا ہوا ہے۔ بعض میں صرف احمدالدین لکھا ہے۔ احمد الدین کے نام سرسید کے خطوط میں سے ۱۴ خط ایسے ہیں جو ڈاکٹر مختار الدین احمد نے حاصل کر کے ’فکر و نظر‘ میں

چھپوائے تھے اور مجھے بھیج دیے تھے ۔ اب وہ موصوف کے نہایت شکریے کے ساتھ یہاں درج کیے جا رہے ہیں ۔ 'فکر و نظر' کے علاوہ ۱۳ خط دوسرے ذرائع سے حاصل کیے گئے ہیں ۔

(۱)

(رسالہ 'فکر و نظر' علی گڑھ ، جلد ۳ ، نمبر ۲ بابت اپریل ۱۹۶۲ء ، ص ۱۱۳)

علی گڑھ ، ۶ دسمبر ۱۸۸۳ء
عزیزی !

آج منی آرڈر سو روپے کا بھیجا جاتا ہے ۔ پچھتر روپے حسب معمول ہوا صاحب کو دے دو ۔ وہ تقسیم کر دیں گی اور پچیس روپے واسطے صرف مدد کے اپنے پاس رہنے دو ۔

ہوا سے کہہ دینا کہ ان دنوں فرصت بہت کم ہے ۔ ایک آدہ دن میں ان کو خط لکھوں گا ۔ سید محمود صاحب یہاں آ گئے ہیں ۔ ان کا خود دہلی آنے کا ارادہ ہے ورنہ میں آ کر ہوا کو یہاں لے آؤں گا ۔ والسلام

خاکسار ، سید احمد

سب لوگوں سے تحقیقات کر کے لکھ بھیجو کہ ہمارے نانا صاحب کا کس تاریخ کو اور کس سنہ میں انتقال ہوا تھا ۔ اور یہ بھی دریافت کر کے لکھو کہ ہمارے والد کا کن تاریخ و سال و سنہ میں انتقال ہوا تھا ۔ اس کی ضرورت ہے[۱]۔

(۲)

(رسالہ 'فکر و نظر' علیگڑھ ، جلد ۳ ، نمبر ۳ ، بابت اپریل ۱۹۶۲ء ، ص ۱۱۳)

علی گڑھ ، ۲۷ جنوری ۱۸۸۵ء
عزیزی !

تم کام چھتوں کے بنوانے کا شروع کرو ، میں روپیہ بھیج دوں گا ۔ میں بھی

۱۔ سرسید اپنے نانا دبیرالدولہ امین الملک خواجہ فرید الدین احمد خاں بہادر مصلح جنگ وزیر اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی کی سوانح عمری لکھنا چاہتے تھے ۔ اُسی کے لیے ان اطلاعات کی ضرورت تھی ۔ بعد میں یہ کتاب ''سیرت فریدیہ'' کے نام سے سرسید نے ۱۸۹۶ء میں شایع کی ۔

دو تین دن میں ایک دن کے لیے دہلی آنا چاہتا ہوں ۔

ہوا صاحب سے کہہ دینا کہ میں نے دو تھان زربفت کے اور دو تھان مشروع کے اور ایک سرخ دوشالہ احمدی بیگم کے لیے لے لیا ہے ، بہت اچھا ہے ۔ اگر احمدی (بیگم) کے کام میں یہ چیزیں آویں تو لیتا آؤں ورنہ نہ لاؤں ۔ جواب جلد بھیجو ۔ والسلام

خاکسار ، سید احمد

(۳)

('فکر و نظر' علی گڑھ ، جلد ۱ نمبر ۱ ، جنوری ۱۹۶۰ع ، ص ۱۱۷)

۱۸ ستمبر ۱۸۸۵ع

عزیزی حکیم احمد الدین !

مخدومی مولوی شبلی صاحب ، جن کو غالباً تم بھی جانتے ہو ، اور میری کوٹھی چھوٹے بنگلے میں رہتے ہیں ، دو چار روز کے لیے دہلی میں جاتے ہیں ، بذریعہ اس رقعے کے وہاں آویں گے ۔ ان کو مکان میں اتارو اور سب طرح پر خاطر کرو ۔ ان کے لیے کھانا ان کی مرضی کے موافق کھلاؤ ۔ کسی طرح ان کو تکلیف نہ ہو ۔ والسلام

خاکسار ، سید احمد

(۴)

(یہ خط مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ کے شعبۂ مخطوطات میں محفوظ ہے)

عزیزی احمد الدین

تمھارا خط پہنچا ، حال معلوم ہوا ۔ سید حامد کے لیے جو کپڑے بھیجنے ہیں ، وہ کسی کے ہاتھ روانہ ہوں گے ۔ سید حامد[1] کے نوکر ، جن کی تنخواہ چڑھ رہی ہے ، کہاں ہیں اور کیونکر ان کی تنخواہ بھیج کر موقوف کیے جاویں گے ؟ بالتصریح مع ان کے ناموں اور ہر ایک کی تنخواہ واجب الادا کی تعداد لکھ بھیجو ۔ اور یہ بھی لکھو کہ کس طرح ان کی تنخواہ بھیجی جاوے گی ۔

دریاں جو بھیجی گئی ہیں ، ان کو استعال میں رہنے دو ۔ ان دلوں میں

۱- سید حامد ، سرسید کے فرزند کلاں ۔

روپے کی نسبت نہایت دقّت ہے - کوئی جدید فرش نہیں بنوایا جا سکتا - میں جب دہلی آتا ہوں تو کم سے کم پچاس ساٹھ روپے خرچ ہو جاتے ہیں - درحقیقت ان دنوں میں اس قدر روپیہ خرچ کرنے کے لیے گنجائش نہیں ہے - (اِس) مناسب موقع پر وہاں آؤں گا -

میں نے خواجہ شرف الدین[1] خاں کو واسطے فروخت دکاکین[2] پیوستہ مسجد لکھا تھا - اس کی بابت جو ہوا ہو لکھو - والسلام

علی گڑھ ، ۳۱ دسمبر ۱۸۸۵ع — خاکسار ، سید احمد

(۵)

(فکر و نظر علی گڑھ ، جلد ۱ نمبر ۱ ، بابت جنوری ۱۹۶۰ع ، ص ۱۱۸)

علی گڑھ ، ۱۴ جنوری ۱۸۸۶ع

عزیزی احمد الدین

جب مصطفیٰ خاں صاحب[3] پہنچیں ان کی بخوبی خاطر کرو - ان کو اور ان کے ساتھ جو آدمی ہوں ، ان کو اچھی طرح کھانا کھلانے کا بندوبست کرو اور جو خرچ ہو مجھ سے منگا لو - والسلام

خاکسار ، سید احمد

۱- سرسید کے ماموں کے لڑکے تھے اور ان کا مکان سرسید کے مکان کے پاس کوچہ چیلان دہلی میں تھا -

۲- دکاکین = دوکان کی جمع -

۳- 'فکر و نظر' میں یہ خط نقل کرتے ہوئے ڈاکٹر مختار الدین صاحب نے حاشیے میں لکھا ہے کہ ''مصطفیٰ خاں سے مراد یہاں نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ ہیں -'' جب خطوط کا یہ مجموعہ ڈاکٹر صاحب محترم نے میرے پاس بھیجا تو میں نے اُنھیں توجہ دلائی کہ یہاں شیفتہ مراد نہیں ہیں بلکہ کوئی اور صاحب مصطفیٰ خاں نام کے ہیں - ڈاکٹر صاحب موصوف نے از راہِ عنایت میری بات کو قبول فرمایا اور 'فکر و نظر' کے آئندہ شمارے میں اس کی تردید فرما دی - (ملاحظہ فرمائیں رسالہ 'فکر و نظر' بابت اپریل ۱۹۶۰ع ، حاشیہ ص ۱۰۵) - میں نے اس کے دلائل ''مصطفیٰ خاں'' کے خط بنام سرسید میں دے دیے ہیں -

(۶)

(فکر و نظر علی گڑھ ، جلد ۱ ، نمبر ۱ ، بابت جنوری ۱۹۶۰ع ، ص ۱۱۸)

علی گڑھ ، ۱۰ جنوری ۱۸۸۶ع

عزیزی احمد الدین !

تمہارے دو خط پہنچے (ہیں) - پہلے خط میں فہرست ملفوف تھی - حاجی محمد مصطفٰی خاں اگر دہلی جاویں گے تو دو ایک دن رہیں گے - ان کی خاطر و تواضع کرنی چاہیے - کچھ تکلّف نہ ہو ، معمولی عمدہ کھانا دینا چاہیے - پانچ سات روپے سے زیادہ کا خرچ نہیں ہے - بہرحال جو خرچ پڑے مجھ سے منگا لینا . . . نہایت تعجب ہے کہ تم نے لکھا کہ "مصطفٰی خاں کے ٹھہرنے میں پچاس ساٹھ خرچ ہوں گے -" اگر وہ دو تین روز ٹھہریں گے اور دو تین روپے روز خرچ ہوں گے ، تب بھی تو دس روپے سے زیادہ خرچ نہیں ہو سکتے - والسلام

علی گڑھ ، ۲۰ جنوری ۱۸۸۶ع — خاکسار ، سید احمد

(۷)

(یہ خط مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ کے شعبۂ مخطوطات میں محفوظ ہے)

عزیزی احمد الدین !

سید حامد کی علالتِ طبع سے نہایت تردد ہے - اُمید ہے کہ اب طبیعت اچھی ہوگی اور تمہارے خط سے ، جو کل تک آجاوے گا ، مفصّل حال معلوم ہوگا - تم روز خط ان کے مزاج کے حال کا لکھتے رہو -

چک تعدادی ۲۸۰ روپے کی[1] مرسل ہے - روپیہ وصول کر کے دو سو روپیہ سید حامد کو دے دو اور اسّی روپیہ ہمشیرہ عجیبتہ النساء بیگم (کے) پاس پہنچا دو - تمہارے خط کا ہر وقت انتظار رہے (گا) - والسلام

نینی تال ، ۱۰ اکتوبر ۱۸۸۷ع — خاکسار ، سید احمد

۱- 'چیک' کو سرسید نے مؤنّث لکھا ہے مگر دراصل یہ لفظ مذکّر ہے ، اور صحیح عبارت یہ ہونی چاہیے کہ "۱۸۰ روپے کا چک ارسال ہے"-

(۸)

(یہ خط مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ کے شعبۂ مخطوطات میں محفوظ ہے)

عزیزی حکیم احمد الدین !

تمہارا خط پہنچا ۔ اس وقت جو تردد ہوا ہے اور دقّت اور مشکل پیش آئی ہے وہ بیان سے باہر ہے ۔ بہرحال وجیہ الدین[1] نے جو خط بھیجا ہے اس سے حال معلوم ہوگا ۔ بالفعل جو روپیہ میں نے متعلق مرمت مکان بھیجنا چاہا تھا وہ نہیں بھیج سکتا ۔ یہ خط صرف اس مطلب کے لیے لکھتا ہوں کہ سید حامد کو جو غلطی پڑی ہوئی ہے وہ رفع ہو جاوے ۔ انھوں نے چاہا کہ بسبب ان امور کے ، جو پیش آئے ہیں ، حیدر آباد چلے جاویں ۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہاں ان کے دوست ہیں ۔ یہ خیال ان کا کہ وہاں ان کے دوست ہیں ، محض غلط ہے ۔ ان سے پوچھو کہ وہ کس کو اپنا دوست سمجھتے ہیں ۔ ایک شخص بھی ان کے وہاں آنے پر راضی نہیں ہے ۔ جب انھوں نے استعفا دے دیا تو حیدر آباد کے لوگوں کو اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ سید حامد کو حیدر آباد بھیجنے کے لیے میں لکھوں ۔ سب نے میرے پاس خط بھیجے تھے کہ ان کو حیدر آباد بھیجنے کا ہرگز ارادہ نہ کیجیے گا ۔ وہ اپنی صاف دلی سے لوگوں کو دوست سمجھتے ہیں مگر ان کی غلطی ہے ۔ باوجودیکہ وہ لوگوں کو دوست سمجھ کر دھوکا کھا چکے ہیں ، پھر وہی خیالات دوستی کے ان کے دل میں ہیں ۔ ان کو سمجھاؤ کہ وہ ان خیالات کو دور کریں ۔

حیدر آباد میں ہر ایک شخص اس بات کو ہی ناگوار سمجھے گا کہ وہ چند روز بطور مہمان کے وہاں ٹھہریں ۔ دوستی کجا ، کسی قسم کی توقع بہبودی (کی) ان لوگوں سے رکھنی محض نادانی ہے ۔ جو مصیبت خدا کی مرضی سے پڑی ہے ، اس کو برداشت کرنا چاہیے ۔ جہاں تک ہم سے ہو سکتا ہے ، اس کی تدبیر کرتے ہیں ۔ ان کو دروازہ بند کر کے اپنے گھر میں بیٹھا رہنا چاہیے ، جب تک کہ خدا ان مشکلات کو دور نہ کرے ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۲۱ دسمبر ۱۸۸۷ء — خاکسار ، سید احمد

۱- وجیہ الدین ، خواجہ شرف الدین کے بیٹے اور سرسید کے ماموں زاد بھائی کے فرزند تھے ۔

(۹)

(فکر و نظر علی گڑھ ، جلد ۱ ، نمبر ۱ ، بابت جنوری ۱۹۶۰ع ، ص ۱۱۹)

نینی تال ، ۲۸ ستمبر ۱۸۸۸ع

عزیزی احمد الدین !

تمہارا خط پہنچا ، سب کی خیر و عافیت سے طانیت ہوئی ۔ ہم سب بھی یہاں خدا کے فضل سے بخیریت ہیں ۔ ہمارا ارادہ ہے کہ ۲۵ اکتوبر کو یہاں سے روانہ ہوں گے اور ۲۹ کو علی گڑھ پہنچیں گے ۔ علی گڑھ پہنچنے کے ایک دو روز بعد میں دہلی آؤں گا ۔ شاہ زادۂ والا گہر صاحب سے ملنے میں مجھے بہت خوشی ہوگی ، خواہ وہ علی گڑھ میں تشریف لا ویں یا دہلی میں ، جب میں آؤں ، ملاقات ہو ۔

دہلی میں بمقام مسجد فتح پوری جو عام مسلمانوں کا جلسہ برخلاف کانگریس ہوا ، اس سے نہایت خوشی ہوئی ۔ پہلے جلسے (. . .) میں جو مسلمان ناواقفی سے شریک ہوئے اس کا افسوس ہے ۔ اُمید ہے کہ شاہزادہ مرزا سلیمان شاہ تمام حالات مجلس کے تحریر فرما کر میرے پاس بھیج دیں گے ۔ سید حامد کو اور ہمشیرہ عجبتہ النساء بیگم[1] اور سب کو سلام کہہ دینا اور یہاں کی خیر و عافیت سے سب کو اطلاع دے دینا ۔ والسلام

خاکسار ، سید احمد

(۱۰)

(فکر و نظر علی گڑھ ، جلد ۱ ، نمبر ۱ ، بابت جنوری ۱۹۶۰ ، ص ۱۲۰)

علی گڑھ ، ۷ نومبر ۱۸۸۹ع

عزیزی احمد الدین !

ہمارے ہاں سے سید حامد پرانے لیمپ سبز رنگ کے لے گئے تھے ۔ وہ

۱۔ اصل خط میں سے یہ نام صاف نہیں پڑھا گیا ۔ اندازاً لکھ دیا گیا ہے ۔ حضرت مولانا حالی نے "حیاتِ جاوید" میں سرسید کی صرف ایک بہن کا ذکر فرمایا ہے اور اس کا نام صفیۃ النساء تحریر فرمایا ہے ۔ یہاں جو نام لکھا گیا ہے ممکن ہے وہ حقیقی بہن نہ ہوں بلکہ رشتے کی ہمشیرہ ہوں ، کیونکہ مولانا حالی کا بیان ہے کہ ان کی بہن نے ۹۰ برس کی عمر میں دسمبر ۱۸۹۲ع میں دہلی میں وفات پائی ۔

لیمپ معمولی تیل ارنڈی یا سرسوں کے جلنے کے ہیں ۔ اُن لیمپوں میں دو عدد شیشے ہوتے ہیں ، ایک چمنی اور دوسری چھوٹی ہانڈی ۔

میں مدرسۃ العلوم کے لیے سو لیمپ اسی طرح کے جس میں معمولی تیل جلے ، بنوانا چاہتا ہوں ۔ ٹین کا لیمپ تو بعینہ اسی قطع کا اور صرف چمنی اس میں ہو ، ہانڈی کی ضرورت نہیں ۔ پس تم وہاں کے کاریگروں سے پوچھو کہ بناویں گے اور فی لیمپ کیا دام لیں گے ؟ بغیر ہانڈی کے ، صرف چمنی ہوگی ۔ والسلام

خاکسار ، سید احمد

(۱۱)

(فکر و نظر علی گڑھ ، جلد ۱ نمبر ۱ ، بابت جنوری ۱۹۶۰ع ، ص ۱۲۰)

علی گڑھ ، ۲۰ نومبر ۱۸۸۹ع
عزیزی احمد الدین !

بورڈنگ ہاؤس کے لیے ایک باورچی درکار ہے ۔ تنخواہ چھ روپیہ ماہوار اور کھانا ہے ۔ کام سالن پکانا اور کبھی پلاؤ پکا دینا ہے ، مگر سالن یا پلاؤ بیس سیر سے کم نہیں پکتا ۔ سالن دونو(ں)[1] وقت اسی قدر پکانا ہوگا ۔ اس بیان سے مطلب یہ ہے کہ چھوٹی ہانڈی پکانی نہیں ہے بلکہ بڑی ہانڈی پکانے والا درکار ہے مگر اچھا پکانے والا ہو ۔ اس کو تلاش کر کے جلد تر بھیج دو ۔ والسلام

خاکسار ، سید احمد

(۱۲)

(فکر و نظر علی گڑھ ، جلد ۱ نمبر ۱ ، بابت جنوری ۱۹۶۰ع ، ص ۱۲۱)

الہ آباد ، ۱۲ دسمبر ۱۸۹۲ع
عزیزی حکیم احمد الدین !

تمہارا خط مورخہ ۹ دسمبر پہنچا ۔ میں نے خان بہادر منشی محمد الٰہی بخش[2] (کے) پاس دو ایک روز ٹھہرنے کا اس لیے ارادہ کیا ہے کہ بہت سے امور متعلق

۱۔ لفظ "دونوں" کو سرسید بغیر نون غنہ کے لکھا کرتے تھے یعنی "دونو" ۔
۲۔ خان بہادر منشی محمد الٰہی بخش ڈپٹی کلکٹر تھے ، سرسید کے دلی دوست اور بڑے گہرے معاون تھے ۔

کانفرنس ان سے کہنے اور سننے ہیں - اور نیز جس قدر ممبروں کے نام ان کے پاس آئے ہیں اور جس قدر میرے پاس آئے ہیں ان سب کا مقابلہ کرکے فہرست بنانی ہے - اور جو روپیہ میرے پاس اور اُن کے پاس آیا ہے اس کا مقابلہ کرنا ہے - اور چند کام ایسے ہوں گے کہ ایک جگہ ہونے سے درست ہو جاویں گے - اگر میں اپنے مکان میں ٹھہروں تو ان کاموں کے انجام ہونے میں نہایت حرج پڑے گا - دو ایک روز وہاں ٹھہرنے کے بعد مجھ کو اسی جگہ جاکر ٹھہرنا ہوگا جہاں اجلاس ہوگا - اور وہاں تمام کاغذات ، جو اجلاس میں پیش ہوں گے ، ان کو مرتّب کرنا ہوگا - اگر مولوی زین العابدین[۱] میرےؔ پاس ساتھ آئے تو ان کو اختیار ہے کہ چاہے وہاں ٹھہریں جہاں میں ٹھہروں ، چاہے گھر پر سید حامد[۲] کے پاس ٹھہریں - علاوہ مولوی زین العابدین کے تین شخص میرے ساتھ آویں گے جن کی ضرورت کانفرنس کے کاموں کے انجام دینے میں ہوگی - اول بابو منشی شیام بہاری لال[۳] ، دوم لالہ نند کہار[۴] ، سوم "ٹلو" یعنی منشی نجم الدین[۵] کیونکہ یہ تینوں آدمی ہیں جو تمام تحریرات کانفرنس کا کام کریں گے - نجم الدین ضرور تمہارے پاس ٹھہرے گا اور وہاں آرام سے رہے گا -

بابو شیام بہاری لال اور نند کہار کی نسبت میں ابھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کیا بندوبست کریں گے - یہ بھی شبہ ہے کہ مولوی مشتاق حسین[۶] صاحب میرے ساتھ دہلی میں آویں اور غالباً وہ میرے مکان میں ٹھہرنا پسند کریں گے - پس تم مکان کو سب طرح پر درست رکھو - کیا عجب ہے کہ دو روز منشی الٰہی بخش کے پاس ٹھہر کر اور تمام کاموں کو درست کر کے میں

۱- خان بہادر مولوی سید زین العابدین سب جج ، سرسید کے سب سے زیادہ بے تکلف دوست تھے -

۲- سید حامد : سرسید کے فرزند اکبر -

۳- یہ وہی ذات شریف ہیں جن پر غلط اعتماد کی وجہ سے سرسید کو ایک لاکھ روپے سے زیادہ کا نقصان برداشت کرنا پڑا -

۴- شیام بہاری لال ، کالج کا ہیڈ کلرک تھا اور نند کہار اُس کا نائب تھا -

۵- منشی نجم الدین : سرسید کے کاتب -

۶- نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین ، سرسید کے خاص رفیق -

بھی دو ایک دن آن کر اپنے گھر پر رہوں ۔ سید حامد کو بھی یہ خط دکھا دینا ۔ سید محمود[1] کی طبیعت ابھی تک صاف نہیں ۔ پہلے کی بہ نسبت آرام ہے ۔ ان کا ضرور ارادہ تھا کہ کانفرنس میں شریک ہوں مگر بعض امور ایسے ہیں کہ وہ اخیر دسمبر تک الہ آباد سے روانہ نہیں ہو سکتے ۔ شاید ۳۰ دسمبر تک وہ علی گڑھ پہنچ جاویں اور ٹرسٹیوں کے اجلاس میں شریک ہوں ورنہ ۲ یا ۳ جنوری کو علی گڑھ پہنچیں گے ۔ والسلام

خاکسار ، سید احمد

(۱۳)

(یہ خط مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ کے شعبۂ مخطوطات میں محفوظ ہے)

عزیزی احمد الدین!

میں نے تم کو خط لکھا ہے اور بروز یکشنبہ بلایا ہے ۔ تمھارے آنے پر بہت سے امور ملتوی پڑے ہیں ۔ تم آؤ تو سب کا فیصلہ ہو جاوے ۔ دن بہت تھوڑے رہ گئے ہیں ۔ مستعدی سے سب کا فیصلہ چاہیے ۔ باورچی وغیرہ سب دہلی سے آویں گے ، اس کا بندوبست چاہیے ۔ اور بہت سے امور قابل مصلحت ہیں ۔ یقین ہے کہ تم بروز یکشنبہ ضرور آؤ گے[2] ۔

سید حامد سے کہو کہ جو کاغذات[3] ان کے پاس بھیجے گئے ہیں ، ووٹ اپنا لکھ کر جلد بھیج دیویں ۔ فقط والسلام

علی گڑھ ، ۵ دسمبر ۱۸۹۳ع — خاکسار ، سید احمد

۱۔ آنریبل سید محمود جج ہائی کورٹ : سرسید کے فرزند اصغر ۔

۲۔ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ جلسہ ۱۸۹۳ع میں علی گڑھ میں ہوا تھا ۔ اُسی کے لیے سرسید نے یہ خط لکھا تھا ۔

۳۔ ''کاغذات'' سے مراد یہاں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے متعلقہ کاغذات سے ہے ۔

(۱۴)

(فکر و نظر علی گڑھ، جلد ۱ ، نمبر ۱ ، بابت جنوری ۱۹۶۰ع ، ص ۱۲۲)

علی گڑھ ، ۱۵ جنوری ۱۸۹۴ع

عزیزی احمد الدین !

رام لال سنگ تراش تمہارے پاس پہنچتا ہے ۔ اس کو ساتھ لے جا کر جامع مسجد دکھا دو ۔ اس کو جامع مسجد (کے) اگلے در اور اس کے پائے دیکھنے ہیں کہ کس صورت کے بنے ہوئے ہیں ۔ اُسی صورت کے پائے اور محرابیں ہم کو مدرسے کی مسجد میں بنانے ہیں ۔ شاید کوئی شخص اس کو مسجد میں جانے نہ دیتا ، اس لیے تم کو رقعہ لکھا ہے کہ تم اپنے ساتھ لے جا کر دکھلا دو ۔ اگر بھربھرا پتھر ملے تو اس کے ہاتھ بھیج دو ۔ والسلام

خاکسار ، سید احمد

(۱۵)

(فکر و نظر علی گڑھ، جلد ۱ ، نمبر ۱ ، بابت جنوری ۱۹۶۰ع ، ص ۱۲۳)

علی گڑھ ، ۲۸ جنوری ۱۸۹۴ع

عزیزی احمد الدین !

میں بہ تاکید تم کو لکھتا ہوں کہ پھولوں کی جو رسم ہے وہ سید حامد مرحوم کی نسبت ہرگز مت کرنا ۔ اور گھر میں کہہ دو کہ جو عورت آوے وہ تھوڑی دیر ٹھہر کر چلی جاوے ، کوئی رسم پھولوں کی نہ ہو[۱] ۔ والسلام

خاکسار ، سید احمد

۱- سرسید کے فرزند اکبر سید حامد کا ان کی زندگی ہی میں ۲۷ جنوری ۱۸۹۴ع کو انتقال ہوگیا تھا ۔ سرسید کو ان سے اگرچہ بے انتہا محبت تھی اور اُن کی موت سے اُن کو سخت صدمہ پہنچا ، مگر کسی کی موت پر جو بے جا اور فضول رسمیں کی جاتی ہیں ، سرسید ان کے سخت مخالف تھے اور ایسے درد و کرب کے وقت میں بھی وہ اس بات کو گوارا نہیں کرتے تھے کہ جن رسموں کو وہ دوسروں کے لیے مضر سمجھتے ہیں وہ اپنے بیٹے کے لیے کریں ۔ اسی لیے اُنھوں نے سختی کے ساتھ احمد الدین کو ان رسموں کی پابندی کرنے سے منع کردیا ۔

(یہ خط مسلم یونیورسٹی لائبریری کے شعبۂ مخطوطات میں محفوظ ہے)

عزیزی احمد الدین !

سید حامد کے انتقال سے جو الم (ہوا) ہے ، اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا ۔ ان کے قرض کی کوئی انتہا نہیں ہے ۔ میں نہیں سمجھتا کہ کیونکر ادا ہو سکتا ہے ۔ تم نے جو تعداد قرضہ لکھی ہے ، تفصیل وار اس کی فہرست لکھو کہ کس کس کا ہے ۔ اور نیز ٹھیک اندازہ لکھو کہ ان کی بیوی[1] کے اخراجات کے لیے ماہواری کیا دینا چاہیے ۔ مگر نہایت کفایت اور ضرورت سے کام ہونے چاہییں ، جواب (جلد) بھیجو ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۸ مارچ ۱۸۹۳ع　　　　خاکسار ، سید احمد

(۱۷)

(یہ خط مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ کے شعبۂ مخطوطات میں محفوظ ہے)

عزیزی احمد الدین !

تمہارا خط پہنچا ۔ تم اس قدر روپیہ پیشگی آئینہ والوں کو مت دو ، ان کا اعتبار کیا ہے ۔ جب تک وہ آئینے بنا کر نہ دیں ، دام مت دو ۔ علاوہ اس کے آئینے تو سوداگروں کے ہوتے ہیں ، ان کو پیشگی دینے کی کیا ضرورت ہے ۔ بہرحال بالفعل ایک نوٹ تعدادی سو روپے کا ملفوف کرتا ہوں ۔ ۱۵۰ روپے تمہارے پاس پہنچ گئے ۔ جس قدر آئینوں کی فہرست تم کو دی گئی ہے ، اس کے حساب سے لکھو کہ اور کس قدر روپیہ باقی رہا ۔ وہ بھی مرسل ہوگا ۔ فقط والسلام

علی گڑھ ، ۱۱ ستمبر ۱۸۹۳ع　　　　خاکسار ، سید احمد

۱۔ سید حامد کی بیوی کا نام امۃ الحی تھا اور وہ حکیم محمد عزیز الدین خاں دہلوی کی لڑکی تھیں ۔

(۱۸)

(یہ خط مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ کے شعبۂ مخطوطات میں محفوظ ہے)

عزیزی احمد الدین !

کیا یہ بات سچ ہے کہ میاں ابراہیم نے جو حویلی اور دیوان خانہ ہم سے خرید کیا تھا ، اس کو وہ فروخت کرنا چاہتے ہیں ؟ اگر یہ بات سچ ہو تو میں اس کو احمدی بیگم[۱] کے لیے خرید کرنا چاہتا ہوں ۔ مگر یہ بات کسی کو معلوم نہ ہو اس لیے کہ وہ میری خریداری سن کر قیمت بڑھا دیں گے ۔ اگر وہ فروخت کرنا چاہتے ہوں تو تم بطور خود ان سے گفتگو کرو کہ گویا تم خود خریدنا چاہتے ہو اور جو حال ہو اس سے مجھ کو مطلع کرو ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۱۳ ستمبر ۱۸۹۳ء — خاکسار ، سید احمد

(۱۹)

(یہ خط مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ کے شعبۂ مخطوطات میں محفوظ ہے)

عزیزی احمد الدین !

تمہارا خط مورخہ ۱۳ ستمبر در باب آئینوں کے میرے پاس پہنچا ۔ تم نے اپنے خط میں دو غلطیاں کی ہیں ۔

اول یہ کہ انچ کی جگہ تم نے فٹ لکھ دیے ہیں ، یعنی دس انچ کی جگہ دس فٹ اور بارہ انچ کی جگہ ۱۲ فٹ ۔

دوسری غلطی یہ ہے کہ اٹھارہ کوڑی آئینوں کی ، جس کا عرض دس انچ اور طول بارہ انچ ہے اور فی کوڑی ۹ روپے ۸ آنے قیمت ہے ، اس کی کل قیمت تم نے ۱۸۱ روپے رکھی ہے ، حالانکہ ۱۷۱ روپے ان کی قیمت ہوتی ہے ۔ پس صحیح حساب حسب ذیل ہے : اٹھارہ کوڑی آئینے عرض دس انچ ، طول بارہ انچ ، فی کوڑی ۹ روپے ۸ آنے ، مجموعی قیمت ۱۷۱ روپے ۔ دو کوڑی آئینے عرض آٹھ انچ ، طول دس انچ ، فی کوڑی ۹ روپے ، مجموعی قیمت ۱۸ روپے ۔ علاوہ اس کے دس روپے تخمیناً واسطے اخراجات روانگی آئینوں کے چاہتے ہو ۔ پس مجموع سب کا ہوتا ہے بقدر ۱۹۹ روپے کے ۔

۱۔ سرسید کے بڑے لڑکے سید حامد مرحوم کی صاحب زادی ۔

۱۵۰ روپے تمہارے پاس بھیج چکا - ۴۸ روپے اور بھیجنے چاہییں - چنانچہ لوٹ تعدادی ۵۰ روپے کا ملفوف کرتا ہوں -

علاوہ ان کے اور آئینوں کی پیائش، جو تمہارے پاس بھیجنی قرار پائی تھی، اس کا حال یہ ہے کہ وہ آئینے گلیمروں کے لیے درکار ہیں، مگر ان کے خانے اس قدر مختلف ہیں کہ ان کی پیائش نہیں لکھی جا سکتی - معلوم ہوا کہ پیچر کے آئینے حسب معمول دو فٹ لمبے اور اٹھارہ انچ چوڑے بھی آتے ہیں - ان آئینوں کی قیمت دریافت کر کے لکھو - جس قدر کوڑی درکار ہوں گے، اس قدر کوڑی منگوا لیے جاویں گے اور یہاں بقدر ہر ایک خانے کے ہم خود کاٹ لیں گے - والسلام

علی گڑھ، ۱۴ ستمبر ۱۸۹۴ع — خاکسار، سید احمد

(۲۰)

(فکر و نظر علی گڑھ، جلد ۱ نمبر ۴، بابت اکتوبر ۱۹۶۰ع ص ۱۳۸)

حکیم احمد الدین کے نام سرسید کے سارے خطوط غیر مطبوعہ فراہم ہوئے ہیں - صرف یہ خط مطبوعہ ہے - اس کی تقریب اس طرح ہوئی کہ جب ۱۸۹۴ع میں علی گڑھ کالج کے سٹریچی ہال کا سرسید نے افتتاح کرنا چاہا تو بہت سے لوگوں کو اُس جلسے میں شامل ہونے کے لیے دعوت نامے بھیجے - چونکہ خطوط کی اتنی بڑی تعداد کو ہاتھ سے لکھنا ناممکن تھا لہٰذا سرسید نے یہ دعوت نامہ مطبع مفید عام آگرہ میں چھپوا لیا اور اُن تمام اصحاب کے نام بذریعہ ڈاک یا دستی بھجوا دیا جن کو جلسہ افتتاح میں شریک کرنا منظور تھا - القاب میں ''مخدوم و مکرم بندہ'' کے الفاظ چھاپ کر باقی جگہ چھوڑ دی گئی تھی اور اس خالی جگہ میں آن صاحب کا نام لکھ دیا گیا تھا جن کو دعوت نامہ بھیجنا مقصود تھا - قلم سے تحریر کردہ نام منشی نجم الدین کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا جو سرسید کے منشی تھے - چونکہ سرسید کو حکیم احمد الدین صاحب کو بھی جلسہ افتتاح میں بلوانا منظور تھا لہٰذا آن کے نام بھی یہ مطبوعہ

خط بھیجا گیا اور "مخدوم و مکرم بندہ" کے آگے حکیم احمد الدین صاحب ہاتھ سے لکھ دیا گیا ۔ مگر اس سلسلے میں تعجب اس بات کا ہے کہ اگرچہ یہ مطبوعہ خط سینکڑوں آدمیوں کے نام بھیجا گیا ہوگا لیکن اورکہیں سے یہ خط نہیں ملا ۔ صرف حکیم احمد الدین صاحب کے ذخیرے میں سے دستیاب ہوا ہے ۔

مخدوم و مکرم بندہ حکیم احمد الدین صاحب !

جوکہ[1] سنٹرل ہال یعنی اسٹریچی ہال مدرسۃ العلوم علی گڑھ کا طیار ہوگیا ہے اور اس کا جلسہٴ افتتاح بارھویں نومبر ۱۸۹۳ء روز دو شنبہ کو قرار پایا ہے، اور حضور جناب لفٹنٹ گورنر بہادر مذکورہ بالا تاریخ کو ساڑھے چار بجے (شام) اس کا افتتاح فرمائیں گے ، اس لیے آپ سے درخواست ہے کہ آپ از راہ عنایت تشریف لاکر جلسہٴ افتتاح میں شریک ہونے سے بندہ کو ممنونِ منت فرماویں اور امید ہے کہ آپ چار بجے تک یعنی کہ قبل وقت تشریف آوری جناب لفٹنٹ گورنر بہادر کے مدرسۃالعلوم میں بمقام اجلاس تشریف لے آویں گے ۔ زیادہ نیاز

۱۳ اکتوبر ۱۸۹۳ء خاکسار ، سید احمد

سیکرٹری ٹرسٹیان مدرسۃ العلوم علی گڑھ

(۲۱)

(یہ خط مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ کے شعبہٴ مخطوطات میں محفوظ ہے)

عزیزی احمد الدین !

۱۲ نومبر کو جو جلسہ ہوگا اس میں مدرسے کے بڑے دروازے سے اسٹریچی ہال تک بانات بچھانی منظور ہے ۔ پہلے ہم بوریا بچھاویں گے اور اس کے اوپر بانات کا تھان بچھاویں گے ۔ بڑے دروازے سے اسٹریچی ہال تک ڈیڑھ سوگز فاصلہ ہے ۔ پس ڈیڑھ سوگز یا پونے دو سوگز بانات سرخ درکار ہوگی ۔ ایک

۱- سرسید ہمیشہ "چونکہ" کی بجائے "جوکہ" لکھتے ہیں ۔ اُس وقت کا طریقہ یہی تھا ۔

دفعہ دلی سے کرایہ پر بانات آ گئی تھی - بانات والا خود بانات لے کر آ گیا تھا اور بچھانے کے بعد جب جلسہ ہو چکا تو خود اُٹھا کر لے گیا تھا -

ٹھیک یاد نہیں کہ کرایہ کیا دیا گیا تھا - پس تم دریافت کرو کہ اب بھی بانات کرایہ پر مل سکتی ہے یا نہیں - اگر ملنا ممکن ہو تو اس کا بندوبست کرو - والسلام

علی گڑھ ، ۱۶ اکتوبر ۱۸۹۴ء خاکسار ، سید احمد

(۲۲)

(فکر و نظر علی گڑھ ، جلد ۱ نمبر ۱ ، بابت جنوری ۱۹۶۰ء ، ص ۱۲۳)

علی گڑھ ، ۱۶ نومبر ۱۸۹۴ء

عزیزی احمد الدین !

تمہارا خط پہنچا - ہمشیرہ کی علالت طبع جو حد سے زیادہ ہو گئی ہے ، اس کا مجھ کو نہایت رنج ہے - میں ہرچند دل کو دہلی آنے پر مضبوط کرتا ہوں مگر وہاں کے مکانات اور سید حامد مرحوم کا رنج اس قدر دل پر اثر کرتا ہے کہ قدم نہیں اُٹھتا - اب تک سید حامد مرحوم کا غم میرے دل سے کم نہیں ہوا - یہاں اور کاموں کے خیال میں دن گزر جاتا ہے مگر دہلی کے خیال سے غم تازہ ہو جاتا ہے - دو دن سے میری طبیعت بھی کسی قدر علیل ہے - بہرحال میں ارادہ دہلی آنے کا اور ہمشیرہ صاحبہ کو دیکھنے کا مصمّم رکھتا ہوں - کہاں تک دہلی جانے سے پرہیز کروں گا - بہرحال اگر قسمت میں ملنا ہے تو میں آ کر ملوں گا - تم ان کے حال کا برابر خط لکھتے رہو - اگر ممکن ہو تو یہ خط ہمشیرہ[۱] صاحبہ کو سنا دینا - والسلام

خاکسار ، سید احمد

۱- سرسید کے اس بیان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اُن کی حقیقی بہن نہیں - اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر وہ سرسید کی کون سی بہن تھیں جن کے انتقال کے متعلق مولانا حالی نے لکھا ہے کہ ۱۸۹۲ء میں ہوا - اس لیے لامحالہ ماننا پڑے گا کہ شاید سنہ کے لکھنے میں مولانا سے غلطی ہو گئی -

(۲۳)

(فکر و نظر علی گڑھ ، جلد ۱ نمبر ۱ ، بابت جنوری ۱۹۶۰ء ، ص ۱۲۳)

علی گڑھ ، ۱۱ جنوری ۱۸۹۵ء

عزیزی احمد الدین !

میں نے مولوی اسماعیل صاحب کو شاہجہان پور لکھ بھیجا تھا کہ آپنی تنورکی قیمت تمھارے پاس بھیج دیں ۔ انھوں نے بھیج دی ہوگی یا عنقریب بھیج دیں گے ۔

امر ضروری یہ ہے کہ چوبیسویں جنوری کو نواب لفٹنٹ گورنر کالج میں تشریف لاویں گے اور ان کو ایڈریس دی جاوے گی ۔ اسٹریچی ہال سے بڑے دروازے تک لال بانات کا فرش بچھانا ضرور ہے ۔ اس کا طول ۱۵۰ گز ہے اور صرف ایک پاٹ بانات کا بچھایا جاتا ہے ۔ غرض کہ ۱۵۰ گز بانات درکار ہے ۔ ایک دفعہ دلی سے بانات کرایہ پر منگائی گئی تھی ۔ اُس بزاز کا ایک آدمی لے کر آیا تھا اور پھر بچھا کر واپس لے گیا تھا ۔ مجھ کو یاد نہیں کہ فی گزکیا کرایہ دیا گیا تھا ۔ تم فی الفور بزازوں سے دریافت کرکے اطلاع دو کہ کوئی شخص اس طرح بانات کرائے پر دینے پر راضی ہے یا نہیں ۔ اگر ہو تو اس سے شرح کرایہ دریافت کرکے بہ واپسی ڈاک جلد اطلاع دو ۔ اگرکوئی راضی ہوگا تو تئیسویں جنوری کو شام تک اسے علی گڑھ مع بانات کے پہنچنا چاہیے ۔ چوبیسویں کو ۲ بجے بانات بچھائی جائے گی اور جب نواب لفٹنٹ گورنر بہادر چلے جائیں گے اُسی وقت اٹھا دی جائے (گی) ۔ یہ بھی واضح ہوکہ بانات زمین پر نہیں بچھائی جاتی بلکہ زمین پر بوریا بچھا کر اس پر بچھائی جاتی ہے اورکسی طرح خراب نہیں ہوتی ۔

خاکسار ، سید احمد

(۲۴)

(یہ خط مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ میں محفوظ ہے)

عزیزی احمد الدین صاحب !

تمھارا خط مورخہ ۹ دسمبر پہنچا ۔ ۳ روپے ۳ ؍ آنے قیمت ٹکٹ ہالی ، جو تم نے خرید کرکے منشی قادر علی خاں صوفی کے پاس بھیج دیے ہیں ، حساب میں لکھ

دیے گئے ہیں اور وہ روپیہ الٰہی خاں کے پاس امانت ہے۔ جس وقت تم آؤ گے ، الٰہی خاں سے لے لینا ۔ ہمارا ارادہ ہے کہ ہم ۲۵ دسمبر کو ایسے وقت یہاں سے روانہ ہوں گے کہ ۲۶ کے دن کو شاہجہان پور پہنچ جاویں ۔ پس تم ۲۴ یا ۲۵ کو یہاں آ جاؤ اور ہمارے ساتھ چلو ۔ ۳۰ کو شاہجہان پور سے ایسے وقت چلیں گے کہ ۳۱ کو علی گڑھ پہنچ جاویں ۔ اور یکم جنوری ۱۸۹۶ء کو سالانہ اجلاس ٹرسٹیوں کا ہوگا ۔ تم کو اختیار ہوگا کہ اسی دن یا دوسرے دن دلی چلے جاؤ ۔
والسلام

۱۱ دسمبر ۱۸۹۵ء سید احمد

(۲۵)

(یہ خط مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ کے شعبۂ مخطوطات میں محفوظ ہے)

عزیزی احمد الدین !

مطابق کاغذات ملفوفہ کے امید ہے کہ تم بھی برادر ؔبڈ میں داخل ہو گے ، لیکن بمجرّد ملنے تنخواہ کے ایک روپیہ یا پندرہ آنے بلا ناغہ بذریعہ منی آرڈر کے بھیجتے رہو ۔ اگر اس پر پابندی نہ کرو گے تو ادا کرنا مشکل ہو جاوے گا ۔

ضلع حصار میں اگر اور کوئی مسلمان بھی ایسے ہوں جن کے نام یہ کاغذات بھیجے جاویں تو ان کی فہرست لکھ بھیجو کہ ان کے نام بھی بھیجے جاویں گے ۔
والسلام

علی گڑھ ، ۱۱ اکتوبر ۱۸۹۶ء خاکسار ، سید احمد

(۲۶)

(یہ خط مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ کے شعبۂ مخطوطات میں محفوظ ہے)

عزیزی حکیم احمد الدین صاحب !

تمہارا خط مورخہ ۵ دسمبر اور منی آرڈر تعدادی سات روپے کا پہنچا ۔ جو تفصیل تم نے لکھی تھی اس کے مطابق چندے میں سیاہہ ہوگیا ۔ اگر تم کو رخصت مل گئی اور تمہارا آنا کانفرنس میں بمقام میرٹھ ہوا تو نہایت خوشی ہوگی ۔

ہم انشاء اللہ تعالیٰ یہاں سے ۲۶ دسمبر کی صبح کو روانہ میرٹھ ہوں گے اور ساڑھے دس بجے میرٹھ پہنچ جاویں گے ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۷ دسمبر ۱۸۹۶ء خاکسار ، سید احمد

(۲۷)

(یہ خط مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ کے شعبہ مخطوطات میں محفوظ ہے)

عزیزی حکیم احمد الدین صاحب !

تمہارے ذمے بابت قیمت اخبار "علی گڑھ انسٹیٹیوٹ" سات روپے بابت ۱۸۶۹ء اور ۱۵ روپے بابت سال حال جملہ ۲۲ روپے واجب الطلب ہیں ۔

جوکہ سوسیٹی میں روپے کی بہت ضرورت ہے اس لیے فی‌الفور مبلغ ۲۲ روپے بھیج دو ۔ یکم اکتوبر تک روپے کا انتظار کیا جائے گا ۔ اس سے زیادہ انتظار نہیں ہو سکنے کا ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۱۷ دسمبر ۱۸۹۷ء خاکسار ، سید احمد

۵

بنام مولوی احمد بابا مخدومی

عبداللہ بابا ایک کشمیری بزرگ تھے جن کے بہت سے مرید تھے ۔ کشمیر سے نقل مکانی کر کے امرتسر میں آ کر آباد ہو گئے تھے ۔ عبداللہ بابا کے چار فرزند تھے ، لیکن اُنھوں نے اپنا آبائی پیشہ پیری مریدی ترک کر کے دوسرے مشاغل میں اپنی معاش تلاش کی ۔ اُن کے بڑے لڑکے کا نام عبدالغفور تھا ۔ عبدالغفور کے فرزند غیاث الدین تھے ۔ انھی غیاث الدین کے صاحب زادے مولوی احمد بابا مخدومی ہیں جو ۱۵ جون ۱۸۶۵ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے مگر جوان ہوکر لاہور چلے آئے اور ایسے آئے کہ پھر یہیں کے ہو رہے ۔ لاہور آ کر آپ ریلوے کے محکمے میں ملازم ہوگئے ۔ مگر مضمون نگاری ، تصنیف و تالیف ، مطالعے کے شوق اور ادب کے ذوق نے مولانا کو ایسا گھیرا کہ آخر آپ کو اس شوق پر ملازمت کو قربان کرنا پڑا ۔ قومی خدمت کا آپ کو نہایت شوق تھا ۔ چنانچہ سرکاری ملازمت چھوڑنے کے بعد انجمن حمایت اسلام کے متعدد عہدوں پر آپ نے نہایت خلوص اور مستعدی کے ساتھ کام کیا ۔ آپ انجمن کے ابتدائی معاونوں بلکہ بانیوں میں سے تھے ۔ علمی ذوق کے سلسلے میں آپ کی خط و کتابت اُس وقت کے مشہور ادیبوں اور

انشا پردازوں سے برابر رہتی تھی ۔ مثلاً شمس العلما مولانا خواجہ الطاف حسین حالی ، شمس العلما مولانا شبلی نعمانی ، مولانا محمد عبدالحلیم شرر ایڈیٹر 'دل گداز' ، شمس العلما مولانا نذیر احمد دہلوی ، شمس العلما مولوی سید میر حسن سیالکوٹی اور مولانا امام الدین گجراتی وغیرہ ۔ ''التنقیح فی ولادت مسیح'' نامی کتاب آپ نے اور مولانا امام الدین گجراتی نے مل کر لکھی تھی ۔ آپ نے ۶۳ سال کی عمر میں ۸ جون ۱۹۲۷ع کو وفات پائی ۔

(۱)

مخدومی و مکرمی !

آپ کا عنایت نامہ پہنچا ۔ جو لوازش اور عنایت آپ نے اپنے عنایت نامے میں فرمائی ہے اور جو قدردانی اور قدر افزائی 'تہذیب الاخلاق' کی کی ہے ، اُس کا میں دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ 'تہذیب الاخلاق' کے بند ہونے کا مجھ کو بھی نہایت افسوس ہے مگر افسوس ہے کہ میری ہمت ٹوٹ گئی ہے ، اور بمقتضائے عمر اور بعض عوارض سے میں اپنے میں 'تہذیب الاخلاق' جاری رکھنے کی اب قوت نہیں پاتا ، اور ان وجوہ سے کسی طرح بعد رمضان وہ جاری نہیں رہ سکتا ۔ مجھ کو افسوس ہے کہ میری اس تحریر سے آپ کی خاطر عاطر کو کچھ ملال ہوگا ، مگر جو امر میری قدرت سے خارج ہوگیا ہے اُس کا عرض کرنے سے بھی مجبور ہوں ۔ آپ کی عنایت اور مہربانی کا میں دوبارہ شکریہ ادا کرتا ہوں اور اُمید ہے کہ آپ کی عنایت ہمیشہ میرے حال پر مبذول رہے گی[1] ۔

خاکسار ، سید احمد

(۲)

مخدومی و مکرمی !

رمضان[2] کا پرچہ تہذیب الاخلاق تو ضرور خریداروں کے پاس بھیجا جاوے

۱- سرسید نے مولوی احمد بابا مخدومی کو یہ خط ۱۸۹۶ع کے آخر میں لکھا تھا مگر خط پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے ۔

۲- یعنی رمضان ۱۳۱۴ ہجری مطابق فروری ۱۸۹۷ عیسوی ۔

گا مگر میں نے اُسے نہیں لکھا بلکہ ایک دوست نے لکھا ہے - مجھ کو یہ بھی نہیں معلوم کہ اُس میں کیا لکھا ہے - میرا دل اُس کے لکھنے میں نہیں لگا اور اسی واسطے میں نے خود نہیں لکھا -

۱۳ فروری ۱۸۹۷ع خاکسار ، سید احمد

(۳)

سرسید کو مولوی احمد بابا مخدومی نے خط لکھا کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی باپ تھا تو قرآن مجید میں کیوں ان کے متعلق "برا بوالدتی" آیا ہے ؟ اور کیوں ان کو ابن مریم کہا گیا ہے ؟ سرسید نے مندرجہ ذیل خط میں اس استفسار کا جواب دیا ہے - واضح ہو کہ سرسید اس بات کو نہیں مانتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے -

جناب مخدومی !

حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام لوگوں میں "ابن مریم" کر کے مشہور تھے - اس شہرت کے اعتبار سے قرآن مجید میں بھی اُن کو ابن مریم سے تعبیر کیا گیا ہے - بہت سے لوگ اسی طرح اپنی ماں کے نام سے مشہور ہوتے ہیں - پس قرآن مجید میں جس طرح ابن مریم کہا گیا ہے "برا بوالدتی" بھی کہا ہے - اس لفظ سے یہ سمجھنا کہ اُن کا کوئی باپ نہیں تھا ، کسی طرح صحیح نہیں ہے - کیا سادات کو جو "بنی فاطمہ" کر کے مشہور ہیں ، آپ بن باپ کا پیدا ہوا خیال کرتے ہیں ؟ والسلام

۳۱ جنوری ۱۸۹۸ع خاکسار ، سید احمد

٦

بنام منشی احمد خاں صوفی

یہ صاحب سرسید کے ساتھ نہایت درجہ عقیدت اور محبت رکھتے تھے اور سرسید کے اشاعتی کاموں میں انھوں نے بڑے اخلاص اور مستعدی کے ساتھ ان کی مدد اور معاونت کی ہے۔ انھوں نے ۱۸۶۶ء میں بمقام آگرہ ایک چھاپہ خانہ جاری کیا تھا جس کا نام "مطبع مفید عام" تھا۔ اس مطبع کی خصوصیت یہ تھی کہ اس کی چھپائی بہت صاف، روشن اور خوبصورت ہوتی تھی۔ مالکِ مطبع نہایت با اخلاق، ہمدرد اور وعدے کے سچے تھے۔ اسی لیے مطبع کے کام کو ترقی ہوئی اور وہ جلد تر شمالی ہند کے بہترین چھاپہ خانوں میں شمار ہونے لگا۔ ہندوستان کے مشہور مصنفین کی کتابیں اسی مطبع میں چھپا کرتی تھیں۔ سرسید بھی اپنا اور کالج کا کام صوفی صاحب ہی کو چھپنے کے لیے بھیجا کرتے تھے اور اُن کے حسنِ سلوک سے نہایت خوش تھے۔ علی گڑھ کالج کے اشاعتی کام کی ترقی کو دیکھ کر بعض مطابع نے سرسید کو لکھا کہ ہم نسبتاً کم اُجرت پر آپ کا کام چھاپ دیا کریں گے، مگر سرسید نے اس بات کو وضع داری، اخلاق اور انسانیت کے خلاف سمجھا اور اُن لوگوں کو صاف جواب دے دیا۔ ۱۸۹۱ء میں صوفی صاحب کا انتقال ہو گیا،

تب بھی سرسید نے اپنی وضع داری قائم رکھی اور اُن کے
لڑکے محمد قادر علی خاں کو برابر کام چھاپنے کے لیے بھیجتے رہے ۔

(۱)

(منقول از خطوط سرسید ، مرتّبہ راس مسعود)

مخدومی و مکرمی صوفی صاحب !

میں عنقریب یہاں سے روانہ ہونے والا ہوں اور ۱۹ ۔ اکتوبر کو بوقت صبح انشاء اللہ تعالیٰ علی گڑھ پہنچ جاؤں گا ۔ آپ نے جو نہایت عمدگی سے عربی و فارسی رسالہ "العقیدة الحسنة" چھاپ کر عنایت فرمایا اس کا شکریہ قبول ہو ۔ اُمید کہ اس کی لاگت کا بل اس طور پر میرے پاس روانہ فرماویں کہ ۱۹ ۔ اکتوبر کو علی گڑھ پہنچے ۔ متعدد کتابیں کلاں و خورد و رپورٹ سال تمام مدرسہ میں آپ کے چھاپہ خانے میں چھپوانا چاہتا ہوں ۔ اُمید کہ آپ کے کارخانے کو اُن کے چھاپنے کی بخوبی فرصت ہوگی ۔ والسلام

نینی تال ، ۱۵ اکتوبر ۱۸۸۷ع　　　　خاکسار ، سید احمد

(۲)

(منقول از خطوط سرسید ، مرتّبہ راس مسعود)

مخدومی و مکرمی احمد خاں صاحب صوفی !

آپ کا عنایت نامہ معہ بلٹی کتب پہنچا ۔ در باب نرخ چھاپہ ، جو آپ نے جواب لکھا ہے ، اُس کی نسبت میں صرف اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے آپ پر بخوبی طمانیت ہے اور جہاں تک ممکن ہے آپ مناسب قیمت لیں گے ۔ اور جو کہ مدرسة العلوم کے متعلق کام ہے ، جہاں تک آپ سے ہو سکے گا ، آپ رعایت کریں گے ۔ میں آپ کو ایک رکن مدرسة العلوم کا ، اس وجہ سے کہ آپ بھی مسلمان ہیں اور اُس کے خیرخواہ ہیں ، سمجھتا ہوں ۔ پس آپ کا بل جو آوے گا اور جو قیمت اُس میں ہوگی وہ ادا کی جاوے گی اور وہ معاملہ آپ ہی کے سپرد ہے ۔

فارسی ترجمہ "جامع صغیر" مرسل ہے ۔ اس کی بھی پانسو کاپیاں چھاپی جاویں گی ۔ "قانونِ شہادت" جس قدر اور چھپ گیا ہو اُس کے اوراق بھی مرسل ہوں ۔ جس قدر اوراق پہلے بھیجے تھے ، اُس کے بعد جس قدر اوراق چھپے ہوں

وہ عنایت فرماویں اور یہ بھی تحریر ہو کہ کب تک وہ طیار ہو جاوے گا ۔

ایک اور امر ہے کہ کالج کے پروفیسر مولوی محمد شبلی صاحب[1] نے مامون الرشید کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے جو نہایت عمدہ ہے ۔ وہ مدرسۃ العلوم کی نذر کریں گے اور کمیٹی اُس کو بغرض سوداگری چھاپے گی ۔ اُس کتاب کو بھی میں آپ کے چھاپہ خانے میں چھپوانا چاہتا ہوں ۔ مگر مشکل یہ ہے کہ مولوی صاحب یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے چھاپہ خانے سے ایک کاتب جس نے "عقیدۃ الحسنہ" فارسی رسالہ لکھا ہے ، یہاں بلا لیا جاوے اور مولوی صاحب کے سامنے کاپیاں تحریر ہوں اور بعد صحت و مقابلہ آپ کے پاس بھیج دی جاویں ۔ جو کہ مولوی صاحب کو اس باب میں اصرار ہے ، پس آپ کسی طرح اُن کی اس درخواست کو پورا کریں ۔ اس قدر میں تائید کر سکتا ہوں کہ کاتب کی آمد و رفت کا کرایہ اٹریسٹیٹ میں ادا کروں گا اور جب تک وہ یہاں رہے ، اگر مسلمان ہے تو اس کو کھانے کی تکلیف نہیں ہونے کی ۔ اُس کا بندوبست کر دیا جاوے گا ۔ اور اگر ہندو ہو تو اُس کی خوراک کی بابت جو آپ تحریر فرماویں گے وہ دیا جاوے گا اور نیز اُس کے رہنے کے لیے مکان کا بندوبست کر دیا جاوے گا ۔ اُس رسالے کا مسودہ مولوی صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا قریب ۱۲ جزو کے ہے ، اور وہ رسالہ اُس قلم و تقطیع پر چھاپا جاوے گا جیسے کہ ابھی ترجمہ[2] فارسی "تدوانی" چھپ کر آیا ہے ۔ اور میری دانست میں تخمیناً ۱۵ یا ۱۶ جزو اس رسالے کے ہوں گے ۔ اُمید کہ اس کے جواب سے جلد تر مطلع فرماویں گے ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۷ اپریل ۱۸۸۸ع — خاکسار ، سید احمد

(۳)

(منقول از خطوطِ سرسید ، مرتبہ راس مسعود)

مخدومی و مکرمی منشی احمد خاں صاحب صوفی !

آپ کے عنایت نامجات اور پوسٹ کارڈوں کا ، جو در بابِ خریداری "شرح قانونِ شہادت" آئے اور آپ نے میرے پاس بھیج دیے ، دل سے شکر ادا کرتا ہوں ۔ بہ سببِ کثرتِ مشاغل آپ کو خط نہیں لکھ سکا ۔ کچھ کتابیں میرے ...

۱۔ اُس وقت تک مولانا شبلی کو شمس العلماء کا خطاب نہ ملا تھا ۔

تھیں۔ میں نے اُن لوگوں کے پاس ، جن کے پوسٹ کارڈ آپ نے بھیجے ، بھیج دیں۔ اب میں بیسویں اکتوبر کو یہاں سے روانہ ہوں گا۔ میں نے سید محمود کو یہ صلاح دی ہے کہ جو کتاب محمدن لاء اور شفع پر اُنھوں نے لکھی ہے اُس کا اُردو ترجمہ آپ کے مطبع میں چھپوائیں۔ اُنھوں نے ''شرح قانون شہادت'' کے چھاپے کو پسند کیا ہے اور اُن کو یقین ہو گیا ہے کہ سوائے آپ کے مطبع کے کوئی دوسرا مطبع ایسا نہیں جو دغا سے زیادہ کتابیں نہ چھاپ لیتا ہو۔ ہر ایک کارڈ جو آپ بھیجتے تھے میں اُن کو دکھلاتا تھا کہ اس سے زیادہ کوئی ایمان دار مطبع نہیں ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ وہ اُن کتابوں کا خود ترجمہ کرنا چاہتے ہیں۔ دوسرے کے ترجمے پر اُن کو اعتبار نہیں۔ لیکن وہ نہایت قلیل الفرصت ہیں۔ معلوم نہیں کس قدر مدت دراز میں ترجمہ پورا کر سکیں گے۔

میں ہر وقت آپ کے مطبع کی ترقی کا خیال رکھتا اور تمام اپنے دوستوں کو فہمائش کرتا ہوں کہ آپ کے مطبع سے بہتر کوئی مطبع نہیں ہے۔ ہر سال کی ایجوکیشنل رپورٹ چھاپہ ہونے کو آپ کے مطبع میں بھیجوں گا۔ آپ یقین کر لیں کہ جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا آپ کے مطبع کی امداد و ترقی میں کوشش کروں گا۔ والسلام

نینی تال ، ۴ اکتوبر ۱۸۸۸ع — خاکسار ، سید احمد

(۴)

(منقول از خطوط سرسید ، مرتّبہ راس مسعود)

مخدومی !

اپنی خاطر جمع کیجیے۔ غرض کہ تمام کام ، جو متعلق ایجوکیشنل کانفرنس کے ہے ، بہت احتیاط سے انجام دیا جاوے۔ پچھلے سال کی رپورٹ جو لکھنؤ میں چھپی تھی ، ایسی خراب چھپی تھی جس سے میری نہایت بدنامی ہوئی[۱]۔ اُمید کہ آپ کی عنایت سے پچھلے سال جو میرے منہ پر کلنک کا ٹیکہ لگا ہے وہ اب کی

۱- یہ رپورٹ منشی احمد علی شوق مالک اخبار آزاد کے اہتمام سے اُردو پریس لکھنؤ میں چھپی تھی۔

دفعہ ڈھل جاوے گا اور تمام رپورٹ جلد تر چھپ کر طیار ہو جاوے گی ۔ فقط والسلام

علی گڑھ، ۱۹ جنوری ۱۸۸۹ع خاکسار، سید احمد

(۵)

(منقول از خطوط سرسید، مرتبہ راس مسعود)

مخدومی و مکرمی منشی احمد خان صاحب صوفی!

لکچر و رسالہ مرسلہ پہنچا ۔ نہایت عمدہ چھپا ہے ۔ دل سے آپ کا شکر گزار ہوں ۔ آپ ایسا عمدہ چھاپتے ہیں کہ دل چاہتا ہے کہ روز کتابیں تصنیف کر کے آپ کی خدمت میں بھیجتا رہوں ۔

ٹائیٹل پیج کا نمونہ اسی کاغذ پر ٹھیک ہے ۔ رپورٹ کانفرنس کا ایک اور حصہ کل کی ڈاک میں واسطے چھاپہ ہونے کے خدمت میں روانہ کروں گا ۔ بنک کی چک (بنک) بھی ختم ہو گئی ہے ۔ وہ طلب ہوئی ہے ۔ بروقت آنے کے فی‌الفور چک روانہ کروں گا ۔ والسلام

علی گڑھ، ۱۹ فروری ۱۸۸۹ع خاکسار، سید احمد

لکچر و رسالہ مضمون جو چھپا ہے، فی‌الفور اس کی لاگت سے بلا انتظار طیار ہونے بل کے اطلاع فرمائیے تاکہ قیمت مناسب مقرر کر کے اشتہار (بابت) فروخت دیا جاوے ۔ والسلام

علی گڑھ، ۱۹ فروری ۱۸۸۹ع خاکسار، سید احمد

(۶)

(منقول از خطوط سرسید، مرتبہ راس مسعود)

مخدومی!

یہ خبر محض غلط ہے کہ میں آپ کے مطبع سے ناخوش ہوں ۔ اگرچہ بعض احباب نے تجویز کی تھی کہ سوسائٹی میں لیتھو پریس قائم کیا جاوے، میں نے

قطعاً انکار کیا اور کہہ دیا کہ صوفی صاحب کا پریس ہمارا پریس ہے - عربی کا ایک کاتب میں نے دہلی سے واسطے نقل کرنے بعض کتابوں کے بلوایا ہے جو بعض کتابوں کی نقل کرتا ہے - چھاپہ خانے کے خیال سے اُس کو کچھ تعلق نہیں - والسلام

سید احمد

علی گڑھ ، ۲۷ اپریل ۱۸۸۹ع

(۷)

(منقول از خطوط سرسید ، مرتّبہ راس مسعود)

سرسید اپنا سارا لیتھو کا کام "مفید عام پریس آگرہ" میں چھپوایا کرتے تھے - ایک مرتبہ لاہور کے ایک پریس کے منیجر نے اُن کو لکھا کہ ہم آپ سے چھپائی کا نسبتاً کچھ کم نرخ لے لیا کریں گے ، آپ ہمارے مطبع میں اپنا کام چھپوایا کریں - اور یہ بھی لکھا کہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی سالانہ رپورٹ ہمیں چھاپنے کے لیے بھیج دیں - سرسید نے یہ بات اپنی وضعداری کے خلاف سمجھی کہ جس مطبع میں اُن کا کام چھپ رہا ہے ، صرف نرخ کی تھوڑی سی کمی پر کام دوسرے پریس کو دے دیا جائے - سرسید نے لاہور والا خط اور اُس کا جو جواب سرسید نے دیا تھا ، مندرجہ ذیل خط کے ساتھ ، منشی احمد خاں صوفی مالکِ مفید عام پریس آگرہ کو بھیج دیا -

مخدومی منشی احمد خاں صاحب صوفی

اس خط کو (جو لاہور سے آیا ہے) پڑھیے - (اس کا) جو جواب میں نے (لاہور) بھیجا ہے اُس کی نقل ذیل میں ثبت ہے[1] -

خاکسار ، سید احمد

علی گڑھ ، ۱۰ جنوری ۱۸۹۱ع

۱- سرسید کا یہ خط علیحدہ درج کیا گیا ہے -

۷

بنام منشی احمد علی شوق

ایڈیٹر اخبار 'آزاد' لکھنؤ

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ، بابت ۹ اگست ۱۸۸۷ع)

منشی احمد علی شوق موضع جگور (ضلع لکھنؤ) کے باشندے تھے ـ سرسید کے معتقد ، اردو کے مشہور ادیب اور شاعر تھے ـ مجموعۂ کلام "فیضانِ شوق" کے نام سے شائع ہو چکا ہے ـ ایک دل چسپ مثنوی "ترانۂ شوق" بھی اُن کی یادگار ہے ـ ۲۷ جولائی ۱۹۲۵ع کو انتقال کیا ـ

مخدومِ من ! اڈیٹر اخبار آزاد

میں نے نہایت خوشی سے آپ کے اخبار مؤرخہ ۲۲ جولائی کو ، جس میں راجہ جنگ بہادر خان بہادر سی ـ آئی ـ ای راجہ نان پارہ کے وظیفے کا ذکر ہے ، پڑھا ـ میں آپ کو اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ محمڈن اینگلو اورینٹل کالج علی گڑھ کے مہتمم نہایت خوشی بلکہ احسان مندی سے اس امر کو منظور کریں گے کہ جس ضلع کے لوگ اسکالرشپ کے لیے روپیہ جمع کرکے دیں ، اُسی ضلع کے طالب علم کو ، بشرطیکہ وہ اس کا مستحق ہو، اسکالر شپ دیا جاوے ـ اور اگر اس ضلع کے لوگ اس طالب علم کو منتخب کرکے بھیج دیں تو اور زیادہ

شکرگزاری کا باعث ہوگا - استحقاق اس اسکالرشپ اور اس کے طریقہء عطا پر حسب تفصیل ذیل لحاظ ہونا چاہیے :

۱- وہ طالب علم کالج کی کلاسوں میں سے کسی کلاس میں داخل ہونے کے لائق ہو -

۲- اس کا انٹرنس کے فرسٹ ڈویژن یا ایف - اے کے فرسٹ ڈویژن میں پاس ہونا اوروں پر اُس کے تقدّم کی وجہ متصور ہوگی -

۳- درحقیقت وہ بلا مالی استعانت کے اپنی تعلیم کالج کلاسوں میں جاری رکھنے کے قابل نہیں ہے -

۴- نیک چلن ، اشراف ، محنتی ، ذہین ہے جس سے آئندہ قوم کی بہبودی متوقع ہے -

۵- مقدار اسکالرشپ یا وظیفے کی متعدد صورتیں ہیں :

اول : بلا کسی دوسرے خیال کے اس مقدار کا اسکالرشپ دینا جو کالج میں اس کلاس کے طالب علموں کے لیے مقدار اسکالرشپ معیّن ہے -

دوم : پہلے اس کے مربیّیوں سے دریافت کرنا کہ منجملہ اخراجات تعلیم کے تم کس قدر دے سکتے ہو - جس قدر وہ دے سکیں بہتر اور بقیہ اخراجات کے پورا کرنے کو اسے وظیفہ اس مقدار کا دینا جس سے وہ اخراجات پورے ہو جاویں -

سوم : اور اگر اس طالب علم کے مربیّ کچھ بھی مدد کرنے کے لائق نہ ہوں تو کمیٹی ان فیسوں کو معاف کرتی ہیں ، جیسا کہ کرکٹ کی فیس یا معالجے کی فیس ہے جس میں دوسرے طالب علموں کا کوئی ادّعائے مشترکہ نہیں ہے ، مستعد ہے - ان کو منہا کر کے اس قدر وظیفہ اس کو دینا جو اس کے اخراجات تعلیم کو کافی ہو -

کالج میں جو وظیفے یا اسکالرشپس ہیں وہ بھی اسی قاعدے سے دیے جاتے ہیں - پس جس ضلع کے بزرگ انھی قواعد کے مطابق جس طالب علم کو منتخب کر دیں گے بخوشی اسی کو اسکالرشپ یا وظیفہ دیا جاوے گا -

لیکن اگر اس ضلع کے لوگ منتخب نہ کر سکیں گے تو اس وقت کمیٹی کسی مسلمان طالب علم کو، جو کسی ضلع کا رہنے والا ہو، منتخب کرے گی۔

امید ہے کہ آپ اپنے اخبار میں ان سطروں کو مہربانی سے جگہ دیں گے۔

والسلام

علی گڑھ، ۲۴ جولائی ۱۸۸۷ع — راقم، خاکسار سید احمد

۸

بنام احمدی بیگم

احمدی بیگم ، سرسید کی پوتی اور سید حامد کی بیٹی تھیں اور دہلی میں رہا کرتی تھیں ۔ ان کے نام کا صرف ایک خط دستیاب ہوا ہے جو مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود ہے اور سرسید کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے ۔

عزیز از جان احمدی بیگم !

تمھارا خط پہنچا ۔ تم نے تو دو خط بلانے کے لیے بھیجے تھے مگر ہماری بوا صاحب نے کوئی خط نہیں بھیجا ، نہ بلانے کا پیغام بھیجا ، اس لیے میں بھی نہیں آیا ۔ اب اس خط میں تم نے ان کی طرف سے بھی بلاوے کا پیغام بھیجا ہے ، اب میں آؤں گا ۔ مگر اس پر ان کے دستخط نہیں ہیں ۔ تم نے ان کی طرف سے لکھ دیا ہے یا خود انھوں نے لکھا ہے ؟

میں دو پلنگ اور دو شطرنجیاں کل روانہ کروں گا ۔ پلنگوں کو نواڑ سے بنوا رکھنا اور اگر گرمی ہو تو باہر کے مکان میں جو سونے کا کمرہ ہے ، اس میں ایک پنکھا بنوا کر لگا رکھنا ۔ جب سب چیز تیار ہو جاوے تو مجھے خبر کرو ، میں چلا آؤں گا ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۲۵ مارچ ۱۸۸۳ء — خاکسار ، سید احمد

۹

بنام سیّد اشرف علی

سید اشرف علی ایم ۔ اے سادات صادق پور سے تعلق رکھتے تھے اور اُن کا سارا خاندان وہابی تحریک کی سرپرستی اور انگریز کی دشمنی میں مشہور تھا ۔

مخدوم و شفیقِ من مولوی سید اشرف علی صاحب ایم ۔ اے !

بر وقت مراجعت پٹنہ سے آپ ضرور مجھ سے ملتے جائیے گا ۔ ایک امر آپ سے کہنا ہے اور بغیر زبانی کہے طے نہیں ہو سکنے کا ۔ مولوی امجد علی صاحب کو شادی کی مبارکباد دیتا ہوں ۔ معلوم نہیں کہ آپ کو دوں یا نہیں ۔ یہاں سب دوست منتظر ہیں کہ مولوی امجد علی صاحب تشریف لا کر بہت بڑی دعوت شادی کی تقریب میں کریں گے ۔ مولوی محمد حسن صاحب کی خدمت میں سلام مسنون ۔ مولوی امجد علی صاحب کی خدمت میں ، بشرطیکہ اُن کا ارادہ علی گڑھ میں آ کر دعوت کرنے کا ہو ، سلام ۔ والسلام

علی گڑھ ، ٦ جولائی ١٨٩٥ء خاکسار ، سید احمد

۱۰

بنام خان بہادر سید اکبر حسین صاحب اکبر الہ آبادی

خان بہادر سید اکبر حسین صاحب اکبر الہ آبادی ، حضرت امام علی رضا کی اولاد میں ہونے کے باعث رضوی کہلاتے ہیں ۔ اردو کی ظریفانہ شاعری میں ان کا جواب نہیں ۔ نام اکبر حسین، اکبر تخلص ، لسان العصر لقب اور وطن الہ آباد تھا ۔ ۱۶ نومبر ۱۸۴۶ع کو پیدا ہوئے ۔ والد کا نام سید تفضّل حسین تھا ۔ شاعری کا شوق بچپن سے تھا ۔ منشی غلام حسین وحید الہ آبادی تلمیذِ خواجہ آتش ، شاعری میں ان کے استاد ہیں ۔ ماں باپ امیر نہ تھے اس لیے مجبوراً معمولی تعلیم کے بعد محکمۂ تعمیرات میں ملازم ہو گئے مگر ترقی کی خواہش دل میں موجزن تھی اس لیے نوکری چھوڑ کر وکالت کا امتحان دیا اور ۱۸۸۰ع میں منصف ہو گئے ۔ پھر ترقی پا کر جج عدالت خفیفہ بن گئے ۔ ۱۹۰۳ع میں ریٹائر ہو کر خانہ نشینی اختیار کی اور اطمینان کے ساتھ تصنیف و تالیف اور شعر و سخن میں مصروف ہو گئے ۔ بیوی کی موت اور بیٹے کی وفات کے باعث آخری عمر بہت حزن و غم میں گزری ۔ بالآخر ۸ یوم مرضِ

پیچش میں مبتلا رہنے کے بعد ۹ ستمبر ۱۹۲۱ء کو انتقال کیا۔ اُن کے کلام کا مجموعہ چار جلدوں میں چھپ گیا ہے جو مزاحیہ شاعری کا بہترین نمونہ ہے۔ سید اکبر حسین ابتدا میں سرسید کے معترضین میں سے تھے اور اُن کے خلاف "اودھ پنچ" میں نظمیں لکھا کرتے تھے مگر پھر مخالفت چھوڑ دی تھی اور معتقد بن گئے تھے۔ اُن کی اُس وقت کی نظمیں اُن کے کلیات میں موجود ہیں۔ اُن کی اس قسم کی تمام نظموں میں ایک حسین قسم کا طنز پایا جاتا تھا اور یہ نظمیں شاعر کے دماغ اور قلم سے نکلتے ہی سارے ملک میں پھیل جاتی تھیں اور لوگ انھیں مزے مزے لے لے کر پڑھتے تھے۔

(۱)

(رسالہ اردو کراچی، جلد ۴۳ نمبر ۲، بابت اپریل ۱۹۶۷ء، ص ۷۸)

مخدومی و مکرمی جناب منشی اکبر حسین صاحب!

اس بات کے دریافت ہونے سے کہ آپ سب جج غازی پور کے ہو گئے ہیں، نہایت خوشی ہوئی۔ اگرچہ آپ کے یہاں سے جانے کا افسوس ہے مگر آپ کی ترقی سے اور اس بات سے کہ انشاء اللہ تعالیٰ مدت تک ایک سب جج مسلمان حکومت کرتا رہے گا، نہایت خوشی ہے۔ خدا تعالیٰ آپ کو کامیاب و خوش و خرم رکھے اور جہاں آپ (ہوں) خدا آپ کے ساتھ ہو۔ والسلام

علی گڑھ، ۲۸ مارچ ۱۸۸۸ء — خاکسار، سید احمد

(۲)

(رسالہ اردو کراچی، جلد ۴۳ نمبر ۲، بابت اپریل ۱۹۶۷ء، ص ۷۸)

مخدومی و مکرمی منشی اکبر حسین خان بہادر!

آپ کا نوازش نامہ پہنچا۔ آپ نے جو کامیابیٔ حیدرآباد کی مبارکباد دی ہے اس کا دل سے شکرگزار ہوں۔ یہ مبارکبادی درحقیقت قوم کی مبارکبادی ہے جس میں آپ بھی شامل ہیں، پس میں آپ کو بھی مبارکبادی دیتا ہوں۔

آپ نے عمدہ مادۂ تاریخ فیاضیٔ نظام کا نکالا ہے جو بے مثل ہے ۔ اس پر چند مصرعے نہیں بلکہ چند اشعار لگا دیجیے جس میں کسی قدر حال قوم کی حالت کا اور ضرورتِ تعلیم کا اور ڈیپوٹیشن کے نظام (کے) پاس جانے کا بھی ذکر (ہو)، تاکہ اس حال کے معلوم ہونے سے مادۂ تاریخ کی خوبی اور عمدگی ظاہر ہو ۔ اگرچہ اس میں آپ کو تکلیف ہوگی مگر آپ کی یادگار بھی اس کے ساتھ ہی ساتھ رہے گی ۔ والسلام

علی گڑھ، ۱۰ اکتوبر ۱۸۹۱ع — خاکسار، سید احمد

(۳)

(رسالہ اردو کراچی، جلد ۴۳ نمبر ۲، بابت اپریل ۱۹۶۷ع، ص ۷۹)

مخدومی و مکرمی منشی سید اکبر حسین خان بہادر!

عنایت نامہ مورخہ ۲ مئی پہنچا، ممنون عنایت ہوا ۔ آپ کی ترقی سے، گو کہ بالفعل بطور قائم مقام ہے، نہایت خوشی ہوئی ۔ کوئی مسلمان اسمال کاز کورٹ میں نہ تھا، آپ کے باعث سے مسلمان سروس کو فخر ہوگا ۔

میری التماس طیاریٔ ساز پر جو آپ نے توجہ فرمائی اس کا بھی شکر قبول ہو ۔ میں بادامی ساز چاہتا ہوں ۔ پرزے پیتل کے ہوں، گلٹ ضرور نہیں ۔ اُمید ہے کہ آپ اس کی طیاری کا حکم بھیج دیں گے ۔ والسلام

علی گڑھ، ۴ مئی ۱۸۹۸ع — خاکسار، سید احمد

(۴)

(رسالہ اردو کراچی، جلد ۴۳ نمبر ۲، بابت اپریل ۱۹۶۷ع، ص ۷۹)

جناب منصف صاحب مخدوم و مکرمِ من سید اکبر حسین صاحب!

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۷ جولائی مع مبلغ دو سو روپیہ اور چندہ مدرسۃ العلوم متعلق بلڈنگ فنڈ پہنچا ۔ یہ عریضہ بطور رسید بعد چسپانیدگی ٹکٹ اسٹامپ روانۂ خدمت ہے ۔ اُمید ہے کہ فہرستِ اسمائے چندہ دہندگان بغرضِ چھاپۂ اخبار مرحمت فرماویں گے ۔ والسلام

علی گڑھ، ۴ جولائی ۱۸۹۲ع — خاکسار، سید احمد
سیکرٹری کمیٹی مدرسۃ العلوم

(۵)

(رسالہ اردو کراچی، جلد ۴۳ نمبر ۲، بابت اپریل ۱۹۶۷ع، ص ۸۰)

مخدومی مکرمی خان بہادر منشی سید اکبر حسین !

آپ کا عنایت نامہ مع روئیداد دوم جلسہ پراونشل کمیٹی پہنچا ۔ آپ کی عنایت کا میں دل سے شکر ادا کرتا ہوں ۔ جن لوگوں نے جلسے میں تائید کی ان کا بھی شکر گزار ہوں ۔ پچھلے جلسے کی روئیداد اخبار میں چھاپنے کو بھیج دی ہے ۔ غالباً شنبہ کے اخبار میں چھپ جاوے گی ۔

آج جو روئیداد پہنچی ہے اس کو بھی اخبار میں چھپواؤں گا ۔ چھاپہ خانے میں ان دنوں کام کی زیادہ کثرت ہو گئی تھی ۔ کل ۳ فروری کو علی گڑھ میں ایک اجلاس ہوگا ۔ اس میں جو میں اسپیچ کروں گا، اس سے بالتفصیل تمام تجویزیں، جو جشنِ شصت سالہ کی یادگار میں کرنی ہیں، معلوم ہوں گی ۔ اس کے پڑھنے کے بعد ایک اور میٹنگ کرنی چاہیے اور تمام تفصیل، جو میری اسپیچ میں مندرج ہے، وہ لوگوں کو سنانی چاہیے ۔ اور آپ کو اور دیگر رؤسائے آگرہ کو شامل ہو کر ان تمام امورات کو انجام دینا ضرور ہوگا ۔ میں نے چھاپہ خانے میں حکم دے دیا ہے کہ آپ کے نام ایک اخبار سوسیٹی کا بلا قیمت برابر جاتا رہے، کیونکہ[۱] اس میں جو حالات مبارکباد کے متعلق چھپتے ہیں اس کی اطلاع آپ کو ہوتی رہے ۔ آپ نے جو عنایت کی ہے اس کا دوبارہ شکر ادا کرتا ہوں ۔ کل کی تاریخ دو قطعہ اسپیچ روانہ کروں گا تاکہ دوسرا خط آپ اور لوگوں کو دیکھنے کو دے سکیں ۔ والسلام

علی گڑھ[۲] خاکسار، سید احمد

۱- اس جگہ سرسید نے ''تاکہ'' کی بجائے ''کیونکہ'' لکھا ہے ۔

۲- اس خط میں اگرچہ سرسید نے کوئی تاریخ تحریر نہیں کی مگر یہ خط ۲ فروری ۱۸۹۷ع کا لکھا ہوا ہے ۔ کیونکہ اس میں سرسید نے لکھا ہے کہ کل ۳ فروری کو میں ملکہ وکٹوریہ کے جشنِ شصت سالہ کے متعلق تقریر کروں گا ۔ ملکہ وکٹوریہ کا ۶۰ سالہ جشنِ سلطنت ۱۸۹۷ع میں منایا گیا تھا ۔ پس ثابت ہوا کہ یہ خط ۲ فروری ۱۸۹۷ع کا لکھا ہوا ہے ۔

۱۱

بنام مولانا الطاف حسین حالی

مولانا خواجہ حافظ الطاف حسین حالی ، سرسید کے نہایت محترم اور معزز دوستوں میں سے تھے ۔ سرسید ان سے نہایت عقیدت رکھتے تھے اور ان کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے ۔ اپنی اثر انگیز تحریروں اور اپنی لازوال "مسدس" کے ذریعے جو خدمت اور امداد و اعانت مولانا نے سرسید کی کی ، اتنی کسی اور سے بن نہ آئی ۔ اگر حالی نہ ہوتے تو سرسید کو مسلمانوں کی اصلاح کے کام میں شاید اتنی شاندار ترقی حاصل نہ ہوتی جو ہوئی ۔ چنانچہ وہ خود کہتے ہیں کہ "اگر خدا پوچھے گا کہ تو کیا لایا ؟ تو میں مسدس کو پیش کر دوں گا کہ حالی سے یہ لکھوا لایا ہوں ۔" مولانا کی بزرگی ، اُن کی عنایت ، اُن کے علم و فضل اور اُن کی دینداری کا سرسید اور اُن کے تمام دوستوں کو دل سے اعتراف تھا ۔ اور وہ اُنھیں نہایت مقدس بزرگ سمجھتے اور یقین کرتے تھے ۔ چنانچہ سرسید کے فرزند جسٹس محمود کہا کرتے تھے کہ "اگر خدا کسی انسان کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو میں حالی کو سجدہ کرتا ۔" مولانا ۱۸۳۷ء میں بمقام پانی پت پیدا ہوئے ۔ آپ والد کی طرف سے انصاری اور والدہ کی جانب سے سید ہیں ۔

تحصیلِ علم کچھ پانی پت میں کی اور کچھ دہلی میں۔ پانی پت میں اُن کے اُستاد میر جعفر علی ، مولوی قلندر علی زبیری اور مولانا قاری عبدالرحمان محدث اور دہلی میں مولوی نوازش علی ، مولوی فیض الحسن سہارنپوری اور شمس العلماء مولوی سید نذیر حسین تھے۔ شاعری میں آپ غالب اور شیفتہ کے شاگرد ہیں۔ سات آٹھ برس تک جہانگیر آباد میں نواب شیفتہ کے ساتھ گذارے۔ پھر لاہور میں پنجاب گورنمنٹ بکڈپو کے ناظرِ ادبی مقرر ہوئے۔ اسی دوران میں سرکاری جریدہ رسالہ انجمنِ پنجاب کے سب ایڈیٹر بھی رہے۔ زاں بعد کچھ دنوں کے لیے لاہور چیفس کالج میں طلبا کے اتالیق کی خدمت انجام دی۔ ۱۹۰۴ع میں شمس العلماء کا خطاب ملا اور ۱۹۱۴ع کی آخری شب یعنی ۳۱ دسمبر کو انتقال کیا۔ مسدس مد و جزر اسلام ، حیاتِ سعدی ، مقدمۂ شعر و شاعری ، یادگارِ غالب اور حیاتِ جاوید وغیرہ آپ کی زندہ یادگاریں ہیں۔ اُن کے مضامین کا مجموعہ ''کلیاتِ نثرِ حالی'' کے نام سے اور اُن کی نظموں کا مجموعہ ''کلیاتِ نظمِ حالی'' کے نام سے مجلسِ ترقی ادب نے شایع کر دیا ہے۔

(۱)

(غیر مطبوعہ)

جناب مولانا مخدوم و مکرمِ بندہ !

میں کلکتے پہنچ گیا۔ نشان تحت خط ہذا مندرج ہے۔ نواب ضیاء الدین احمد خان بہادر نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ نسبت مسودہ قانون وقف خاندانی اہل اسلام کے میں اپنی رائے لکھ کر بھیجوں گا۔ جو کہ غالباً وہ تساہل فرماویں اور جلد نہ بھیجیں ، اس لیے آپ از راہِ عنایت اُن سے تاکید کر کے اور اپنے سامنے لکھ کر جلد ارسال فرما دیں۔ مسودۂ قانون اُن کے پاس ہے۔ اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو آپ اُس کو جناب برادر صاحب بخشی انعام اللہ خاں صاحب کو بھی زبانی سمجھا دیں کیونکہ ان کو فرصت اور دماغ اُس کے پڑھنے کا نہ

ہوگا - اسی لیے میں نے اُن کے پاس نہیں بھیجا - پس آپ اُس کے مطالب زبانی بیان فرمادیں اور اُن سے خط نسبت اُس کے لکھ کر روانہ فرمادیں -

پانی پت میں جو ذی وجاہت اور معزز مسلمان ہوں اُن کے پاس سے رائے لانی چاہتا ہوں - میری خواہش ہے کہ کم سے کم ایک ہزار رئیسوں کی رائیں جمع ہو جاویں - والسلام

(کلکتہ ، ۱۰ نمبر وکٹوریہ ٹرمینس) ، دسمبر ۱۸۷۸ع   خاکسار ، سید احمد

(۲)

(غیر مطبوعہ)

جناب مخدوم و مکرمِ من !

عنایت نامجات مع پانچ جلد مسدس پہنچے - جس وقت کتاب ہاتھ میں آئی ، جب تک ختم نہ ہو لی ، ہاتھ سے نہ چُھوٹی - اور جب ختم ہو لی تو افسوس ہوا کہ کیوں ختم ہو گئی اگر اس مسدس کی بدولت فنِ شاعری کی تاریخ جدید قرار دی جاوے تو بالکل بجا ہے - کس صفائی اور خوبی اور روانی سے یہ نظم تحریر ہوئی ہے ، بیان سے باہر ہے - تعجب ہوتا ہے کہ ایسا واقعی مضمون جو مبالغہ ، جھوٹ ، تشبیہاتِ دور از کار سے ، جو مایۂ ناز شعرا و شاعری ہے ، بالکل مبّرا ہے ، کیونکر ایسی خوبی و خوش بیانی اور مؤثر طریقے پر ادا ہوا ہے - متعدد بند اس میں ایسے ہیں جو بے چشمِ نم پڑھے نہیں جا سکتے - حق ہے ، جو دل سے نکلتی ، دل میں بیٹھتی ہے - (بیاچہ کی) نثر بھی نہایت عمدہ اور نئے ڈھنگ کی ہے - (نظم میں) پرانی شاعری کا خاکہ نہایت لطف سے اُڑایا ہے یا ادا کیا ہے - میری نسبت جو اشارہ اس نثر میں ہے اُس کا شکر ادا کرتا ہوں اور آپ کی محبت کا اثر سمجھتا ہوں - اگر پرانی شاعری کی کچھ بو اس (کتاب) میں پائی جاتی ہے تو صرف اُنھی الفاظ میں ہے جن میں میری طرف اشارہ ہے - بے شک میں اس (نظم) کا محرّک ہوا اور اُس کو میں اپنے اُن اعمالِ حسنہ میں سے سمجھتا ہوں کہ جب (قیامت میں) خدا (مجھ سے) پوچھے گا کہ ’تو (اعمال میں سے) کیا لایا ؟ میں کہوں گا کہ حالی سے مسدس لکھوا لایا ہوں ، اور کچھ نہیں - خدا آپ کو جزائے خیر دے اور قوم کو اس سے فائدہ بخشے - مسجدوں کے اماموں کو چاہیے کہ نمازوں میں اور خطبوں میں اسی کے بند پڑھا کریں - آپ نے یہ نہیں

ارقام فرمایا کہ کس قدر کتابیں چھپی ہیں اور کیا لاگت لگی ہے اور فی کتاب کیا قیمت مقرر کی ہے ۔ نہایت جلد آپ ان جملہ امور سے مجھے مطلع فرمائیے ۔ یہ بھی لکھیے کہ بعد تقسیم یا فروخت کس قدر کتابیں اب تک موجود ہیں . . .[۱]

آپ کے اس خیال کا کہ (کتاب کا) حق تصنیف مدرستہ العلوم کو دیا جاوے اور رجسٹری کرا دی جاوے ، میں دل سے شکر کرتا ہوں ۔ مگر میں نہیں چاہتا کہ اس مسدس کو ، جو قوم کے حال کا آئینہ اور یا اُن کے ماتم کا مرثیہ ہے ، کسی قید سے مقیّد کیا جاوے ۔ جس قدر چھپے اور جس قدر وہ مشہور ہو اور لڑکے ڈنڈوں پر گاتے پھریں اور رنڈیاں مجلسوں میں طبلے سارنگی پر گاویں ، قوال درگاہوں میں گاویں ، حال لانے والے اس سچے حال پر حال لاویں ، اُسی قدر مجھ کو زیادہ خوشی ہوگی ۔ میرا تو دل چاہتا ہے کہ دہلی میں ایک مجلس کروں جس میں تمام اشرافِ (دہلی جمع) ہوں اور رنڈیاں نچواؤں ، مگر وہ رنڈیاں بھی مسدس گاتی ہوں ۔ میں اس کُل مسدس کو "تہذیب الاخلاق" میں چھاپوں گا ۔ میرے اُن استفسار کا جواب ، جن پر نشان درج کر دیا ہے ، بہت جلد مرحمت ہو ۔

والسلام

خاکسار ، آپ کا احسانمند تابعدار ، سید احمد

شملہ ۔ پارک ہوٹل ، ۱۰ جون ۱۸۷۹ء

(۳)

(غیر مطبوعہ)

ایک مرتبہ جب سرسید تفریحاً شملہ گئے ہوئے تھے ، مولانا حالی نے اُنھیں لکھا کہ میں بھی میدانی گرمی سے گھبرا کر

۱۔ سرسید کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ خط مجھے مولانا حالی کے انتقال کے بعد ان کے کاغذات میں سے ملا ۔ اس مقام پر مولانا حالی نے خط کا کچھ حصہ قینچی سے کاٹ کر الگ کرلیا تھا ۔ نہ معلوم اُس میں سرسید نے کیا لکھا تھا ۔ اس خط کے آخری فقرے سے معلوم ہوتا ہے کہ سرسید نے مسدس کی اشاعت اور فروخت وغیرہ کے متعلق مولانا سے کچھ استفسارات کیے اور اُن پر نشانات لگا دیے تھے ۔ وہی حصہ مولانا نے قینچی سے کاٹ ڈالا ۔ میں نے دیکھا کہ باقی خط پر کوئی نشان نہ تھا ۔

کچھ دنوں کے لیے آپ کے پاس آنا چاہتا ہوں ، تاکہ اطمینان
سے کچھ تصنیف و تالیف کا کام کر سکوں ۔ سرسید کا لیجے
کا خط مولانا حالی کے اسی خط کے جواب میں ہے ۔

جناب مولانا ، مخدوم و مکرّم ِ من !

شملہ میں میرے لیے اس سے بڑھ کر کون سی نعمت ہو سکتی ہے کہ چند روز آپ کی صحبت رہے ۔ میرا رمضان سچ سچ عید ہو جاوےگا ۔ آپ بلاتامل تشریف لائیے ۔ مکان ، دل ، آنکھیں سب حاضر ہیں ۔ موسم یہاں کا اچھا ہے ۔ اتفاقیہ علالت دوسری چیز ہے ، معمولی بیماری کا ہر جگہ ہونا لازمی ہے ۔ سردی بہت نہیں ہے ، نہایت ملائم ٹھنڈک ہے ۔ بارش اکثر ہوتی ہے جو کسی قدر ناگوار ہے ۔ آپ تشریف لائیے ۔ میری دانست میں کچھ نقصان اور مضرّت سردی کے سبب متصوّر نہیں ہے ۔ لیکن تین امر کا خیال رہے ؛ اول یہ کہ جب کالکا سے چلیے ،اگرچہ ٹونگہ چھتری دار ہوگا ، تو بھی ایسا سامان جو بارش سے محفوظ رکھے ، ضرور ساتھ ہو ۔ دوسرے کالکا سے قبل روانگی تار برق میرے پاس مُشعر روانگی از کالکا بھیج دیجیے گا تاکہ میں اس مقام پر ، جہاں تک ٹونگہ آتا ہے ، اپنا نوکر اور جھپان بھیج دوں ورنہ میرے مکان تک آنے میں نہایت تکلیف ہوگی ۔ تیسرے کالکا سے تانگے پر نہ آئیے گا ۔ ٹونگے میں آئیے گا جس میں دو ٹٹو ہوتے ہیں ۔ انبالے سے ڈاک والے سے بندوبست ہو جاتا ہے ۔ ساڑھے نو روپے میں شملہ تک پہنچا دیتا ہے ۔ انبالے سے ڈاک گاڑی ہوتی ہے اور کالکا سے ٹونگہ ۔ اگر ارادۂ شریف مصمّم ہوگیا ہو تو اس عریضے کا جواب فوراً ارقام فرمائیے گا ۔
والسلام

شملہ ۔ پارک ہوٹل ، ۱۶ ۔ اگست ۱۸۷۹ع خاکسار ، سید احمد

(۳)

(غیر مطبوعہ)

جناب مولانا مخدومنا !

عنایت نامہ اور مضمون 'بدگمانی' پہنچا ۔ ممنونِ عنایت کیا ۔ پہلا مضمون چھپنے کو گیا ، جو سال جدید نبوی کا آغاز ہوگا ۔ منشی ذکاء اللہ صاحب کے

ریویو کی باری اُس کے بعد ہے اور آس وقت اُس کے پڑھنے پر ہمت مصروف ہوگی اور بزرگوں کی ارواح سے استمداد کی جاوے گی - "يطيقونه فدية طعام مسكين" کی نسبت بہت لمبی بحث لکھنی ہے - آخر کو نتیجہ یہ ہے کہ جن لوگوں کو ، کیا باعتبار طبیعت و طاقت ، خواہ باعتبار عمر ، خواہ باعتبار ملک ، خواہ باعتبار موسم ، روزے میں زیادہ تعب و مشکل پیش آتی ہے اور بہ دقّت و بہ تعب روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں ، وہ بعوض روزے کے فدیہ دے سکتے ہیں - وسع اور طاقت دو لفظ ہیں - طاقت کے لفظ کے مفہوم میں کسی کام کا بدقّت و بدشواری انجام دے سکنا داخل ہے ، برخلاف وسع کے - اسی وجہ سے علما نے صرف شیخِ فانی کو روزے سے بری کیا ہے - میں نے لکھا ہے کہ صرف شیخِ فانی کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ جس کا ایسا حال ہو وہ اس حکم میں داخل ہے -

میں نے نیّت کر لی ہے کہ اپنی تصانیف کی ایک جلدِ کامل آپ کی نذر کروں گا - میں چاہتا ہوں کہ اکتوبر میں ایک دو روز کے لیے دہلی آؤں گا یا آپ کو علی گڑھ آنے کی تکلیف دوں گا ، اُس وقت نذر کروں گا - اگر آپ کو اس کے دیکھنے کی خواہش ہو تو قبل اس کے بذریعہ ڈاک خدمتِ عالی میں بھیج دوں -

والسلام

شملہ ، پارک ہوٹل ، ٦ ستمبر ١٨٧٩ع — آپ کا نیازمند ، سید احمد

(۵)

(غیرمطبوعہ)

جناب مولانا مخدوم و مکرّم من ، مولانا حالی !

آپ کا عنایت نامہ پہنچا - جو ہمدردی آپ نے میرے ساتھ اس روپے کے غبن ہونے میں فرمائی[1] ہے اُس کا میں دل سے شکرگزار ہوں - مگر لاکھ روپے سے زائد غبن معلوم ہوتا ہے - اس کا جس قدر مجھ کو رنج و صدمہ ہے وہ بیان نہیں ہو سکتا - ہرچند میں دل کو سمجھاتا ہوں کہ جو (کچھ) ہونا تھا وہ ہوگیا مگر ایک نیچرل امر ہے دل کو بے اختیار رنج و فکر میں پڑنا - چند روز تک تو میری حالت ایسی خراب تھی کہ مجھے کسی بیماریِ شدید کے لاحق ہونے کا

١- اس غبن کی تفصیل میں نے اگلے خط کی تمہید میں بیان کی ہے - (مرتّب)

اندیشہ رہا ۔ تین روز تک مطلق کھانا کھایا نہیں گیا اور طبیعت کی عجیب کیفیت تھی ، مگر اب اُس حالت سے بہت افاقہ ہے ۔ اگر میرا ذاتی روپیہ ہوتا تو مجھے کچھ بھی پرواہ نہ ہوتی ۔ آپ کے کلمات تشفی آمیز سے بہت تقویت ہوتی ہے ۔ مگر جب تعداد کثیر روپے کا خیال آ جاتا ہے تو دوستوں کی تشفی سب بھول جاتی ہے ۔ خدا رحم کرے ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۲ ۔ اکتوبر ۱۸۹۵ء خاکسار ، سید احمد

(۹)

(ماخوذ از 'حیات جاوید')

جولائی ۱۸۹۵ء کی بات ہے کہ شام بہاری لال ، ہیڈ کلرک علی گڑھ کالج ، نے مدرسے کے فنڈ میں سے مختلف اوقات میں ایک لاکھ پانچ ہزار چار سو نو روپے غبن کر لیے اور سرسید کے جعلی دستخط کر کے بنک سے رقوم حاصل کرتا رہا ۔ جب اس غبن کا حال کھلا تو شام بہاری لال پر فوجداری کے دس مقدمے کالج کی طرف سے قائم کیے گئے ۔ وہ تو جیل خانے میں کچھ کھا کر مر رہا مگر سرسید کو اس غبن کا صدمہ حد سے زیادہ ہوا ۔ مندرجہ ذیل خط اسی غبن کے حالات کے متعلق ہے جو سرسید نے مولانا کو لکھا تھا ۔ پورا خط نہیں مل سکا ۔ جتنا حصہ مل سکا اُسی کو غنیمت سمجھ کر یہاں نقل کیا جاتا ہے ۔

"۔ ۔ ۔ ۔ اگرچہ ان دنوں میری طبیعت نہایت پریشان ہے اور عدالت میں حاضر ہونے اور مقدمات میں حلفی اظہار دینے کی تکلیف نہایت سخت معلوم ہوتی ہے مگر جو اُمور تقدیری ہیں اُن سے کچھ چارہ نہیں ۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شام بہاری لال نے جو تصرّف کیا وہ اس خیال سے تھا کہ چونکہ میری عمر زیادہ ہوگئی ہے اور موت کے دن قریب آتے جاتے ہیں ، ایک دن میں مر جاؤں گا اور جو کچھ اس نے جعلسازی کی ہے ، وہ سب تلپٹ ہو جائے گی ۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ میری زندگی ہی میں اُس کی جعلسازی اور فریب کھل گیا ، ورنہ میرے بعد بڑی مشکل پڑتی اور لوگ سمجھتے کہ میں نے ہی روپے میں تصرّف

گیا ہے ۔ پس خدا کی مہربانی تھی کہ میرے سامنے ہی یہ راز کھل گیا ۔ بعض لوگ اپنی حماقت سے سمجھتے ہیں کہ روپیہ میری تحویل میں اور میرے قبضے میں تھا حالانکہ یہ امر بالکل غلط ہے ۔ قانون ٹرسٹیاں میں حکم ہے کہ روپیہ بنک میں جمع کیا جائے ۔ چنانچہ کل روپیہ بنک میں جمع تھا اور بنک کے خزانے سے بذریعہ جعلی چیکوں کے تصرّف ہوا ۔ اور جعلی چیکوں کو روکنا ، جب تک کہ اُن کا حال نہ کھلے ، کسی بشر کے اختیار میں نہیں ۔ بہرحال میں تو خدا کی رحمت سمجھتا ہوں کہ میری زندگی ہی میں یہ حال کھل گیا ، گو مجھ کو کیسا ہی رنج اور صدمہ ہو . . . . ۔''

(۷)

(ماخوذ از 'حیاتِ جاوید')

۱۸۸۷ع میں لارڈ ڈفرن گورنر جنرل نے سر سید کا سول سروس کمیشن کی ممبری کے لیے انتخاب کیا ۔ اُن سوالات کے متعلق جو کمیشن میں زیر بحث تھے اور جن پر سرسید نے اپنے ممبری کے زمانے میں تقریریں کی تھیں اور اپنے خیالات سے گورنمنٹ کو آگاہ کیا تھا ، مولانا حالی نے ایک خط سرسید کو لکھا تھا کہ وہ تمام مفصّل کیفیت سے مطلع کریں ۔ مولانا کی غرض اُس وقت اس سے ''حیاتِ جاوید'' کے لیے مصالحہ فراہم کرنے کی تھی ۔ جواباً یہ خط سرسید نے ۲۲ نومبر ۱۸۹۵ع کو مولانا حالی کو بھیجا تھا ۔

جناب مولانا و مخدومنا !

سول سروس کمیشن کا حال دریافت کرنے کے لیے جو آپ رپورٹ طلب کرتے ہیں اس سے آپ کو کچھ فائدہ نہ ہوگا ۔ اس میں بجز اس کے کہ کثرت رائے فلاں امر کی طرف ہوئی ، اور کچھ نہیں ہے ۔ یہاں تک کہ اُن ممبروں کا ، جن کی رائے مخالف یا موافق تھی ، نام بھی ظاہر نہیں کیا گیا ۔ اگر آپ کو میری نسبت کچھ لکھنا ہے تو اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ پبلک سروس کمیشن میں میں اس بات پر ساعی تھا کہ سٹیٹوٹری سول سروس جو جاری ہے اور جس سے ہندوستانیوں

کا انتخاب یورپین کے عہدوں پر ہوتا ہے ، وہ منسوخ نہ ہو ۔ اور جو قواعد اُس کی نسبت گورنمنٹ (کی طرف) سے جاری ہوئے ہیں ، اگر ضرورت ہو تو اُن میں کچھ اصلاح کی جائے ۔ کثرتِ رائے اس کے برخلاف تھی اور وہ (لوگ) یہ چاہتے تھے کہ ''قانون مذکور منسوخ ہو اور اُس کی جگہ دوسرا قانون پارلیمنٹ سے جاری ہو اور اس میں جدید قواعد مرتّب کیے جائیں''۔ اسی کثرتِ رائے کے مطابق یہاں سے رپورٹ گئی مگر ولایت میں یہ تجویز ہوئی کہ سٹیٹوٹری سول سروس کے قانون کو منسوخ کرنا ضروری نہیں اور جدید قانون کے بھی جاری کرنے کی حاجت نہیں ۔ مگر ولایت سے اُسی تجویز کے مطابق ، جو کہ کثرتِ رائے سے جدید قانون بنانے کے لیے لکھی گئی تھی ، کچھ قواعد بن کر آئے جن کے بموجب اب عملدرآمد ہے اور جن کو میں پسند نہیں کرتا ۔ زیادہ تفصیل اُس کی ، بغیر آپ کی ملاقات کے ، بیان نہیں ہو سکتی ۔

علی گڑھ ، ۲۲ نومبر ۱۸۹۵ء   خاکسار ، سید احمد

(۸)

مخدومی و مکرّمی جناب مولانا حالی !

سید محمود کو لکھنؤ میں کسی شخص کے پاس میرے لکھے ہوئے خطوط و رقعہ جات بہت پرانے زمانے کے دستیاب ہوئے ہیں[۱] ۔ اُنھوں نے میرے پاس اس لیے وہ بھیج دیے ہیں کہ میں اُن کو آپ کے پاس روانہ کروں تاکہ آپ اُن کو ملاحظہ کر لیں اور اگر ان میں کوئی امر لیف[۲] میں لکھنے کے قابل ہو تو اُس کو انتخاب کر لیں ۔ مگر یہ خط باحتیاط واپس مانگے گئے ہیں اس لیے آپ اُن کو بعد ملاحظہ یا تو بصیغۂ رجسٹری یا بصیغۂ بیرنگ واپس کر دیجیے ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۳۱ جولائی ۱۸۹۶ء   خاکسار ، سید احمد

۱۔ وہ خطوط تعداد میں چھ تھے اور وہ اس مجموعے کے شروع میں درج کر دیے گئے ہیں ۔
۲۔ لفظ ''لائف'' کو سرسید ہمیشہ ''لیف'' لکھا کرتے تھے ۔

۱۲

بنام کرنیل الکٹ

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ، ۲۴ نومبر ۱۸۸۳ع)

کرنیل الکٹ صاحب تھیاسوفیکل سوسائٹی کے بانی تھے ۔ اُنھوں نے یہ سوسائٹی امریکہ کے شہر نیویارک میں ۱۸۷۵ع میں قائم کی تھی ۔ لیکن بعد ازاں وہ اسے ہندوستان لے آئے اور مدراس کے قریب ایک مقام ادیار میں اسے جاری کیا ۔ نومبر ۱۸۸۳ع میں جب وہ اپنے دورے پر علی گڑھ آئے تو اُس وقت عوام میں اس بات کا بڑا چرچا تھا کہ کرنیل صاحب اپنی روحانی توجہ سے امراض کا علاج کرتے ہیں اور بغیر کسی دوائی کے بیماروں کو اچھا کر دیتے ہیں ۔ سرسید بھی باوصف آزادہ روی اور روشن خیالی کے عوامی رائے سے متاثر ہوئے اور اُنھوں نے کرنیل صاحب کے علی گڑھ میں وارد ہوتے ہی اُنھیں مندرجہ ذیل خط لکھا ۔ مگر اس خوش اعتقادی کا نتیجہ صفر رہا اور سرسید کی رسولی آخر وقت تک قائم رہی ۔

جناب والا !

میرے گلے میں (مدتِ دراز سے) ایک رسولی ہے اور اسی جگہ میرے

باپ[1] کے بھی رسولی تھی ۔ (میں نے خود تو وہ رسولی نہیں دیکھی مگر سنا ہے) ایک مسلمان درویش کی توجہ سے وہ رسولی بالکل جاتی رہی تھی ۔

پس اگر آپ بھی از راہِ مہربانی اپنی توجہ کرکے میری رسولی کھو دیں تو میں آپ کی خدمت میں جس وقت آپ لکھیں حاضر ہوں ۔

۱۲ نومبر ۱۸۸۳ء — خاکسار ، سید احمد

سیکرٹری مدرسۃ العلوم مسلمانان علی گڑھ

۱- سرسید کے باپ کا نام ''میر متقی'' تھا اور ان کی وفات ۱۵ رجب ۱۲۵۴ھ مطابق ۴ اکتوبر ۱۸۳۸ء کو ہوئی ۔

۱۳

بنام منشی الہ دین

ایڈیٹر 'مُلّا دو پیازہ' لاہور

(از اخبار 'ملا دو پیازہ' لاہور ، ۹ اپریل ۱۸۹۳ع)

پنجاب میں جہاں اکثر بڑے بڑے رؤسا اور اعلیٰ تعلیم یافتہ اصحاب سرسید اور اُن کی تحریک کے مداح اور معاون تھے ، وہاں بکثرت بعض لوگ اُن کے معاند اور مخالف بھی کھڑے ہو گئے تھے جن کے لیڈر اور سردار مولوی محرّم علی چشتی ایڈیٹر 'رفیق ہند' لاہور تھے ۔ سرسید نے جب ۱۸۹۳ع میں علی گڑھ کالج کے چندے کے لیے لاہور آنے کا ارادہ کیا تو لاہور کے عوام نے عجیب طوفان بے تمیزی اُن کے خلاف کھڑا کیا اور اُن کی مخالفت میں لمبے چوڑے بیانات اور اعلانات اخباروں میں شائع ہوئے ۔ مخالفت اتنی زیادہ ہوئی کہ سرسید نے تنگ آ کر اپنا لاہور آنے کا ارادہ فسخ کر دیا اور ایک خط کے ذریعے اس کی اطلاع ایڈیٹر 'ملا دو پیازہ' لاہور کو دے دی جو اس زمانے میں لاہور کا ایک مزاحیہ اخبار تھا اور سرسید کی مخالفت میں سب سے پیش پیش تھا ۔ یہ خط ایڈیٹر نے اپنے ۹۔ اپریل ۱۸۹۳ع کے پرچے میں چھاپا ، مگر بعد میں سرسید نے اپنا ارادہ بدل

دیا اور مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے پنجاب کے دورے پر آئے ۔ یہ خط اخبار 'ملا دو پیازہ' کے پرانے فائلوں سے نقل کرکے عزیزم تبسّم کاشمیری ایم ۔ اے (پروفیسر اورینٹل کالج لاہور) نے 'قومی زبان' کراچی کے یکم ستمبر ۱۹۶۰ع کے پرچے میں چھپوایا تھا جہاں سے لے کر تبسم صاحب کے شکریے کے ساتھ یہاں درج کیا جاتا ہے ۔ 'ملا دو پیازہ' ایک گھٹیا درجے کا عامیانہ مزاحیہ اخبار تھا جو یکم جنوری ۱۸۸۶ع کو لاہور سے محترم علی کی حمایت میں منشی الہ دین نے ہفتہ وار جاری کیا تھا ۔

عنایت فرمائے من مشفقی الہ دین صاحب ایڈیٹر اخبار 'ملا دو پیازہ' (لاہور)

آپ کے پرچہ اخبار اور دیگر اخبارات پنجاب سے مجھے اُس مخالفت کا حال معلوم ہوا جو میرے سفر پنجاب کی نسبت پنجابیوں میں ظاہر ہو رہی ہے ۔ میں آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ میں نے اب اپنے سفر پنجاب کا ارادہ سر دست دل شکستہ ہوکر فسخ کر دیا ہے ۔ زندہ دل پنجاب سے مجھے کبھی اس قدر مخالفت کی اُمید نہ تھی ۔ پنجاب کے اہل ہنود پہلے عام طور پر میرے نہایت مداح اور معتقد تھے مگر بد قسمتی سے چند واقعات ایسے پیش آ گئے کہ مجھے عام طور پر بعض پولیٹیکل وجوہات سے ہندو قوم کی مخالفت کرنی پڑی اور اس طرح عام ہندو میرے مخالف ہو گئے ۔ پھر بھی خاص تعلیم یافتہ ہندوؤں کو مجھ سے ہمدردی تھی ۔ چنانچہ میرے گذشتہ سفر پنجاب میں ہندو پارٹی کے معزز اراکین نے ایسوسی ایشن کی وساطت سے مجھے ایڈریس بھی دیا ۔ مگر بد قسمتی سے نیشنل کانگرس کا معاملہ پیش آ گیا جس کے باعث وہ تعلیم یافتہ ہندو بھی یک قلم میرے مخالف ہوگئے اور اس طرح سے ہندوؤں کی قوم کُلہم اجمعین میرے خون کی پیاسی ہوگئی ۔

اب رہ گئے مسلمان ، سو مسلمانوں میں سے پرانے فیشن کے علما اور مولوی اور مقدس اعتقاد کے رؤسا تو پہلے ہی سے ہاتھ دھوکر میرے پیچھے پڑے ہوئے تھے ۔ نوجوانوں میں سے مجھے بڑا بھروسا مشفق منشی محترم علی چشتی صاحب اور اُن کی پارٹی پر تھا جنھوں نے ہمارے گزشتہ سفر پنجاب میں کمال درجے کی سرگرمی کے ساتھ ہماری امداد کی ۔ اب وہ اور بالعموم تمام اخبار نویسوں کا فرقہ بھی ہمارے سخت مخالف ہو گئے ۔

انجمنِ حمایتِ اسلام کے معزز ممبران سے بھی ہم کو امداد کی توقع تھی مگر اپنی اس نامراد راست بیانی کی عادت سے، جو ہمیشہ سے مجھ میں تھی، میں نے چند نہایت آزاد مگر غیر مخالفانہ ریمارک اُن کے کالج کی نسبت کیے جو میرے احباب کو بھی ناگوار گذرے اور میری نسبت یہ سمجھا گیا کہ میں اُن کے کالج کی نسبت رشک اور رقابت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور اُن کا حصہ چھیننے آتا ہوں۔ اور اس طرح سے میں دیکھتا ہوں کہ چاروں طرف مخالفت کے نعرے بلند ہو رہے ہیں۔

مجھے معلوم ہوتا ہے کہ مکرمی مولوی نذیر احمد صاحب اور 'رفیق ہند' کا مقدمہ بھی میرے مخالف خیالات کو بھڑکانے کا باعث ہوا اور اب مجھے صرف ایک قلیل گروپ اپنے احباب، سرکاری عہدہ داران اور ملازمان کا دکھائی دیتا ہے، جو اس مخالفت کے طوفان میں بھی صرف بوجہِ ہمدردیِ قوم میری رفاقت سے پہلو تہی کرتا معلوم نہیں ہوتا۔ جو کہ مجھے ہمیشہ سے بہبودی اور بھلائی اپنی قوم کی مد نظر ہے اس لیے میں اس قلیل جمعیّت کے بھروسے پر اپنی قوم سے معرکہ آرائی کرنی نہیں چاہتا۔ مدرسۃ العلوم علی گڑھ قوم کی بھلائی کا کام ہے اور اگر قوم اس کی امداد کرنا نہیں چاہتی تو یہ قوم کا اپنا قصور ہے:

من آنچہ شرطِ بلاغ است با تو می گویم
تو خواہ از سخنم پند گیرو خواہ ملال

مہربانِ من! آپ نے بھی اپنے پرچے میں میری نسبت اپنی جودتِ طبع کا بہت کچھ اظہار کیا ہے مگر آپ جانتے ہیں کہ میں اول درجے کا چکنا گھڑا ہوں اور گالیاں کھاتے کھاتے بے حیا بن گیا ہوں۔ میں نے آج تک نہ تو کفر کے فتووں کی اور نہ اخبارات کی تحریروں کی کوئی پروا کی ہے۔ اور جب کہ آپ نے سن لیا ہے کہ میں نے اپنے سفرِ پنجاب کے ارادے کو بالکل توڑ دیا ہے تو امید ہے کہ آپ بھی اب اس بارے میں زیادہ خامہ فرسائی نہ فرمائیں گے۔ والسلام

۷ اپریل ۱۸۹۴ء بوقت بارہ بجے شب خاکسار، سید احمد مقام علی گڑھ

۱۴

بنام مولوی حافظ امام الدین گجراتی

۱۸۹۶ع میں سرسید کی تفسیر القرآن جلد دوم کے مضمون ''ولادتِ مسیح'' کے متعلق مولوی امام الدین نے اپنے خیالات ایک رسالے کی صورت میں لکھنے شروع کیے تھے ۔ یہ رسالہ بعد میں ''التنقیح فی ولادتِ مسیح'' کے نام سے ۱۳۳۲ ہجری میں رفاہِ عام پریس سے شائع ہوا ۔ ابھی کتاب نامکمل تھی کہ سرسید نے مندرجہ ذیل خط بھیج کر مسودہ منگوا لیا[1] ۔

(۱)

مخدومی و مکرمی مولوی امام الدین صاحب !

آپ کا پوسٹ کارڈ پہنچا . . . ولادتِ مسیح کے متعلق متعدد لوگوں نے

۱- مولوی امام الدین ، سرسید کے بڑے معتقدین اور مداحین میں سے تھے ۔ انہوں نے قومی کتب خانہ لاہور کے لیے سرسید کے آخری مضامین ۱۸۹۸ع میں مرتّب کیے اور اُن کے لکچروں کا مجموعہ ۱۹۰۰ع میں ۔ اُن کی بعض دیگر تالیفات کے نام یہ ہیں : اصلاح الانسان ، راست بیانی بر شکستِ قادیانی ، ایثار ، تقویٰ ، تہذیب اللسان ، علم الغیب ، رباعیاتِ عمر خیام ۔ ۶۳ برس کی عمر میں ۱۸ مارچ ۱۹۱۷ع کو انتقال کیا ۔

لکھا ہے ۔ اگر آپ ان دونوں تحریروں کو میرے پاس بھیج دیں گے تو میں اُن سے فائدہ اُٹھاؤں گا اور جو کچھ میری رائے ہوگی اُس سے آپ کو اطلاع دوں گا ۔ اور مناسب ہوگا تو 'تہذیب الاخلاق' میں چھاپوں گا ورنہ آپ کی خدمت میں واپس کر دوں گا اور آپ اُن کو بطور رسالہ چھپوا سکیں گے ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۱۳- اگست ۱۸۹۶ع ‏ ‏ ‏ خاکسار ، سید احمد

(۲)

جواباً مولوی امام الدین صاحب نے ، جس قدر مسودہ تیار کیا تھا ، سرسید کو بھیج دیا ۔ لیکن اُنھی دنوں کالج میں سرمائے کے تغلّب کا حادثہ ہو گیا جس سے سرسید کو سخت صدمہ پہنچا اور اُس صدمے سے وہ جانبر نہ ہو سکے ۔ 'تہذیب الاخلاق' بند کرنا پڑا اور مسودہ حسبِ ذیل خط کے ساتھ واپس کر دیا ۔

مخدومی و مکرمی !

. . . جس طرز سے آپ نے کتاب شروع کی ہے وہ کچھ بری نہیں ہے ۔ اسی طرز پر کتاب کو پورا کرنا چاہیے ۔

اس قسم کے مضامین پر مختلف طرز سے کتابوں کا موجود ہونا نہایت مفید اور بہتر ہے ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۲۰ فروری ۱۸۹۷ع ‏ ‏ ‏ خاکسار ، سید احمد

۱۵

بنام مولوی امجد علی

(علی گڑھ میگزین ، جلد ۳۴ ، نمبر ۱ ، ص ۲۱۸)

مولوی امجد علی ایم-اے ، مولانا یحییٰ علی خاں ساکن صادق پور (پٹنہ) کے فرزند تھے - ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں نمایاں حصہ لینے کے جرم میں مولانا یحییٰ خاں کو انگریز کی عدالت نے عبور دریائے شور کی سزا دی - چنانچہ مولانا کا انتقال اسی قید فرنگ میں بمقام پورٹ بلیر ۱۸۶۸ء میں ہوگیا - اُن کے دو بیٹے محمد عیسیٰ اور عبد القدیر تھے - محمد عیسیٰ نے اس خیال سے کہ مبادا پھر کوئی آفت آ جائے اور یحییٰ علی کا بیٹا سمجھ کر مجھے پھانسی دے دی جائے ، اپنا نام بدل کر امجد علی رکھ لیا ، اور ایم - اے کرنے کے بعد بنارس ، علی گڑھ اور الہ آباد میں پروفیسر رہے - اپنے وقت میں آپ کا شمار عربی زبان کے بڑے فاضلوں میں ہوتا تھا - ۱۹۲۱ء آپ کا سال وفات ہے - مگر جب تک زندہ رہے غریب الوطنی میں فاضل باپ کی لاچاری کی موت سے نہایت درجہ غمگین اور دل گیر رہے -

(۱)

جناب مولانا مولوی سید امجد علی صاحب ایم - اے !

آپ کا عنایت نامہ اگرچہ دل خراش تھا - جو کچھ مصائب و ترددات

و پریشانی فرماویں بجا ہے ۔ بہرحال ''از تن برضائے قضا دادن چارہ نیست ۔''
قبل آنے عنایت نامے آپ کے تاریخ . . .[۱] مقرر ہو چکی ہے . . .[۱] ۲۱ جولائی
روز یکشنبہ ۔ معلوم نہیں آپ کی حالت کے مناسب ہے یا نہیں ؟ بہرحال یہ تاریخ
مقرر ہوگئی ہے ۔ کاغذات معمولی چھپ گئے ہیں ۔ دو تین روز میں روانہ
ہوں گے ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۸ جون ۱۸۹۵ء خاکسار ، سید احمد

محمد موسیٰ کا حال معلوم نہیں کس طرح ہے اور آپ کے پاس ہیں یا نہیں ۔

(۲)

مخدومی و مکرمی مولوی سید محمد امجد علی صاحب !

۲۱ جولائی کو . . .[۲] کا اجلاس ہوگا ۔ اُمید کہ آپ اس میں شریک ہوں
گے ۔ مگر اب تک آپ نے اطلاع نہیں دی کہ کس وقت اورکس تاریخ آپ تشریف
فرما ہوں گے ۔ اگرچہ وقت اجلاس گیارہ بجے لکھا گیا ہے مگر ہم ساڑھے بارہ
بجے تک انتظار کریں گے تاکہ دہلی سے جو لوگ آنے والے ہیں وہ بھی آ جاویں ۔
والسلام

علی گڑھ ، ۱۷ جولائی ۹۵ ۱۸ء خاکسار ، سید احمد

(۳)

مخدومی و مکرمی مولوی سید امجد علی ایم ۔ اے !

میری چٹھی پہنچنے کے بعد مسٹر تھیوبار پرنسپل کالج نے کیا کہا ؟ میری
رائے جو اُردو میں چھپی ہوئی ہے اُس کو کسی سے سنا اور مطالعہ فرمایا یا یونہی
ڈال دی ؟ اگر آپ از راہ مہربانی سو روپے اپنی بخشش کے اسی مہینے میں بھیج
دیں گے تو میں آپ کا نہایت ممنون ہوں گا ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۴ ۔ اکتوبر ۱۸۹۶ء خاکسار ، سید احمد

۱۔ ان دونوں جگہوں سے کاغذ کو کیڑے نے کھا لیا تھا اس لیے الفاظ نہیں پڑھے جا سکے ۔
۲۔ اس جگہ کی عبارت بھی کیڑے نے کھا لی ہے ۔

۱٦

بنام مولوی ڈپٹی امداد العلی اکبر آبادی

مولوی ڈپٹی سید امداد العلی اکبر آبادی ایک فاضل اور عالم شخص تھے - یہ شروع شروع میں سرسید کے بڑے مداح اور معتقد تھے مگر بعد میں سخت مخالف اور دشمن ہوگئے اور بڑی کوشش اور محنت سے سر سید کے کفر و الحاد ، بے دینی اور بداعتقادی کے فتوے ہندوستان کے نامی گرامی علما سے حاصل کر کے چھپوائے - سید صاحب کی تصنیفات کی تردید میں متعدد کتابیں لکھیں اور اُن کی بکثرت اشاعت کی - اُس عہد کے اخباروں اور رسالوں میں سید صاحب کے خلاف بہت سے مضامین لکھے - غرض دشمنی اور عداوت میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی - سرسید کی مخالفت اور تردید میں مولوی صاحب نے جو کتابیں لکھیں وہ یہ ہیں : سرسید کے رسالہ' احکام طعام اہل کتاب کے جواب میں ''امداد الاحتساب علی المداهنین فی احکام طعام اهل الکتاب'' لکھی - رسالہ' ابطال غلامی کے رد میں بھی ایک رسالہ لکھا - سر سید کی تفسیر القرآن کا بھی جواب دیا - ایک ماہوار رسالہ بھی سرسید کی مخالفت میں اور 'تہذیب الاخلاق' کے جواب میں نکالا جس کا نام 'امداد الآفاق برجم اہل النفاق' تھا - یہاں ڈپٹی صاحب مرحوم کے تین خطوط اُس وقت کے شائع

کیے جاتے ہیں جب فریقین میں باہم بہت محبت و پیار تھا ۔ سرسید کے یہ تینوں خطوط جن میں سے ایک فارسی اور دو اُردو ہیں ، پرچہ "نورالآفاق لدفع ظلمۃ اہل النفاق" کان پور کے ضمیمہ جلد اول شمارہ ۶ بابت ۲۲ ماہ نومبر ۱۸۷۳ع میں پہلی مرتبہ چھپے تھے ۔ دوسری مرتبہ خواجہ احمد فاروقی نے ۱۹۶۵ع میں اسلامیہ کالج میگزین بریلی میں اُردو کے دونوں خط شائع کرائے ۔ تیسری دفعہ مولوی مشتاق حسین مرحوم نے ۱۹۶۰ع میں تینوں خط "مکاتیبِ سرسید احمد خاں" میں نقل کیے ۔ چوتھی مرتبہ اب چھپ رہے ہیں ۔ "نورالآفاق" رسالہ سرسید اور ان کے معاونین کی مخالفت اور تردید کے لیے وقف تھا اور کان پور (یو ۔ پی) سے ۳۰ ۔ اگست ۱۸۷۳ع کو پندرہ روزہ جاری ہوا تھا ۔ مالک عبدالرحمن شاکر تھے ۔ پرچہ صرف ۸ صفحے کا تھا اور مطبع نظامی میں چھپا کرتا تھا ۔

(۱)

جناب ڈپٹی صاحب مخدوم و مکرّمِ بندہ سلامت !

بعد سلام مسنون التماس اینکہ آپ جو میرے مکان میں تشریف لائے مجھے کمال خوشی ہوئی کہ یہ ایک ذریعہ میرے یاد آنے کا ہوگا ۔ بہرحال اگر ملاقات نہ ہو تو مکان دیکھ دیکھ کر یاد کیا کرو گے ۔

میں یہاں بہت خوش ہوں ۔ کام بہت کم ہے ۔ تصنیفِ کتب کو بہت فرصت ہے ۔ چھاپہ خانہ فضل الٰہی سے جاری ہوگیا ہے ، تفسیر چھپ رہی ہے ۔ مجھ کو بڑا اشتیاق اس بات کے دریافت کرنے کا ہے کہ آپ کے احباب اور ہمارے شفیق صدر الصدور صاحب بہادر ولی اللہ[۱] سے ملاقات ہوتی یا نہیں ۔ میں سنتا ہوں کہ جنابِ ممدوح بڑی دھوم دھام سے کچہری فرماتے ہیں اور اگلوں کی نیک نامی مٹانا چاہتے ہیں ۔ یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم و یابی اللہ الا

۱- ولی اللہ یہاں سرسید نے بطور طنز لکھا ہے ۔ ان کا نام مولوی پیغمبر بخش تھا اور یہ سرسید کے بعد مراد آباد کے صدرالصدور ہوئے تھے ۔

ان یتمّ نورہ ولو کرہ الکٰفرون (۹ : ۳۲)[1] ۔

اُمید کہ آپ اپنی خیر و عافیت سے مطلع فرماویں اور اطلاع دیں کہ مشفقی سوق بہاری لال صاحب کے ہاں کون شخص مرگیا ہے تاکہ میں تعزیت نامہ لکھوں ۔ معلوم نہیں کہ منصف صاحب خاص شہر وہاں ہیں یا اپنے گھر گئے ۔ مولوی محمد حسین صاحب کی خدمت میں سلام نیاز اور یہ پرچہ ان کو بھی دکھلا دیجیے گا ۔ منصف صاحب امروھہ ، مراد آباد میں میرے بعد اگر آئے ہوں تو لکھنا کہ وہ کہاں رہے اور ملاقات ہو تو میری زبان سے یہ شعر پڑھنا :

با سایہ ترا نمی‌پسندم　　　عشق است و ہزار بدگمانی

تحصیلدار صاحب مراد آباد تو ہم سے پہلے ہی خفا ہوگئے تھے ، ان کی خدمت میں کیا لکھوں ۔ والسلام

غازی پور ، ۳ جولائی ۱۸۶۲ع　　　خاکسار ، سید احمد

(۲)

جناب ڈپٹی صاحب مخدوم و مکرم و معظم بندہ سلامت !

بعد تسلیم و سلام مسنون عجز و نیاز مشحون التماس اینکہ عنایت نامۂ عالی مورخہ ۱۱ جولائی رسیدہ بر مندرجہ آگاہی بخشید و سرفراز ساخت ۔

حالات آنجا بوضوح انجامید ۔ و نیز امید آن دارم کہ آئندہ ہم از حالات آنجا مطلع می فرمودہ باشند ۔ صدر الصدور صاحب[2] آنجا آگاہی می فرمایند کہ فلانی پنجاہ ہزار روپیہ در مقدمات اسپیشل کمیشن رشوت گرفتہ است وھمچنیں دیگر لغویات می فرمایند ۔ پس درینجا چگونہ از منطوق آیہ کریمہ "یریدون ۔ الخ" خارج می تواند شد ۔ مقدمہ سری کہ در تجویز ثانی دایر است کسے کہ دستاویز آن مقدمہ را جعلی می گوید ، خلل دماغ دارد ۔ دستاویز مذکورہ روبروی مولوی تصدق حسین خاں صاحب صدر الصدور سابق رجسٹری شدہ است ، سابقاً در عدالت

۱- یعنی "لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھادیں مگر اللہ اپنے نور کو پورا کرنے کے سوا ہر بات سے انکار کرتا ہے ، چاہے کافروں کو کتنا ہی برا لگے ۔"

۲- ان کا نام مولوی پیغمبر بخش تھا اور یہ سرسید کے بعد مراد آباد میں متعیّن ہوئے تھے ۔

گزرانیده شد ـ احکام دستخطی اهلکاران آن وقت و دستخط محافظ دفتر ضلع و مسٹر وارک صاحب و جتّم غنیر اہلکاران برآں ثبت است ـ کسے عاقل می توان گفت که جعلی است ـ چند دفعه دریں مقدمه از جناب مسٹر گبسن (کینسن ؟) صاحب و از من گفتگو شده است ـ آنچه صدر الصدور صاحب می فرمایند همه لغویات است ـ سبحان الله حکام صدر ، بجائے اهلِ ولایت صدر الصدور صاحب را بجهت تحقیقات ایں مقدمه از گورکهپور فرستاده اند ـ در تمام ممالک مغربی و شمالی همه حکام مردود بودند و بدنام بودند بجز جناب صدر الصدور صاحب ـ گبسن صاحب را صرف ایں قدر شبه است که مُهر عدالت مطابق دیگر مُهرها نیست ـ مدعی می گوید که ایں کارسازی بعد روانگی مثل در صدر شده است ـ وجهه ثبوت آں نزد خود درو ـ گبسن صاحب می خواهند که اصل حال منکشف شود ـ در فیصله همیں قدر نوشته اند که مُهر مطابقِ مُهر ہائے دیگر نیست لهٰذا جعلی است ـ پس تحقیقات ایں معنی باقیست که آیا اصل دستاویز جعلی است یا بطور دیگراں جعل شده ـ بروزیکه ایں مقدمه برائے حکم اخیر روبرو گبسن صاحب درپیش بود من در آگره بودم و تا دو گهنٹه گفتگوی آں مقدمه ماند ـ غالب است که گبسن صاحب از صدر الصدور صاحب فرموده باشند که تحقیقات ایں مقدمه بخوبی باید نمود ـ باقی آنچه صدر الصدور صاحب می فرمایند همه لغو دروغ است ـ مردماں را عادت است که کسے که بعنایت ایزدی نام آورده و نیک نام می باشد ، برآں حسد می‌برند و در خود لیاقت ندارند که نامِ خود بر آرند ـ به مجبوری اتهام و بدگوئی نیک ناماں می‌کنند و نمی دانند که ازیں لغویات هیچ فائدهٔ شاں و مضرتِ آں شخص نیست ـ

آنچه حوالهٔ بیان مولوی جعفر علی ارقام شدهٔ قابلِ اطمینان نیست ، زیرا که شنیده ام که اوشاں طرز و رویهٔ دیگر اختیار نموده اند ـ مولوی محمد حسین صاحب که سفارش مولوی عالم علی صاحب نموده اند خوب نکرده اند ـ شاید که زیاده مضرت به مولوی صاحب برسد ـ مولوی صاحب مذکور زائد از حد طمّاع و احسان فراموش اند ـ در مرادآباد شنیده بودم که اوشاں شکایت می‌کنند و درینجا متواتر هم شنیدم ـ چنانچه بجهتِ رخصتِ من هم نیامده بودند ـ الحال اوشاں فراموش فرموده اند که بطفیلِ من و بتصدقِ جناب شیکسپیر صاحب از پهانسی نجات یافته اند ـ

اوراقِ تفسیر روانهٔ خدمت نموده ام ـ زرِ قیمتِ آں جلدتر ارسال فرمایند ـ

ثام نامی جناب در فہرست خریداران درج ساختہ ام ۔ باقی خیریت است ۔ والسلام الطاف آداب می رسانند ۔

غازی پور ، ۱۶ جولائی ۱۸۶۲ع　　　　　　　　　　سید احمد

(۳)

جناب ڈپٹی صاحب مخدوم و مکرم بندہ سلامت !

بعد سلام مسنون الاسلام عرض یہ ہے کہ بندہ فضل الٰہی سے بخیریت ہے ۔ اخبارات مراد آباد سے ، جو جو الفاظ عنایت و شفقت آپ نے بعض اوقات نسبت میری ارشاد فرمائے ، معلوم ہوئے ۔ میں اس کا نہایت شکرگزار ہوں ۔ مجھے آپ کی صفائی اور یک رنگی سے یہی توقع تھی ۔ درحقیقت آپ بہ نسبت حضوری کے غیبت میں زیادہ تر پاس و لحاظ محبت اور دوستی کا رکھتے ہیں ، برخلاف ابنائے زمانہ کے کہ منہ پر کچھ اور پیٹھ پیچھے کچھ ۔ میں ایک مسکین آدمی ہوں ۔ کسی کی برائی میں نہیں ۔ البتہ حکام اپنی قدردانی سے میری عزت اور قدر کرتے ہیں ۔ پھر جو لوگ اس پر حسد کرتے ہیں وہ اپنے میں کیوں نہیں ایسی لیاقت پیدا کرتے کہ حکام کی آنکھ میں ان کی عزت یا قدر ہو ۔ واہیات بکنے اور کہنے سے کیا ہوتا ہے ۔

میری تفسیر پہنچی ہوگی ۔ اس کو مطالعہ فرما کر جو نقص نظر میں پڑے اس سے مطلع فرمائیے اور پانچ روپے قیمت کے جلد بھیج دیجیے اور ہمیشہ اپنی خیرو عافیت سے جلد جلد مطلع فرماتے رہیے ۔

منشی امام الدین صاحب کا بہت دنوں سے حال معلوم نہیں ہوا ۔ ان کے حال سے مطلع فرماویں کہ کس رنگ میں ہیں ۔ ہم سے تو وہ جب ہی ناخوش ہوگئے تھے جب ہاور صاحب بہادر آزردہ ہوئے تھے ۔ مگر میں تو بہ دستور اُن کا دوست ہوں اس لیے ان کی خیروعافیت چاہتا ہوں ۔ والسلام

غازی پور ، ۳ ۔ اگست ۱۸۶۲ع　　　　　　　　　　خاکسار ، سید احمد

۱۷

بنام مولوی سید امداد العلی

سیکریٹری سائنٹیفک سوسائٹی ، مظفر پور (بہار)

(اخبارالاخیار مظفر پور ، بابت ۱۵ مئی ۱۸۷۰ع)

علوم و فنون کی اشاعت اور ادبی و تاریخی کتابوں کے تراجم کے لیے سرسید نے علی گڑھ میں سائنٹی فک سوسائٹی کے نام سے ایک علمی ادارہ قائم کیا تو ہندوستان کے مختلف صوبوں کے بعض اہلِ علم کو بھی اس کا شوق پیدا ہوا ۔ چنانچہ صوبہ بہار کے مشہور قصبہ مظفر پور (ضلع ترہت) میں بھی چند تعلیم یافتہ اصحاب نے ۲۴ مئی ۱۸۶۸ع کو ایک "سائنٹی فک سوسائٹی" اپنے ہاں قائم کی اور سرسید کے "اخبار سائنٹی فک سوسائٹی" کی طرح اس سوسائٹی سے بھی ایک پندرہ روزہ اخبار نکالا جس کا نام "اخبارالاخیار" تھا ۔ سوسائٹی کے صدر مظفر پور کے ایک با اثر بزرگ نواب محمد تقی خان بہادر آنریری مجسٹریٹ تھے اور سیکریٹری مولوی امدادالعلی خاں ۔ اخبار کے ایڈیٹر منشی قربان علی خاں تھے ۔ اخبار ۱۶ صفحات پر شائع ہوتا تھا اور اس کی سالانہ قیمت بارہ روپے تھی ۔

جس زمانے میں سرسید لندن گئے ہوئے تھے تو اُن کے متعلق

خبریں اور مضامین 'علی گڑھ گزٹ' کے علاوہ 'اخبارالاخیار' میں بھی التزام کے ساتھ شائع ہوا کرتی تھیں - ان میں سے کچھ خبریں جمع کر کے قاضی عبدالودود صاحب (پٹنہ) نے رسالہ 'فکر و نظر' علی گڑھ کے جولائی ۱۹۶۰ع کے شمارے میں شائع کرادیں - قاضی صاحب کے ان انتخابات میں سے سرسید کا ایک خط سیکریٹری سوسائٹی کے نام اور "خطبات احمدیہ" کا ایک اشتہار برائے اشاعت 'اخبارالاخیار' یہاں نقل کیے جاتے ہیں - 'اخبارالاخیار' کا یہ فائل جس میں سرسید کا یہ خط اور اشتہار مرقومہ سرسید چھپا ، سنٹرل کالج کلکتہ کے پروفیسر جناب شاہ مقبول احمد صاحب کے پاس موجود ہے - یہ فائل ۱۵-اپریل ۱۸۶۹ع سے لےکر ۱۵ دسمبر ۱۸۷۰ع تک کے پرچوں پر مشتمل ہے - اخبار کے نمبر جلد اول کے ۱۳ تا ۴۴ ہیں - سرسید کا خط فارسی میں ہے جس کا ترجمہ بھی دے دیا گیا ہے -

(۱)

. . . رسالہ کہ در باب نقصان تعلیم ہندوستان نوشتہ بودم ، شاید روانہ کردہ بودم - چون معلوم شدہ کہ نرسیدہ است ، گمان بردم کہ نوشتم و روانہ نساختم - الحال دو جلد آن روانہء خدمت شریف است بملاحظہ خواہد رسید - الحال بصلاح و صوابدید بعض احباب این جا عریضی داشتے تیار می شود - و یک رسالہء دیگر می نویسم - آن ہمہ کاغذات بذریعہ سوسیٹی (سوسائٹی) بحضور حکام ہند پیش خواہم ساخت و اگر ضرورت شد تا بہ پارلیمنٹ خواہم رسانید - و بندوبست این جملہ امور در این جا بخوبی نمودہ ام - زیادہ امر مشکل انتخاب کتب انگریزی برائے ترجمہ بودہ است - صلاح احباب چنین قرار یافتہ کہ در انتخاب کتب رائے علمائے این جا گرفتہ شود - و فہرست کتب ہمیں جا تیار شود - و چند احباب درین امر ساعی اند کہ از پروفسران یونیورسٹی کیمبرج و آکسفورڈ در انتخاب کتب اعانت خواستہ شود - چنانچہ بتائید بعض احباب فہرست علوم کہ ترجمہء کتب آن ضروریست تیار شدہ و سرکیولر بتحریر درآمدہ چھاپہ می شود - در سہ چہار روز آن سرکیولر مع فہرست علوم بذریعہ چٹھیات احباب بخدمت پروفسران

یونیورسٹی کیمبرج[۱] و آکسفورڈ و لندن و اڈنبرا و ایرلینڈ (آئرلینڈ) فرستادہ خواہد شد ۔ و در ہر علم کتب سہ درجہ یعنی ادنیٰ قابل مبتدیان و درجۂ اوسط و درجۂ اعلیٰ انتخاب خواہد (کذا) ساخت ۔ بعد آن فہرست مکمل معہ (کذا) تخمینہ ترجمہ و لاگت چھاپہ تیار خواہد شد ۔ و سوسیٹی ہائے ہندوستان را اگر ممکن باشد باہم متفق ساختہ آمادۂ ترجمۂ آن خواہم ساخت ۔ و از گورنمنٹ درخواست عطائے نصف خرچ نمودہ خواہد شد ۔ یقین است کہ گورنمنٹ منظور خواہد کرد ورنہ تا سیکریٹری آف سٹیٹ استغاثہ خواہد شد ۔ فہرست علوم تا بخواندگی ایم ۔ اے مرتّب شدہ است ۔ علاوہ آن بعد ملاحظۂ مدارس این جا یک رسالہ در باب طریق تعلیم نوشتہ ام ۔ خصوصاً طریق تعلیم مسلمانان کہ تمام علوم دنیوی مثل حساب و جغرافیہ و ریاضی و جرّثقیل و پولیٹکل اکونمی و تاریخ و علم زمین و نباتات وغیرہ جملہ علوم بزبان اُردو تعلیم شوند ۔ و علاوۂ آن دو زبان دیگر آموختہ شوند ۔ عربی و انگریزی یا فارسی و انگریزی تا بخواندگی بی ۔ اے این ہر دو زبان بقدر کارروائی روزمرہ آموختہ شوند ۔ و زیادہ از آن صرف اوقات برآن کردہ نہ شود ۔ و در زمانۂ ہمیں خواندگی مسلمانان را علوم دینیہ شان مثل عقائد و فقہ آموختہ شوند ۔ بعد ازان کہ امتحان بی ۔ اے پاس کردہ شود ، ہر یک طالب علم را اجازت و اختیار خواہد بود کہ منجملہ علوم خواندۂ خود یک زبان و دو علم را برائے تکمیل پسند و اختیار نماید ۔ اگر کسے می خواہد کہ در زبان عربی کامل شود ، او را اختیار خواہد بود کہ زبان عربی اختیار نماید ۔ ہر کسے کہ خواہد زبان انگریزی را اختیار نماید و آن را تکمیل سازد (او را نیز اختیار خواہد بود) ۔ از روئے حساب خواندگی معلوم می شود کہ طالب علم متوسط الذہن اگر بعمر یازدہ و دوازدہ سالگی در مدرسہ داخل خواہد شد ، تا بعمر ہیجدہ سال یقینی امتحان بی ۔ اے پاس خواہد ساخت ۔ بعد ازان تا سہ سال دیگر او را اجازت خواندن جہت تکمیل دو علم و یک زبان پسندکردہ اش باقی خواہد ماند و یقینی در عمر بیست و یک سال عالم متبحّر خواہد شد و بہ درجۂ ایم ۔ اے خواہد رسید ۔

۱۔ پروفیسروں اور کتب منتخبہ کے نام 'اخبارالاخیار' کے شمارہ یکم دسمبر ۱۸۷۰ء میں شائع ہوئے ۔

به دریافت حالات ترقی سوسیٹی بہار و شرکت و امداد حکام عالی مقام که صرف بتوجه عالی و تدابیر و سعیٔ جمیلۂ سامی شده است ، بسیار بسیار خوشنود شدم - الله تعالیٰ ترقی روزافزون نصیب نماید و آن مخدوم را جزائے خیر دهد - فرنڈز آف انڈیا آرٹیکل هائے بسیار خوب نوشته است - بدانست بنده این کرامات جناب عالی است و بس - فقط

اشتہار خطبات الاحمدیہ علی العرب و السیرۃ المحمدیہ

اس کتاب کو راقم آثم نے تالیف کیا ہے اور میرا ارادہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حالات ابتدائے پیدائش سے وفات تک لکھوں - اور علاوہ اس کے اُن باتوں سے بھی بحث کروں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور اسلام سے علاقہ رکھتی ہیں اور اصلی واقعات کو نامعتبر و مشتبہ اور غیرمستند باتوں سے تمیز کروں - اور جو الزام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یا اسلام کی نسبت منسوب کیے گئے ہیں ، اُن سب کا جواب دوں - جوکہ[1] یہ کتاب زیادہ تر اُن نوجوان مسلمان لڑکوں کے لیے لکھی گئی ہے جو انگریزی علوم کی تحصیل میں مصروف ہیں اس لیے انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ تیار ہوا ہے اور اس کی انگریزی عبارت ایک نہایت لائق اور قابل اور عالم ، میرے یورپین دوست ، نے درست کی ہے ، جس کے سبب سے وہ کتاب مسلمان طالب علموں کی انگریزی تحصیل کے لیے بھی بہت مفید ہے - یہ کتاب کئی جلدوں میں ختم ہوگی مگر بالفعل جلد اول اس کتاب کی انگریزی زبان میں چھپ کر تیار ہوئی ہے ، اور قیمت اس کی پندرہ روپے قرار پائی ہے - جس شخص کو اس کا خریدنا (منظور) ہو وہ مسٹر (میسرز) ٹربنر اینڈ کو سے ، جن کا کارخانہ لندن میں پترناسٹررو محلے میں بہ نمبر ۶۰ واقع ہے ، زر قیمت بھیج کر طلب کرے - محصول ڈاک بذمۂ خریدار ہے - ہندوستان کے خریداروں کی آسائش کے لیے یہ بھی اطلاع کی جاتی ہے کہ اگر ہندوستان کے خریدار زر قیمت راجا جے کشن داس بہادر (کے) پاس جمع کرا کر مجھ کو اطلاع دیں گے تو کتاب مذکورہ میں اُن کی خدمت میں بھجوا دوں گا -

اس جلد اول میں ، جس کا یہ اشتہار ہے ، ایک دیباچہ اور بارہ باب ہیں جو

۱- سرسید کا قاعدہ ہے کہ 'چونکہ' کی جگہ 'جوکہ' لکھتے ہیں - اُس وقت کا طرز نگارش یہی تھا -

بلفظ خطبہ تعبیر کیے گئے ہیں - یعنی بجائے لفظ "باب" کے لفظ "خطبہ" استعمال کیا گیا ہے - چنانچہ مختصراً تفصیل مضامین ان بارہ خطبوں اور دیباچہ کتاب کی اس مقام پر لکھی جاتی ہے -

دیباچے میں مختصراً اُن عربی اور انگریزی کتابوں کا مع ان کے درجۂ اعتبار کے ذکر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حالات زندگی کے باب میں لکھی گئی ہیں اور اخیر دیباچہ میں بڑے بڑے انگریزی عالموں کی رائیں نقل کی گئی ہیں جنھوں نے اسلام کا مقدس اور پاک اور ایک نہایت عمدہ مذہب ہونا تسلیم کیا ہے - جیسے کہ ایک سویلیزڈ ملک کے بے ریا عالموں سے توقع تھی :

۱- خطبہ ۱ میں عرب کی قدیم قوموں اور نسلوں کا ، جن کا توریت مقدس میں بھی ذکر ہے ، اور عرب کے جغرافیے کا بیان ہے - اس خطبے میں توریت مقدس سے اور انگریزی کتابوں کے مصنّفوں کی رائے سے اور خود جغرافیۂ عرب سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت اسماعیل[۳] خاص مکّہ معظمہ میں آ کر آباد ہوئے - اور فاران جس کا ذکر توریت میں ہے اور جس جگہ سے خدا کے نور کے چمکنے کی توریت میں خبر تھی ، وہ وہی ہے جو اب حجاز کہلاتا ہے اور جہاں مکّہ معظمہ واقع ہے -

۲- خطبہ ۲ میں اُن رسموں اور رواجوں کا ذکر ہے جو اسلام سے پہلے عربوں میں مروج تھے -

۳- خطبہ ۳ میں اُن مذہبوں کا ذکر ہے جو اسلام سے پہلے عربوں میں رائج تھے - اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان مذہبوں میں سے اسلام کس مذہب سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے اور اس مناسبت سے اسلام کی اصلیت ربّانی ثابت ہوتی ہے یا صرف بناوٹ پائی جاتی ہے -

۴- خطبہ ۴ میں اس بات کا بیان ہے کہ اسلام عموماً انسان کے حسن معاشرت کے لیے مفید ہے یا نہیں ؟ اور یہودی اور عیسائی مذہب کو اس سے کیا فائدہ پہنچا ہے ؟ اس خطبے میں مفصّلہ ذیل مسائل کی اصلیت بیان کی گئی ہے :

(الف) کثرت ازدواج -

(ب) طلاق -

(ج) غلامی -
(د) جبر نہ ہونا دوسرے مذہبوں پر -

۵- خطبہ ۵ (میں) مسلمانوں کی مذہبی کتابوں کا اور یہ کہ (وہ) کس اصول پر لکھی گئی ہیں اور کہاں تک وہ مسلّم ہیں ، بیان ہے -

۶- خطبہ ۶ میں روایاتِ مذہبی اور اُن کا درجہ اعتبار باعتبار روایت اور باعتبار راویوں کے بیان کیا گیا ہے اور عیسائی مصنّفوں کے تمام اعتراضوں کا جواب دیا ہے ، جن میں سے بڑے اور مقدم اعتراض مفصّلہ ذیل تھے :

(الف) جھوٹ ہونا الزام تعظیم بتوں کا آنحضرتؐ کی نسبت -
(ب) جھوٹ بولنے کی اجازت کا الزام غلط ہے -

۷- خطبہ ۷ میں قرآن کے نازل (ہونے) اور جمع ہونے اور تقسیم ہونے کا ، اور یہ کہ بجنسہٖ اور بلا کم و کاست ویسا ہی بیان ہے - عمدہ مسائل جو اس خطبے میں معرضِ بحث میں آئے ہیں (وہ) یہ ہیں :

(الف) اختلافِ قرأت -
(ب) ناسخ و منسوخ -
(ج) منسوخ التلاوت آیتوں کا ہونا غلط ہے اور کوئی آیت ایسی نہیں جو نازل ہوئی ہو اور قرآن میں نہ ہو -

۸- خطبہ ۸ میں مکۂ معظمہ کی تاریخ اور (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) سے اُس کی تعمیر کا ثبوت اور حجرِ اسود کی اصلیت کا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بزرگوں کو جو اس سے تعلق تھا ، اُس کا اور اس بات کا کہ کعبہ کی طرف نماز پڑھنی اور طواف کرنا اور بوسہ دینا بت پرستی نہیں ہو سکتی ، مفصّل بیان ہے -

۹- خطبہ ۹ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب نامے کا اور جو بحثیں کہ اس سے متعلق ہیں ، اُن کا بیان ہے -

۱۰- خطبہ ۱۰ میں بشاراتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، جو توریت اور انجیل میں ہیں ، بیان کی گئی ہیں - اور موجود ہونا آپ کا نام ''محمد'' توریت میں اور ''احمد'' انجیل میں ثابت کیا گیا ہے -

۱۱- خطبہ ۱۱ میں معراج اور شقِ صدر کی اصلیت اور حقیقت کا بیان ہے

اور تمام روایاتِ مختلفہ اور اقوالِ علما جمع کر کے نتیجہ صحیح نکالا گیا ہے ۔

۱۲- خطبہ ۱۲ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے لے کر آپ کی بارہ برس کی عمر تک کا بیان ہے ۔ نہایت صحیح حال علیحدہ بیان کیا ہے اور نا معتبر روایتوں کو تمیز کیا ہے اور عیسائی مصنّفوں کے اعتراضوں کا جواب دیا ہے ، جس میں سب سے مقدّم یہ اعتراض تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مرضِ صرع (مرگی) چھُٹ پن سے لاحق تھا ۔

از مقام لندن　　　　راقم سید احمد ، مارچ ۱۸۷۰ع

سرسید کے مندرجہ بالا خط کا ابتدائی حصہ جو فارسی میں ہے ، اس کا اُردو ترجمہ ذیل میں دیا جاتا ہے :

ترجمہ : . . . جو رسالہ میں نے ہندوستانی تعلیم کے نقصانات کے باب میں لکھا تھا ، وہ میں نے شاید (آپ کو) بھیجا تھا ۔ مگر چونکہ آپ کے خط سے معلوم ہوا ہے کہ وہ نہیں پہنچا لہٰذا مجھے خیال ہوا کہ اگرچہ میں نے آپ کو لکھ تو دیا مگر روانہ کرنا بھول گیا ۔ اس لیے دو کاپیاں اس رسالے کی اپنے عریضے کے ساتھ خدمتِ شریف میں ارسال کر رہا ہوں ۔ انشاء اللہ آپ کے ملاحظے سے گزرے گا ۔

فی الحال یہاں کے بعض ذی علم احباب سے صلاح و مشورہ کے بعد میں نے ایک عرض داشت تیار کی ہے ۔ یہ کاغذات سائنٹی فک سوسائٹی کے ذریعے ہندوستان کے اعلیٰ حکام کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں اور اگر ضرورت ہوئی تو پارلیمنٹ انگلستان کے ممبروں تک بھی اسے پہنچایا جائے گا ۔ تمام امور کا انتظام یہاں بخوبی کر لیا گیا ہے ۔ ان میں زیادہ مشکل کام ترجمے کی غرض سے انگریزی کتب کے انتخاب کا ہے ۔

احباب کی صلاح یہ قرار پائی ہے کہ (اس غرض کے لیے) کتابوں کے انتخاب کے بارے میں یہاں کے فضلا اور اُدبا سے بھی مشورہ کیا جائے اور کتابوں کی فہرست یہیں تیار ہو ۔ چند احباب اس امر میں ساعی ہیں کہ کیمبرج اور آکسفورڈ

کی یونیورسٹیوں کے پروفیسروں سے انتخابِ کتب کے معاملے میں امداد لی جائے[۱] اور بعض احباب کے تعاون سے اُن علوم کی فہرست ، جن کے لیے کتابوں کے ترجمے کی ضرورت ہے ، تیار کی جائے اور ایک گشتی چٹھی کی صورت میں اُسے چھپوا لیا جائے - چنانچہ انشاء اللہ تین چار روز میں یہ گشتی مراسلہ کیمبرج ، آکسفورڈ ، لندن ، اڈنبرا اور آئرلینڈ کی یونیورسٹیوں کے پروفیسروں کو بھیج دیا جائے گا - ہر علم کے لیے کتابوں کے تین درجے مقرر کیے جائیں گے :

۱- مبتدیوں اور معمولی استعداد رکھنے والوں کے لیے -

۲- اوسط درجے کی لیاقت رکھنے والوں کے لیے -

۳- اعلیٰ قابلیت کے اشخاص کے لیے -

مختلف یونیورسٹیوں کے پروفیسروں کے پاس سے واپس آنے کے بعد اُس فہرستِ کتب کے ترجمے اور طباعت کا تخمینہ لگایا جائے گا اور اگر ہندوستان کی سائنٹی فک سوسائٹیاں متفق ہو کر ترجمے پر آمادہ ہوئیں تو پھر گورنمنٹ سے درخواست کی جائے گی کہ اس کی طباعت کا نصف خرچ وہ عطا فرمائے - یقین ہے کہ گورنمنٹ اسے منظور کر لے گی ورنہ پھر سیکریٹری آف سٹیٹ کے حضور میں اس کے لیے عرض کی جائے گی -

اس کے علاوہ میں نے ایک کام یہ کیا ہے کہ یہاں کے مدارس کے معائنے کے بعد ایک رسالہ تعلیم کے باب میں لکھا ہے - خصوصاً طریقِ تعلیمِ مسلمانان کے متعلق کہ اُن کو تمام دنیوی علوم مثل حساب ، جغرافیہ ، ریاضی ، جرّثقیل ، سیاستِ مُدن ، تاریخ ، طبقات الارض اور علمِ نباتات وغیرہ جملہ علوم کی تعلیم اُردو زبان میں دی جائے - اس کے علاوہ دو دیگر زبانیں بھی اُنھیں سکھائی جائیں ، یعنی عربی اور انگریزی یا فارسی اور انگریزی - دونوں دیگر زبانوں کی تعلیم بی - اے تک اُن کو دی جائے تاکہ وہ روزمرہ کی ضروریات کے مطابق

۱- اس خیال کی وجہ صرف یہ تھی کہ سرسید ولایت کے مصنّفین اور وہاں کی یونیورسٹیوں کے پروفیسروں کے علم و فضل اور اُن کی واقفیت و معلومات سے نہایت درجہ متاثر تھے ، ورنہ ظاہر ہے کہ ہندوستانیوں کے مذاق ، اُن کی ضروریات اور اُن کی دلچسپیوں سے یورپ کے لوگوں کو نہ کوئی واقفیت تھی ، نہ کوئی دلچسپی - دریں حالات وہ اس باب میں کیا مشورہ دے سکتے تھے کہ ہندوستانیوں کے لیے کن کن کتابوں کے ترجمے مفید رہیں گے ؟

ان زبانوں میں مہارت حاصل کر لیں ۔ اس سے زیادہ اُن کے اوقات کو صرف نہ کیا جائے ۔ اور اس تعلیم کے دوران مسلمانوں کو اُن کے دینی علوم مثل عقائد اور فقہ وغیرہ سکھائے جائیں ۔ زاں بعد جب وہ بی ۔ اے کا امتحان پاس کر لیں تو ہر طالب علم کو اس بات کی اجازت ہو کہ وہ اپنے پڑھے ہوئے علوم میں سے ایک زبان اور دو علموں کو برائے تکمیل پسند کر لے اور اس میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرے ۔ اگر کوئی طالب علم چاہے کہ عربی زبان میں کامل ہو تو اُس کو اختیار ہو کہ وہ اس کی تکمیل میں مصروف ہو جائے اور اگر اُس کی خواہش ہو کہ اپنے پڑھے ہوئے علوم میں سے علم دین کی تکمیل کرے تو اُسے اس کا اختیار ہو ۔ جو شخص چاہے انگریزی زبان کو اختیار کرے اور اُس کی تکمیل کرے ۔

مجھے خواندگی کا حساب کرنے سے اندازہ ہوا کہ درمیانی ذہن رکھنے والا طالب علم اگر گیارہ بارہ سال کی عمر کا مدرسے میں داخل ہو تو ۱۸ سال کی عمر میں یقینی بی ۔ اے پاس کر لے گا ۔ زاں بعد تین سال تک اُسے اجازت ہو کہ وہ اپنی پسند کے دو علم اور ایک زبان کی تکمیل کرے ۔ اس طرح وہ ۲۱ سال کی عمر میں ان علوم اور اس زبان کا فاضل بن جائے گا اور ایم ۔ اے کے درجے تک پہنچ جائے گا ۔

ہمار سائنٹی فک سوسائٹی کی ترقی کے حالات اور حکام عالی مقام کی اُس میں شرکت اور امداد کا حال پڑھ کر ، جو انہوں نے اس کی بہتری اور ترقی میں کی ، میں بہت ہی زیادہ خوش ہوا ۔ اللہ تعالیٰ سوسائٹی کو روز افزوں عروج عطا فرمائے اور آں مخدوم کو جزائے خیر دے ۔

فرنڈز آف انڈیا نے (سوسائٹی کے کام کے متعلق) بہت عمدہ آرٹیکل لکھے ہیں ۔ یہ سب کچھ آپ کی کرامات ہے اور کچھ نہیں ۔ فقط

راقم سید احمد ، از لندن ، مارچ ۱۸۷۰ع

۱۸

بنام ایڈیٹر صاحب 'اودھ اخبار' لکھنو

'اودھ اخبار' اُردو کا مشہور اور موثّر پرچہ تھا جو منشی نول کشور نے لکھنؤ سے جنوری ۱۸۵۹ء میں جاری کیا تھا۔ شروع میں یہ ہفتہ وار تھا، پھر ہفتے میں دو بار ہوا، کچھ عرصے بعد ترقی کر کے ہفتے میں تین دفعہ نکلنے لگا، مگر جلد ہی ہر دوسرے روز شائع ہونا شروع ہو گیا۔ ۱۸۷۷ء میں روزانہ ہوگیا۔ اُردو روزناموں میں سب سے پہلے اسی اخبار نے اپنا ہفتہ وار ایڈیشن نکالا جو علمی اور ادبی مضامین پر مشتمل ہوتا تھا اور مضامین کا مضمون نگاروں کو نقد معاوضہ بھی ملتا تھا۔ یہ اخبار غالباً تقسیمِ ملک کے وقت تک جاری رہا۔ اپنے وقت میں اس اخبار کو بڑی شہرت اور مقبولیت حاصل تھی۔ ملک کے کئی فاضل انشا پرداز اس کے ایڈیٹر رہے اور بڑے بڑے قابل حضرات اس کے معاون اور مضمون نگار رہے جن کے رشحاتِ قلم ملک میں بڑے شوق سے پڑھے جاتے تھے۔ یہ اخبار اگرچہ سرسید سے بڑی عقیدت رکھتا تھا اور سرسید کی تحریک کا بڑا حامی تھا مگر سرسید کے مخالفین کے مضامین اور خطوط بھی شائع کر دیا کرتا تھا اور ادھر سے بھی جواب الجواب کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ اس اخبار کے ۱۸۷۲ء اور ۱۸۷۳ء کے فائلوں میں سے سرسید

اور ان کے مخالفین کے خطوط ، جو اس اخبار میں وقتاً فوقتاً شائع ہوئے ، جناب ڈاکٹر محمود الٰہی صاحب صدر شعبۂ اُردو گورکھ پور یونیورسٹی نے نکال کر رسالہ 'فکر و نظر' علی گڑھ جلد ۴ نمبر ۴ بابت اکتوبر ۱۹۶۳ع میں شائع کر دیے - وہیں سے لے کر سرسید کے مندرجہ ذیل خطوط رسالہ' مذکور کے نہایت شکریے کے ساتھ ہم یہاں نقل کر رہے ہیں - 'اُودھ اخبار' میں اس وقت منشی غلام محمد خاں صاحب بہ حیثیت ایڈیٹر کام کر رہے تھے -

(۱)

(اودھ اخبار لکھنؤ ، بابت ۱۶ فروری ۱۸۷۲ع ، ص ۱۹۲)

ایک مرتبہ اودھ اخبار میں ایڈیٹر نے ایک مضمون لکھا جس میں ایک فقرہ یہ تھا کہ ''افسوس کوئی نکتہ کی بات کو سمجھتا نہیں - عبارت آرائیاں اور نثر میں خود نمائیاں کرنا سب جانتے ہیں لیکن سچ بات کو ہرگز نہیں مانتے-'' اس پر اعتراض ہوا کہ لفظ ''نکتہ'' میں خود''بات'' کا مفہوم موجود ہے ، پھر ''بات'' کے اضافے کی کیا ضرورت تھی؟ ایڈیٹر نے مشہور فارسی لغت ''بہار عجم'' میں سے ''تماشا دیدن''کو بطور سند پیش کیا مگر معترض نے اسے قبول نہ کیا - اس پر ایڈیٹر نے سرسید کو خط لکھا اور درخواست کی کہ ''آپ بلا رُو و رعایت اس مقدمے میں ارشاد فرمائیں کہ آیا ''نکتہ کی بات'' کا محاورہ صحیح ہے یا غیر صحیح ؟'' اس کے جواب میں سرسید نے ایڈیٹر کو حسب ذیل خط لکھا :

مخدوم بندہ منشی غلام محمد خاں صاحب سلامت !

آپ کا عنایت نامہ پہنچا - ممنون یاد آوری کیا - جب کہ آپ خود اہلِ زبان ہیں (تو) جو آپ کے قلم و زبان سے نکلا وہی سند و محاورہ ہے - ''بہار عجم'' کی سند کی نہ احتیاج ہے اور نہ کسی قاعدے کی دلیل ضرور ہے - صرف اتنا کافی ہے کہ اہلِ زبان بولتے ہیں یا نہیں ؟ اور جب کہ آپ خود اہلِ زبان ہیں (تو) آپ ہی سند ہیں - نکتہ و بات کو ہر جگہ ملا دینا البتہ صحیح نہ ہوگا - الاّ بعض

موقعوں پر جو بے ساختہ اہلِ زبان کی زبان سے نکلا کرتے ہیں ، صحیح ہے ۔ پس جس عبارت میں کہ آپ نے ان کو ملایا ہے (وہ) میری دانست میں صحیح و بامحاورہ ہے ۔ کچھ غلطی اُس میں نہیں ۔ باقی رہا اُس کی وجوہات (تو) اُس کا لکھنا بے فائدہ ہے ۔

مورخہ ۳۱ جنوری ۱۸۷۲ء   خاکسار سید احمد ، از بنارس

(۲)

(اودھ اخبار لکھنؤ ، بابت ۷ ۔ ۲ اگست ۱۸۷۲ء ؛ ص ۱۰۵۲)

جب سرسید نے مدرسۃ العلوم قائم کرنا چاہا اور اس کا اعلان کیا تو اس بات پر بہت گرما گرم بحثیں ہوئیں کہ یہ مدرسہ کہاں اور کس مقام پر قائم کیا جائے ؟ اخباروں میں اس کے متعلق بکثرت مضامین نکلنے لگے ۔ دوسرے اخباروں کی طرح ''اودھ اخبار'' میں بھی اس پر بحث ہونے لگی ۔ چنانچہ ۲۰ اگست ۱۸۷۲ء کے اخبار میں ایک صاحب نے یہ رائے ظاہر کی کہ یہ مدرسہ دہلی میں قائم کیا جائے ۔ ایڈیٹر نے بھی اس پر اپنا ایک نوٹ لکھا جس پر مضمون نگار کی رائے اور ایڈیٹر کے نوٹ کے جواب میں سرسید نے حسبِ ذیل خط اشاعت کے لیے 'اودھ اخبار' کو بھیجا ۔

مخدومی ایڈیٹر اودھ اخبار سلامت!

میں نے آپ کا اخبار مطبوعہ ۲۰ ۔ اگست ۱۸۷۲ء پڑھا ۔ اور جو کہ آپ نے نسبت مدرسۃ العلوم للمسلمین کے ارقام فرمایا ، نسبت مقام مدرسہ پر کچھ رائے دی جائے گی ، اس لیے نیاز نامہ لکھنا میں نے مناسب سمجھا ۔

واضح ہو کہ گورنمنٹ اضلاع متحدہ شمال و مغرب نے جو وعدہ گرینٹ اِن ایڈ دینے کا فرمایا ہے ، وہ اسی حالت میں ہے جب کہ (مدرسہ) تحت حکومت گورنمنٹ ممدوح میں قائم ہو ، اس لیے ضرور ہے کہ شمال مغربی اضلاع ہی کے کسی مقام پر یہ مدرسہ بنایا جائے ۔

مقامِ غور ہے کہ گورنمنٹ سے گرینٹ اِن ایڈ کا ملنا کچھ کم مدد نہیں ہے ۔ حقیقت میں جس قدر روپیہ ہم کو جمع کرنا ہے ، گویا اُس کا نصف ہم

نے گرینٹ إن ایڈ کے وعدے کے سبب جمع کر لیا ہے ۔
(واقعہ یہ ہے کہ) ہم اس قدر شاہانہ مدد کو ، جو مقدار میں بھی نہایت کثیر ہوگی، دہلی پر یا کسی اور شہر پر فدا نہیں کر سکتے ۔ اس لیے تمام رائے دینے والوں سے اُمید ہے کہ وہ صاحب شمال مغربی اضلاع کے مقاموں میں سے کسی مقام کو پسند فرمائیں ۔

از مقام بنارس ، ۲۳ اگست ۱۸۷۲ع   زیادہ نیاز
خاکسار ، سید احمد
سکرٹری کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان ہند

(۳)

(اودھ اخبار لکھنؤ ، مورخہ ۲۵ - اکتوبر ۱۸۷۲ع ، ص ۱۳۳۸)

شفیق و عنایت فرمائے حال بندہ ایڈیٹر اودھ اخبار سلامت !

تاریخ ۱۹ کو ایک اجلاس ممبران مجلس خزنتہ البضاعۃ لتاسیس مدرسۃ العلوم للمسلمین کا منعقد ہوا تھا ۔ اُس کی روئداد آپ کی خدمت میں اس اُمید سے روانہ کرتا ہوں کہ آپ از راہ عنایت اپنے عمدہ اخبار میں چھاپ دیں گے ۔ اگر آپ اپنی عنایت دریغ نہ فرمائیں گے تو بندہ کمال ممنون و مشکور ہوگا ۔ زیادہ نیاز

از بنارس[1]   خاکسار ، سید احمد

(۴)

(اودھ اخبار ، مورخہ ۷ مارچ ۱۸۷۳ع ، ص ۳۵۵)

۱۸۷۳ع کے نجم الاخبار[2] میں ایک صاحب نے ''کاشف الغطا[3]''

۱- اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں مگر چونکہ ۲۵ - اکتوبر ۱۸۷۲ع کے پرچے میں چھپا ہے لہذا ظاہر ہے کہ اس تاریخ سے پانچ چھ دن پہلے لکھا گیا ہوگا ۔
۲- ''نجم الاخبار'' ایک ہفتہ وار اخبار تھا جو ۱۸۶۳ع میں میرٹھ سے جاری ہوا تھا اور اُس وقت کے مشہور اخباروں میں شمار ہوتا تھا ۔ اس کے ایڈیٹر ایک صاحب مولوی محمد حیات تھے ۔
۳- ''کاشف الغطا'' ایک فرضی نام ہے جس کے معنی ہیں پوشیدہ بھیدوں اور خفیہ رازوں کو ظاہر کرنے والا ۔

کے فرضی نام سے ایک خط چھپوایا جس میں لکھا کہ ''ہمیں حال ہی میں ایک عجیب و غریب خط دستیاب ہوا ہے جس میں نواب محسن الملک مولوی مہدی علی خاں نے ، جو بظاہر سرسید کے زبردست رفیق کار اور ان کے نہایت درجہ معاون و مددگار ہیں ، سرسید کے عقائد اور معتقدات سے سخت بیزاری اور نہایت نفرت کا اظہار کیا ہے'' ۔ کاشف الغطا صاحب نے بڑے فخر سے وہ خط شائع کیا ۔ ''نجم الاخبار'' سے یہ خط ''اودھ اخبار'' میں نقل کیا گیا ۔ ''اودھ اخبار'' سرسید کے پاس آتا تھا ۔ جب انھوں نے یہ خط پڑھا تو ایڈیٹر ''اودھ اخبار'' کو حسب ذیل خط لکھا :

مخدوم و مکرم بندہ جناب ایڈیٹر صاحب اودھ اخبار سلامت !

میں نے آپ کے اخبار مطبوعہ ۲۸ فروری ۱۸۷۳ع میں 'نجم الاخبار' سے نقل کیا ہوا ایک خط راقم کاشف الغطا کا ، مع نقل خط مکرمی مولوی مہدی علی صاحب کے ، جو میرے نام پر تھا ، پڑھا ۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ میرے اس نیاز نامے کو اپنے اخبار میں چھاپ کر راقم ممدوح کو میرا (یہ) پیغام پہنچا دیں گے کہ انھوں نے مولوی مہدی علی صاحب کے خط کا مطلب خوب سمجھا ! اور اُن کی دلچسپ تحریر کا خوب مطلب نکالا ! اور اُن کی تلمیحات کو خوب حل کیا ! سخن فہمی اسی کا نام ہے ۔ جزاک اللہ فی الدارین خیرا ۔ والسلام

از بنارس ، ۲ مارچ ۱۸۷۳ع — خاکسار ، سید احمد

(۵)

(اودھ اخبار لکھنؤ ، مورخہ ۱۹ ستمبر ۱۸۷۳ع و ۱۶ ستمبر ۱۸۷۳ عیسوی)

جب سرسید نے علی گڑھ کالج قائم کرنے کا ارادہ کیا اور اس کا اعلان کیا تو ہر طرف سے ان پر اعتراضات کی بوچھاڑ ہونے لگی اور کالج کی مخالفت میں بکثرت مضامین مختلف اخباروں میں شائع ہونے لگے ۔ ''سرسید کے مذہبی عقائد'' اور ''علی گڑھ کالج میں مذہبی تعلیم'' دو ایسے موضوع تھے جن پر اُس وقت

نہایت زور شور کے ساتھ نکتہ چینی کی گئی اور سرسید کے متعلق کوئی دقیقہ سب و شتم کا باقی نہیں چھوڑا گیا ۔ مگر سرسید دُھن کے پکّے اور عزم کے سچے تھے لہٰذا کوئی بھی مخالفت اُن کو اپنے ارادے سے باز نہیں رکھ سکی ۔ اور انھوں نے اُن علمائے کرام سے ، جو مخالفت میں سب سے پیش پیش تھے ، صاف کہہ دیا کہ ''اگر آپ کو میرے عقائد سے اختلاف ہے تو خود آگے بڑھیں اور کالج کی مذہبی تعلیم کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیں ، مگر خدا کے لیے چلتی گاڑی کو نہ روکیں اور مسلمانوں کے مستقبل پر رحم کریں ۔

سرسید کے اشد ترین معاندوں میں سے ایک صاحب مولوی علی بخش تھے ۔ انھوں نے سرسید کی مخالفت میں کسی قسم کی کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی اور ان کے خلاف نہایت کثرت کے ساتھ اخباروں میں مضامین لکھے ، اور خود سرسید کو بھی لمبے لمبے خط تحریر کیے ۔

ابھی یہ جھگڑا چل ہی رہا تھا کہ ایک اور صاحب عبدالحق جون پوری بیچ میں کود پڑے اور انھوں نے متنازعہ فیہ مسائل کے متعلق ایک خط ۱۹ ستمبر ۱۸۷۳ء کے 'اودھ اخبار' لکھنؤ میں چھپوایا جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے :

مکرمی ! تسلیم

بجوزہ مدرسۃ العلوم کی حمایت اور مخالفت میں جو مختلف تحریریں ایک عرصے سے شائع ہو رہی ہیں ، ان میں نہایت توجہ کے قابل وہ خطوط ہیں جو مولوی علی بخش خاں صاحب نے بنام سید مہدی علی صاحب کے اور اُس کے جواب میں مولوی سید احمد خاں صاحب نے بنام مولوی علی بخش خاں صاحب کے اور پھر مولوی صاحب نے بنام سید صاحب کے لکھے ہیں اور جو اخبارات کے ذریعے سے مشتہر ہوئے ہیں ۔

ہر شخص جو انصاف سے ان خطوط کو دیکھے گا ، وہ اس امر کو تسلیم کرے گا کہ یہ تحریریں تعصّب اور حسد اور جاہلانہ خیالات سے پاک ہیں اور

جو رائیں یا شبہات ان میں بیان کیے گئے ہیں وہ ضرور لایق اس کے ہیں کہ ان پر توجہ کی جائے - اور یہ بھی قبول کرنے کے لائق ہے کہ مدرسۃ العلوم کے بانی اور حامی اور اس کے مخالف دونوں کسی قدر غلطی پر ہیں - اگر وہ نیک نیتی سے اپنی ہٹ اور اصرار کو چھوڑ دیں اور ایک دوسرے کی بات مان لیں تو یہ مخالفت نہایت عمدہ نتیجہ پیدا کرے اور تھوڑے ہی دنوں میں بنیاد اس مفید مدرسے کی مسلمانوں کی مدد سے جناب لارڈ نارتھ بروک صاحب اور جناب سر ولیم میور صاحب بہادر سے عالی ہمّت مسلمانوں کے مربیّوں کے ہاتھ سے پڑ جاوے - اور مسلمان بھی ، جن کی ہمّت اور عقل اور علم پر جگرخراش طعنے ہو رہے ہیں ، نامور قوموں میں داخل ہو جائیں -

مدرسۃ العلوم کی ضرورت اور جن علوم کی تعلیم اس میں ہوگی ، اس کی حاجت کو مولوی علی بخش خاں صاحب تسلیم کرتے ہیں اور اپنے معقولات قدیمہ کو غیرکافی جانتے ہیں - اور یہ وہ بات ہے جوکہ ایک دانش مند عالم سے اس زمانے میں اُمید ہو سکتی ہے - مگر مولوی علی بخش خاں صاحب مذہبی علوم کی تعلیم کو بھی ایک ضروری امر جانتے ہیں اور بے اصلاح ، بغیر ترمیم کے ، موافق طریقۂ سلف صالح کے اس کو جاری رکھنا پسند کرتے ہیں اور سید صاحب بھی اس میں اُن سے موافق ہیں - اور گو ان کے ذاتی خیال بہ نسبت اس تعلیم کے کیسے ہی کچھ ہوں اور گو وہ اسے غیر مفید جانتے ہوں مگر موافق اصول اس مدرسے کے انھوں نے مذہبی تعلیم کو بے اصلاح و ترمیم کے جاری رکھنا تسلیم کر لیا ہے ، اور کمیٹی نے اس کا یہ تصفیہ کر دیا ہے - پس ہمارے نزدیک مذہبی علوم کی تعلیم کا معاملہ طے ہوگیا ہے - اور کوئی بات جو عام مسلمانوں کے مذہبی خیالات کے مخالف ہو ، تجویز نہیں کی گئی ہے - نہ بجائے ''شرح وقایہ'' کے ''رسالۂ تقلید'' اور ''عمل بالحدیث'' مولوی سید مہدی علی صاحب کا پڑھانا تجویز ہوا ہے ، نہ بعوض ''ہدایہ'' کے ''تبریۃ الاسلام عن شیئن الائمۃ و الغلام'' مولوی سید احمد خاں صاحب کا درس میں داخل کیا گیا ہے - ''شرح عقاید'' کی جگہ ''تہذیب الاخلاق'' کی تعلیم نہیں ٹھہری ، ''بیضاوی'' کے بدلے کوئی نئی تفسیر تجویز نہیں ہوئی -

پس جو شبہ بہ نسبت مذہبی تعلیم کے کیا جاتا ہے وہ بجائے خود صحیح نہیں ہے - باقی رہا معاملہ تربیت کا کہ مسلمان طلبہ کے رہنے بیٹھنے ، کھانے پینے ،

لباس و پوشاک کا کیا طرز ہوگا ، اس کی نسبت اگر سید صاحب کو یہ اصرار ہو کہ سارے مسلمان ان کی سی وضع اختیار کریں اور وہی طرز مدرسے میں بطور قانون اسلام کے جاری کیا جائے تو یہ ان کی دانشمندی سے بعید ہے ۔ مگر جہاں تک ہم خیال کرتے ہیں ان کو اس پر اصرار نہیں ہے ۔ بلاشبہ وہ اس کو پسند کرتے ہیں ، اسے جائز جانتے ہیں مگر بحالت مخالفت مسلمانوں کے وہ اس پر اصرار نہیں کر سکتے اور اگر کریں تو موافق اصول کمیٹی کے وہ پیش نہیں کیا جا سکتا ۔ اور جب کہ مسلمان اس وضع کو خلاف اسلام کے یا مخالف شریعت کے جانتے ہیں تو کیا ضرور ہے کہ وہ اپنے اس خیال کے غلط سمجھنے پر مجبور کیے جاویں تا وہ نادان اور جاہل اور کم بخت ٹھہرائے جائیں ۔ مذہبی خیالات کا ، گو وہ غلط ہی ہوں ، تبدیل کرانا اصول عام کے مخالف ہے ۔ اس کے لیے کافی ہے کہ سید صاحب اپنی رائے کی تائید کریں اور اس کی خوبیاں اور شرعی اباحت ثابت کریں ، ان کے مخالفین اس کی تردید کریں اور دیکھنے والے دونوں تحریروں سے ایک عمدہ نتیجہ حاصل کریں ۔

ہمارے نزدیک جو غلط فہمی لوگوں کو سید صاحب کی ایک تحریر سے ہوئی ہے وہ رفع نہیں ہو سکتی ، جب تک کہ کمیٹی کے اجلاس سے تربیت اور مدرسے میں رہنے کے قواعد بھی اسی طرح مشتہر نہ کر دیے جاویں گے جس طرح کہ تعلیم کے قاعدے تجویز کر دیے گئے ہیں ، اس لیے حامیان مدرسۃ العلوم کو مناسب ہے کہ وہ کمیٹی میں بھی اس کا تصفیہ کر دیں اور یہ خیال غلط ، جو وبائی ہوا کی طرح مسلمانوں کے دماغوں میں سما رہا ہے ، اسے نکال دیں ۔ اور یہ واجب بھی ہے ، اس لیے کہ مسلمان قبل مدد کرنے اور شریک ہونے کے یہ تو جان لیں کہ اس مدرسے میں کس قسم کی تربیت ہوگی ، اور اس کا بھی تو ان کو اطمینان ہو جاوے کہ ان کے لڑکے شریعت اور مذہب کے مخالف کسی بات کرنے پر مجبور نہ کیے جائیں گے ۔ بعد اس تصفیے کے ہمارے نزدیک کوئی مسلمان اس مجوزہ مدرسۃ العلوم سے مخالفت نہ کرے گا اور کیا وجہ مخالفت کی ہوگی ۔ آخر سب مسلمان پاگل نہیں ہیں ، مجنون اور دیوانہ نہیں ہیں یا سب کے سب سید صاحب کے دشمن اور حاسد اور خبیث النفس نہیں ہیں کہ وہ ایسے مفید اور عمدہ مدرسے کی مخالفت کریں جیسا کہ مدرسۃ العلوم ہے ، جس میں ان کے لڑکے عقلی اور دنیاوی علوم کو اعلیٰ درجے کی تعلیم حاصل کریں ، اور اپنے مذہبی علوم میں بھی

موافق طریقہ سلف صالح کے تکمیل کریں اور عمدہ تربیت بھی پاویں اور شریعت و مذہب کے مخالف بھی کسی امر کے کرنے پر وہ مجبور نہ کیے جاویں ۔ جیسا کہ میں حامیانِ مدرسہ سے اس امر کے تصفیے کی درخواست کرتا ہوں ، ویسا ہی اس کے مخالفین سے بھی بہ صد عاجزی ملتمس ہوں کہ اے حضرات حامیانِ شریعت ! ذرا انصاف کرو کہ مسلمانوں کی اس درجہ مخالفت اس مجوزہ مدرسۃ العلوم سے زیبا ہے یا نہیں ؟ اور یہ مخالفت ان کے مذہبی جوش کا اثر ہے یا اور کچھ ؟ فرض کرو کہ یہ مدرسہ قائم نہ ہو تو مسلمان کیا کریں گے ؟ یا تو علوم و فنونِ جدیدہ کی تعلیم سے محروم رہیں گے ، اور اس سے جو ذلّت اور جہالت اور ادبار ان کو حاصل ہوگا ، اس کی صورت ہمارے سامنے ہے ، یا وہ سرکاری مدرسوں کی طرف رجوع کریں گے ، جیسا کہ اب ہوتا جاتا ہے ، تو وہاں مذہبی امور کی رعایت اور شرعی احکام کی پابندی کیا ہوگی ؟ آیا مسلمانوں کی خاطر سے مدرسے میں تصویروں کا رکھنا ممنوع ہو جاوے گا ؟ یا ان کے لیے بجائے اتوار کے جمعہ کی تعطیل ہوا کرے گی ؟ یا ان کے لیے گورنمنٹ ایک مسجد بنا کر امام مؤذن نوکر رکھ دے گی ؟ یا نماز کے وقتوں پر مدرسے کی تعلیم بند کر دیا کرے گی ؟ ذرا انصاف کی آنکھ کھول کر حالتِ موجودہ کو اس تعلیم کی دیکھو اور جو نتیجے آئندہ اس سے پیدا ہوں گے ، اسے سوچو اور پھر اپنے مجوزہ مدرسۃ العلوم سے مقابلہ کرو ۔

یہ بات سچ ہے کہ سید احمد خاں صاحب کے مذہبی خیالات تمام مسلمانوں کے مخالف ہیں اور ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے کہ بے حجّت و انکار لوگ اسے مانیں گے ۔ مگر ان کے ذاتی خیالات سے مدرسۃ العلوم کو کیا تعلق ہے ۔ جو شخص دونوں کو ایک جانے وہ درحقیقت اصول سے کمیٹی کے بے خبر ہے اور اس زمانے میں اس کا ایسا خیال بچوں کے ہنسنے کے قابل ہے ۔ اگر ایک شخصی خیالات کا قومی کاموں میں لحاظ کیا جاوے تو کبھی کوئی کام سرانجام نہ پاوے ۔ اس لیے کہ دو آدمی بھی ، جو ہر طرح ایک سا خیال رکھتے ہوں ، نہ ملیں گے ۔ میں کہتا ہوں کہ سید صاحب کی طرح اگر خود مولوی علی بخش خاں صاحب مدرسۃ العلوم قائم کرنا چاہیں تو مولوی امداد العلی صاحب فرما سکتے ہیں کہ وہ بدعتی ہیں ، (لہٰذا) اپنے خیالات کے موافق تعلیم دیں گے ، اس میں شرکت حرام ہے ۔ یا مولوی امداد العلی صاحب قومی مدرسے کی بنیاد ڈالیں تو مولوی علی بخش خاں صاحب کہہ سکتے ہیں کہ وہ تو ٹھیٹ وہابی ہے ، ان کے مدرسے

میں اعانت کفر ہے ۔ مسلمانوں کا کام تو ایسے جھگڑے قصے میں تمام ہو جائے گا اور کبھی ان کی تعلیم و تربیت کی کوئی صورت پیدا نہ ہوگی ۔ بجز اس کے کہ بعض نیک بخت مسلمان اپنے گھر پر کسی "ملا" کو دو چار روپیہ ماہواری پر نوکر رکھ لیں اور دس پانچ جولاہوں کے لڑکوں کو جمع کر کے چند معمولی لفظ یاد کروا دیں ۔ میں مسلمانوں سے یہ بھی امید کرتا ہوں کہ وہ خدا کا شکر کریں کہ ابھی اور مسلمانی سلطنتیں بھی ایسی دنیا میں قائم ہیں جن کی شان و شوکت سے ہم ہندوستان کے ذلیل و خوار مسلمانوں کو بھی فخر و ناز کا موقع ہے ۔ ان کے موجودہ حالات اور ان ملکوں کے مسلمانوں کے خیالات ، وہاں کی طرز تعلیم و تربیت پر غور کریں اور اپنے حال کو اپنی ہی قوم سے ملائیں ۔ وہ ہندوستان کے ہندوؤں کی طرح ابھی اس درجے کی ذلت پر نہیں پہنچے کہ کوئی بھائی ان کا اس دنیا میں بادشاہ نہ ہو یا ان کی قوم کسی نہ کسی جگہ سلطنت نہ کرتی ہو ۔ ان کو لازم ہے کہ وہ روم و مصر کی طرف نظر کریں ۔ وہاں کی تعلیم و تربیت کو سوچیں کہ وہ مطابق ان کے اس طرز کے ہے جس کی پابندی وہ کرتے ہیں یا موافق اُس وضع کے ہے جس کا رواج حامیان مدرسۃ العلوم چاہتے ہیں اور وہاں تعلیم و تربیت اس طرح پر جاری ہے جسے اہل اسلام ہندوستان کے عمدہ اور مفید جانتے ہیں یا اُس طور پر ہے جس کی بنیاد مدرسۃ العلوم کے حامی ڈالنا چاہتے ہیں ۔

پرانے طرز کی تعلیم و تربیت کے غیر مفید اور بیکار ہونے پر اب اور ملکوں کے دانا مسلمانوں کا ایسا اجماع ہو گیا ہے کہ اس زمانے میں اس کا مفید کہنا درحقیقت اپنی نادانی ظاہر کرنا ہے ۔ اور ان رسموں کی پابندی کی برائی ، جو ایک مدت سے مسلمانوں میں جاری ہیں ، ایسی صاف ثابت ہو گئی ہے کہ اس کا نام لینا اپنے آپ کو جاہل اور وحشی ٹھہرانا ہے ۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان ، جنھوں نے ہندوؤں کے سوا دوسرے کی صورت نہیں دیکھی ، جن کی عقلوں کو ہندوستان کے باشندوں کی پیروی نے رسم و رواج کا مغلوب کر رکھا ہے ، وہ جانتے بھی نہیں کہ ان کے اور بھائی اس دنیا میں کیا کر رہے ہیں اور کیوں کر تعلیم و تربیت حاصل کرتے ہیں ۔ اس سے زیادہ تعجب کی بات اور کیا ہوگی کہ جو وضع اور طرز لباس و خوراک کی تمام مسلمانوں میں روم کے جاری ہو اور جہاں کے بادشاہ کا خطبہ مکّے کے منبر پر پڑھایا جاتا ہو ، وہی وضع ہندوستان میں کفر کا شعار ٹھہرائی جاوے ، اور وہی بات جس سے اور

ملکوں کے مسلمان ہندوستان کے مسلمانوں کو ہندو کہیں ، خلاف اسلام سمجھی جائے - یہ صرف سمجھ کا قصور اور رسم کی پابندی کا سبب ہے - مگر ہم کو نہ اس سے غرض ہے کہ یہ وضع اچھی ہے یا بری ، نہ اس سے بحث ہے کہ وہ مباح ہے یا حرام ، ہم کو تو مطالب مدرسۃ العلوم سے ہے کہ اس میں مخالفت مسلمانوں کی ان کے لیے اچھی نہیں -

میں اخیر پر اب سید صاحب سے عرض کرتا ہوں کہ وہ مولوی علی بخش خاں صاحب کی اس بات کو مان لیں کہ تعلیم و تربیت کے صاف صاف قواعد کمیٹی کی منظوری سے مرتّب کر کے مشتہر کر دیں تاکہ مسلمانوں کو اطمینان ہو جائے یا معلوم ہو جائے کہ کس طور پر اور کس اصول پر ہوگی - اور مولوی علی بخش خاں صاحب سے ملتمس ہوں کہ وہ سید صاحب کی درخواست کو قبول کر لیں اور کمیٹی کے ممبر ہو جاویں تاکہ جو برائیاں کمیٹی سے پیدا ہوں ، اس کی اصلاح کا ان کو موقع ملے ، اور مسلمانوں کے خستہ و خراب حال پر خدا کے واسطے رحم کر کے ان کی تعلیم و تربیت کی راہ بند نہ کریں اور اس کو ہزار حج سے بہتر جانیں - اور کیا خوب ہو کہ علاوہ معمولی زادِ راہ کے جو حج میں ہوگا اور خیر و خیرات کے لیے جس قدر سرمایہ جمع کیا ہو وہ سب مدرسۃ العلوم کی نذر کر دیں تاکہ خیرِ دائم کا ثواب حاصل کریں -

راقم ، عبدالحق ، جون پور

(۱)

جب عبدالحق صاحب کا یہ خط 'اودھ اخبار' میں شائع ہوا اور اخبار سرسید کے پاس پہنچا تو اُسے پڑھ کر سرسید نے ۲۳ ستمبر ۱۸۷۳ع کو ایڈیٹر صاحب 'اودھ اخبار' کی خدمت میں حسبِ ذیل خط لکھا :

مخدومی[۱] و مکرمی ایڈیٹر اودھ اخبار سلامت !

میں نے آپ کے اخبار مطبوعہ ۱۹ ستمبر (۱۸۷۳ع) میں ایک خط کسی بزرگ عبدالحق جونپوری کا چھپا ہوا دیکھا جس میں دلی ہمدردی کاتبِ خط

۱- حوالے کے لیے ملاحظہ ہو 'اودھ اخبار' لکھنؤ مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۸۷۳ع -

کی اپنی قوم سے پائی جاتی ہے - میں ان سے واقف نہیں ہوں (اس لیے) یہ نیاز نامہ خدمت عالی میں بھیجتا ہوں کہ اپنے اخبار میں مع روئداد اجلاس کمیٹی ، جو آج کے روز ہوا ہے ، از راہ عنایت چھاپ دیجیے -

بخدمت عبدالحق صاحب جون پوری یہ التماس ہے کہ لیجیے حضرت ، ہم نے اور کمیٹی نے تو آپ کی اور جناب مولوی علی بخش خاں بہادر فرسٹ سب آرڈینٹ جج گورکھ پوری کی بات مان لی اور قواعد سکونت و تربیت طالب علمان کمیٹی نے مشتہر کر دیے - اب آپ ہماری بات جناب مولوی علی بخش خاں بہادر سے منوا دیجیے اور اُن کو یہ شعر لکھ بھیجیے :

رات تھوڑی ، حسرتیں دل میں بہت
صلح کیجیے ، بس لڑائی ہو چکی

والسلام علیٰ من اتبع الهدیٰ

روئداد

اجلاس ممبران مجلس خزنۃ البضاعۃ لتاسیس مدرسۃ العلوم للسلمین
منعقدہ ۲۴ ستمبر ۱۸۷۳ عیسوی
نمبر ۱۹

پریسیڈنٹ : مولوی سید مہدی علی صاحب
موجودہ ممبران : شیخ غلام علی صاحب
مولوی محمد عارف صاحب
مرزا محمد رحمت اللہ بیگ صاحب
سید محمد حامد صاحب
سیکرٹری : سید احمد سی - ایس - آئی

اجلاس شروع ہوا اور روئداد اجلاس منعقدہ ۱۵ - اگست ۱۸۷۳ء نمبر ۱۸ ، جو بہ دستخط سیکرٹری مرتّب و کتاب روئداد میں مندرج تھی ، ملاحظہ ہوئی -

سیکرٹری نے بعض اخبارات ، جن میں تذکرہ مدرسۃ العلوم مسلمانان کا تھا اور 'تہذیب الاخلاق' مورخہ ۱۵ جمادی الاول سنہ ۱۲۹۰ھ جس میں سوال و جواب نسبت مدرسۃ العلوم چھپے ہیں اور خط جناب مولوی علی بخش خاں بہادر سب آرڈینٹ جو بجواب تحریر سید احمد خاں کے آیا ہے اور 'اودھ اخبار' مطبوعہ ۱۹ ستمبر سنہ ۱۸۷۳ء جس میں ایک مضمون کسی بزرگ عبدالحق جون پوری

کا چھپا ہے اور نیز بعض ممبروں کے خطوط پیش کیے اور یہ اطلاع کی کہ اکثر لوگوں کی یہ خواہش معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح کمیٹی نے طریقۂ تعلیم بطور نمونے کے مشتہر کیا ہے اور بتایا ہے کہ کیا کیا علوم اور کس طرح پڑھائے جاویں گے ، اسی طرح کمیٹی وہ قواعد بھی بطور نمونے کے مشتہر کرے جس طرح لڑکے مدرسے میں رہیں گے اور تربیت پاویں گے ۔

قبلِ قیامِ مدرسہ ان قواعد کے مشتہر ہونے کی خواہش کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ چند روز ہوئے میں نے اس باب میں اپنی ایک رائے چھاپی تھی جس کو میں عمدہ سمجھتا تھا اور سمجھتا ہوں ۔ میں نے اس میں صاف صاف بتلا دیا تھا کہ یہ کمیٹی کی رائے نہیں ہے اور نہ میں بحیثیت سیکرٹری اس کو لکھتا ہوں بلکہ یہ خاص میری رائے ہے ۔ مگر لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ کمیٹی کی رائے ہے اور بہت سے مسلمانوں نے اس کے چند امور کو ناپسند کیا ۔ اگرچہ میں نے متعدد طرح سے ظاہر کیا کہ ان امور کی نسبت کوئی تجویز کمیٹی سے نہیں ہوئی اور جب مدرسۃ العلوم قائم ہوگا اُس وقت اس باب میں کوئی تجویز ہوگی لیکن لوگ اس کو کافی نہیں سمجھتے اور سب کو اصرار ہے کہ جب تک وہ قواعد کمیٹی سے تجویز نہ ہو لیں گے ، لوگوں کے دلوں کو تسلی نہ ہوگی ۔ پس میں تحریک کرتا ہوں کہ نسبت امر مذکورۂ بالا کے جو کچھ کمیٹی کی رائے میں آوے وہ تجویز کرے ۔ میں یہ تحریک باصرار کرتا ہوں اور یہ اصرار تحریک کرنے کا سبب یہ ہے کہ اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مجھے اپنی رائے پر اصرار ہے اور میں چاہتا ہوں کہ خواہ نخواہ اسی پر عمل درآمد ہو ۔ مگر آپ صاحب بخوبی واقف ہیں کہ یہ اتہام مجھ پر غلط ہے ۔ ہاں اس میں کچھ شبہ نہیں کہ جس بات کو میں اپنی دانست میں اچھا اور باعثِ عزت اور تہذیبِ قومی کے لیے ضروری سمجھتا ہوں ، دل سے چاہتا ہوں کہ وہ تمام قوم میں پھیلے اور جہاں تک مجھ سے ہو سکتا ہے اس کو پھیلاتا ہوں اور پھیلاؤں گا ۔ لیکن قومی کاروبار میں ، جیسا کہ مدرسۃ العلوم کا کام ہے ، جب تک کہ اصلی غرض قیامِ مدرسہ کی فوت نہ ہو ، مجھے اپنی رائے پر اصرار نہیں ہے اور نہ وہ میرا اصرار چل سکتا ہے ، کیونکہ قانون کمیٹی کے بموجب کثرتِ رائے پر عمل درآمد ہوگا ، نہ میری رائے پر ۔ (میں نے) مدرسۃ العلوم کی بنا اس لیے ڈالی ہے کہ مسلمان علومِ دینی اور دنیاوی اور علومِ جدیدہ غربیہ سے اور مختلف زبانوں اور نئے نئے فنون اور ہنروں سے ، جو اس زمانے میں بکارآمد ہوں ، واقف ہوں ۔ علومِ دینی کی نسبت مجھے کچھ پرواہ نہیں

ہے کہ حنفی اصول پر پڑھایا جائے یا شافعی اصول پر یا ملکی اور حنبلی اصول پر یا اخباری اور اصولی اصول پر یا معتزلی و ناصبی اصول پر - یہ وہ لوگ جانیں جن کے ہاتھ میں ان علوم کی تعلیم کا انتظام ہوگا - نہ میں اس کے انتظام کے لائق ہوں اور نہ کبھی اس کے انتظام سے مجھے تعلق ہوگا - میری غرض صرف علوم و فنون سے ہے کہ جس طرح ہو سکے ، مسلمانوں میں لائے جائیں ، خواہ وہ کوٹ پتلون پہن کر پڑھیں ، خواہ عبا و عمامہ باندھ کر - پس جو اصرار کا اتہام کہ میری نسبت کیا گیا ، محض غلط ہے اور اسی سبب سے بہ اصرار ضرورت پڑی ہے کہ اس باب میں کچھ کمیٹی تجویز کرے -

اس تحریک پر ممبران کمیٹی میں اختلاف ہوا - بعضوں کی یہ رائے ہوئی کہ قبل قیام مدرسہ اس امر کی ضرورت نہیں اور بعض کی یہ رائے ہوئی کہ جو وجوہات سیکرٹری نے بیان کیے ہیں اور جو کاغذات پیش کیے ہیں ان کے لحاظ سے ضرور ہے کہ قواعد بنائے جائیں - آخرکار جملہ ممبر متفق ہوئے کہ قواعد بنائے جاویں - بعد اس کے بہ اتفاق ممبران موجودہ مسودہ قواعد تربیت و سکونت طالب علمان مدرسۃ العلوم ترتیب کیا گیا اور بالاتفاق یہ رائے قرار پائی کہ چھاپہ ہو کر جملہ ممبران کے پاس واسطے طلب رائے و اصلاح و ترمیم کے بھیجا جاوے - اور نیز اخباروں میں مشتہر ہو اور تین مہینے بعد پھر اجلاس میں واسطے مباحثے کے پیش کیا جاوے -

بعد اس کے بہ موجب دفعہ ۴ قواعد کارروائی مجلس مرتبہ سنہ ۱۸۷۲ع غلام مرتضٰی خاں صاحب رئیس فتح آباد مجلس خزنۃ البضاعۃ لتاسیس مدرسۃ العلوم للمسلمین کے ممبر مقرر ہوئے -

بعد اس کے شکریہ صدر انجمن کا ادا کیا گیا اور مجلس برخاست ہوئی -

از مقام بنارس ، ۲۴ ستمبر ۱۸۷۳ عیسوی راقم آثم ، سید احمد

۱۹

بنام ایڈیٹر اخبار 'پایونیر' الہ آباد

اُنیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع میں انگریزی کا ایک روزنامہ 'پایونیر' کے نام سے الہ آباد سے شائع ہوا کرتا تھا ۔ اس کا شہرہ تمام ملک میں تھا اور یہ متحدہ ہندوستان میں بڑی عزت اور وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا ۔ اکبر الہ آبادی نے بھی اس اخبار کے متعلق دو مزاحیہ اشعار کہے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس وقت اس اخبار کو کتنی زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل تھی ۔ فرماتے ہیں :

دیکھو جسے ہے پائیر آفس میں وہ ڈٹا
بہر خدا مجھے بھی کہیں چھاپ دیجیے

ایک اور جگہ کہتے ہیں :

پائیر کے صفحہ اول پہ جس کا ذکر ہو
میں ولی سمجھوں گر اس کو عاقبت کی فکر ہو

سرسید نے وقتاً فوقتاً اس اخبار کے ایڈیٹر کو جو خط برائے اشاعت لکھے وہ انگریزی میں تھے اور اُسی وقت ان کے ترجمے اردو اخبارات میں شائع ہوگئے تھے جو ہدیہ ناظرین ہیں ۔ اصل انگریزی خطوط ہمیں نہیں ملے ۔

جس زمانے میں سرسید نے یہ خطوط 'پائیر' کو بھیجے وہ اس

کے دو انگریز ایڈیٹروں کا عہد تھا - پہلا مسٹر اے پی - سنٹ (A. P. Sinnet) جو ۱۸۸۷ع تک ایڈیٹر رہا اور دوسرا سر جارج میکلگن چسنی (Sir George Maclagan Chasney) جو ۱۸۸۸ع سے ۱۹۱۵ع تک رہا -

(۱)

(اخبار سائنٹی فک سوسائٹی علی گڑھ ، بابت ۱۳- اپریل ۱۸۷۱ع)

صاحب من !

مجھ کو اس بات سے نہایت افسوس آتا ہے کہ بعض انگریزی اخبار نویسوں نے اس فتوے کے معنی غلط تعبیر کیے ہیں جس کا ذکر آپ کے آج کے اخبار میں ہے ، اور اس فتوے سے انہوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مسلمان کو گورنمنٹ پر جہاد کرنا اس صورت میں جائز ہوگا جبکہ ان کو کامیابی کی اُمید توی ہو - پس چونکہ میں گورنمنٹ انگریزی کا سچا اور پکا خیرخواہ ہوں ، اور جو معنی وہابیت کے اصلی ہیں اس کا بھی حامی ہوں ، اس وجہ سے مجھ کو آپ کی عنایت پر بھروسا ہے کہ آپ میری ان چند سطروں کو اگلے پرچے میں درج فرماویں گے -

میرے چند لائق اور فائق دوست اس بات کو سن کر نہایت متحیّر ہوں گے کہ میں بھی بڑا پکا وہابی ہوں اور وہابیت کا حامی ہوں لیکن مجھ کو امید ہے کہ وہ مجھ کو وہابی بمعنی مفسد کے خیال نہ کریں گے جو معنی وہابیت کے بعض غلط فہم شخصوں نے ہندوستان میں بیان کیے ہیں - حقیقت میں ان سے اور وہابیت کے اصلی معنی سے کچھ مناسبت نہیں ہے اور جو لوگ گورنمنٹ کی مخالفت کی نظر سے مفسدہ برپا کرتے ہیں وہ اپنے مذہب کے اصول سے بالکل غافل ہیں اور بلا شبہ وہ مجرم ہیں ، مگر جن لوگوں کی نسبت یہ الزام باطل مجرم ہونے کا لگایا گیا ہے ، مجھ کو یقین ہے کہ اس کی بنا عداوت پر ہے - اس لحاظ سے جو مقدمہ وہابیوں کا آج کل پٹنہ کی عدالت میں دائر ہے ، میں اس کی اصل کیفیت سے ناواقف ہوں -

اب میں اُس فتوے کی عبارت کی توضیح کرتا ہوں جس کے معنی صاحب انگلش مین اور اُردو اخبار نویسوں نے غلط بیان کیے ہیں - جن علمائے کرام کی سند سے یہ فتویٰ جاری کیا گیا ہے ان کا قول یہ ہے کہ شریعت محمدیہ میں گورنمنٹ

انگریزی پر جہاد کرنا حرام ہے اور اس کی حرمت کا اثبات انھوں نے مندرجہ ذیل احکام شرعیہ سے کیا ہے :

۱- جو مسلمان کسی ایسی گورنمنٹ کے امن و حمایت میں رہتے ہوں جس کا مذہب ان کے خلاف ہو تو اس پر جہاد کرنا حرام ہے -

۲- جب کسی گورنمنٹ یا قوم کے ساتھ مسلمانوں کا کوئی معاہدہ صلح کا ہو تو اس گورنمنٹ یا قوم سے جہاد حرام ہے ، اگرچہ وہ مخالف مذہب ہو -

۳- جہاد اُس صورت میں حلال ہے جب مسلمانوں کو اپنی فتح اور مذہب اسلام کی ترقی اور غلبے کا ظن غالب ہو -

مگر اس اخیر قاعدے کے معنی میں ہندوستان کے انگریزی اخبار نویسوں کو غلطی ہوئی ہے - چنانچہ انھوں نے اس قاعدۂ شرعی کا یہ مطلب سمجھا ہے کہ اگر مسلمانوں میں انگریزوں کے مقابلے کی طاقت ہو تو گورنمنٹ سے ان کا باغی ہونا جائز ہوگا ، حالانکہ اس قاعدۂ شرعی کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے - بلکہ اس کا اصلی مطلب یہ ہے کہ اگر دو خودمختار سلطنتوں میں سے ایک سلطنت مسلمان ہو اور دوسری سلطنت خلاف اسلام کوئی مذہب رکھتی ہو اور دونوں سلطنتوں میں کسی قسم کا عہد نامہ نہ ہو اور وہ سلطنت جو خلاف مسلمانوں کے ہے ، مسلمانوں کو کسی طرح کی اذیت دے اور مسلمانوں کو ان کے شعار مذہبی کے اظہار سے منع کرے اور مذہبی وعظ و نصیحت کی مزاحمت کرے تو اس صورت میں مسلمانوں کو یہ خیال کرنا واجب ہوگا کہ ہم میں کس قدر طاقت ہے ، اور اگر ہم اس سلطنت سے بمقابلہ پیش آویں تو ہم کو کامیابی کی اُمید ہے یا نہیں - پس اگر ایسے وقت میں ان کو فتح یابی کا بھروسا ہو تو ضرور ہے کہ وہ عزت اسلام کی حفاظت کے واسطے تلوار کھینچیں ؛ مثلاً اگر شاہ ایران شاہ روس کے مقابلے میں فتح یابی کی اُمید رکھتا ہو اور شاہ روس کو دیکھے کہ وہ مسلمانوں کو اذیت پہنچاتا ہے تو شاہ ایران پر یہ بات واجب ہوگی کہ وہ شاہ روس پر جہاد کرے - اور اگر شاہ ایران کو اپنی قوت پر اس قدر بھروسا نہ ہو کہ شاہ روس پر غالب آ سکے ، تو اس صورت میں ان کو خاموش بیٹھ رہنا واجب ہوگا -

اسی طرح جب گورنمنٹ انگریزی کی طرف سے مسلمانوں کے مذہب میں کسی قسم کی دست اندازی نہیں ہے اور مسلمانوں کی آزادی میں کسی طرح کا

فتور نہیں ہے بلکہ درحقیقت ان کی تقریر کو بے انتہا آزادی ہے ، تو ایسی حالت میں کسی مسلمان کو ایسے منصوبوں میں شریک ہونا حلال نہ ہوگا جن کی بنا اس ارادے پر ہوکہ گورنمنٹ انگریزی کو تہہ و بالا کر دیں ۔ اور اگر بالفرض گورنمنٹ انگریزی کی جانب سے کچھ دست اندازی بھی ہو تو ان کے حق میں یہ بہتر ہوگا کہ وہ اپنے ملک کو چھوڑ کر چلے جاویں ، نہ کہ گورنمنٹ کے مقابلے میں بغاوت اختیار کریں ۔

ہندوستان کے وہابیوں کی نسبت تجربے کی رُو سے میری یہ رائے ہے کہ گورنمنٹ پر جہاد نہ کرنے میں ان کی اور ہندوستان کے اور مسلمانوں کی ایک رائے ہے اور جس طرح سب مسلمان اس کو حرام سمجھتے ہیں اسی طرح یہ بھی حرام سمجھتے ہیں ۔ ۱۸۵۷ء میں جب بخت خاں دہلی میں تھا اور اس نے دہلی کے مولویوں کو جواز جہاد کے فتوے پر مجبور کیا تھا تو دہلی کے دو پکے وہابیوں نے ہی نہایت جرأت کے ساتھ بخت خاں کے مقابلے میں یہ بات کہی تھی کہ گورنمنٹ پر جہاد جائز نہیں ہے حالانکہ بخت خاں کی فوج اس کی طرفدار تھی ۔ اور ان وہابی شخصوں میں ایک بڑا نامی گرامی فاضل تھا جس کو دہلی میں حد سے زیادہ عزت حاصل تھی ۔ علاوہ اس کے مجھ کو یاد ہے کہ غدر کے زمانے میں وہابیوں میں سے صرف ایک ہی شخص باغیوں کے شریک حال ہوا تھا اور وہ بھی اس بات میں مجبور تھا ۔

مجھ کو یقین ہے کہ شاید میری اس بات کو کوئی سچا نہ سمجھے گا کہ وہابی ہونا کسی طرح گورنمنٹ کے مخالف نہیں ہے ۔ اور مجھ کو یہ بھی یقین ہے کہ میرے وہابی ہونے سے بہت لوگ مجھ کو برا کہیں گے ۔ انگریز مجھ کو اس وہابیت کے سبب سے مفسد گمان کریں گے اور بہت سے ایسے جاہل ، جو میرے ہم وطن ہیں ، وہ بھی مجھ کو اس خیال سے برا کہیں گے کہ میں خیرخواہ سرکار ہوکر ایک ناجائز اولوالعزمی کے منصوبوں کے انسداد میں ، گو وہ ان کے نزدیک جائز ہوں ، اپنے نام اور اختیار کو صرف کروں گا ۔ مگر میں اس بات سے نہایت خوش ہوں کہ دونوں فرقے میری نسبت جو چاہیں خیال کریں اور میرے مطلب کو جس طرح چاہیں تعبیر کریں اور میری مراد غلط ہی سمجھا کریں اس لیے کہ ایک مدت سے لوگ میرے مطلب کو غلط ہی تعبیر کرتے ہیں ۔

اب اخیر پر میں یہ بیان کرتا ہوں کہ سرکار اور عوام الناس پٹنے کے مقدمے میں بڑی احتیاط کی نظر کریں ، اس لیے کہ اگر قیدی لوگ درحقیقت اس جرم کے

مستحق ہیں جس کا الزام ان پر لگایا گیا ہے تو یہ کام انسانیت اور مذہبی اصول دونوں کے خلاف ہے اور ایسے گناہ کی سزا بھی ان کو سخت دینی چاہیے۔ مگر اس بات کا بھی گورنمنٹ کو خیال رکھنا ضرور ہے کہ مسلمانوں کے بدعتی اور وہابی فرقوں میں حد سے زیادہ دشمنی ہے اور ان کی دشمنی کی مثال ایسی ہے جیسے کہ یورپ کے عام تہذیب کے زمانے میں رومن کیتھلک اور پروٹسٹنٹ کے درمیان تھی۔ اور اسی وجہ سے اس سازش اور فساد کے زمانے میں کچھ یہ بات بعید نہیں ہے کہ بےگناہ اور بےجرم آدمیوں کے ذمے باطل اور ناجائز الزام لگائے گئے ہوں اور سینکڑوں جھوٹے اور مفتری گواہ کر دیں۔

از مقام بنارس، ۳۱ مارچ ۱۸۷۱ع　　　　راقم، سید احمد

(۲)

(اخبار سائنٹی فک سوسائٹی علی گڑھ، بابت ۲- اگست ۱۸۷۲ع)

جناب من!

میں نہایت ممنون ہوں گا اگر آپ چٹھی ملفوفہ کو، جو حضور وائسرائے و گورنر جنرل بہادر کے پرائیوٹ سیکرٹری کے پاس سے موصول ہوئی ہے، اپنے اخبار میں چھاپ دیں گے۔

یہ امداد عظیم، جس کا وعدہ بعض شرائط پر حضور ممدوح نے کیا ہے، بلا شبہ صاحب ممدوح کی شان کے شایان ہے جس کو ہندوستان کے مسلمان کبھی فراموش نہ کریں گے[1]۔

ہندوستان کے پہلے گورنر جنرلوں میں سے کسی نے آج تک ایسی فیاضی نہیں کی۔

جس چندے کے دینے کا لوگوں نے وعدہ کر لیا ہے اس کی تعداد بالفعل تیس

۱- گورنمنٹ نے دس ہزار روپے کی امداد علی گڑھ کالج کو اُس وقت دینے کا وعدہ کیا تھا جب کالج میں یورپین ادب کی تعلیم شروع کر دی جائے۔ سرسید کا اشارہ اس خط میں اسی امداد کی طرف ہے۔

ہزار ایک سو پینتیس روپے سات آنے ہے[1] -

سید احمد

سیکرٹری مجلس خازن البضاعۃ لتاسیس مدرسۃ العلوم للمسلین

(۳)

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ، بابت ۲۷ نومبر ۱۸۸۸ع)

جناب من !

میں نے آپ کے آج کے اخبار میں دیکھا ہے کہ ۲۲ ماہ حال کو تعلقداران اودھ کا جو جلسہ نیشنل کانگریس کے برخلاف ہوا ہے اس کے حالات کے بیان کرنے میں ایک یا دو غلطیاں ہوئی ہیں - نہ تو یونائیٹڈ انڈین پیٹریاٹک ایسوسی ایشن کا نام بدلا گیا ہے اور نہ ایسوسی ایشن نے گورنمنٹ کے پاس درخواست بھیجنے کی دقّت کو اختیار کیا ہے - جملہ کوائف جو وقوع میں آئے ہیں ، وہ مفصلہ ذیل ہیں :

یونائیٹڈ انڈین پیٹریاٹک ایسوسی ایشن جو میں نے بہ صلاح و مشورہ دیگر بہی خواہان ملک کے قائم کیا ہے[2] اور جس کے ممبروں کی فہرست عنقریب میں آپ کے پاس بھیجوں گا ، اس میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل ہیں - مگر بعض ہندو دوستوں نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم نے اس ایسوسی ایشن کے قائم کرنے میں اور اس کے قواعد بنانے میں عموماً ہندو صاحبوں سے ، جو انڈین نیشنل کانگرس کے مخالف ہیں ، صلاح و مشورہ نہیں لیا جس سے وہ ناراض ہیں - میں نے کہا کہ جس طرح ان کی نارضامندی مٹ سکے میں اس کو کرنے کو موجود ہوں - اس پر ایک تحریری یادداشت ، جس پر منشی نول کشور صاحب سی - آئی - ای کے دستخط ثبت ہیں ، میرے سامنے پیش کی گئی اور وہ یہ ہے :

''بماہ اکتوبر انجمن تعلق داران اودھ کی طرف سے ، جس میں ہندو اور مسلمان سب شامل ہیں ، ایک جنرل میٹنگ بمقام لکھنؤ قرار دی جاوے -

---

۱- اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں مگر چونکہ یہ خط ۲ اگست ۱۸۷۲ع کے گزٹ میں چھپا ہے لہٰذا سرسید نے جولائی ۱۸۷۲ع کے آخری ہفتے میں لکھا ہوگا -

۲- ''قائم کی ہے'' چاہیے -

جو لوگ کہ گروہ تعلق داران میں شامل نہیں ہیں ان کو از طرف انجمن تعلق داران اس مجلس میں بلایا جاوے - اس مجلس میں مفصلہ ذیل کام ہوں جو مقدّم ہیں :

اول قواعد انڈین پیٹریاٹک ایسوسی ایشن کے پیش ہوں اور مجموعی مجلس سے ، جس میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل ہوں گے ، کنفرم کیے جاویں ، اور اگر کچھ ترمیم یا اضافہ مناسب ہو وہ کیا جاوے ، خواہ از سر نو بنائے جائیں -

دوم اس مجلس میں یہ تجویز ہو جاوے کہ اس متعلقہ ایسوسی ایشن کو کیا کام کرنے چاہئیں - ہر ایک کام کی تجویز و تقسیم کی جاوے اور ہر کام کے لیے جداگانہ کمیٹیاں اور اس کے سیکرٹری قرار دیے جاویں -"

میں نے اس تجویز کو منظور کیا اور جو جلسہ کہ ۲۲ نومبر کو لکھنؤ میں ہوا اس میں حاضر ہوا لیکن برخلاف اس یادداشت کے راجا شیو پرشاد بہادر سی - ایس - آئی نے یہ قرار دیا کہ لکھنؤ میں ایک مستقل سنٹرل ایسوسی ایشن بطور اینٹی کانگرس کے بہ سرپرستی ہزہائنس مہاراجا بنارس قائم ہو اور اس کا نام انڈین لائل ایسوسی ایشن رکھا جاوے -

جوکہ میری رائے یہ ہے کہ جس قدر متعدد اینٹی کانگرس کمیٹیاں قائم ہوں ، ہندوؤں یا مسلمانوں کی ، ان سے ہماری پیٹریاٹک ایسوسی ایشن کے مقاصد کو مدد پہنچے گی ، میں نے اس میں کچھ عذر نہیں کیا اور بخوشی اس کمیٹی کے ممبروں میں اپنا نام شامل کیا - اور راجا صاحب نے اپنی مہربانی سے ، باوجود ہمارے عذر کرنے کے ، مجھ کو اور راجا صاحب بھنگا کو اس نئی ایسوسی ایشن کا آنریری سیکرٹری مقرر کیا - اس کے بعد راجا صاحب نے دو تجویزیں پیش کیں اور چاہا کہ ان پر سب متفق ہوں اور اجلاس سے منظور کی جاویں -

اول یہ کہ پیٹریاٹک ایسوسی ایشن ، انڈین لائل ایسوسی ایشن جدید کی ، جو اس وقت قائم ہوئی ہے ، بطور ایک برانچ کے قرار دی جاوے اور اس کا نام تبدیل کرکے برانچ آفس انڈین لائل ایسوسی ایشن قرار دیا جاوے -

جوکہ یہ امر بالکل برخلاف اُس یادداشت کے تھا جو میرے سامنے پیش ہوئی تھی ، میں نے اس کو منظور نہیں کیا - اور نہ اس کا منظور کرنا بلا اجازت ممبران پیٹریاٹک ایسوسی ایشن کے میرے اختیار میں تھا -

دوم یہ کہ راجا صاحب کے پاس ایک درخواست موسومہ گورنمنٹ تھی جس پر کچھ لوگوں کے اور مہاراجا صاحب بنارس کے دستخط تھے ۔ میں نے خود اس درخواست کو نہیں دیکھا ۔ لیکن اس درخواست کی بنا پر راجا صاحب نے چاہا کہ مندرجہ ذیل دو ریزولیوشن اجلاس سے منظور کیے جاویں اور اس درخواست پر میں بھی اور حاضرین جلسہ بھی دستخط کردیں ۔ اور وہ ریزولیوشن یہ ہیں :

''راجا شیو پرشاد صاحب ستارۂ ہند اس بات کی تحریک کریں گے کہ بغرض اضافہ بعض دفعات قوانین مروجہ میں جہت انسداد تحریر و تقریر فساد انگیز و بغاوت خیز دیسی زبان میں گورنمنٹ سے درخواست کی جاوے جس طرح کہ بھیم جی وغیرہ اکثر آدمی فساد انگیز اور بغاوت خیز دیسی زبان میں تحریر و تقریر برملا و عام کرتے ہیں ۔ اس جلسے کے نزدیک اس کا انسداد قانوناً کمیٹی لکھنؤ تجویز و تدبیر کرے ۔''

قبل اجلاس کے یہ دونوں ریزولیوشن مجھ کو دکھائے گئے تھے ۔ جن لوگوں نے مجھ کو دکھائے میں نے ان سے کہا کہ میں اس ریزولیوشن سے متفق نہیں ہوں ۔ بنگالیوں کو ہرگز میں بدخواہ گورنمنٹ کا نہیں سمجھتا ، گو کہ انھوں نے نہایت بری طرح پر کارروائی کی ہے ۔ کانگرس والوں سے ہم کو کچھ عداوت نہیں ہے کہ ان کو فوجداری میں ماخوذ کرانے کی تدبیر کریں ۔ ہم میں اور ان میں رائے کا اختلاف ہے ۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جو کچھ وہ چاہتے ہیں ، ہم مسلمانوں کے لیے اور راجپوتوں کے لیے بالتخصیص ملک کے امن کے لیے نہایت مضر ہے ، اس لیے ہم اس کے برخلاف ہیں ۔ اگر ان کی کارروائی سے ملک میں فساد ہونے کا اندیشہ ہے ، اور میری رائے میں بھی بلا شبہ اندیشہ ہے ، تو یہ گورنمنٹ کا کام ہے ، جو کچھ چاہے وہ کرے ، ہم کو کسی درخواست کرنے کی ضرورت نہیں ہے ۔

میں نے ان لوگوں سے صاف طور پر کہہ دیا کہ اگر یہ ریزولیوشن میٹنگ میں پیش ہوں گے تو یا تو میں میٹنگ میں نہ جاؤں گا اور نہ شریک ہوں گا ، اور اگر شریک ہوں گا تو ان ریزولیوشنوں کی سخت مخالفت کروں گا ۔

مجھ کو یقین تھا کہ یہ دونوں ریزولیوشن اجلاس میں پیش نہ ہوں گے ۔

جب میں اجلاس میں گیا تو میں نے میز پر دیکھا کہ راجا صاحب نے یہ دونوں ریزولیوشن لکھ رکھے ہیں ۔ مگر میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ ایسے امور پیش آئے جس کی اطلاع آپ کے کارسپانڈنٹ نے آپ کو کی ہوگی کہ کچھ بھی کارروائی میٹنگ میں نہ ہو سکی اور صرف ایک ریزولیوشن پاس ہوا کہ یہ جلسہ انڈین نیشنل کانگرس کے برخلاف ہے اور اگر کوئی شخص ہندو یا مسلمان اضلاع شمال و مغرب اور اودھ سے الہ آباد کے جلسہ' کانگرس میں جاوے (تو) وہ ان ملکوں کا ڈیلیگیٹ متصور نہ ہوگا ۔

میں اور تمام جلسہ اس ریزولیوشن کا مؤید ہوا اور یہ ریزولیوشن پاس ہوا ۔ میرے ہاتھ میں اس قدر کام ہیں کہ امکان سے خارج تھا کہ میں اس نئی ایسوسی ایشن کے سیکرٹری ہونے کا بوجھ اٹھا سکتا ، اس لیے میں نے سیکرٹری منتخب ہونے کی عزت ، جو مجھے دی گئی تھی ، اس کا شکریہ ادا کیا لیکن اس کے ساتھ اپنا استعفا بھی پیش کر دیا ۔

ہماری انڈین یونائیٹڈ پیٹریاٹک ایسوسی ایشن جس حیثیت سے قائم ہوئی تھی اور جس میں ہندو اور مسلمان دونوں ممبر ہیں اُسی حیثیت سے قائم ہے ، اور جس قدر اور ہندو دوست ہمارے شریک ہوں ہم نہایت خوشی سے ان کو شریک کرنے کو موجود ہیں اور جس طرح کہ پیٹریاٹک ایسوسی ایشن کی کارروائی ہوتی رہی ہے اسی طرح ہوتی رہے گی ۔

علی گڑھ ، ۲۳ نومبر ۱۸۸۸ع آپ کا نیازمند ، سید احمد

(۳)

(از رسالہ ''نیشنل کانگرس کے متعلق مسلمانوں کی رائے'' مطبوعہ ۱۸۹۳ع در مطبع اسلامیہ لاہور ، ص ۱ تا ۱۰)

بخدمت ایڈیٹر پاینیر !

میرے ایک دوست نے مجھ کو ایک پرچہ اخبار 'دکن بجٹ' مورخہ ۱۵ تاریخ[۱] کا بھیجا ہے جس میں مفصلہ (ذیل) عبارت درج ہے :

''اخبار 'ہندو' اس بیان کے لیے ذمہ دار ہے کہ سرسید احمد نے اپنی

۱- یعنی ۱۵ ستمبر ۱۸۹۳ع ۔

پالیسی بدل دی اور اب (وہ) سامل‌لینس امتحانات[1] کے حامی ہوگئے ہیں ۔ اور جو وجہ بیان کی گئی ہے وہ اور بھی خلافِ شان علی گڑھ کے لائٹ کے ہے کہ اُن کے بیٹے مسٹر جسٹس سید محمود سے اور چیف جسٹس اور ہائی کورٹ الہ آباد کے دیگر ججوں سے تکرار سی ہوگئی ہے اور انہی دو برس کی رخصت کے اختتام پر مجبوری ریٹائر کیے جائیں گے ، اس لیے سرسید اب کل طبقہ حکام اور اُن کے کاموں کے دشمن ہو گئے ہیں ۔''

میں نے 'ہندو اخبار' جس کی طرف 'دکن بجٹ' نے اشارہ کیا ہے ، نہیں دیکھا اور 'دکن بجٹ' کے پاس کوئی ذریعہ بھی نہیں تھا کہ اس بے بنیاد افواہ کی موکّد تکذیب کرتا ۔ پس میرے بعض دوستوں نے مجھ سے کہا ہے کہ میں موکّد اور علانیہ انکار ایسی افواہوں کا کروں ، کیونکہ وہ خیال کرتے ہیں کہ یہ افواہیں میرے بہت سے ہم وطنوں اور ہم مذہبوں کو دھوکا دیں گی ، جوکہ اگرچہ مجھ سے ذاتی واقفیت نہیں رکھتے لیکن پبلک معاملات کے متعلق میری رائے اور پالیسی کے منتظر رہتے ہیں اور اُن کی زیادہ تر وقعت کرتے ہیں ۔ بہ نسبت ایک معمولی شخص کی آرا کے ، جیسے کہ میں ہوں ، انھوں نے مجھ کو صلاح دی ہے کہ میں آپ کے باوقعت اخبار کے کالم میں اُن بے بنیاد افواہوں کی تردید کروں اور نیز اپنی آرا مختصر طور پر بیان کروں ۔

اس سے بہت پہلے کہ انڈین نیشنل کانگریس کا خیال بھی ہوا ہو ، میں نے اس مسئلے پر غور کیا تھا کہ آیا ریپریزینٹیو گورنمنٹ ہندوستان کے مناسبِ حال ہے ؟ اور جان اسٹوارٹ مل کی آرا بتائید ریپریزینٹیو گورنمنٹ کے (جو آرا غالباً نہایت عمدہ توضیح سے بیان کی گئی ہیں) پڑھنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ جو کہ اول لازمی امر ایسے طریقہ حکومت کے لیے ، جس کا انتظام صرف کثرتِ رائے پر چلتا ہو ، یہ ہے کہ ووٹرز میں ہم جنسیت ہو بہ لحاظ قوم کے اور مذہب کے اور عاداتِ معاشرت کے اور رسومات کے اور تمدنی حالات کے اور بہ لحاظ تاریخی ملکی روایات کے ۔ یعنی ریپریزینٹیو طریقے سے رائے دینے میں یہ مسلّم امر ہے کہ رائے دینے والوں اور ملک کی آبادی میں ہم جنسیت یا مشابہت

۱- یعنی اس امر کے حق میں کہ لندن کے علاوہ ہندوستان میں بھی سول سروس کا امتحان ہوا کرے ۔

امور بالا میں ہو ، اور جب یہ باتیں موجود ہوں تو یہ طریقۂ حکومت عمل میں آ سکتا ہے یا مفید ہو سکتا ہے ۔ جہاں یہ امور موجود نہ ہوں یا اُن کا خیال نہ کیا جائے تو ایسے ملک میں ، جیسا کہ ہندوستان ہے کہ جہاں کہیں کسی امر بالا میں ہم جنسیت نہیں ، سوائے ملک کے امن اور بہبودی کو نقصان پہنچنے کے اور کوئی نتیجہ نہیں ہو سکتا ۔ اور میں دل سے اُمید کرتا ہوں کہ خواہ کنسرویٹو یا لبرل یا یونینسٹ یا سپرسٹیٹ بہ لحاظ آئر لینڈ کے یا زیادہ سے زیادہ ریڈیکل کو بھی جب پارلیمنٹ میں قوت حاصل ہو تو وہ اس امر کو نہ بھلاویں گے کہ ہندوستان براعظم ہے اور مثل انگلستان یا اسکاٹ لینڈ یا ویلز یا آئر لینڈ کے ایک چھوٹا سا ملک نہیں ہے اور اس میں وسیع مختلف آبادیاں ہیں ، جن کے تمدنی اور اخلاق اور سوشل اور پولیٹیکل اور مذہبی اور طبعی اور تاریخی حالات بہت مختلف ہیں اور جن میں اسلامی سلطنت کے زوال کے بعد سے کبھی اتفاق نہیں ہوا ۔ اور بجائے اس کے کہ کوئی اور طریقۂ حکومت اسلامی طریقے کے بدلے قائم کرتے ، آپس میں لڑتے رہے اور لوٹ مار اور خون ریزی اور طوائف الملوکی کو قائم رکھا اور جو طریقہ ختم نہیں ہوا ۔ جب تک کہ سابق ایسٹ انڈیا کمپنی کا شائستہ کرنے والا اور منتظم ہاتھ یہاں نہ پہنچا ، جو کمپنی جماعت انگریزی حاکموں کی تھی ۔ اور واقعات کی مدد سے اور انصاف اور مذہبی آزادی کی وجہ سے وہ (لوگ) اس قابل ہوئے کہ (انھوں نے ملک میں) امن اور انتظام قائم کیا اور مختلف صوبوں کو متحد کر کر ایک سلطنت قائم کی ۔ جو کہ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد جیسی کہ حقیقت میں سلطنت تھی ، ظاہرا بھی سلطنت کہلانے لگی ۔ جب کہ بموجب شرائط برٹش کانسٹیٹیوشن ملکۂ معظمہ نے خود اپنے ہاتھ میں عنانِ حکومت لی اور ۱۸۵۸ء کے مشہور اشتہار کے ذریعے سے مشتہر کیا ۔

میں اُن آدمیوں میں سے نہیں ہوں جو کہ ہندوستان کے طریقۂ حکومت میں جو یہ تبدیلی واقع ہوئی اس کو یونہی برائے نام خیال کرتے ہیں ۔ کیونکہ جو کوئی ہندوستان کی اُس زمانے کی تاریخ سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ سوداگروں کی جماعت کے ہاتھ سے ، خواہ وہ کتنے ہی خلائق دوست اور اشراف اور کارکن کیوں نہ ہوں ، مالکِ تخت و تاج کے ہاتھ میں حکومت چلے جانے سے ایک حقیقی اور عظیم تبدیلی واقع ہوئی ۔ اور اس وجہ سے میں نے یہ کبھی خیال نہیں کیا کہ ملکۂ معظمہ

کا ''قیصرہ ہند'' کا خطاب یکم جنوری ۱۸۷۷ء کو اختیار کرنا ایک بے معنی رسم یا بچوں کا کھیل تھا - یہ امر چند شرائط کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ انتظام حکومت کی جزئیات میں ترق ہو سکتی ہے ، لیکن اس پر بحث کرنے کا یہ موقع نہیں ہے ، لیکن اس کے خلاف نہیں کہا جا سکتا کہ سلطنت جمہوری کی کامیابی کے لیے پہلی اور ضروری شرط یہ ہے کہ اُس آبادی میں ہم‌جنسیت ہو اور جتنے وہ زیادہ تر مشابہ ہوں اُتنا ہی بہتر ہے - کیونکہ جمہوری حکومت میں ضروری اور لازمی طور پر خیال کر لیا جاتا ہے کہ افراد (باہم) ایسے ہی مشابہ ہیں جیسے دو مٹر کے دانے - میں آئرلینڈ کے ملکی معاملات کے لیے سند نہیں ہوں ، لیکن جو ذرائع مجھ کو بہم پہنچ سکتے ہیں ، جب کہ میں اس ملک سے اتنے ہی فاصلے پر ہوں اور مختلف قوم اور مختلف ملت کا شخص ہوں ، میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ میری رائے عاجز میں قریباً جتنی مشکلات اور مصائب آئرلینڈ میں واقع ہوئیں ، وہ ان پولیٹیکل واقعات کی وجہ سے ہوئیں ، یعنی آئرلینڈ مفتوح ملک ہے اور آئرش مفتوح قوم ہے جن کو انگلش نے فتح کیا - اور وہاں جو انگلش رہتے ہیں ، خصوصاً وہ بڑے بڑے مالکانِ اراضی جن کو وہاں کا زمیندار اور تعلقہ دار کہا جا سکتا ہے ، وہ انگلش نسل کے ہیں اور حکمران قوم ہیں - اور اس امر سے انکار نہیں جا سکتا ، خواہ خلائق دوستی کے راست نما فقروں اور موجودہ زمانے کی تہذیب کے چکنے چکنے الفاظ سے کتنا ہی کیوں نہ چھپایا جائے ، آئرلینڈ میں انگلش انگلش ہیں اور اس لیے حکمران قوم ہیں ، اور آئرش آئرش ہیں اور مفتوح قوم ہیں - اور نیز حکمران انگلش پراٹسٹنٹ مذہب کے ہیں اور آئرش رومن کیتھولک اور اس لیے ایک دوسرے کی طرف سے آپس میں تلخ خیالات پیدا ہوتے ہیں - اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا اگر انگلش حکومت آئرلینڈ اس عرصہ دراز تک قائم رہی تو اس کی وجہ صرف وہ ہم‌جنسیت اور میل جول ہے جو رنگ کی اور مذہب کی مشابہت سے باہمی مناکحت اور تمدنی حالات اور عادات کا ایک سا ہونا اور باہمی سلوک ہے جس پر جمہوری سلطنت بے خطرے کے قائم ہو سکتی ہے - لیکن بایں ہمہ انڈین نیشنل کانگریس کے مقاصد مبنی ہیں تاریخی واقعاتِ زمانۂ گزشتہ و حال کے بھلا دینے پر اور ہندوستان کی مختلف اقوام کا لحاظ نہ کرنے پر - اور یہ فرض کر لیتے ہیں کہ مسلمان اور مرہٹہ ، برہمن اور چھتری ، بنیا اور شودر ، سکھ اور بنگالی ، مدراسی

اور پشاوری سب سے ایک قوم کی طرح برتاؤ کیا جا سکتا ہے اور (گویا) سب ایک ہی قوم سے ہیں - اور اُن کا مذہب ، اُن کی زبان ، اُن کی عادات اور مراسم اور ملکی اور تاریخی روایات بالکل ایک ہیں - اور اُن سے اس طرح بحیثیت مجموعی برتاؤ کیا جا سکتا ہے گویا وہ انسانوں کا ایک گلہ ہیں - میں اس خیال کو وہم سے کم نہیں سمجھتا کہ جمہوری طریقہ کل اقوام اور مذاہب اور ممالک اور ازمنہ کے لیے یکساں موزوں ہے - میری رائے میں یہ طریقہ عقلاً بھی نامکمل ہے کیونکہ یہ ضروری بات ہے کہ ایسے طریقے میں کثرت رائے سے انتظام ہو - اور اس لیے یہ مان لیا جاتا ہے کہ انسان کی میجارٹی اس قابل ہیں کہ یہ فیصلہ کر سکیں کہ نہ صرف اپنے آپ پر بلکہ ناراضمند مینارٹی پر بھی کیونکر حکومت کی جائے - حالانکہ حقیقی امر یہ ہے ، جیسا کہ مسٹر کارلائل مرحوم نے جن سے مجھے ذاتی واقفیت رکھنے کی عزت حاصل تھی ، کہیں کہا ہے کہ بہ کثرت انسان عقل مندی سے بہت دور ہیں - یہ خیال قیاس نہ ہو مگر بدقسمتی سے ٹھیک ہے -

تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ باوجود یونان اور روما کی قدیم جمہوری سلطنتوں کی شان و شوکت کے اور باوجود اُن عظیم فتوحات کے جو مسلمانوں کو نیم جمہوری سلطنت میں پہلے خلفا کے عہد خلافت میں حاصل ہوئیں ، لیکن زمانہ حال میں سوائے اینگلو سیکسن یا برٹش اقوام کے ، جن میں یونائیٹڈ اسٹیٹ امریکہ اور آسٹریلیا و نیوزی لینڈ کی کالونیاں شامل ہیں ، کسی اور قوم کو جمہوری سلطنت میں کامیابی نہیں ہوئی - لاطینی اقوام میں فرنچ اور اٹیلین اور اسپینش نے زمانہ حال میں جمہوری حکومت قائم کرنے کی کوشش کی لیکن بے سود - اور کم ترقی یافتہ اقوام مثل روس وغیرہ نے کوشش بھی نہیں کی ، سوائے اس بدنظمی کے جو سوشلسٹ اور نائہلسٹ فرقوں نے امن میں خلل ڈالنے سے پیدا کی - ایشیا میں ترکوں نے آخری جنگ مابین ترک و روس کے مصائب کے بعد ضعیف اور انقلابی کوشش کی کہ پارلیمنٹ قائم کریں لیکن کامل ناکامیابی ہوئی - خاص ایشیا میں ایک ذہین اور ہوشیار اور محنتی اور تجارتی ، اور ایک لحاظ سے مہذّب ملک جیسا کہ چین ہے اور جہاں بلحاظ رنگ و مذہب اور قوم کے زیادہ ہم جنسیت ہے ، بہ نسبت ہندوستان کے اُس نے ابھی تک اس کی کوشش نہیں کی - اور اگر جاپان ، جس کو بوجہ جزیرہ ہونے کے اور یونائیٹڈ اسٹیٹ امریکہ کے عمدہ اثر کے زیادہ مواقع حاصل ہیں ، اب اس کا تجربہ کر رہا ہے تو

یہ کوشش زیادہ تر بندر کی نقلوں کی سی ہے اور حقیقی پیروی انگلینڈ اور امریکہ کی نہیں ہے۔ اور ابھی یہ دیکھنا باقی ہے کہ اس کا نتیجہ اس ملک کی قسمت پر کیا ہوگا۔ کل دنیا کے ممالک میں سے ہندوستان، جہاں مختلف الجنس اقوام ہیں، ایسا ملک ہے جو سب سے کم جمہوری طریقے کے لیے موزوں ہے۔ اور میں اُس تجربے کو جو انڈین نیشنل کانگریس کی کوشش کرنا چاہتی ہے، ایک ایسا تجربہ سمجھتا ہوں جو شک اور مصائب سے بھرا ہوا ہے کل اقوامِ ہند کے لیے اور خصوصاً مسلمانوں کے لیے کیونکہ اگرچہ مسلمان مینارٹی ہیں لیکن سب سے بڑی اور متحد مینارٹی ہیں۔ اور کم سے کم روایتاً اس بات کے عادی ہیں کہ جب میجارٹی ظلم کرے تو تلوار ہاتھ میں لیں۔ جو طریقہ ۱۸۵۷ء کی مصیبتوں سے بھی زیادہ تر مضر ہوگا مسلمانوں کی آئندہ بہبودی اور ترقی کے لیے، بحیثیت ملکۂ معظمہ انگلستان اور قیصرۂ ہند کی با امن اور تابع اور وفادار رعایا ہونے کے۔ میں بوجہ ہونے برٹش سبجکٹ اور وفادار سٹیزن کے اور اپنے ہم وطنوں کا عموماً اور اپنے ہم مذہب مسلمانوں کا خصوصاً سچا خیرخواہ ہونے کے بہت زیادہ اور سخت مخالف ہوں کل ایسی جمہوری تحریکوں کا جو برٹش رول کے خلاف شکایتیں اور رنجشیں بھڑکاتی ہیں اور اس ملک میں، جہاں مختلف اقوام اور مذاہب آباد ہیں، اُس کی اعلیٰ قوت اور اختیار کو تزلزل میں ڈالتی ہیں۔ یہ امر کہ مجھ کو اس رائے پر کہ جمہوری سلطنت کے لیے لازم ہے کہ اُن باتوں میں ہم جنسیت ہو جن کا ذکر میں نے اُوپر کیا، کس قدر پورا اور واثق یقین ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ چند سال گزرے کہ جب محمڈن اینگلو اورینٹل کالج علی گڑھ کی گورننگ باڈی کے انتظام کے قواعد بنائے جاتے تھے، جہاں رہنے کا طریقہ مثل آکسفورڈ اور کیمبرج کے کالجوں کے ہے اور اس وجہ سے کل ہندوستان کے مختلف اضلاع کے لڑکے تعلیم پاتے ہیں، تو میں نے اس امر کی بہت احتیاط اور کوشش کی کہ کالج کے ٹرسٹیز، جن کے ہاتھ میں کل انتظام ہوگا اور جن کی کثرتِ رائے پر کالج کی آئندہ حالت منحصر ہوگی، وہ سب مسلمان ہوں۔ اگرچہ بہت سے کالج کے اور میرے ذاتی ایسے یورپین اور ہندو دوست ہیں جو بوجہ کالج کے ساتھ ہمدردی رکھنے اور اُس کی طرف فیاضی کرنے سے اور ہر طرح پر اس قابل تھے کہ کالج کی منتظم جماعت کے رکن ہوں اور وہ دوست جانتے ہیں کہ یہ قاعدہ اگرچہ مذہب اور قوم کے اعتبار سے سخت ہے، لیکن

کسی ایسی وجہ سے نہیں بنایا گیا جو تعصّب اور تنگ دلی سے منسوب ہو، بلکہ اُن ہی خیالات کی وجہ سے بنایا گیا ہے جن کا اُوپر ذکر ہوا - اور اسی وجہ سے چند سال ہوئے جب کہ انڈین نیشنل کانگریس نے اول اول شور و غل کیا کہ میں نے اپنی اسپیچوں میں اپنے ہم وطنوں اور ہم مذہبوں کو یہ صلاح دی کہ اس کانگریس کی خطرناک ، اور اس لیے غیر وفادار اور گمراہ کرنے والی اور دھوکہ دینے والی ، تحریک سے بالکل الگ رہیں - اور میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ باوجود اس کے کہ کانگریس کی رپورٹوں میں اپنے مسلمان ممبروں کو بہت کچھ بڑھایا جاتا ہے لیکن اگر غور سے امتحان کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ ایک بھی بڑا معزّز شخص مسلمانوں میں سے اُس میں شریک نہیں ہوا اور مسلمان امرا اور اشراف عموماً کانگریس کے غل و شور میں شریک نہیں ہوئے - اور کانگریس معقول طور پر اپنے اس دعوے کو صحیح ثابت نہیں کر سکتی کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کے خیالات اور آرا اور خواہشوں اور اُمیدوں کو ظاہر کرتی ہے -

یہ تجویز کہ سول سروس کا امتحان ہندوستان میں بھی ہوا کرے ، کانگریس کے غل و شور کا نتیجہ ہے - اور یہ کانگریس کسی قوم کے خیالات ظاہر کرتی ہو لیکن مسلمانوں کے ہرگز نہیں کرتی - اور جہاں تک میری آرا تعلق رکھتی ہیں ، اور اگر وہ اس لائق ہیں کہ آپ کے کالم میں ممتاز ہوں ، تو صرف اس وجہ سے ہے کہ ہندوستان کے مختلف اضلاع میں میرے دوست خیال کرتے ہیں کہ سامل ٹینیس امتحانات کے متعلق میری خاموشی غلط فہمی پیدا کرے گی - خصوصاً اُن لوگوں کے دلوں میں جو میری آرا جاننے کے خواہش مند ہیں اور میری تصانیف اور اسپیچیں پڑھنے کے شائق ہیں لیکن مجھ سے ذاتی واقفیت نہیں رکھتے - اور یہ امر کہ جو (لوگ) مجھ سے یا میرے خیالات سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایسے امور میں میری کیا رائے ہے ، اور غلطی میں نہیں پڑ سکتے ، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۲۹ اگست کو بعد ختم ہونے اس جلسے کے جو مسلمانوں نے مدراس میں سول سروس کا امتحان ہندوستان میں ہونے کے خلاف کیا تھا ، وہاں کے ایک مسلمان جنٹلمین محمد یٰسین صاحب بی - اے نے مجھ کو یہ تار بھیجا :

''بہت کامیاب جلسہ خلاف سامل ٹینیس امتحانات کے گزشتہ ہفتے کو ہوا - وزلین ہل پر ہزاروں (اشخاص) موجود تھے - پروگرام اور میموریل روانہ ہوتا ہے - مبارکباد قبول کیجیے -''

میں نے ۳۰ تاریخ کو یہ جواب بھیجا :

''آپ کو اور مسلمانان مدراس کو کامیاب جلسے پر مبارکباد ۔''

اس لیے ''ہندو'' اخبار کو ، جو غالباً مدراس کا کوئی انگریزی اخبار ہے ، ایسی افواہوں کے مشتہر کرنے کے لیے کوئی عذر نہیں تھا ۔ اور اُس افواہ کو 'دکن بجٹ' نے منقول کیا ہے اور میں نے 'دکن بجٹ' کے اس فقرے کو اس خط کے شروع میں نقل کر دیا ہے ۔ ایسی افواہ[1] نہ صرف میرے پولیٹیکل خیالات کو غلط ظاہر کرتی ہیں بلکہ میری ذاتی شہرت اور خصلت کے لیے مضر ہیں ، اور میرے ایسے دوستوں کو ، جو اپنی ہدایت کے لیے پبلک پالسی کے متعلق میری آرا کے منتظر رہتے ہیں ، تکلیف پہنچانے والی اور پریشان کرنے والی ہیں ۔ کیونکہ اُن افواہوں نے میرے اُن پبلک خیالات کو ، جو برٹش رول کے ساتھ تمام زندگی کی وفاداری اور محبت کی وجہ سے اور اپنے ہم وطنوں اور ہم مذہبوں کی بہبودی کی وجہ سے ہیں ، ایک ایسے واقعے کے ساتھ ملا دیا ہے جیسے کہ وہ نا اتفاقی ہے جو سر جان ایج چیف جسٹس الہ آباد ہائی کورٹ اور میرے بیٹے سید محمود پیونی جج میں ہو گئی ہے ۔ پبلک اس سے بالکل نا آگاہ ہے کہ اس قابل افسوس غلط فہمی کے واقعات اور پیچیدگیاں اصل میں کیا ہیں ؟ اور میری رائے میں نہ اُن کو کوئی حق ہے کہ اس بات کی توقع رکھیں کہ سید محمود یا میں پبلک کے اشتیاق کو رفع کرنے کے لیے کوئی عام اظہار بذریعہ اسپیچ یا مضمون کے کروں گا ۔ لیکن میں اُن لوگوں کو ، جو میری آرا اور خیالات کی وقعت کرتے ہیں ، یہ یقین دلاتا ہوں کہ نہ میری اور نہ میرے بیٹے کی وفاداری اور محبت کے خیالات ، جو کہ برٹش رول کے ساتھ ہیں ، ایک ایسے ہیچ واقعے سے بدل سکتے ہیں جیسا کہ دو شخصوں میں ، جو ایک ہی گورنمنٹ کی خدمت کرتے ہیں ، اختلاف رائے کا ہونا ۔ جہاں تک مجھ سے علاقہ ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ جو میری آرا اور خیالات برٹش گورنمنٹ کی نسبت ہیں اُن کے اصول میرے بیٹے سید محمود کی پیدائش سے بہت پہلے قائم ہو چکے تھے ۔ میرے پدری اجداد نے سلطنت مغلیہ کی خدمات خصوصاً صیغہ فوج میں ذمہ داری کے معزز عہدوں پر

---

[1] یہاں 'افواہ' نہیں بلکہ 'افواہیں' کا لفظ لکھنا چاہیے تھا مگر سرسید نے 'افواہ' ہی لکھا ہے ۔

وفاداری اور محبت سے کہیں - اور میں اپنے خاندان کا پہلا شخص ہوں کہ سبارڈینیٹ جوڈیشل عہدے پر برٹش سروس میں داخل ہوا - برٹش رول کے ساتھ میری وفاداری اور محبت کی آزمائش ۱۸۵۷ء کے مصائب میں (بخوبی) ہوئی تھی اور اس امر کے یہاں کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں -

میرا بیٹا سید محمود میرے خاندان میں اپنے جدی سلسلے میں پہلا شخص ہے جس کو انگریزی زبان اور ادب ۱۸۵۷ء کے بعد سکھایا گیا - اُس کی تعلیم کسی گورنمنٹ سروس کے لیے نہیں ہوئی - اور اگرچہ باعتبار عمر اور تعلیمی صفات کے اُس کو لندن سے مقابلے کے امتحان میں کامیابی کا ایک سے زیادہ موقع مل سکتا تھا لیکن اُس نے اپنے قدرتی میلان اور خوشی سے بار کو گورنمنٹ سروس پر ترجیح دی ، یہاں تک کہ وہ ۱۸۷۹ء میں اودھ میں ڈسٹرکٹ جج مقرر کیا گیا اور پھر آخرکار الہ آباد ہائی کورٹ کا پیونی جج - اب بوجہ اُس قابلِ افسوس غلط فہمی کے جو اُس میں اور سر جان ایج میں واقع ہو گئی ہے ، جو کچھ حالات اُن کے عہدے کے زمانے اور اُس پر جاری رہنے کے ہوں مگر اس قابلِ افسوس امر سے برٹش کے ساتھ میری وفاداری کے خیالات پر ، جو تمام عمر میرے دل میں موجود رہے ہیں ، ذرا سا بھی کسی قسم کا اثر نہیں پڑ سکتا اور میں اس رول کو ہمیشہ سے یہ سمجھتا ہوں کہ وہ میرے ہم وطنوں اور ہم مذہبوں کے امن اور بہبودی کے لیے ایک بڑی برکت ہے - اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے جو کہ اب بہت زور سے لکھتا ہوں کہ اُن لوگوں کو جو میری ذاتی خصلت اور پبلک پالسی کی وقعت کرتے ہیں ، اُن کو یقین رکھنا چاہیے کہ میری آراء ، جو انڈین نیشنل کانگریس کی تجاویز اور مقاصد اور خواہشوں اور نیز اس کے نتیجے یعنی ہندوستان میں سول سروس امتحان ہونے کے خلاف ہیں ، اُن آرا پر مطلقاً کسی قسم کا اثر نہیں پڑا اور نہ (وہ) بدلی ہیں -

میں آپ کا بہت ممنون ہوں گا اگر آپ براہِ مہربانی اس خط کو اپنے (اخبار کے) کالم میں جگہ دیں گے ، کیونکہ پھر کثیر خطوں کے جواب دینے کی ضرورت نہیں رہے گی ، اور نہ کسی دوسرے اخبار میں اس امر پر لکھنے کی ضرورت باقی رہے گی - جیسا کہ پہلے آپ کے اخبار میں اُن امور کے صاف بیان کرنے سے ، جن کی وجہ سے میں نے لیجسلیٹو کونسل سے استعفا دیا تھا ، جھوٹی

افواہیں اور غلط فہمیاں پھیلنے سے رک گئی تھیں ، جو اُس وقت غالباً میرے استعفٰی دینے سے پھیل جاتیں[1] ۔

آپ کا خادم
سید احمد

علی گڑھ ، ۲۲ ستمبر ۱۸۹۳ء

توضیح

سرسید کے مذکورہ بالا ۲۲ ستمبر ۱۸۹۳ء والے خط کا ، جو انگریزی میں الہ آباد کے اخبار 'پانیر' میں شائع ہوا ، اردو میں ایک بہت ہی مختصر سا خلاصہ اخبار 'وفادار' لاہور کے ۸ اکتوبر ۱۸۹۳ء کے شمارے میں چھپا ۔ 'وفادار' کا یہ پرانا پرچہ اتفاقاً تبسّم کاشمیری صاحب ایم ۔ اے پروفیسر اورینٹل کالج لاہور کی نظر سے گزرا تو انھوں نے اس خلاصے کو سرسید کا ایک مستقل خط سمجھا اور اسی حیثیت سے اس کو بطور ادبی تبرّک کے انجمن ترقی اردو کے ماہنامے ''قومی زبان'' کراچی کے یکم ستمبر ۱۹۶۰ء کے شمارے میں شائع کر دیا ۔ چونکہ ''قومی زبان'' میں اس خلاصے کے شائع ہونے سے یہ غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ یہ سرسید کا کوئی مستقل خط ہے اس لیے ان سطور کے لکھنے اور صحیح صورتِ حال بتانے کی ضرورت محسوس ہوئی تاکہ لوگ ان کو دو علیحدہ علیحدہ خط نہ سمجھ لیں ۔

(۵)

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ، بابت ۲ اکتوبر ۱۸۹۷ء)

جانِ من !

میں نے ٹروتھ کی ایک چٹھی آپ کے آج کے اخبار میں مسئلۂ سلطان و خلافت پر پڑھی اور میں یہ ایک موقع پاتا ہوں کہ چند ریمارک اس چٹھی پر

۱- یہ خط ، کتاب ''آخری مضامین سرسید'' کے صفحہ ۴۸ تا ۵۲ پر بھی چھپ چکا ہے اور مکاتیبِ سرسید احمد خاں ، مرتبۂ مشتاق حسین مرحوم کے صفحہ ۳۸۰ تا ۳۸۵ میں بھی شائع ہو چکا ہے ۔

اس اُمید سے پیش کروں کہ آپ ان کو اپنے بے بہا اخبار میں تھوڑی سی جگہ دے کر مجھ کو ممنون فرمائیں گے تاکہ جو غلط فہمی آپ کے کارسپانڈنٹ کو ہوئی ہے وہ رفع ہو جاوے ۔

منجملہ دیگر امور کے وہ کہتے ہیں کہ ''اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ در صورت مسلمانوں اور اقوام غیر کے درمیان جنگ قائم ہونے کے مسلمان مذہباً پابند ہیں کہ اپنے ہم مذہبوں کا ساتھ دیں ۔ بلحاظ اس مسئلے کے کہ آیا سلطان ٹرکی خلیفہ ہیں یا نہیں ، مسلمان دنیا کے جس حصے میں رہتے ہوں ان کو سلطان کا ساتھ دینا ضروری ہے ، لیکن اس کے ساتھ شرط یہ ہے کہ سلطان کسی ایسی قوم سے لڑائی کا قائم کرنا پسند کریں جو کہ پیروان رسول اللہ ؐ نہیں ہیں ۔'' پھر وہ لکھتے ہیں کہ شریعت محمدی کے موافق یہ مسئلہ ہے کہ اگر ''کوئی مسلمان کسی غیر مسلمان کو مار ڈالے تو اس کو پھانسی کی سزا نہیں ہو سکتی ۔''

مجھ کو اس بات کے معلوم کرنے سے حیرت ہوتی ہے کہ وہ لوگ جو مذہب اسلام کے مسائل سے واقف نہیں ہیں ، ان مسائل پر بحث کرنے میں کیوں حصہ لیتے ہیں ۔ مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے کارسپانڈنٹ مسمی ٹروتھ کو مذہب اسلام کے مسائل سے بہت کم واقفیت ہے ۔ مسئلہ اسلام کا درست اور صحیح مسئلہ یہ ہے کہ جو مسلمان کسی غیر مسلمان بادشاہ کی حکومت میں بطور رعیت کے مستامن ہو کر رہتے ہوں ان کو مذہب اسلام کی رو سے اجازت نہیں ہے کہ وہ اس بادشاہ کے ساتھ کسی وقت دغا بازی کریں یا فساد پھیلائیں ۔ دیگر یہ کہ غیر مسلمان اور مسلمان بادشاہ میں جنگ ہونے کی صورت میں اُس مسلمان رعایا کو ، جو مقدم الذکر بادشاہ کی سلطنت میں مستامن ہے ، مذہب کی رو سے اس بات کی قطعاً ممانعت ہے کہ وہ مسلمان بادشاہ کا ساتھ دیں یا اُس کی کسی طرح مدد کریں ۔

ٹروتھ کی اس رائے کی نسبت کہ ''شریعت محمدی'' کے موافق یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلمان کو مار ڈالے تو اس کو پھانسی کی سزا نہیں ہو سکتی'' مجھ کو یہ عرض کرنے کی اجازت دیجیے کہ ان کی یہ رائے صحیح ہونے سے دور ہے ۔

اگر مسلمان اور غیر مسلمان کسی ایسی گورنمنٹ میں رہتے ہوں کہ وہ

غیر مسلمان ہے اور ایسا اتفاق ہو کہ ان میں سے ایک دوسرے کو مار ڈالے تو اس گورنمنٹ نے جو قانون مقرر کیا ہو ، اور وہ قانون دونوں کے لیے عام ہو ، اس کے بموجب ان کے مقدمے میں کارروائی ہوگی اور جو حاکم اس گورنمنٹ نے مقرر کیا ہو وہ اس کو فیصل کرے گا ۔ اور اگر یہ صورت ہو کہ مسلمان اور غیر مسلمان ایسے ملک میں رہتے ہوں کہ اس پر حکومت مسلمان بادشاہ کی ہے تو یہ غیر مسلمان رعایا ذمّی کہلاوے گی اور ایسی صورت میں اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلمان کو مار ڈالے گا تو اس کو حسبِ شریعتِ محمدی سزائے قصاص برداشت کرنی پڑے گی ۔

علاوہ بریں یہ امر ملحوظِ خاطر رہے کہ اس زمانے میں جو لڑائیاں ہوتی ہیں ، خواہ وہ آپس میں مسلمانوں میں ہوتی ہوں یا غیر مسلمانوں میں ہوتی ہوں ، ان لڑائیوں کو مذہبی لڑائیاں کہا ہی نہیں جا سکتا کیونکہ یہ لڑائیاں کسی مذہبی مقصد سے نہیں ہوتیں بلکہ یہ لڑائیاں بالکلیہ ملکی معاملات پر مبنی ہوتی ہیں اور ان کو اسلامی یا مذہبی لڑائیوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے ۔

۲۵ ستمبر ۱۸۹۷ء

سید احمد

۲۰

بنام ایڈیٹر 'پنجابی اخبار' لاہور

اپنے وقت کا یہ نہایت مشہور اور موثّر اخبار ۱۸۶۵ء میں منشی حاجی سید محمد عظیم نے لاہور، محلہ تارکشاں متصل لوہاری دروازہ سے ہفتہ وار جاری کیا تھا ۔ زاں بعد ہفتے میں دو بار نکلنے لگا تھا ۔ اعلیٰ درجے کے ادبی مضامین اور بہت عمدہ نظمیں ملک کے مشہور ادیب اور نامور شعرا اس میں لکھا کرتے تھے ۔ چنانچہ حضرت مولانا الطاف حسین حالی کی نظمیں بھی اس میں شائع ہوتی تھیں ۔ سرسید اور اُن کی تعلیمی تحریک کا یہ اخبار زبردست حامی تھا ۔ جب سرسید ۱۸۸۴ء میں لاہور آئے تو اس اخبار نے ان کے اعزاز میں اپنے اخبار کا ایک خاص ضمیمہ شائع کیا اور ان کے سفرِ پنجاب کے حالات و کوائف مفصّل شائع کرتا رہا ۔ اخبار کے مالک منشی سید محمد عظیم ایک قابل اور فاضل، خوش ذوق اور خوش وضع بزرگ تھے ۔ ان کے والد محمد صالح دہلی کے روسا میں سے بڑے ہی خوش پوشاک انسان تھے ۔ دن میں کئی جوڑے بدلتے تھے اور بڑی شان سے رہتے تھے ۔ منشی محمد عظیم نے قدیم دہلی کالج میں تعلیم پائی تھی اور انگریزی زبان کے بڑے فاضل تھے ۔ شاعری کا بھی بہت اچھا ذوق رکھتے تھے اور لاہور میں اپنے

مکان پر ماہانہ مشاعرے کرایا کرتے تھے جن میں شہر بھر کے شعرا اور معززین و حکام شریک ہوا کرتے تھے۔ ۲۷ جنوری ۱۸۸۵ع کو لاہور ہی میں ان کا انتقال ہوا اور قبرستان میانی صاحب میں دفن ہوئے۔ اُن کے انتقال کے بعد 'پنجابی اخبار' بھی ۱۸۹۰ع میں بند ہوگیا۔ اس کا نام اگرچہ 'پنجابی اخبار' تھا مگر یہ اُردو میں چھپا کرتا تھا۔ جس مطبع میں یہ اخبار چھپتا تھا وہ بھی منشی محمد عظیم صاحب کی ملکیت تھا اور اُس کا نام مطبع پنجابی تھا۔ ۱۸۵۵ع میں اس کا اجرا ہوا اور ۱۸۹۰ع میں اخبار کے ساتھ مطبع کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ، بابت ۶ اگست ۱۸۸۸ع)

بخدمت ایڈیٹر صاحب پنجابی اخبار، لاہور

صاحب من! آپ نے اپنے اخبار مطبوعہ ۲۰ جولائی میں جو آرٹیکل نسبت مدرسۃ العلوم کے، بنظر قومی ہمدردی کے، لکھا اس کا میں دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں، اور اجازت چاہتا ہوں کہ چند لفظ (اس کے متعلق) آپ کی خدمت میں لکھوں۔

میں اپنے ان نامہربان دوستوں کا، جو میری ذاتی مخالفت پر سرگرم ہیں اور گو کہ وہ ان باتوں میں، جو میری ذات سے علاقہ رکھتی ہیں، کتنا ہی مبالغہ کرتے ہیں اور لوگوں کو مغالطہ دیتے ہیں اور بےسروپا اتہام کرتے ہیں، ہمیشہ ممنون رہا ہوں اور رہوں گا۔ ان کا ناراض ہونا اور غصے میں آ کر حد سے تجاوز کر جانا کچھ تعجب کی بات نہیں ہے۔ ان کے خیالات میرے خیالات سے بالکل مختلف ہیں۔ وہ میرے خیالات (کو) مذہبی لحاظ سے کفر و الحاد و زندقہ و ارتداد سمجھتے ہیں (گو فی‌نفسہ کیسے ہی عمدہ ہوں)۔ پھر اُن کی مخالفت سے اگر میں آزردہ ہوں تو میری نادانی ہے۔ میں اپنے قدیم دوست مولوی حاجی سید امداد العلی خان بہادر سی۔ ایس۔ آئی سے اسی خلوص سے ملتا ہوں جیسا کہ ہمیشہ ملتا تھا اور آپ کے شہر کے مشہور عالم مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب (بٹالوی) کی (جن کو دو ایک دفعہ اتفاقیہ دیکھا ہے) ایسی ہی قدر کرتا ہوں جس قدر کہ وہ لائق ہیں۔ مجھ کو مطلق اس بات کا خیال نہیں

ہے کہ یہ دونوں صاحب میری نسبت کیا لکھتے ہیں اور کیا کہتے ہیں ۔ خیال تو درکنار میں ان صاحبوں کی تحریروں کو اور مثل اس کے جو اور تحریریں ہیں ان کو کبھی آنکھ بھر کر دیکھتا بھی نہیں ۔ بعض اخباروں نے یہ سمجھا ہے اور ان کی سمجھ درست ہی ہے کہ میری ہجو و دشنام دہی و سخت کلامی سے ان کے اخبار کے چند پرچے فروخت ہو جاتے ہیں ۔ (پس) میں نہایت خوش ہوں کہ وہ اپنے جوہر ظاہر کریں اور طبع آزمائی اور ذکاوت کو میری ہجو میں خرچ کریں ، اور اس سے خذفِ چند حاصل کریں ۔

اس تمہید سے میرا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ میں آگے لکھتا ہوں اس میں ان باتوں کو ، جو میری ذات کی نسبت کہی جاتی ہیں ، میں شامل نہیں کرتا ۔

مدرسۃ العلوم کوئی میرا ذاتی کام نہیں ہے ۔ جہاں تک میری سمجھ ہے ، میں اس کو اپنی قوم کے لیے فائدہ مند سمجھتا ہوں ۔ اور جو کچھ اس میں کوشش کی جاتی ہے وہ قومی کام ہے ۔ پس مدرسۃ العلوم سے مخالفت کرنا البتہ مجھے تعجب میں ڈالتا ہے اور قومی ادبار پر افسوس آتا ہے ۔ اگر وہ مخالفت رائے کے اختلاف پر مبنی ہوتی اور جو کارروائی مدرسۃ العلوم میں ہوتی ہے اس میں نقص نکالے جاتے اور اصلاح پر رائے دی جاتی تو (میرے لیے) اس سے زیادہ کوئی خوشی کی بات نہ تھی ۔ مگر جب وہ اس میں کچھ نقص نہیں پاتے تو غلط بیانی اور بہتان بندی اور اتہام سے کام لیتے ہیں اور اس پر نہایت فخر کرتے ہیں ۔ بلاشبہ جھوٹا موتی آب و تاب میں زیادہ ہوتا ہے مگر کے دن کا ؟ جھوٹا پھر جھوٹا ہی ہے ۔ دو دن بعد نہ وہ آب و تاب (رہتی) ہے نہ وہ چمک دمک ۔

پنجاب کے بعض دوستوں نے مجھ سے بہت اصرار کیا ہے کہ اگر تم اپنی ذات کے لیے انتقام لینا نہیں چاہتے تو مدرسۃ العلوم کی نسبت جو مخالفین اتہام لگاتے ہیں ، ان کا انتقام ضرور لو ۔

میں بھی کچھ سمجھتا ہوں اور کسی قدر قانون سے بھی واقف ہوں ۔ میں خوب جانتا ہوں کہ میں انتقام لے سکتا ہوں اور قانونی سزا دلا سکتا ہوں ۔ مگر میرے لیے کیا یہ مناسب ہوگا کہ جس قوم کے ساتھ میں ہمدردی کرنا چاہتا ہوں اور جس قوم کو اپنی گود میں بٹھانا چاہتا ہوں ، اس کو قانون کے حوالے کر دوں ؟

مجھ کو یاد ہے کہ ایک شخص نے ، جس کے ساتھ میں نے نیکی کی تھی ، میرے ساتھ نہایت بدی کی اور تمام وجہ ثبوت ، جس سے اس کو فوجداری عدالت سے کافی سزا مل سکتی تھی ، میرے ہاتھ آ گئی - میرے نفس نے مجھ کو بھکایا اور انتقام لینے پر آمادہ کیا - میری والدہ مرحومہ نے یہ خبر سن کر مجھ سے کہا کہ ''اگر تم اس کو معاف کر دو تو اس سے عمدہ کوئی کام نہیں ہے (لیکن) اگر تم کو اس کی بدی کی (دنیا کے) حاکم سے سزا دلوانی ہے تو نہایت نادانی ہے کہ اُس قوی اور زبردست أحکم الحاکمین کے چنگل سے ، جو ہر ایک کے اعمال کی سزا دینے والا ہے ، اپنے دشمن کو چھڑا کر ضعیف و ناتواں دنیا کے حاکموں کے ہاتھ میں ڈالنا چاہتے ہو - پس اگر دشمنی اور انتقام ہی منظور ہے تو قوی حاکم کے ہاتھ میں اس کو رہنے دو -

اس نصیحت کا میرے دل پر ایسا اثر ہے کہ کبھی دور نہیں ہوا اور نہ ہوگا - پس اگر میں ان لوگوں سے انتقام لینے کا خواہش مند ہوں تو بہتر ہے کہ دنیوی حاکم کی بہ نسبت اس قوی حاکم کے حوالات میں ان کو رہنے دوں - وہ اس اتہام اور بدگوئی سے کیا نتیجہ اُٹھاتے ہیں - اس زمانے میں بھی بہت سے ایسے لوگ ہیں جو ان کی ایسی باتوں پر لعنت کرتے ہیں اور ضرور بہت جلد ایسا زمانہ آوے گا کہ قوم کی قوم ان کی ان باتوں کو یاد کر کے لعنت کیا کرے گی - پس کیا (یہ) سزا کم ہے کہ اس کے سوا اور کی فکر کی جاوے -

ہمارے دوستوں کا یہ خیال کہ ان کے ان اتہامات اور فحش سے مدرسۃ العلوم کو نقصان پہنچے گا ، میری رائے میں درست نہیں ہے - مدرسۃ العلوم چل نکلا ہے اور چلے گا - تمام اتقیا اور رؤسا نے دیکھا اور تجربہ کیا - اب وہ کسی کی بدگوئی اور فحش اتہامات سے رک نہیں سکتا - ہاں جس کسی کو لعنتی کا طوق پہننا خوش آتا ہو وہ جو چاہے کہے لے اور کر لے -

جن لوگوں نے مدرسۃ العلوم کے طالب علموں کی نسبت فحش الزام لگائے اور اشعار بنائے ، اخباروں میں چھاپے ، اگر وہ سب صحیح تسلیم بھی کر لیے جاویں تو اس کا نتیجہ کیا ہے (؟) یہی نتیجہ ہے کہ ہماری قوم کی اولاد کی ایسی حالت خراب ہے جیسی کہ وہ بیان کرتے ہیں - مدرسۃ العلوم میں جو لڑکے آتے ہیں وہ وہی ہیں جنھوں نے اپنے ماں باپ کے ہاں اپنے گھروں پر اُس وقت تک کہ وہ مدرسہ میں آویں تربیت پائی ہے - پس جو افعال کہ ان کے ہوں وہ نتیجہ

اُس تربیت کا ہے جو ہماری قوم کے لڑکے اپنے گھروں پر پاتے ہیں - پس جو کچھ کہ وہ لوگ کہتے ہیں ، وہ نقائص اگر ہوں تو مدرسۃ العلوم کی نسبت منسوب نہیں ہو سکتے بلکہ قوم کی حالت پر منسوب ہوتے ہیں - اور جس شخص کو خدا نے عقل اور قومی ہمدردی عطا کی ہے اس کے نزدیک قوم کی اولاد کے لیے تربیت کی فکر کرنا بہت بڑا اہم امر ہوتا جاتا ہے - مگر وہ تربیت ان شخصوں کی فحش تحریروں سے نہیں ہو سکتی جنھوں نے فحش اہتمام کرنے اور فحش اشعار نظم کرنے میں اپنی ذہالت و جودتِ طبع کو کام میں لایا ، بلکہ ان کی تربیت کے لیے ایک ایسی ہی تعلیم گاہ کی ضرورت ہے جیسی کہ مدرسۃ العلوم ہے - پس عقل مند دور اندیش آدمی کے دل میں ان کے اہتمامات کے صحیح مان لینے کے بعد بھی مدرسۃ العلوم کی قدر و منزلت زیادہ ہوتی جاتی ہے -

عدو شود سببِ خیر گر خدا خواهد

علی گڑھ ، ۲۴ جون ۱۸۸۱ع — راقم ، سید احمد

۲۱

بنام ایڈیٹر اخبار 'سائنٹیفک سوسائٹی' علی‌گڑھ

یہ اخبار سرسید نے 'سائنٹیفک سوسائٹی علی‌گڑھ' کی طرف سے ہفتہ وار جاری کیا تھا اوراس کا پہلا پرچہ ۳۰ مارچ ۱۸۶۶ع کو شائع ہوا تھا۔ اس اخبار کا دوسرا نام ''علی‌گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ'' تھا۔ بعد کے ایام میں سرسید کا مشہور رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' بھی اسی اخبار میں شامل کر دیا گیا تھا۔ جب علی‌گڑھ کالج، مسلم یونیورسٹی بنا تو اس اخبار کا نام ''مسلم یونیورسٹی گزٹ'' ہوگیا۔ سرسید کے شذرات، مضامین اور خطوط وغیرہ کا نہایت نایاب اور عظیم الشان ذخیرہ اس اخبار کے فائلوں میں محفوظ ہے۔ اس کے مکمل فائل مسلم یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہیں۔ اس کے اصل اور مستقل ایڈیٹر تو سرسید خود تھے مگر جب سرسید علی‌گڑھ میں نہیں ہوتے تھے تو دوسرے لوگ کام چلایا کرتے تھے۔ اس کے نائب ایڈیٹروں میں دو نام بہت مشہور ہیں؛ ایک منشی محمد یار خاں اور دوسرے مولوی محمد اسماعیل۔ منشی صاحب کے متعلق تو معلوم نہیں ہو سکا مگر مولوی محمد اسماعیل اکتوبر ۱۸۶۹ع سے ۱۸۷۷ع تک اس کے نائب ایڈیٹر رہے اور سرسید کے بیشتر خط ان ہی کے نام ہیں۔

(۱)

(اخبار سائنٹیفک سوسائٹی علی گڑھ ، بابت ۲۶ نومبر ۱۸۶۹ع ، ص ۷۶۳)
مشفقی ایڈیٹر علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ زاد عنایتہ !

آپ کا نہایت عمدہ اور نہایت دلچسپ اور بالکل صداقت سے بھرا ہوا آرٹیکل ہندوستان کی عورتوں کی تعلیم کی نسبت ، جو آپ کے اخبار نمبر ۳۷ ، مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۸۶۹ع میں چھپا ہے ، میں نے اس کو بغور پڑھا ۔ میری دانست میں ایسا سچا اور ٹھیک اور بالکل درست آرٹیکل عورتوں کی تعلیم کی نسبت کوئی نہ چھپا ہوگا ۔ جو اصلی مشکلات ہندوستان میں عورتوں کی تعلیم میں ہیں وہ نہایت صحت سے اس میں بیان ہوئی ہیں ۔ جن باتوں کی رعایت آپ ہندوستان میں عورتوں کی تعلیم میں چاہتے ہیں وہ سب یہاں یعنی انگلستان میں بھی مقدّم سمجھی جاتی ہیں ۔ مذہبی تعلیم عورتوں کی اور تہذیبِ اخلاق جن کی خوبی کی بنا صرف مذہبی مسائل پر ہے یا مسائلِ مذہبی کے برخلاف نہیں ہے ، نہایت ضروری قرار پائی ہے ۔ وہ مقام جن میں اشراف اور جنٹل مین لوگوں کی لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں ، بلاشبہ ایسے مقام ہیں جن میں ان لڑکیوں کے ماں باپ یا ولیوں کو بلحاظ اپنے ملک کی راہ و رسم کے ان کے چال چلن درست رہنے اور کمین یا بدچلن عورتوں کی صحبت سے بچے رہنے کا ہر طرح ہر یقین اور بخوبی اس پر طانیت ہے ۔ پس اگر ان تمام امور کا لحاظ ہندوستان میں نہ ہوگا تو عورتوں کی تعلیم ، جیسا کہ آپ کے آرٹیکل میں ہے ، درحقیقت ناممکن ہوگی ۔ آپ خیال کرتے ہیں کہ ہندوستان کی گورنمنٹ عورتوں کو مذہبی تعلیم پانے کے لیے کچھ مدد نہ دے گی ۔ شاید آپ کا یہ خیال صحیح ہو یا قریب قریب صحت کے ہو ، مگر اس کے بعد نہایت حسرتناک اور رنج دہ یہ فقرہ آپ نے اپنے آرٹیکل میں ارقام فرمایا ہے کہ ”ایسے معاملات میں بغیر سرکاری معاونت کے کسی طرح کامیابی کی امید نہیں ہو سکتی ۔“ کیا یہ فقرہ تمام ہندوستان کو شرمندہ نہیں کرتا ہے ؟ کیا اس فقرے سے تمام ہندوستان کا مثل ڈھور ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے ؟ سنیے ، لندن میں ہزاروں سکول و کالج ہیں ، متعدد یونیورسٹیاں ہیں ، بڑے بڑے جلسے لکچروں کے ہیں ، نہایت عمدہ عمدہ عالیشان کتب ہیں اور کیسی کیسی رفاہِ عام کی چیزیں ہیں جن کی لاگت اور جن کے روزمرہ کے اخراجات دیکھ کر آدمی کے ہوش جاتے ہیں ، مگر کسی چیز کو گورنمنٹ سے علاقہ نہیں ۔ نہ گورنمنٹ کا ایک حبّہ اس میں خرچ

ہوتا ہے ، نہ گورنمنٹ کو کچھ اس میں مداخلت ہے - بجز اس کے کہ ان کے تقرر کو منظور کیا ہے ، ان کی کارروائی کو جائز اور واجب التسلیم قانوناً قرار دیا ہے ، ان کو چارٹر یعنی فرمان عطا کیا ہے - ان کی عزت کرنے کو اُن میں شریک بھی ہوتی ہے ، یہاں تک کہ یونیورسٹیوں کو بھی اور ان مدرسوں کو بھی جن میں بارسٹر پاس ہوتے ہیں اور ان ہی میں سے ایک لارڈ چین سلر (چانسلر) ہوتا ہے جو سب سے معزز عہدہ انگلستان میں ہے اور ان تعلیم گاہوں کو بھی جہاں سے سول سروس بنتے ہیں ، گورنمنٹ کو کچھ بھی تعلق یا دخل نہیں ہے - پس کیسے تعجب کی بات ہے کہ ہندوستان کے لوگ یہ خیال کریں کہ ہندوستان کی بیٹیوں کی تعلیم میں اگر گورنمنٹ کی اعانت نہ ہوگی تو کامیابی نہ ہوگی - یہاں کے لوگ جب یہ بات سنتے ہیں کہ ہندوستان کے لوگ اپنی بھلائی اور اپنی تہذیب اور اپنی تعلیم و شائستگی بھی گورنمنٹ کی طرف سے ہونا چاہتے ہیں تو اس کو دنیا کی ایک نہایت عجائبات سے سمجھتے ہیں اور حد سے زیادہ متعجب ہوتے ہیں اور پھر اپنا تعجب اس طرح پر رفع کرتے ہیں کہ ہاں ہاں ہندوستان کے لوگ تو آن سویلیزڈ وحشی جانوروں کے موافق ہیں - پھر کوئی ان کو چابک لگا کر ہنکانے والا چاہیے -

یہاں تمام مدرسوں میں جتنی مذہبی مداخلت ہے وہ نہایت تعجب انگیز ہے اور خیال میں نہیں آ سکتا کہ ایسے سویلیزڈ ملک میں اور ایسی رسوموں کا ، جو نہایت پرانے زمانے کے تعصبات مذہبی سے علاقہ رکھتی تھیں ، کیونکر اب تک رواج رہا ہے -

پس ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کو کون منع کرتا ہے کہ خود ، بلامداخلت ، لڑکیوں کے پڑھانے کا انتظام کریں اور تمام مذہبی اخلاق اپنے اپنے مذہب کے موافق تعلیم دیں - کیا ہندوستان ایسا نہیں کر سکتا ؟ بیشک کر سکتا ہے ، کسی طرح ان کاموں کے لیے بلکہ اور اس سے بڑے بڑے کاموں کے لیے وہ محتاج نہیں ہے - صرف شوق اور ہمت اور ارادہ چاہیے -

پس اُمید ہے کہ آپ ہندوستان کی بھلائی کے لیے صرف اَوروں ہی پر تکا نہ رکھیے بلکہ اس سے بالکل قطع نظر کیجیے اور خود اپنے ہم وطنوں کو ایسی نصیحت کیجیے جو وہ ان نیک کاموں پر خود مستعد ہو جائیں - اور یہ بھی آپ خوب یاد رکھیے کہ جب تک کوئی قوم آپ اپنی بھلائی اور ترقی و تہذیب کی طرف متوجہ نہیں ہوتی ، کبھی اُس کو عزت و ترقی نصیب نہیں ہوتی -

مجھ سے آپ نے خواہش کی ہے کہ میں یہاں کے خیرات خانوں کا کچھ حال لکھوں ۔ میں اس سے غافل نہیں ہوں ۔ میں نے اپنی سمجھ کے موافق بہت کچھ انتخاب کیا ہے ۔ اگر آپ کی سوسائٹی کے سیکرٹری صاحب بہادر بموجب میرے عریضہ سابق کے اجازت فرماویں گے تو میں اخبار میں مشتہر ہونے کو بھیجوں گا ورنہ اپنے سفرنامے میں چھاپوں گا ۔

سلطان روم نے اپنے ملک میں نہایت تشدد و حکومت سے اور نہایت فیاضی سے سررشتہ تعلیم قائم کیا ہے ۔ اس کی نسبت ٹائمز میں (جو) کچھ چھپا ہے (وہ) میں آپ کے پاس بھیجتا ہوں ۔ اگر اخبار میں مندرج فرمائیے گا تو خالی فائدے سے نہیں ہے ۔ زیادہ نیاز[۱] ۔

مقام لندن ، ۲۲ اکتوبر ۱۸۶۹ع آپ کا تابعدار ، سید احمد

(۲)

(اخبار سائنٹی فک سوسائٹی علی گڑھ ، بابت ۱۱ فروری ۱۸۷۰ع)

سرسید جب ۱۸۶۹ع میں لندن گئے تو وہاں سے انھوں نے 'انسٹی ٹیوٹ گزٹ' کو اپنے سفر کے حالات و تاثرات بالاقساط بھیجنے شروع کیے تھے ۔ چنانچہ ایک قسط میں انھوں نے اہل یورپ اور ہندوستانیوں کا موازنہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ''اہل یورپ کو ہندوستانیوں سے وہی مناسبت ہے جو کسی نہایت خوب صورت اور لائق آدمی کے سامنے نہایت میلے کچیلے وحشی جانور کو ہے ۔'' اس جملے پر ہندوستان کے اُردو اخباروں میں ایک طوفان برپا ہوگیا اور بہت سخت سخت مضامین سرسید کے خلاف اُن میں چھپنے لگے ، جن میں کوئی کسر سب و شتم کی باقی نہیں چھوڑی گئی تھی ۔ سرسید کی عادت تھی کہ اپنے مخالف مضامین کا جواب بالعموم نہیں دیتے تھے اور

۱- یہ خط 'مکاتیب سرسید احمد خاں' مرتّبہ مشتاق حسین مرحوم مطبوعہ ۱۹۶۰ع میں بھی شائع ہو چکا ہے ۔

اپنے دوستوں کو بھی روکتے رہتے تھے ۔ ذیل کا خط سرسید کا اسی بات سے متعلق ہے جو اُن کی بلندیٔ کردار کا بڑا اعلیٰ ثبوت ہے ۔ 'مکتوباتِ سرسید' کی تدوین کے وقت اس خط کے کچھ ٹکڑے ملے تھے جو شائع کر دیے گئے تھے ۔ اب اتفاق سے پورا خط مل گیا ہے جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے ۔

میرے شفیق ایڈیٹر اخبار سائنٹی فک سوسائٹی علی گڑھ !

میں نے آپ کا اخبار نمبر ۵۰ ، مطبوعہ ۱۰ دسمبر ۱۸۶۹ع ، جس میں آپ نے اپنی محبت سے چند لفظ میری بابت در جواب تحریر بعض مہربان اخباروں کے ، جنھوں نے میری نسبت کچھ لکھا تھا ، ارقام فرمائے تھے ، دیکھا ۔ اور آپ کی محبت اور عنایت کا دلی شکر ادا کرتا ہوں ۔

کوئی شخص دنیا میں ایسا نہیں ہوا جس کا کوئی نہ کوئی مخالف نہ ہوا ہو ۔ پس جس شخص کی مخالفت میں لوگ ہیں اس کا اور اس کے دوستوں کا یہ کام نہیں ہے کہ مخالفوں کی باتوں کا جواب دیتے پھریں اور (اس) بے فائدہ اور مہمل کام میں اپنا وقت ضائع کریں ۔ بلکہ اس کا اور اس کے دوستوں کا یہ فرض ہے کہ مخالفوں کی گفتگو کو سنیں اور ان کی تحریروں کو بخوشی پڑھیں اور نہایت سچائی سے غور کریں کہ حقیقت میں وہ عیب (اور) نقصان اس میں ہیں جو اس کے مخالفوں نے نکالے ہیں یا نہیں ۔ اگر ہوں تو ان مخالفوں کا شکر کرنا چاہیے کہ انھوں نے اپنی مہربانی سے اس عیب سے مطلع کیا اور اگر نہ ہوں تو بھی خدا کا شکر کرنا چاہیے کہ وہ عیب جو مخالف لگاتے ہیں ، اس میں یا اُس کے دوست میں نہیں ہیں ۔ اور کسی رد و قدح پر متوجہ ہونے کی ضرورت اس لیے نہیں کہ جو بات جھوٹی ہے وہ تھوڑے ہی زمانے میں ازخود مثل جھوٹے موتی کی آب کے بے آب ہو جاوے گی ۔ خواہ وہ بات خود اس شخص کی ہو ، خواہ اس کے مخالف کی ۔

پس میں نہایت عاجزی سے آپ کی خدمت میں التماس کرتا ہوں (کہ) جو لوگ میری برائی لکھیں آپ بلاتکلف اس کو اپنے اخبار میں نقل کیجیے مگر کوئی حرف بھی اس کے جواب کے طور پر ارقام نہ فرمایا کیجیے ۔ صرف اُس کی صحت و عدمِ صحت پڑھنے والوں کی رائے پر چھوڑ دی جاوے ۔

اُمید ہے اپنی عنایت سے (آپ) میری اس التماس کو قبول فرماویں گے ۔

ان اجرالله علی‌الله - والسلام[1]

لندن ، ۱۴ جنوری ۱۸۷۰ع   راقم خاکسار ، سید احمد

(۳)

(اخبار سائنٹی فک سوسائٹی علی گڑھ ، بابت ۱۸ مارچ ۱۸۷۰ع)
سرسید لندن ہی میں تھے کہ الهیں لارڈ لارنس نے پارلیمنٹ کے افتتاحی سیشن کی کارروائیوں کو دیکھنے کے لیے مدعو کیا ۔ سرسید کے ساتھ مرزا خداداد بیگ اور سید محمود بھی تھے ۔ پارلیمنٹ تک پہنچنے اور وہاں کی کارروائیوں کی نہایت دلچسپ رپورٹ سرسید نے گزٹ کو بھیجی تھی اور اس رپورٹ کے ساتھ ذیل کا خط بھی روانہ کیا تھا ۔

مشفقی ایڈیٹر اخبار سائنٹی فک سوسائٹی زاد عنایتہ !

میں آپ کے اخبار کے لیے پارلیمنٹ کے کھولے جانے کی خبر ، جس قدر کہ میں نے خود دیکھی ہے ، آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں ۔ زیادہ نیاز[2]

از مقام لندن   راقم سید احمد

(۴)

(اخبار سائنٹی فک سوسائٹی علی گڑھ ، بابت ۲۵ مارچ ۱۸۷۰ع)
انڈیا آفس لائبریری میں قرآن شریف کا ایک نسخہ موجود تھا جس کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ یہ حضرت علی[3] کے ہاتھ

۱- یہ خط رسالہ 'ہماری زبان' علی گڑھ ، جلد ۲۶ ، شمارہ ۲۰ ، بابت ۲۲ مئی ۱۹۶۷ع کے صفحہ ۴ پر بھی شائع ہو چکا ہے ۔
۲- یہ خط بھی رسالہ 'ہماری زبان' ، علی گڑھ ، جلد ۲۶ ، شمارہ ۲۰ ، بابت ۲۲ مئی ۱۹۶۷ع میں شائع ہو چکا ہے ۔ اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے مگر چونکہ یہ ۱۸ مارچ ۱۸۷۰ع کے اخبار میں شائع ہوا تھا اس لیے سرسید نے اسی ماہ میں لکھا ہوگا ۔

کا لکھا ہوا ہے - سرسید نے اس کے متعلق تحقیق کی اور یہ مراسلہ گزٹ کو بھیجا -

صاحب مہتمم علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ سلامت !

یہ بات مشہور ہے کہ یہ قرآن خاص حضرت علی مرتضیٰؑ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور اس لیے میں اس کے دیکھنے کا مشتاق تھا - چنانچہ میں نے اس کو دیکھا - یہ پورا قرآن نہیں ہے بلکہ صرف بیس ورق ہیں - نہایت خوش خط کوفی خط میں اور بلاشبہ کسی خوش نویس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں اور ان پر سنہری کام بھی بنا ہوا ہے - یہ قرآن آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی نے سندھ کے اسباب کے نیلام میں خریدا تھا اور اس خیال سے کہ وہ حضرت علی مرتضیٰؑ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے ، اس کو نہایت عمدہ اور عجیب اور نایاب خیال کیا تھا -

اس کی روایت یوں چلی آتی ہے کہ بعد وفات حضرت علی مرتضیٰؑ کے یہ قرآن مکہ؟ میں رکھا گیا اور وہاں سے کسی وجہ سے ان سلاطین کے قبضے میں آیا جن کی مُہریں اس پر ثبت ہیں - مگر یہ روایت ایسی لغو اور مہمل اور بے اصل معلوم ہوتی ہے جس پر ذرا بھی یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے - مفصلہ ذیل دلیلوں سے لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ قرآن حضرت علی مرتضیٰؑ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے :

اول : یہ کہ اس پر امیر تیمور کی مُہر ہے جس کی فتوحات ۸۰۰ھ تک نہایت وسیع ہو گئی تھیں -

دوم : یہ کہ اس پر مُہر و دستخط شاہ اسماعیل صفوی بقید ۹۱۵ھ کے ثبت ہیں -

سوم : یہ کہ اس پر مُہر و دستخط شاہ اسماعیل ثانی اور یہ عبارت کہ اس نے یہ قرآن مجید اپنے داروغہ کتب خانہ ملک کو سپرد کیا ، بقید ۱۵ جلوسی کے ثبت ہیں -

چہارم : دستخط شاہ عباس بھی اس پر ثبت ہیں -

پنجم : شاہ جہاں بادشاہ کے دستخط بقید ۱۰۳۵ھ اور تصدیق افضل خاں اور عنایت خاں ، اس کے وزیروں کی ، کہ یہ قرآن پندرہ سو اشرفیوں کو خریدا گیا ، ثبت ہے -

ششم : اس پر مُہر و دستخط اعتماد خان وزیر عالم گیر کے بھی ثبت ہیں ۔

ہفتم : جو صلح نامہ کہ ۱۲۵۴ھ میں درمیان میر محمد خان و میر نور محمد خان و میر نصیر خان ہوا تھا وہ بھی اس کے ایک ورق پر ثبت ہے ۔ (یہ ایک رسم مسلمانان ہندوستان کی تھی کہ قرآن پر عہد نامے لکھے جانے کو زیادہ موکّد سمجھتے تھے)

پس ان تمام دلیلوں سے یہ نتیجہ نکلا جاتا ہے کہ ہرگاہ یہ قرآن ایسے اہتمام سے رہا ہے اور ایسا مقدس سمجھا گیا ہے تو بجز حضرت علی مرتضیٰ[ؑ] کے ہاتھ کے اور کس کے ہاتھ کا ہو سکتا ہے !

میں نے اس کو بخوبی دیکھا ، اور چونکہ میں کوفی خط کی پرانی تحریریں اکثر دیکھ چکا ہوں ، اس لیے مجھ کو یقین ہوا کہ ہرگز حضرت علی مرتضیٰ[ؑ] کے ہاتھ کا نہیں ہے ۔ اس قسم کے خط کے لکھے ہوئے بہت سے کاغذ اور پرچے شائقین کے پاس موجود تھے اور جس مرکب روشنائی سے یہ لکھا ہوا ہے اسی کے وہ پرچے بھی تھے اور طرزِ تحریر اور طریقۂ خوش نویسی بھی متحد ۔ اس سبب سے اس قرآن کی تحریر کا زمانہ ۸۰۰ھ سے پہلے کا کسی طرح قرار نہیں دیا جا سکتا ۔

تمام مُہریں اور تصدیقیں ، جو اس پر ثبت ہیں ، کسی میں ایک ذرہ بھی اشارہ اس بات کا نہیں ہے کہ اس زمانے میں بھی کسی نے اس قرآن کو حضرت علی مرتضیٰ[ؑ] کے ہاتھ کا لکھا ہوا خیال کیا تھا ۔

اکثر لوگوں میں یہ عادت پڑ گئی ہے کہ جہاں کوئی خط میں کچھ لکھا ہوا دیکھتے ہیں اس کو حضرت علی مرتضیٰ[ؑ] کی طرف منسوب کر دیتے ہیں ۔ اسی طرح اس کو بھی حضرت علی[ؑ] کے ہاتھ کا لکھا ہوا کہنے لگے ہیں ۔

مُہریں اور تصدیقیں جو اس پر ثبت ہیں بظاہر حال ان میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا اور ظاہرا سب اصلی ہیں ، اگرچہ لوگوں کا یہ طریقہ بھی رہا ہے کہ امیروں اور بادشاہوں کے پاس جعلی نشان بنا کر تحفے عجیب اور عمدہ کر کر لے جاتے تھے ۔ بلاشبہ ان کی صحت و اصلیت کی تاریخانہ تحقیقات ہونی چاہیے ۔

بہرحال ان اوراق کے پرانے اور نہایت عمدہ اور کوفی خط میں جو حق و

غایت درجہ خوش نویسی کا ہے ، اسی درجے کے لکھے ہوئے ہونے میں کچھ شبہ نہیں اور اس لیے نہایت عجیب و نہایت عمدہ ہیں[1] ۔

از مقام لندن راقم سید احمد

(۵)

(اخبار سائنٹی فک سوسائٹی علی گڑھ ، بابت ۸ اپریل ۱۸۷۰ء)

ہندوستانی سول سروس میں ہندوستانیوں کے بار پانے سے سرسید کو ابتدا ہی سے دلچسپی تھی ۔ چنانچہ گزٹ میں سول سروس سے متعلق مضامین کا ایک طویل سلسلہ ملتا ہے ۔ یہ دلچسپی اس بات سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ جب سرسید اور ان کے رفقائے کار نے مدرسۃ العلوم مسلمانان قائم کیا تو سول سروس کے لیے طلبا کو تیار کرنے کے لیے کلاس بھی کھولی گئی تھی ۔ درج ذیل خط بھی سول سروس میں دو ہندوستانیوں کے منتخب ہونے کے سلسلے میں گزٹ کے ایڈیٹر کو لکھا گیا ہے ۔

صاحب مہتمم علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ سلامت !

گزشتہ امتحان سول سروس میں ، جو لندن میں ہوا تھا ، چار ہندوستانی امتحان میں پاس ہوئے تھے ، جن میں سے دو صاحب یعنی سریندر ناتھ بانرجی اور سری پدھ بابا جی ٹھاکر باشتباہ اس بات کے کہ ان کی عمر مقدار معینہ سے زیادہ نہیں ہے ، اور یہ بھی سنا جاتا ہے کہ اس کی تحقیقات عمل میں آئی اور ثابت ہوا کہ ان کی عمر مقدار معینہ سے زیادہ نہیں ، اب مشہور ہوا ہے کہ صاحبان کمشنر امتحان نے ان کا داخلہ سول سروس میں بحال رکھا اور وہ بزمرۂ اہل سروس داخل ہو گئے ۔ پس ہم کو اُمید ہے کہ تمام اہل ہند اس خبر کے سننے سے خوش ہوں گے اور برٹش گورنمنٹ کے انصاف پر اور اس امر پر کہ وہ اپنی

۱- یہ خط رسالہ 'ہماری زبان' ، علی گڑھ ، جلد ۲۶ ، شمارہ ۲۰ ، بابت ۲۲ مئی ۱۹۶۷ء میں بھی شائع ہو چکا ہے ۔ اس خط پر بھی کوئی تاریخ درج نہیں مگر چونکہ یہ ۲۵ مارچ ۱۸۷۰ء کے اخبار میں چھپا ہے لہٰذا سرسید نے اسی ماہ میں لکھا ہوگا ۔

یوریین اور انڈین دونوں ملک کی رعایا کو ایک نظر سے دیکھتی ہے ، دل سے شکرگزار ہوں گے[1] -

از مقام لندن — راقم سید احمد

(۶)

(اخبار سائنٹی فک سوسائٹی علی گڑھ ، بابت ۳۰ جون ۱۸۷۰ع)
سرسید کو تاریخ ، اور خاص طور سے ہندوستانی تاریخ ، اور اس کے باشندوں کی بود و باش سے شروع ہی سے دلچسپی رہی ہے - یہاں جو مراسلہ پیش کیا جا رہا ہے وہ بھی ان کی اسی دلچسپی کا ثبوت ہے -

صاحب ایڈیٹر علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ سلامت !

کتاب 'پیپل آف انڈیا' کے (یعنی جس میں ہندوستان کی قوموں کے حالات مندرج ہیں) صفحہ ۱۹۹ میں ، جو بالفعل دفتر ہند میں موجود ہے ، ایک تصویر دو راجپوت روسی اور جاتری قوم کی ہے جس کے نام کے سبب سے سینٹ پیٹرس برگ کے لوگوں میں بڑے تعجب اور حیرت کے ساتھ چرچا ہو رہا ہے - چنانچہ میرے ایک دوست نے اس باب میں حسب تفصیل ذیل مجھ کو تحریر کیا ہے -

''ان کا لباس روسی ہرکاروں کے لباس سے مشابہ ہے - پس یہ لوگ روس میں کیوں کر آئے ؟ قدیم زمانے میں ہندوستانی بحر کیسپین میں مچھلی پکڑنے کا ٹھیکہ لیا کرتے تھے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اسی جگہ کے رہنے والے ہیں - میں خود ملتان کے ایک راجے کو جانتا ہوں جس نے بحر کیسپین میں ماہی گیری کی بابت سینٹ پیٹرس برگ میں نالش کی تھی - کیا آپ اس قوم کی نسبت مجھ کو مفصّل حال سے مطلع کر سکتے ہیں ؟''

۱- یہ خط رسالہ 'ہماری زبان' ، علی گڑھ ، جلد ۲۶ ، شمارہ ۲۰ ، بابت ۲۲ مئی ۱۹۶۷ع میں بھی شائع ہو چکا ہے - اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں مگر چونکہ یہ ۸ اپریل ۱۸۷۰ع کے اخبار میں شائع ہوا ہے اس لیے خیال ہوتا ہے کہ سرسید نے آخر مارچ یا شروع اپریل ۱۸۷۰ع میں لکھا ہوگا -

پس میں نہایت ممنون و مشکور ہوں گا اگر آپ کے اخبار پڑھنے والے اس قوم کی نسبت ، خواہ آپ کے اخبار کے ذریعے سے مجھ کو مفصّل حال سے مطلع فرماویں ، یا براہِ راست لندن میں ایک چٹھی میرے پاس بھیج دیں[۱] ۔

از مقام لندن — آپ کا خادم ، سید احمد

(۷)

(اخبار سائنٹی فک سوسائٹی علی گڑھ ، بابت ۳ مارچ ۱۸۷۱ع)

مکرمی ایڈیٹر صاحب اخبار سین ٹیفک سوسٹی علی گڑھ سلامت !

جو لوگ اس بات کی وجہ پوچھتے ہیں کہ کمیٹی خواست گار ترقی تعلیم مسلمانوں نے رسالہ ہائے انعامی میں تعداد صفحات کی قید کیوں لگائی ہے ، اور اس شرط کی منسوخی کے خواہاں ہیں ، ان کو مطلع فرمائیے کہ وہ شرط منسوخ نہیں ہو سکتی - ہمیشہ قائم رہے گی ۔

واضح ہو کہ انعام دو قسم کا ہوتا ہے ؛ ایک بشرطِ پسند ، دوسرا بنظرِ ترجیح - اور جو انعام کہ بشرطِ پسند ہوتا ہے اس میں کوئی قید لگانی ضرور نہیں ہوتی ، صرف شرطِ پسند ہی کافی ہے - اور ایسے انعام میں ممکن ہوتا ہے کہ جس قدر تحریریں پیش ہوں اُن میں سے کوئی بھی پسند نہ آوے اور انعام کسی کو بھی نہ دیا جاوے - اور جو انعام بنظرِ ترجیح مقرر ہوتا ہے اس میں انعام نہ دینے کا اختیار نہیں ہوتا بلکہ جس قدر تحریریں پیش ہوتی ہیں - باوجودیکہ وہ کل فی نفسہ ناپسند ہوں ، الّا نسبتاً جو فوقیت رکھتی ہے اس کو انعام دینا خواہ نخواہ ضروری ہوتا ہے - اور ایسی حالت میں مناسب قیدوں کا لگانا جس سے زرِ انعامی غالباً مفت نہ دیا جاوے بلکہ ایک محنت و غور و فکر معقول کے معاوضے میں دیا جاوے ، ضرور ہوتا ہے - اور جوکہ کمیٹی نے بنظرِ ترجیح انعام دینا تجویز کیا ہے اور وہ خواہ نخواہ کسی نہ کسی کو دینا پڑے گا ، اس لیے شرائطِ خاص

۱- یہ خط 'ہماری زبان' ، علی گڑھ ، جلد ۲۶ ، شمارہ ۲۰ ، بابت ۲۲ مئی ۱۹۶۷ع میں بھی شائع ہو چکا ہے - اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں مگر چونکہ یہ ۳۰ جون ۱۸۷۰ع کے اخبار میں چھپا تھا اس لیے اسی ماہ میں سرسید نے لکھا ہوگا ۔

کا مقرر کرنا ضروری تھا ۔ پس کمیٹی نے بہ لحاظ مضمون کے جس پر انعام مقرر کیا ہے اور نیز بہ لحاظ حالات متعلقہ اس کے یہ خیال کیا ہے کہ جو شخص اس مضمون کے تمام پہلوؤں پر غور کرکر اور تمام حالات کو خیال میں لا کر اور تمام وجوہات سوچ کر اگر محنت اور متانت اور متوسط درجے کے اختصار سے بھی رسالہ مطبوعہ لکھے گا تو تعداد صفحات معینہ سے کم نہ ہوگا ۔ اس لیے تعداد صفحات مقرر کی گئی تا کہ بلا معاوضہ مناسب زر انعام ضائع نہ ہونے پاوے[1] ۔

نیاز مند ، سید احمد

سیکریٹری کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان

من مقام بنارس ، مورخہ ۲۹ فروری ۱۸۷۱ع

(۸)

(اخبار سائنٹی فک سوسائٹی علی گڑھ ، بابت ۱۸ اگست ۱۸۷۱ع)

صاحب من !

میں آپ کی خدمت میں ایک لیڈی صاحب کی چٹھی کا خلاصہ ، جو عورتوں کی تعلیم سے متعلق ہے ، ارسال کرتا ہوں ۔ اُمید ہے کہ از راہ عنایت اس کو اپنے عمدہ اخبار میں درج فرماویں گے[2] ۔

از بنارس

آپ کا خادم ، سید احمد

۱- یہ خط مکاتیب سرسید احمد خاں ، مرتبّہ مشتاق احمد مرحوم میں بھی شائع ہو چکا ہے ۔

۲- اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں مگر چونکہ یہ خط ۱۸ اگست کے اخبار سائنٹی فک سوسائٹی میں شائع ہوا ہے اس لیے خیال ہوتا ہے کہ سرسید نے یہ شروع اگست ۱۸۷۱ع میں لکھا ہوگا ۔ یہ خط مکاتیب سرسید مرتبّہ مشتاق احمد مرحوم میں شائع ہو چکا ہے ۔

(۹)

(اخبار سائنٹی فک سوسائٹی علی گڑھ ، بابت ۲۱ اپریل ۱۸۷۶ء)

بنارس کی جس مسجد کی تعمیر کا ذکر حاجی شیخ غلام علی کے نام کے خط کی تمہید میں ہے اُس کے متعلق تمام ہندوستان میں نہایت غلط طور پر یہ خبر مشہور ہوگئی کہ سرسید نے شفاخانہ بنانے کے لیے بنارس کی مسجد منہدم کروا دی ۔ بقول مولانا حالی ''یہ شور و شغب ایک مدت تک اس کے متعلق ہندوستان کے نالائق اخباروں میں رہا مگر سرسید نے اس کی کچھ پروا نہ کی اور اصل حال سے اخباروں کو مطلع نہ کیا ۔'' جب نوبت انتہا کو پہنچی تو آخر سائنٹی فک سوسائٹی کے اخبار کے ایڈیٹر صاحب نے اصل حال شائع کرنے کا اپنے اخبار میں اعلان کیا ۔ اس اعلان کو پڑھ کر سرسید نے مندرجہ ذیل خط ایڈیٹر صاحب کو لکھا ۔

مکرمی ایڈیٹر صاحب سین ٹیفک سوسٹی سلامت !

بعد سلام مسنون التماس یہ ہے کہ میں نے آپ کے اخبار مطبوعہ ۱۴ اپریل ۱۸۷۶ء میں بعنوان خبر ''بنارس کی مسجد'' کے یہ پڑھا کہ آپ کا ارادہ اس مسجد کی کچھ اصلی کیفیت لکھنے کا ہے ۔ غالباً اس کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں میں جو کچھ کذب اور لغو اور بیہودہ باتیں بعض اخباروں میں میری نسبت چھپی ہیں ، واقعی حالات بیان کرنے سے اس کی تردید ہو ۔ مگر میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ ایسی بیہودہ اور دروغ باتوں کی نسبت ، جو اخباروں میں بہ اعتماد ان کے جھوٹے کارسپانڈنٹوں کے چھپی ہیں اور ایڈیٹروں نے اس پر عجیب رائیں دی ہیں ، کچھ توجہ کی جائے اور ان کو باوقعت خیال کیا جاوے ۔ پس میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس امر میں مجھ پر سے اتہام رفع کرنے کی غرض سے کچھ تحریر نہ فرماویں ۔ اور اگر آپ کو اپنے

وعدے کا خیال ہو تو یہ میرا نیاز نامہ بطورِ عذر عدم ایفائے وعدہ اخبار میں چھاپ دیجیے[1] - والسلام

از مقام بنارس ، ۱۷ اپریل ۱۸۷۶ع   آپ کا نیاز مند ، سید احمد

ایڈیٹر صاحب نے سرسید کا یہ خط اخبار میں چھاپ دیا اور سرسید کے منع کرنے پر اصل اعتراض کا کچھ جواب نہ دیا ۔ اس پر مخالفت کا شور پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گیا ۔ اب اخبارات میں یہ لکھا جانے لگا کہ سرسید احمد خاں نے ضرور مسجد منہدم کروائی ہے جبھی تو وہ منہ میں گھنگھنیاں بھرے بیٹھے ہیں اور کچھ نہیں بولتے اور نہ ایڈیٹر کو بولنے دیتے ہیں ۔ ایک مہینے تک یہ مخالفانہ بلکہ معاندانہ شور ہندوستان کے اخباروں میں بہت زور شور کے ساتھ ہوتا رہا ۔ آخر تنگ آ کر اور مجبور ہو کر ایڈیٹر صاحب اخبار 'سائنٹی فک سوسائٹی' علی گڑھ نے اپنے اخبار کے ۲۶ مئی ۱۸۷۶ع کے شمارے میں ساری کیفیت تفصیل کے ساتھ بیان کر دی ۔ مولانا حالی لکھتے ہیں کہ ''اب اخباروں میں یہ چھپنا شروع ہوا کہ نہایت افسوس ہے کہ نہ سرسید نے اتنی مدت تک اصل حال سے مطلع کیا اور نہ سرسید کے اخبار نے عرصے تک اس معاملے پر کچھ روشنی ڈالی'' ، تب سرسید نے 'تہذیب الاخلاق' میں ایک آرٹیکل لکھا جس میں تمام اخباروں کے اقوال ، جو سرسید کے برخلاف لکھے گئے تھے ، نقل کر کے ہر ایک پرچے پر جدا جدا ریمارک کیے ۔ ازاں جملہ 'اودھ اخبار' (لکھنؤ) میں ، جس کے ایڈیٹر اُس وقت مرحوم غلام محمد خاں تپش تھے ، یہ فقرہ چھپا تھا ''اخبار سائنٹی فک سوسائٹی میں یہ مضمون نہایت دیر میں چھپا ، یعنی اُس وقت جب کہ سید صاحب کی بدنامی تمام دنیا میں مشتہر ہو چکی'' ۔ اس پر اپنے مضمون میں سرسید

۱- یہ خط مکاتیب سرسید احمد خاں ، مرتّبہ مشتاق حسین مرحوم میں بھی شائع ہو چکا ہے ۔

نے ایک نہایت لطیف ریمارک کیا جس کے الفاظ یہ ہیں :
''اس کے عذر میں نہایت ادب سے اپنے شفیق کے سامنے حافظ کا یہ شعر پڑھتا ہوں :

در کوی نیکنامی مارا گزر ندادند
گر تو نمی پسندی تغیر کن قضا را

لیکن اگر ہمارے دوست اس فقرے کو یوں ارقام فرماتے تو شاید لفظ بدنامی کے صحیح معنی ادا ہو سکتے کہ ''یہ مضمون نہایت دیر میں چھپا ، یعنی اُس وقت جب کہ تمام اخباروں کی بدنامی دنیا میں ہو چکی ہے۔''

(۱۰)

(سوانح عمری مولوی محمد سمیع اللہ ، مرتبہ شمس العلما مولانا ذکاءاللہ ، ص ۳۷)
(جناب ایڈیٹر صاحب علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ) !

میں علی گڑھ سے بارھویں دسمبر روز سہ شنبہ کو میل ٹرین میں روانہ کلکتہ ہوں گا اور چودھویں دسمبر روز پنجشنبہ کو کلکتے پہنچوں گا ۔ میری غیر حاضری کے زمانے میں جناب مولوی محمد سمیع اللہ خاں بہادر مدرسۃ العلوم کا کام بطور سیکرٹری کالج فنڈ کمیٹی انجام دیں گے ۔ میرا پتا کلکتے میں یہ ہوگا :

نمبر ۱۰ وکٹوریا ٹرمینس کلکتہ

۸ دسمبر ۱۸۸۲ء — راقم سید احمد

(۱۱)

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ، بابت ۲۷ جنوری ۱۸۸۳ء)

مکرمی ایڈیٹر صاحب !

آپ نے جو اپنے اخبار میں مدرسۃ العلوم کے طالب العلموں کے لیے پرائیویٹ اسکالرشپوں کی فہرست چھاپی ہے ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک اٹھارہ

۱۔ یہ خط علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ، مورخہ ۹ دسمبر ۱۸۸۲ء کے صفحہ ۱۳۴۴ پر شائع ہوا ۔ وہیں سے مولانا ذکاء اللہ نے نقل کیا ۔

اسکالرشپیں مقرر ہو چکی ہیں ، ان میں ایک اسکالرشپ سید احمد خاں مہدی علی خاں کے نام سے تعدادی ایک سو بیس روپیہ سالانہ کی اور اضافہ کیجیے ۔

یہ اسکالرشپ بطور فری اسکالرشپ کے بطور دوام جاری رہے گی ۔ اس کا سرمایہ قائم کرنے کے لیے سید احمد خاں مہدی علی خاں کے نام سے دو بورڈنگ ہوسوں کے بنانے کے لیے روپیہ دیا جاوے گا ۔ چنانچہ ایک کا روپیہ ادا ہوگیا اور اس بورڈنگ ہوس کی تعمیر قریب تکمیل کے ہے ۔ دوسرے کا روپیہ بھی بہت جلد دیا جاوے گا ۔ اور ان دونوں بورڈنگ ہوسوں کی آمدنی سے دس روپیہ ماہواری کی اسکالرشپ سید احمد خاں مہدی علی خاں کے نام سے موسوم اور جاری رہے گی ۔ زیادہ نیاز[1]

راقم احمد مہدی ، ۲۴ جنوری ۱۸۸۳ع

مکرر یہ کہ جب تک وہ دونوں بورڈنگ ہوس پورے تیار ہو جاویں اس وقت تک اسکالرشپ کا روپیہ ہم نقد دیا کریں گے ۔

راقم : احمد ، مہدی

۱۔ یہ خط سرسید اور نواب محسن الملک مہدی علی خاں دونوں کی طرف سے بھیجا گیا تھا ، اسی لیے اس پر "راقم" کے ساتھ "احمد ، مہدی" لکھا ہوا ہے ۔ یہ خط مکاتیب سرسید احمد خاں ، مرتبہ مشتاق حسین مرحوم میں بھی شائع ہو چکا ہے ۔

۲۲

بنام ایڈیٹر 'شمس الاخبار' مدراس

(از تہذیب الاخلاق ، بابت ۱۵ ربیع الثانی ۱۲۹۰ھ ، ۱۸۷۲ع ، ص ۵۹)

اس خط کی تمہید سرسید نے رسالہ 'تہذیب الاخلاق' میں خود لکھی تھی لہٰذا ہم وہی یہاں نقل کرتے ہیں :

''ایک اور نئے صاحب مدرسۃ العلوم مسلمانان کے نہیں بلکہ ہمارے اور ہمارے سبب سے مدرسۃ العلوم مسلمانان کے مخالف حیدرآباد دکھن میں پیدا ہوئے ہیں۔ ان کے خطوط شمس الاخبار[1] میں چھپتے ہیں ۔ انھوں نے اپنا لقب مہدی رکھا ہے ، جس سے شبہ ہوتا ہے کہ وہ وہابی ہیں کیونکہ یہ لقب اسی فرقہ' ضالّہ کا ہے ، مگر وہ غالباً وہابی نہیں ہیں ، اس لیے کہ وہ ہم کو وہابی بتلاتے ہیں اور مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہابی جو کام کرے اس کی مدد نہ کرنی چاہیے ۔ بعد اس کے وہ اپنی غلطی کے مُقر ہوتے ہیں اور پھر ہم کو لامذہب قرار دیتے ہیں اور لوگوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ ہم سے 'پرحذر

۱- 'شمس الاخبار' ایک ہفت روزہ پرچہ تھا جو مدراس سے نصیر الدین گھٹالہ آفندی نے ۱۸۵۹ع میں جاری کیا تھا ۔ ۶ صفحات پر شائع ہوا کرتا تھا اور اس کی قیمت ۹ روپے ۱۰ آنے سالانہ تھی۔

رہیں - ہم نے ان کی تحریرات کو دیکھ کر ایڈیٹر صاحب 'شمس الاخبار' کے نام ایک خط لکھا ہے جو ہماری دانست میں معقول ہے اور غالباً منصف مزاج آدمی بھی اس کو پسند کریں گے ، اس لیے اس خط کو اس مقام پر بھی نقل کرتے ہیں - (سرسید)''

مخدوم و مکرّم بندہ ایڈیٹر شمس الاخبار مدراس سلمّہ‌اللہ تعالیٰ !

بعد سلام مسنون التماس یہ ہے کہ میں آپ کے اخبار میں محمد یاسین خاں صاحب کے اور ایک کسی دوسرے صاحب مقیم حیدرآباد کے خطوط کی نسبت مدرسۃالعلوم مسلمانان کے دیکھتا ہوں اور اخبار مطبوعہ نمبر ۹ میں بھی ان کا خط دیکھا ہے - وہ ارقام فرماتے ہیں کہ جو کچھ وہ لکھتے ہیں بنظر بہبودی اہل اسلام لکھتے ہیں ، نہ میری عداوت سے ، کیونکہ انھوں نے مجھے دیکھا بھی نہیں ہے - میں بھی ان کی اس بات کو تسلیم کرتا ہوں ، اگرچہ ان کے وہ خیالات جو انھوں نے بدلائل و براہین خیالیہ میری نسبت قائم کیے ہیں ، خود ان کی تحریر کے منافی ہیں - لیکن چونکہ نہ میں کسی کا دشمن ہوں اور نہ کسی کو اپنا دشمن سمجھتا ہوں ، تو ایسے بزرگ کو ، جو خود فرماویں کہ مجھے عداوت نہیں ، میں کیوں اپنا عدو سمجھوں -

میری عادت کسی کی تحریر کے جواب دینے کی نہیں - البتہ جو لوگ کہ درحقیقت بلا تعصّب اور بلا نفسانیت صرف قومی بھلائی کی غرض سے کچھ کہتے ہیں ان کا جواب دینے میں اپنی عزت سمجھتا ہوں - حیدرآبادی صاحب کا یہ قول ہے کہ وہ بھی اسی نظر سے کہتے ہیں - اس لیے ایک بات جو میرے نزدیک معقول اور قول فیصل ہے ان کی اطلاع کے لیے لکھنا چاہتا ہوں -

مجھے افسوس ہے کہ ان صاحب نے قومی معاملات اور شخصی بحث کو گلمڈ کر دیا ہے - اگر ہم ان دونوں باتوں میں تمیز نہ کریں گے تو قومی بھلائی کی توقع منقطع ہو جائے گی -

ہندوستان میں غالباً مسلمانوں کے چار فرقے ہیں : شیعہ ، بدعتی اور وہابی - چوتھا فرقہ میں نے اُن لامذہب بے دینوں کا گن لیا ہے جن میں ان حیدرآبادی صاحب نے مجھ کو اور میرے دوستوں کو اور جو ہماری تائید کرے اس کو شمار کرلیا ہے - اب جو کوئی شخص مسلمانوں کی بھلائی و بہتری کی کوشش کرنے کو

آمادہ ہوگا وہ انھی میں سے کوئی ہوگا ۔ اب فرض کرو کہ بدعتی فرقے میں سے ایک شخص اس کام کے لیے آمادہ ہوا تو اس کی نسبت وہابی اور شیعہ اور وہ چوتھا فرقہ غالباً اسی قسم کی باتیں کہے گا جو حیدرآبادی صاحب ہماری نسبت کہتے ہیں اور اگر کوئی وہابی اس کام کے لیے کھڑا ہوا تو خدا کی پناہ (اُسے) حیدرآبادی سے لعنت ملامت سننے سے فرصت نہ ملے گی ۔ اور اگر کوئی شیعہ کھڑا ہوا تو جو اس کا حال ہوگا آپ خیال کر سکتے ہیں ۔ اور اگر کوئی چوتھے فرقے کا گمراہ آن کھڑا ہوا تو بجز سنگسار کرنے کے اور کچھ نہ ہوگا ۔ اور نتیجہ اس شخصی بحث کا یہ ہوگا کہ قومی بھلائی معدوم ہو جاوے گی اور ہماری قوم اسی ذلّت و خواری میں پڑی رہے گی جس میں اب ہے ۔ پس قومی معاملات میں شخصی بحث کرنا اہل اسلام کی بھلائی میں داخل نہیں ہے بلکہ سخت دشمنی ہے ۔

مدرسۃ العلوم قومی مدرسہ ہوگا جس میں عموماً ہر فرقے کے لوگ تعلیم پاویں گے ۔ اگر میرے ذاتی مذہب اور میرے ذاتی خیالات پر بحث کی جاوے گی تو ایک دن بھی کام نہ چل سکے گا ۔ پہلے بسم اللہ شیعہ فرماویں گے کہ اس کا بانی ایک سنّی ، کافر ، ناصبی ، دشمنِ اہلِ بیت ہے (نعوذ باللہ منہا) ، اس سے ڈرو اور کبھی (اس کے کام میں) شریک مت ہو ۔ پس جس طرح کہ شیعہ مجھ کو راہِ حق پر یقینی نہیں سمجھتے ، سنی بھی نہ سمجھیں اور میرے ذاتی عقائد اور مذہب اور خیالات اور رائے سے بحث نہ کریں ، بلکہ جو قومی معاملات ہیں ان پر قومی معاملات کی طرح بحث کریں ۔ وہ دیکھیں کہ کمیٹی میں جو لوگ ممبر ہیں ان میں شیعہ اور وہابی اور بدعتی اور نے دینیے سب داخل ہیں یا نہیں ۔ وہ دیکھیں کہ دنیاوی علوم کی تعلیم ، جو تمام قوم کے لیے تجویز کی گئی ہے اور جس کے بغیر دنیاوی عزت اور دولت اور قومی ترقی غیرممکن ہے ، وہ تمام قوم کے لیے مناسب ہے یا نہیں ۔

شیعوں کو یہ دیکھنا چاہیے کہ جو مذہبی تعلیم ان کے لیے تجویز ہوئی ہے وہ ان کے مذہب کے مطابق ہے یا نہیں ۔

سنّیوں کو یہ دیکھنا چاہیے کہ جو مذہبی تعلیم ان کے لیے تجویز ہوئی ہے وہ ان کے مذہب کے مطابق ہے یا نہیں ۔ سید احمد کے مذہب اور اس کے عقائد اور خیالات سے ان کو کیا مطلب ہے ۔ ورنہ مجھ کو تو جو قومی بھلائی کے لیے کوشش کرنے کا دعویٰ کرتا ہوں بڑی مشکل پڑے گی ۔ شیعوں کو خوش کرنے کو مجھے شیعہ ہونا پڑے گا ، بدعتیوں کو خوش کرنے کے لیے بدعتی

اور وہابیوں کو خوش کرنے کو وہابی اور بے دینوں کے خوش کرنے کو بے دین - بس ایسی آفت کس سے سہی جا سکتی ہے -

اگر حیدرآبادی صاحب درحقیقت اہلِ اسلام کے خیرخواہ ہیں اور کسی سے کچھ عداوت ذاتی یا مذہبی نہیں رکھتے (تو) وہ ہماری ذاتی بحث سے ہم کو معاف فرماویں اور نہ کسی ہمارے خاص عقیدے یا رائے کو مدرسۃ العلوم کے کاروبار سے متعلق کریں - اپنا نام ہم کو بتلا دیں ، ہم سے خط و کتابت جاری کریں ، تمام روئدادیں کمیٹی کی ہم سے طلب کریں اور جو تجویز کمیٹی کی ، نسبت مدرسۃالعلوم کے قرار پائے ، اس کو بغور دیکھیں اور جس تجویز کو برخلافِ مذہبِ اسلام پاویں اس پر بے تعصّبی سے بحث کریں ، اس کی اصلاح پر سعی فرماویں اور دیکھیں کہ کمیٹی کس احسان مندی سے ان کے نصائحُ پر توجہ کرتی ہے - سوائے اس کے اور کوئی طریقہ اختیار کرنا محض بے فائدہ ہے - اور اس بات پر بحث کرنے سے کہ فلاں رافضی ہے اور فلاں وہابی اور فلاں بے دین و یا لامذہب ہے ، کچھ نتیجہ نہیں ہے - یہ تو بارہ سو برس سے ہوتی آئی ہے اور شاید یوں ہی ہوتی چلی جاوے گی - جب تک کہ وحدت کا زمانہ آوے گا - یہ چند سچی اور سیدھی باتیں ہیں جو میں نے عرض کیں - اب حیدرآبادی صاحب چاہیں قبول کریں چاہیں قبول نہ کریں - وآخر کلامی ان الحمد للہ رب العالمین -

والسلام

از بنارس ، ۱۷ مئی ۱۸۷۳ع
خاکسار ، سید احمد

۲۳

بنام ایڈیٹر اخبار 'وفا دار' لاہور

(منقول از اخبار 'وفادار' لاہور ، مورخہ ۱۵ نومبر ۱۸۹۳ع)

سرسید کے فرزند جسٹس سید محمود نے جب ۱۸۹۳ع میں سر جان ایج ، چیف جسٹس الہ آباد ہائی کورٹ سے مخالفت کے باعث ہائی کورٹ کی ججی سے استعفیٰ دیا تو اُس وقت سرسید کے دوستوں کو بہت افسوس ہوا تھا اور اخبارات میں یہ واقعہ بحث کا ایک موضوع بن گیا تھا ۔ اس پر سرسید نے اخبارات کے نام ایک گشتی چٹھی میں اس استعفے کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا تاکہ معاملہ صاف اور واضح طور پر عوام و خواص کے سامنے آ جائے ۔
منجملہ دوسرے اخبارات کے سرسید نے یہ چٹھی اشاعت کے لیے لاہور کے ہفتہ وار اخبار 'وفادار' کو بھی بھیجی تھی ۔ ہم یہ چٹھی اخبار 'وفادار' سے لے کر مع ایڈیٹر کے نوٹ کے یہاں درج کرتے ہیں ۔ اس خط کی فراہمی کے لیے میں عزیزم محمد صالح صاحب تبسّم ایم ۔ اے پروفیسر اورینٹل کالج لاہور کا ممنون ہوں ۔

مسٹر سید محمود کی نسبت

آنریبل سرسید احمد خاں صاحب بہادر کے خیالات

سید محمود کے ہائی کورٹ الہ آباد کی ججی سے مستعفی ہونے کی وجہ سے اُن کے دوستوں یا ملک کے عام و خاص لوگوں کو جو افسوس اور رنج ہوا تھا ، مسٹر سید محمود کے والد سرسید احمد خاں صاحب بہادر اُن کے اطمینان کے لیے مندرجہ ذیل چٹھی شائع فرماتے ہیں ۔ (ایڈیٹر اخبار 'وفا دار' لاہور)

مکترمی !

جب کہ سید محمود ۱۸۶۹ع میں واسطے تعلیم کے انگلستان گئے تو میری خواہش صرف یہ تھی کہ وہ کیمبرج یونیورسٹی میں علوم انگریزی کی ، (اور) علی‌الخصوص لٹریچر کی ، کامل طور پر تحصیل کریں ، کیونکہ جو کوئی اُس انگریزی لٹریچر سے واقف ہے ، جو انگریزوں نے نسبت اسلام اور بانیِ اسلام (علیہ الصلٰوۃ والسلام) اور نسبت مسلمانوں اور اُن کی حکومت اور اُن کی سلطنت اور معاشرت کے لکھے ہیں ، وہ ضرور اس بات کی خواہش کرے گا کہ کوئی ایسا مسلمان موجود ہونا چاہیے جس کا دماغ قدرتی طور پر اس قابل ہو کہ اُن غلطیوں کی ، جو انگریزی مصنّفوں نے دانستہ یا نادانستہ نسبت اسلام و بانیِ اسلام (علیہ الصلٰوۃ والسلام) اور مسلمانوں کی حکومت اور سوشل حالت پر کی ہیں ، گرفت کر سکے ، اور جس کی انگریزی لیاقت اگر انگریزوں کے نزدیک قابل پسند نہ ہو تو (کم از کم) پڑھنے کے تو لائق ہو ۔ ایسے شخص کا اس تعلیم سے مقصد یہ نہ ہو کہ روٹی کے پیچھے دوڑے ۔ ہاں بلاشبہ 'سدّ رمق' کی ضرورت سب کو ہے مگر اُس کا اصلی مقصد تصنیفات سے دنیا کو اُن غلطیوں کا دکھانا ہو جو انگریزی مصنّفوں نے ہمارے اسلاف اور ہمارے مذہب کی نسبت کی ہیں ۔ اور ہمارے نوجوان بھی جو علوم انگریزی کو بذریعہ گورنمنٹ کالجوں یا مشنری کالجوں کے تحصیل کرتے ہیں اُس سے واقف ہی نہیں ہو سکتے بلکہ وہ غلط خیالات ان کتابوں کے ذریعے سے اُن کے دل میں ایسے جم جاتے ہیں جو خود اپنی قوم کے اسلاف کو ، جو فخر انسان تھے ، ایک حقیر اور اَن سویلیزڈ سمجھنے لگتے ہیں ، بلکہ اسلام کو بھی انگلش سویلیزیشن کے مقابل کرنے سے شرماتے ہیں ۔ میرے تمام دوستوں کو جو ہندوستان اور نیز انگلستان کی گورنمنٹ میں بہت اعلٰی درجہ

رکھتے تھے ، یہ خواہش تھی کہ سید محمود سول سروس کے امتحان میں داخل کیے جاویں اور اُن کو سید محمود کی کامیابی کا کامل یقین تھا مگر میں نے ہرگز اس کو پسند نہیں کیا ۔ بارسٹری میں بھی داخل ہونے کی میری چنداں خواہش نہ تھی کیونکہ میں اُن کو ایسا شخص بنانا چاہتا تھا جو قومی ضرورت کو انجام دے اور اُس کا کام نہ صرف اس نسل کے لیے مفید ہو بلکہ آئندہ نسلوں کے لیے زیادہ تر مفید اور زیادہ تر کارآمد ہو ۔ مگر چونکہ بارسٹری کی تعلیم میں داخل ہونا میرے مقاصد کا خارج نہ تھا ، میں نے اُس کو گوارا کیا تھا ۔ جب وہ انگلستان سے واپس آئے تو انھوں نے بارسٹری شروع کی ۔ میں یہ سمجھا تھا کہ وہ چند روزہ ہے اور بہت جلد وہ اس کام پر متوجہ ہوں گے جو میرا مقصد اُن کی تعلیم سے ہے ۔ مگر اس بات سے خوش ہوں کہ زمانۂ بارسٹری میں بھی اُنھوں نے چند نہایت مفید آرٹیکل 'پائنیر' اخبار میں لکھے ۔ علی الخصوص وہ آرٹیکل جو سر ولیم میور صاحب کی کتاب ''لائف آف محمد'' پر تھے - ۱۸۷۸ء میں بعض امور اُن کی طبع کے ناگوار ہوئے اور وہ ہائی کورٹ کی بارسٹری کے ترک کرنے کے ارادے سے علی گڑھ چلے آئے ۔ اُس وقت مجھ کو نہایت خوشی ہوئی اور یقین ہوا کہ اب میرے مقاصد پورے ہوں گے ۔ مگر افسوس ہے کہ ہزاکسیلنسی لارڈ لٹن کی جو دلی عنایت میرے حال پر اور سید محمود کے حال پر تھی اُس نے مجبور کیا اور مجھ کو اس بات پر راضی ہونا پڑا کہ سید محمود اودھ میں ڈسٹرکٹ جج ہونا منظور کریں ۔ اس کے بعد وہ ہائی کورٹ الہ آباد کے جج مقرر ہوئے ۔ مگر یہ کہ وہ کیوں ہوئے اور کیونکر ہوئے اُس کا بیان کچھ ضرور نہیں ہے ۔ مگر میں نے نہ اُن کا جج ہونا پسند کیا اور نہ کچھ مجھ کو خوشی ہوئی ۔ میری رائے میں ابھی وہ زمانہ نہیں ہے اور نہ شاید آوے کہ ہمارے یورپین دوست ، جو اس ملک کے فاتح ہیں اور جو نیچرل تفوّق اُن کو فتح مندی کا ہے ، اور ہندوستانی ، جو مفتوح ہیں اور مفتوح ہونے کی نیچرل حقارت اُن کو ہے ، وہ دونوں ایک بنچ پر بیٹھ کر مساوی اعزاز اور افتخار کے ساتھ ، جو اُس عہدے کے شایاں ہے ، کام کر سکیں ۔ اگر ہندوستانی اپنی سلف رسپکٹ کو جو ، مقتضائے شرافت اور ایمان داری ہے ، قائم رکھے تو دونوں کی زندگی تلخ رہتی ہے ۔ ہاں اگر وہ اپنے آپ کو اپنے ہمسر کی مرضی کا ، جس کے دل میں بسبب فاتح قوم کے ایک فرد ہونے کے ایک نیچرل تفوّق سمایا

ہوا ہے، تابع رکھے اور اس بے حمیّت مسئلے پر کہ ''دارھم ما کنت فی دارھم و ارضھم ما کنت فی ارضھم'' پر عمل کرے، تو خوش رہتا ہے۔ مگر جو شخص اپنے کانشنس کا تابع رہنا چاہے اور اُس کے خون میں بھی اپنے اسلاف کا کچھ اثر ہو اُس سے تو یہ کام نہیں ہو سکتا۔ یہ بات کچھ پوشیدہ نہیں کہ انگریزوں کا برتاؤ جو اپنی قوم کے ساتھ ہے اور جو دوسری قوم کے ساتھ ہے اُس میں وہی نسبت ہے جو سیاہ اور سفید میں ہے۔ گو کوئی کچھ ہی شیخی کیا کرے مگر عاقلاں خوب میدانند۔ میں خوش ہوں کہ سید محمود کا مزاج اس قسم کا نہیں ہے اور اپنے اسلاف کے خون کا اثر اُن میں موجود ہے۔ وہ ہائی کورٹ کی ججی کی کچھ پروا نہیں کرتے تھے۔ اگر ہمارے دوستوں کو اصلی حالات معلوم ہوں کہ اول تقرر کے وقت کیا پیش آیا اور زمانۂ قائم مقامی میں اُنھوں نے کیوں یادداشت تحریر کی کہ وہ مستقل نہ کیے جاویں، تو اُن کے استعفٰی دینے پر ہمارے دوستوں کو کچھ تعجب نہ ہوگا۔ روپے کی اُن کو کچھ پروا نہیں ہے۔ نہ اس سبب سے کہ وہ دولت مند ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ اُن کے دل میں استغنا ہے۔ جس شخص کا مزاج ایسا ہو کہ اگر ہزاروں روپے ماہواری کی آمدنی ہو تو بھی ایک نہ بچاوے اور اگر تھوڑی آمدنی ہو تو بھی اُس میں خوش رہے تو وہ روپے کی کیا پروا کر سکتا ہے۔ حکومت کا اُن کو کچھ مزہ نہیں بلکہ اُس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ کسی عہدے کے سبب افتخار کرنا پاجی پن جانتے ہیں۔ پھر ہائی کورٹ کی ججی کی کیا پروا کر سکتے تھے۔ وہ اکثر رباعیوں کو میرے سامنے پڑھا کرتے ہیں اور یہی اُن کا خیال ہے جس سے میں بھی خوش ہوں اور پسند کرتا ہوں۔ وہ رباعیاں یہ ہیں:

قطعۂ ابن یمین

دوتائے نان اگر ازگندم ست یا از جو — دو تائے جامہ اگر کہنہ است یا از نو
چہار گوشۂ دیوار خود بخاطر جمع — کہ کس نگوید ازیں جا بخیز و آنجا رو
ہزار بار فزوں تر بہ لزدِ ابن یمین — ز فرِ مملکت کیقباد و کیخسرو

رباعی عمر خیام

درد ہر آنکہ نیم نانے دارد — از بہر نشست آشیانے دارد
نے خادمِ کس بود نہ مخدومِ کسے — گو شاد بزی کہ خوش جہانے دارد

اگر سید محمود جس طرح ہو سکتا طوعاً و کرہاً اور اپنے کانشنس کی اور سلف رسپیکٹ کی پروا نہ کر کے اور چیف جج صاحب کی بھی اطاعت اور اتفاق رائے کر کے پوری پنشن کی توقع میں ہائی کورٹ کی ججی کا کام کیے جاتے تو موافق حال کے قواعد کے اُن کو سات برس اور کام کرنا ضرور تھا اور یہ مدت اس قدر دراز تھی کہ گوارا نہیں ہو سکتی تھی ، اس لیے انھوں نے خوب کیا جو استعفی دے دیا ۔ اب وہ اپنے وقت کے خود بادشاہ ہو گئے (ہیں) جو چاہیں (گے) سو کریں (گے) ۔

راقم ، سید احمد[۱]

۱۔ اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں مگر چونکہ یہ ۱۵ نومبر ۱۸۹۳ع کے اخبار میں شائع ہوا ہے لہٰذا لازماً شروع نومبر ۱۸۹۳ع کا لکھا ہوا ہے۔

۲۴

بنام بدرالدین طیّب جی

آنریبل جسٹس بدرالدین طیّب جی اپنے زمانے کے بڑے مشہور اور قابل لوگوں میں سے تھے - ان کے والد طیّب جی بھائی میاں عرب سے بسلسلۂ تجارت بمبئی میں آ کر سکونت پذیر ہوئے - بدرالدین طیّب جی یہیں ۱۸۴۴ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۶۷ء میں ولایت جا کر بیرسٹری کی سند حاصل کی - ۱۸۸۷ء میں انڈین نیشنل کانگرس کے صدر کی حیثیت سے آپ نے ہندوستان کے سیاسی حالات پر ایک بہت عمدہ تبصرہ کانگرس کے اجلاس میں کیا ، جس سے اُن کی اعلیٰ لیاقت اور سیاسی قابلیت کا بڑا شہرہ ہوا - ۱۸۹۵ء میں ہائی کورٹ بمبئی کے جج مقرر ہوئے - آپ بمبئی کی انجمن اسلام کے صدر بھی تھے ، جس کے ذریعے آپ نے مسلمانوں کی تعلیم اور اُن کی معاشرتی و اخلاقی اصلاح کی بڑی کوشش کی - اُن کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ جب وہ قوم کی بھلائی اور بہبودی کے لیے کوئی اصلاحی قدم اُٹھانا چاہتے تو عوام کے طعن و تشنیع اور ملامت و اعتراض کی قطعاً پروا نہ کرتے تھے - اُن کی دوسری خصوصیت فصاحتِ تقریر تھی - ایسی خوبی ، روانی اور سلاست کے ساتھ تقریر کرتے کہ ایک ایک لفظ دل میں

بیٹھتا چلا جاتا - ۱۹۰۳ء میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی صدارت کی جس کا اجلاس اُس سال بمبئی میں ہوا تھا - ۱۹۰۶ء میں انتقال کیا - یہ خط اُس موقع کا ہے جب انڈین نیشنل کانگریس قائم ہوئی اور گورنمنٹ کے خلاف ملک میں سخت ایجی ٹیشن شروع ہوا - سرسید اس ایجی ٹیشن کو مسلمانوں کے حق میں نہایت مضر سمجھتے تھے اور کانگریس میں شریک ہونے سے مسلمانوں کو روکتے تھے - اسی کے متعلق اُنھوں نے ایک خط اُس زمانے میں آنریبل بدرالدین طیّب جی کو لکھا ، جس کے یہ نا مکمل اور دو مختلف ٹکڑے بطور یادگار یہاں درج کیے جاتے ہیں کیونکہ اتنے ہی مل سکے - یہ خط غالباً ۱۸۸۷ء میں لکھا گیا تھا کیونکہ کانگریس کے اسی سال کے صدر بدرالدین طیّب جی تھے -

(۱)

(منقول از 'حیاتِ جاوید' مؤلفہ مولانا حالی)

. . . امریکہ میں اول اسی قسم کا ایجی ٹیشن شروع ہوا تھا اور آخر کو یہاں تک نوبت پہنچی کہ آخری لفظ جو اُن کے منہ سے نکلا وہ یہ تھا کہ نو ٹیکسیشن ودآؤٹ ریپریزنٹیشن (no taxation without representation) - پس جن لوگوں میں اس لفظ کے کہنے کی طاقت ہو وہ اس ایجی ٹیشن میں شریک ہوں ورنہ ہیجڑوں کی طرح تالیاں بجاتی ہیں . . .

سید احمد

(۲)

. . . غدر (۱۸۵۷ء) میں کیا ہوا ؟ (اُسے دراصل) ہندوؤں نے شروع کیا - مسلمان دل چلے تھے ، وہ بیچ میں کود پڑے - ہندو تو گنگا نہا کر جیسے تھے ویسے ہی ہوگئے مگر مسلمانوں کے تمام خاندان تباہ و برباد ہوگئے . . .

سید احمد

۲۵

بنام مسٹر بک

پرنسپل مدرسۃ العلوم مسلمانان علی گڑھ

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ، ۱۹ دسمبر ۱۸۹۳ع)

مسٹر تھیوڈور بک ، علی گڑھ کالج کے نیک نام پرنسپلوں میں سے تھے - نومبر ۱۸۸۳ع میں ملازم ہوئے اور ستمبر ۱۸۹۹ع میں بمقام شملہ بحالت بیماری وفات پائی -

بخدمت مسٹر تھیوڈور بک پرنسپل ایم - اے - او کالج علی گڑھ !

جناب والا ! یہ آپ کو معلوم ہے کہ کانفرنس[1] علی گڑھ میں ، اور خاص آپ کے کالج میں ، ہونے والی ہے - میں آپ کے کالج میں جو یونین کلب اور انجمن الفرض اور اکسرسائز کلب ہے ، ان کے ممبروں سے مندرجہ ذیل امور میں مدد چاہتا ہوں :

۱- ان کمیٹیوں کے کئی ممبروں میں سے چند کے سپرد یہ کام ہو کہ ایسٹ انڈیا ریلوے کی آپ ٹرین اور ڈاؤن ٹرین اور اودھ روہیل کھنڈ ٹرین

۱- آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس سے مراد ہے جسے سرسید نے ۱۸۸۶ع میں قائم کیا تھا -

کے آنے کے جو وقت ہیں ، دن اور رات اُس وقت اسٹیشن پر موجود رہیں اور جو مہمان کانفرنس میں آنے والے ہیں ان کا استقبال کریں اور کالج کے احاطے میں پہنچا دیں ۔

۲- مہمان تین جگہ ٹھہریں گے ؛ اول بورڈنگ ہاؤس کے احاطے میں ڈیروں میں اور اُن کمروں میں جو خالی ہوں گے ، یا کوئی بورڈر کسی کو اپنے ساتھ رکھنا چاہے ۔ دوسرے اُن پانچ کمروں میں جو ظہور حسین وارڈ میں بن کر تیار ہوگئے ہیں ۔ تیسرے اسکول بلڈنگ میں جو زمانۂ تعطیل میں مہمانوں کے ٹھہرنے کے لیے خالی ہو جاوے گی ۔

پس چند ممبر ایسے ہونے چاہئیں جو ان تینوں جگہوں پر جدا جدا متعین ہوں اور مہمانوں کو اُتاریں اور نیز ان کے ہر طرح کے آرام کی خبر رکھیں ۔

۳- چند ممبر اس کام کے لیے منتخب ہوں کہ مہمانوں کے کھانا کھلانے کے امور کا انتظام کریں اور انھی میں سے کچھ لوگ وہ ہوں جو مہمانوں کو ہر وقت کھانے کے ٹکٹ تقسیم کریں اور ان کے دام لے کر اپنے پاس جمع رکھیں ۔

۴- کچھ ممبر ایسے ہونے چاہئیں کہ میدان میں لالٹینیں نصب کی جائیں گی تاکہ مہمان سکونت کے مکان سے اسٹریچی ہال میں آ سکیں اور نیز جو مہمان اسکول بلڈنگ اور ظہور حسین وارڈ میں اتریں گے ، ان مکانوں کی روشنی کی نگرانی کریں ۔ اور جس قدر کہ وہ اپنے تحت میں آدمی کام کرنے کو چاہیں گے ، دے جائیں گے ۔ بلکہ وہ خود اپنی پسند سے رکھ سکیں گے ۔

۵- ایک جماعت ایسے طالب علموں کی جن کو قواعد سیکھنے اور ورزشِ جسانی کا بھی شوق ہے ، ان میں سے ایسے لوگ منتخب کیے جائیں جو بورڈنگ ہوسوں میں باقاعدہ نگہبانی کریں کہ جو مہمان آ کر ٹھہریں گے ان کے ہاں چوری نہ ہونے پائے ۔ ایک دفعہ کے اجلاس میں جب چوری ہوگئی تھی اور طالب علموں نے اس نگہبانی کا کام اپنے ذمے لیا تھا تو انھوں نے نہایت ہوشیاری

سے دن رات پہرا دیا تھا اور اس کے بعد کوئی واردات نہیں ہوئے پائی ۔ الہی میں سے کچھ آدمی ایسے ہونے چاہیں جو گشت کر کے اس بات کی نگرانی کریں کہ جو چوکیدار اسکول بلڈنگ اور ظہور حسین وارڈ پر مقرر ہیں وہ ہوشیاری سے کام کرتے ہیں یا نہیں ۔

مجھے اُمید ہے کہ ہمارے کالج کے طالب علم اپنے کالج کی عزت کے لیے ان کاموں کو بخوشی منظور کریں گے اور جو لوگ منظور کریں ، میں چاہتا ہوں کہ ان کو ریشمی فیتے کا پھول بنا کر دیا جائے ، ایک رنگ یا مختلف رنگ کا ، تاکہ ہر شخص کو معلوم ہو کہ جس کو جو ضرورت ہو ، ان لوگوں سے کہے جو پھول لگائے پھرتے ہیں ۔

میں یہ بھی آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ براہ مہربانی اس چٹھی کا جواب آپ مجھ کو مفصّل بھیجیں اور جو طالب علم جس جس کام پر مقرر کیے جائیں ان کے ناموں کی تفصیل بھی لکھ دیں گے تاکہ میں اس چٹھی کو اور آپ کے جواب کو نہایت فخر سے اور آپ کی اور ان طالب علموں کی شکرگزاری کے طور پر اخبار میں چھاپ دوں ۔

علی گڑھ ، ۱۷ دسمبر ۱۸۹۳ء	آپ کا خادم ، سید احمد

آنریری سیکرٹری محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس

٢٦

بنام مسٹر جوزف بک

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ، ١٩ فروری ١٨٨٩ع)

یہ صاحب مسٹر تھیوڈور بک ، پرنسپل مدرسۃ العلوم مسلمانان علی گڑھ ، کے والد تھے - ١٨٨٩ع میں وہ اپنے بیٹے سے ملنے اور ہندوستان کی سیر کرنے کے لیے انگلستان سے آئے اور علی گڑھ کالج کا بھی معائنہ کیا - اُس موقع پر ممبران کالج کی طرف سے انھیں خوش آمدید کہا گیا اور ان کی خدمت میں ایک نقرئی گلدان پیش کیا گیا - انھوں نے بھی کالج کو اپنی طرف سے ایک ٹاور عطا فرمایا جو کالج کے وکٹوریہ گیٹ پر نصب کر دیا گیا - ذیل کا خط اسی موقع پر سرسید نے اُنھیں لکھا تھا -

مائی ڈیر مسٹر بک !

محمڈن اینگلو اورینٹل کالج فنڈ کمیٹی کے ممتاز ممبروں کی خواہش پر ، جن کے نام ذیل میں درج ہیں ، علی گڑھ میں آپ کی تشریف آوری اور اُس خاص توجہ کی یادگار میں ، جو آپ نے کالج کے معائنے کی جانب ظاہر فرمائی ہے ، (میں) ایک نقرئی گلدان آپ کی خدمت میں نذر کرتا ہوں - مجھے یقین ہے کہ آپ ہمارے اس ہدیہٴ ناچیز کو قبول فرما کر ہم کو ممنون و مشکور فرماویں گے -

(گدان) نذر کرنے والوں کے نام

۱- نواب ممتاز الدولہ سر محمد فیض علی خان بہادر کے - سی - ایس - آئی رئیس پہاسو -
۲- وزیر الدولہ مدبّر الملک خلیفہ سید محمد حسن خان بہادر وزیر اعظم پٹیالہ -
۳- مشیر الدولہ ممتاز الملک خلیفہ سید محمد حسین خان بہادر فارن منسٹر پٹیالہ -
۴- نواب محسن الدولہ محسن الملک مولوی سید مہدی علی خان بہادر منیر نواز جنگ ، پولیٹیکل و فنانشل سکرٹری ہزہائنس حضور نظام حیدر آباد دکن -
۵- حاجی محمد اسماعیل خان صاحب رئیس دتاولی -
۶- مولوی خواجہ محمد یوسف صاحب رئیس علی گڑھ -
۷- آنریبل مسٹر جسٹس سید محمود جج ہائی کورٹ الہ آباد -
۸- مولوی سید زین العابدین خان بہادر سب جج مراد آباد -
۹- سید احمد سکرٹری مدرسۃ العلوم مسلمانان علی گڑھ -

علی گڑھ ، ۳۰ جنوری ۱۸۸۹ع — آپ کا نہایت سچا دوست

سید احمد

۲۷

بنام مولوی سید بندہ علی

مولوی سید بندہ علی ، سرسید کے ابتدائی دوستوں میں سے تھے اور جون پور ، شاہجہان آباد اور متھرا وغیرہ مقامات میں منصف و صدر امین رہے تھے ۔ ان صاحب کے نام سرسید نے جتنے خط لکھے اُن میں سے ۱۸۹۶ع میں سرسید کے فرزند سید محمود کو چھ خط لکھنؤ میں ملے ، جن سے میں ایک خط اُردو میں اور باقی پانچ خط فارسی میں تھے ۔ یہ خطوط سرسید نے ۳۱ جولائی ۱۸۹۶ع کو مولانا حالی کے پاس پانی پت بھیج دیے تھے تاکہ وہ اگر چاہیں تو ان میں سے سرسید کی لائف (حیات جاوید) کے لیے کچھ اقتباسات لے لیں ۔ مگر بظاہر مولانا نے ان خطوط میں سے کچھ نہیں لیا اور یہ اُن کے پاس پڑے رہے ۔ میں نے وہیں سے ان کی نقل لی تھی ۔ بعد میں یہ خطوط مولانا کے فرزند حضرت خواجہ سجاد حسین صاحب مرحوم نے سرسید کے پوتے سر راس مسعود کی نذر کر دیے تھے اور اُنھوں نے لٹن لائبریری (حال مولانا آزاد لائبریری) علی گڑھ کو دے دیے تھے[۱] ۔ ان خطوط سے ایک یہ

۱- میں نے سنا ہے کہ اب یہ نایاب خطوط وہاں نہیں ہیں ۔ نہ معلوم کہاں غائب ہوگئے ۔

نئی بات معلوم ہوئی کہ جب سرسید ۱۸۴۹ء میں دہلی میں منصف تھے تو اُنھوں نے وکلا کے لیے عدالتہائے صدر کے فیصلہ جات کا ایک مجموعہ شائع کیا تھا ۔ یہ خطوط اب تک کہیں شائع نہیں ہوئے اور آج پہلی مرتبہ قارئین کرام کے سامنے پیش کیے جا رہے ہیں ۔ یہ سرسید کے قدیم ترین خطوط ہیں ۔ ان سے پہلے کا کوئی خط مجھے دستیاب نہیں ہوا ۔

(۱)

بندہ نواز سلامت !

ایک قطعہ اشتہار بابت فیصلجات صدر بذریعہ اس نیاز نامے کے آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں اور آپ کی عنایت و شفقت سے یہ اُمید رکھتا ہوں کہ اس اشتہار سے اپنی کچہری کے وکیلوں اور سب لوگوں کو مطلع فرما دیجیے تاکہ جس کسی کو خریدنا ان فیصلجات (کا) منظور ہوگا خریدے گا ۔ زیادہ نیاز است و بس ۔

شاہجہان آباد ، ۴ جون ۱۸۴۹ء راقم خاکسار ، سید احمد خاں منصف خاص

اشتہار

ہر شخص پر بخوبی روشن ہے کہ فیصلجات صدر کے متعلقین عدالت کو اس قدر مفید اور بکارآمد ہیں کہ قوانین اور چٹھیات اور کنسٹرکشن اتنی مفید اور بکارآمد نہیں ۔ کیونکہ قوانین سے تو صرف سررشتہ معلوم ہوتا ہے اور فیصلجات صدر سے رائے اور تجویز نسبت تنازعات اور خصومات کے ۔ میں یقین کرتا ہوں کہ اگر کسی شخص کو تمام فیصلجات پر نظر ہو تو جو مقدمہ اُس کے روبرو پیش ہو ، اُس کو موافق نظیر صدر کے فیصلہ کر سکے گا ، کیونکہ فیصلجات صدر بہت مختلف صورتوں کے ہیں کہ اُن کے سوا اور نئی صورت کے مقدمے کا پیش ہونا شاذ و نادر معلوم ہوتا ہے ۔ علاوہ اس کے فیصلجات صدر امتحان دینے والوں کو بھی مفید ہیں ۔ اس واسطے کہ سوالات کمپنی امتحان کے دیکھنے سے ظاہر ہے کہ اکثر سوالات فیصلجات صدر سے اخذ کیے جاتے ہیں ۔ مگر افسوس ہے کہ فیصلجات دونوں صدر کے انگریزی زبان میں ہیں ۔ اور انگریزی نہ جاننے والے اُس کے فائدے سے محروم ۔ اگرچہ مئی ۱۸۴۶ء سے

ترجمہ فیصلجات صدر غربی کا شروع ہوا ہے لیکن اُس سے ماقبل کے فیصلے بہت مفید ہیں ، کیونکہ صورت ہائے مختلفہ کے یکجا جمع اور موجود ہیں ۔ اس واسطے اس خاکسار نے تمام فیصلوں کے ترجمے پر کمر باندھی ہے ۔ اگر خدا بھی چاہے تو یہ ارادہ کیا ہے کہ فیصلجات صدرِ شرق کے ابتدائے ۱۷۹۲ع سے لغایت آخر ۱۸۳۶ع اور فیصلجات صدرِ غربی کے ابتدائے ۱۸۲۲ع یعنی ابتدائے تقرر صدر غربی سے لغایت آخر جون ۱۸۳۶ع اُردو زبان میں ترجمہ کر کر چھاپہ کروں اور جلد ہائے مناسب میں ان کو مجلّد کر دوں ۔ چنانچہ فیصلجات صدر شرق کا ترجمہ ابتدائے ۱۷۹۲ع سے شروع ہو گیا (ہے) ، اور بالفعل تین جلدیں مرتّب کی چکی ہیں ۔ پہلی جلد ابتدائے ۱۷۹۲ع سے آخر ۱۸۰۰ع تک بابت نو برس کے اور دوسری ۱۸۰۱ع سے ۱۸۰۵ع تک اور تیسری ۱۸۰۶ع سے ۱۸۱۰ع تک بابت پانچ پانچ برس کے ۔ چنانچہ پہلی جلد اس کی چھپ کر تیار ہو گئی ہے اور دوسری چھپنی شروع ہوئی ہے ۔ قیمت ان جلدوں کی حسبِ تفصیلِ ذیل ہے ۔ جس صاحب کو خریداری اس کی منظور ہو ، درخواست اپنی معہ قیمت تینوں جلدوں کے بہ تحریر نشان مکان اپنے کے راقم پاس بھیج دے ۔ جلد اول فی الفور اور دو جلدیں باقی کی ہر وقت تیار ہو جانے کے بسبیلِ ڈاک خریدار پاس بھیجی جاویں گی اور محصول ڈاک کا خریدار کے ذمے ہوگا ۔ اور بعد تیار ہو جانے ان جلدوں کے اشتہار ثانی در باب فیصلجات آیندہ کے چھاپہ جاوے گا ۔ فقط

۱۔ قیمت جلد اول جو بابت نو برس کے ہے ابتدائے ۱۷۹۲ع سے آخر ۱۸۰۰ع تک	ایک روپیہ
۲۔ قیمت جلد ثانی ، جو بابت پانچ برس کے ہے ، ابتدائے ۱۸۰۱ع سے آخر ۱۸۰۵ع تک	دو روپے
۳۔ قیمت جلد ثالث جو بابت پانچ برس کے ہے ، ابتدائے ۱۸۰۶ع سے آخر ۱۸۱۰ع تک	چار روپے
	میزان سات روپے

شاہجہان آباد — راقم ، سید احمد خاں منصفِ خاص

(۲)

جناب سید صاحب مخدوم و مکرم ذوالمجد والکرم عنایت فرمائے حال نیازکیشان سلامت !

بعد سلام مسنون عجز و نیاز مشحون و تمنائے حصول ملاقات بہجت آیات کہ انشاء اللہ تعالیٰ قریب الوقوع است ، التماس اینکہ عنایت نامہ فیض شمامہ رسید سربلندم کرد ۔ بر یاوری طالع ناز کردم ، کلاہ گوشہ افتخار بفلک رساندم ۔ عامہ بنی نوع انسان را بہم پیوندی است کہ بکفت در نگنجد ۔ ظاہر بینان ملاقات جسمانی بمکالمہ زبانی را سبب استحکام محبت می انگارند حاشا کہ چنیں باشد ۔ پیوند روحانی ازاں مستحکم تراست ہر گاہ عامہ بنی نوع انسان را ہم چنیں پیوند محبت باشد ازآں تواں دریافت کہ با خاصان صد چند ازاں استحکام دارد علی الخصوص باہمچو مخدوم و مکرم کہ خدمت گزاری و تابعداری جناب باعث سعادت دارین است در دنیا خدمت مخدومے بجا آوردن است و در عقبیٰ وسیلہ تقرب بجناب سرور دو عالم ہم رسانیدن ۔ قدوم جناب را بغریب خانہ خاکسار بخدا کہ نعمت غیر مترقبہ می دانم ۔ از دست آید یا نہ آید الا بدل میخواہم کہ اگر دل و جاں فدائے مخدوماں گردد سعادت دو جہان است ۔ پس ہرگاہ حال واقعی چنیں باشد عذر عدم ملاقات ظاہری کہ نوکریز خامہ عنایت شدہ بود ، گنجائی نہ دارد ۔ فقیر را خادم و نیازمند خود تصور فرمایند ۔ شرمندہ ام کہ جناب در دہلی تشریف آرند و من در رہتک باشم ۔ تمنا آں داشتم کہ چند یوم پیشتر بملازمت مشرف می شدم بہ خدمت عزیز از جان میر بادشاہ بہ تاکید نوشتہ ام کہ مکان را بہ جہت جناب درست دارد ۔ چنانچہ عزیز مذکور مکان خاکسار را کہ بالفعل بہ سبب قیام بندہ در رہتک خالی افتادہ است ، درست و صاف نمودہ ہردم انتظار تشریف آوری جناب می دارد ۔ و مکان مذکور متصل دہلی دروازہ گزر فیض بازار واقع است ۔ در فیض بازار متصل تھانہ از ہرکس استفسار خواہند فرمود ، مکان این گمنام نشان خواہند داد ۔ دریں عنایت نامہ از تاریخ تشریف آوری مطلع نہ شدم ورنہ می نوشتم کہ یک آدم پیشتر فرستادہ می شد تا بے تکلف جناب تشریف می آوردند ۔ از کیفیت مکان و تعداد مکانات جناب قبلہ مولوی سخاوت علی صاحب بخوبی واقف اند ۔ مکان نشست گاہ مردانہ است ۔ معلوم نیست کہ مردمان زنانہ ہم ہمراہ جناب خواہند بود یا نہ ۔ اگر باشند فی الفور اطلاع فرمایند کہ تدبیر

آنہم نمودہ آید ۔ و ایں مکان را مکان خود تصور فرمایند ۔ تا زمانیکہ دل جناب بخواہد سکونت دارند ۔ بندہ ہر گاہ بہ دھلی خواھد رسید چنداں ضرورت بدان مکان نخواھد داشت ۔ بہر حال ایں نیازمند را یکے از عقیدت کیشاں تصور فرمودہ ھیچ گونہ تکیف درمیاں نہ باشد ۔ ارادہ دارم کہ انشاء اللہ تعالیٰ در غرۂ آخر ماہ مئی کہ تعطیل شب برات خواھد بود بہ دھلی خواھم رسید و بملازمت مشرّف خواھم شد ۔ والسلام

رہتک ، دھم اپریل ۱۸۵۳ع   خاکسار ، سید احمد

(ترجمہ خط نمبر ۲)

جناب سید صاحب مخدوم مکرم ، ذوالمجد والکرم ، عنایت فرمائے حال نیاز کیشان سلامت ۔

عاجزانہ اور نیازمندانہ سلام مسنون اور ملاقات بہجت آیات کی تمنّا کے بعد ، جو خدا نے چاہا تو جلد واقع ہوگی ، خدمت اقدس میں عرض ہے کہ نامۂ فیض شمامہ موصول ہوکر میری عزت افزائی کا موجب ہوا ۔ میں اپنی خوش بختی پر نازاں ہوں ۔ آپ کا خط پانے سے میرا طرۂ افتخار آسمان پر پہنچ گیا ۔

عام بنی نوع انسان میں ایک ایسا باہمی تعلق ہے جو بیان نہیں ہو سکتا ۔ ظاہر بیں جسمانی ملاقات اور زبانی گفتگو کو رشتۂ محبت کے استحکام کا موجب سمجھتے ہیں ۔ حاشا کہ ایسا ہو ۔ روحانی رشتہ اس سے زیادہ مستحکم ہوتا ہے ۔ جب بنی نوع انسان کے عوام کے درمیان ایسا رشتۂ محبت پایا جائے تو خواص کے ساتھ کئی سو گنا مضبوط تعلق ہوگا ۔ خصوصاً آپ ایسے مخدوم و مکرم کے ساتھ جن کی خدمت گزاری اور تابعداری سعادت دارین کا موجب ہے ۔ دنیا میں مخدوم کی خدمت کی بجا آوری اور آخرت میں حضور سرور دوعالم ، سید کونینؐ کے تقرّب کا وسیلہ ہوگی ۔ غریب خانے میں آپ کے قدم میرے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ ہوں گے ۔ یہ سعادت نصیب ہو یا نہ ہو مگر میں دل سے چاہتا ہوں کہ اگر یہ دل اور جان مخدوموں پر فدا ہو سکیں تو دو جہان کی سعادت ہوگی ۔ ان حالات میں ملاقات ظاہری کے نہ ہو سکنے کے عذر کی ، جو کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے ، گنجائش نہیں رہتی ۔ فقیر کو اپنا خادم اور نیازمند تصور فرمائیں ۔

شرمندہ ہوں کہ آپ دہلی تشریف لائیں اور میں رہتک میں ہوں ۔ آرزو تو یہ تھی کہ چند روز پیشتر خدمت میں حاضر ہوتا ۔

عزیز از جان میر بادشاہ کو تاکیداً لکھ دیا ہے کہ مکان کو جناب کے لیے درست رکھیے ۔ چنانچہ عزیز مذکور خاکسار کے اس مکان کو ، جو بالفعل میرے قیامِ رہتک کی وجہ سے خالی ہے ، صاف اور درست کر کے ہر وقت آپ کی تشریف آوری کا منتظر رہے گا ۔

مکانِ مذکور دہلی دروازے کے متصل فیض بازار کے راستے میں واقع ہے ۔ فیض بازار تھانے کے متصل ہے ۔ جس شخص سے بھی آپ دریافت فرمائیں گے اس گمنام کے مکان کا پتا بتا دے گا ۔ اس عنایت نامے میں تشریف آوری سے مطلع نہ ہوا ورنہ میں لکھ دیتا کہ ایک آدمی پہلے سے وہاں بھیج دیں تاکہ آپ بلا تکلف تشریف لا سکیں ۔ مکان کی حالت اور مکانیت سے مولوی سخاوت علی صاحب بخوبی واقف ہیں ۔ مکانِ مذکور مردانہ بیٹھک ہے ۔ نہیں معلوم آپ کے ساتھ عورتیں بھی ہوں گی یا نہیں ۔ اگر ہوں تو فوراً مطلع فرمائیے تاکہ اُن کی بھی کوئی تدبیر کی جائے ۔ اس مکان کو اپنا مکان سمجھیے اور جب تک آپ چاہیں وہاں سکونت رکھیں ۔ جب بندہ دہلی پہنچے گا تو اس مکان کی چنداں ضرورت نہ ہوگی ۔ بہرحال اس نیازمند کو اپنا ایک عقیدت مند تصور فرمائیں اور کسی قسم کا تکلف روا نہ رکھیں ۔ ارادہ ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ ماہ مئی کے آخر میں کہ شبِ برات کی تعطیل ہوگی ، دہلی پہنچوں گا اور ملاقات سے شرف یاب ہوں گا ۔

والسلام

رہتک ، دہم اپریل ۱۸۵۳ء   خاکسار ، سید احمد

(۳)

جناب میر صاحب مخدوم و مکرم ، مطاعِ بندہ سلامت !

بعد سلامِ مسنون ،عجز و نیاز مشحون و آرزوے حصول فیض خدمت معروض آنکہ کلبۂ احزان خاکسار را کہ بنور قدوم منور فرمودند ، شکریۂ آں بکدام زبان ادا سازم جز اینکہ ایں شعر بزبان حال گویم :

ز قدر و شوکت عالی نگشت چیزے کم
کلاہِ گوشۂ احقر بآفتاب رسید

اُمید کہ خالہ را بے تکلف تصور فرمایند تا تکلف ہیچ نوع نشود ۔ عزیز از جان میر بادشاہ بخدمت حاضر است ۔ او راخادم خود تصور فرمودہ نظر عنایت برحالش مبذول ماند ۔ والسلام

رہتک ، یکم مئی ۱۸۵۳ء خاکسار ، سید احمد

(۳)

مخدومی مکرمی معظمی سلامت !

بعد سلام مسنون الاسلام و اشتیاق ملاقات بہجت آیات معروض آنکہ روزیکہ خاکسار بخدمت شریف حاضر شدہ بود و نماز عصر بامامت خاکسار جناب خواندہ بودند آں نماز عصر را اعادہ فرمایند ، زیرا کہ در طہارت ثوب شبہ داشتم و ہماں لباس نماز خواندم ۔ پس جناب نماز عصر آں روز را ضرور اعادہ فرمایند ۔

دیگر عرض اینکہ آنچہ زبانی ارشاد فرمودہ بودند کہ در صورت موقوفی صدر امین معطل شما مستحق یافتن کل مشاہرہ خواہید شد ، اُمید کہ آں چٹھی را بر آوردہ ضرور بالضرور نقل آں بقید تاریخ و نمبر جلد تر نزد خاکسار ارسال فرمایند ۔ باقی حالات اینجا بدستور است ۔ امید کہ خاکسار را یکے از نیازمندان و عقیدت کیشان دلی تصور فرمایند ۔ تحریر تقریر تقرر حکام در اوطان شان شروع کردہ ام ۔ انشاء اللہ تعالٰی عنقریب بخدمت خواہم فرستاد ۔ والسلام

رہتک ، ۲۰ جولائی ۱۸۵۳ء روز چہار شنبہ خاکسار ، سید احمد

(ترجمہ خط نمبر ۳)

جناب میر صاحب مخدوم و مکرم مطاع بندہ سلامت !

بعد سلام مسنون ، عجز و نیاز مشحون و آرزوئے حصول فیض خدمت معروض ہوں کہ جناب نے خاکسار کے کلبۂ احزان کو اپنی تشریف آوری سے معزز فرمایا ، میں اس کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں ۔ سوائے اس کے کہ زبان حال سے یہ شعر پڑھوں :

ز قدر و شوکت عالی نگشت چیزے کم
کلاہ گوشۂ احقر بآفتاب رسید

(ترجمہ : آپ کی شوکت و عظمت میں تو کوئی کمی واقع نہیں ہوئی لیکن میرا طرۂ افتخار آفتاب تک پہنچ گیا) ۔

اُمید ہے کہ اب مکان میں بے تکلف سکونت پذیر رہیں گے اور وہاں ہر طرح کا آرام آپ کو رہے گا ۔ عزیز از جان میر بادشاہ حاضر خدمت ہے ۔ اُس کو اپنا خادم سمجھیں اور اُس پر اپنی نظرِ عنایت رکھیں ۔

رہتک ، یکم مئی ۱۸۵۳ء خاکسار ، سید احمد

(ترجمہ خط نمبر ۴)

مخدومی مکرمی معظمی سلامت !

بعد سلام مسنون الاسلام و اشتیاق ملاقات بہجت آیات کے عرض ہے کہ جس دن یہ خاکسار آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور جناب نے اس خاکسار کی اقتدا میں نماز عصر ادا فرمائی تھی تو اُس نماز کا آپ اعادہ فرمالیں کیونکہ اپنے لباس کی طہارت میں مجھے شبہ ہے اور اُسی لباس میں میں نے وہ نماز پڑھی تھی ۔ اس لیے آپ اُس روز کی نماز عصر کا ضرور اعادہ فرما لیں ۔

دیگر عرض یہ ہے کہ آنجناب نے زبانی ارشاد فرمایا تھا کہ معطلی صدر امین کی موقوفی کی صورت میں آپ پوری تنخواہ کے مستحق ہوں گے ۔ اُمید ہے کہ آپ وہ چٹھی نکلوا کر اُس کی نقل بقید تاریخ و نمبر مجھے ضرور بالضرور بھیجیں گے ۔ اس جگہ کے باقی حالات بدستور ہیں ۔ اُمید ہے کہ آپ خاکسار کو اپنا ایک دلی نیاز مند اور عقیدت کیش تصور فرمائیں گے ۔

میں نے 'حکام کا تقرر اُن کے اپنے وطنوں میں' والی تقریر لکھنی شروع کر دی ہے ۔ انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب خدمتِ عالی میں بھیجوں گا ۔

رہتک ، ۲۰ جولائی ۱۸۵۳ء ، روز چہارشنبہ خاکسار ، سید احمد

(۵)

جناب سیدی مشفقی مکرمی سلامت !

بعد سلامِ مسنون الاسلام و اشتیاقِ ملاقاتِ بہجت آیات التماس اینکہ قبل ازیں عریضہ نیاز بجوابِ عنایت نامہ عالی فرستادہ بودم بملاحظہ رسیدہ باشد از

قضا و قدر ربانی و تقدیر ازلی و مشیت ایزدی ترق بنده بصدر امینی شد و در بجنور صدر امین شدم ـ این همه فضل و کرم حق تعالیٰ است ورنه این ناٰلائق ، هیچ کاره محض است ـ فضل و کرم خدا را معائنه فرمایند که چگونه میکند ـ ان الله علی کل شی قدیر ـ اگرچه مفارقت دهلی و احباب را بسیار ناگوار طبع افتاد مگر تن برضا در دادم ـ آب و هوای اینجا نهایت در نهایت خوب و مرغوب است و بجنور اگرچه قصبہ خورد است الا بسیار خوش ہوا ـ و رجسٹری اینجا هم متعلق بصدر امین و قریب هشتاد روپیه ماهواری آمدنی دارد ـ درینجا سوائے مفارقت احباب دیگر بهمه وجوه خوش و خرم هستم ـ الله تعالیٰ انجام هم بخیر کند ـ آمین یا رب العالمین ـ هنگام روانگی از صدرالصدور صاحب هم بالکلیه صفائی شد و آنچه متقضائے بزرگان نسبت بحال خوردان است بلا واسطه احدی خود بهاں طریقه پیش آمدند و این امر هم باعث بسیار خوشی شد ـ امید که گاه گاه از حال مزاج خود مطلع میفرموده باشند ـ

بجنور ، ۱۰ فروری ۱۸۵۵ع خاکسار ، سید احمد

(۹)

جناب سیدی مخدومی و مکرمی عنایت فرمائے حال نیازمندان سلامت !

بعد سلام مسنون عجز و نیاز مشحون التماس آنکه بعد رسیدن اینجا نیازنامه بخدمت عالی ابلاغ داشته ام ، یقین که رسیده باشد برسیدن جواب آن محمول بر کثرت کار متعلقه یا فراموشی مثل ما نیازمندانست ـ بهرحال اگر از خیریت مزاج مطلع میفرموده باشند بعید از اخلاق سامی نیست ـ گو این هیچمیرز لائق آن نباشد مگر درین روزها کتاب تاریخ این ملک تصنیف و تالیف میکنم و بضرورت آن دریافت حالات دیار و امصار از واجبات لهٰذا امور متعلقه ضلع متهرا که لائق دریافت بوده اند بر ظهر نیاز نامه هذا درج کرده بخدمت عالی متصدع میشوم که بعد تحقیق و تفتیش کماینبغی به هر عجلت عجاله که امکان داشته باشد بجواب پرچه هذا مطلع فرمایند و مثل جواب نیازنامجات سابقه این را براه عنایت سرسری نه پندارند و بذل عنایت کرده به مرحمت جواب ممنون فرمایند و نقشه مطلوبه که ذکرش بر ظهر نیازنامه هذا مندرج کرده می آید شنیده ام که منطبع شده و در آن ضلع بقیمت

میسر می آید ۔ اگر همچنان باشد خریده لطف فرمایند ، قیمتش هر قدرکه خواهد بود مع محصول ڈاک بعالیخدمت خواهد رسید ۔

تفصیل مراتب واجب التحقیق

اول اینکه : هنگام بندوبست در جملہ اضلاع نقشہ کمپاس هر یک ضلع کلکٹری طیار شده یقین است که در آن ضلع هم موجود خواهد بود ۔ نقل آن نقشه بجنسه و بسیار صحیح مطلوب است ۔ ازکسے که واقف کار کشیدن نقشہ کمپاس باشد ، نقل آن حاصل فرموده عنایت فرمایند و هر قدر اجرت نقل نویس باشد ، ازان هم اطلاع فرمایند که بخدمت شریف فرستاده خواهد شد ۔

دوم اینکه : هر قدر تحصیلداریها و تھانجات وکچھری هائے منصفی و صدرالصدوری و صدر امینی در آن ضلع باشند ، فهرست آن بقید نام و مقام ارقام فرمایند ۔

سوم اینکه : در آن ضلع هر قدر قصبات باشند فهرست آن بقید اعراب اسما بخط خوش و صحیح الاملا بقید مسافت از مقام ضلع بقید سمت جنوباً یا شمالاً و شرقاً و غرباً ارقام فرمایند و هم در آن قصبه اگرکدام معبد بزرگ هندو یا مسلمان یا درگاه نامی باشد ، چنانچه در خاص متھرا و بندرابن و بلدیوکه معبد هائے سترگ هنوز موجود اند یا دیگرکدام مکان عمده باشد و یاکدام تجارت مخصوص آن قصبه باشد یا کدام جنس تحفه در آن قصبه پیدا یا ساخته می شده باشد ، تفصیل آن نیز دریافته ارقام فرمایند ۔ فقط والسلام

از بجنور ، ۲۱ مارچ ۱۸۵۵ع   خاکسار ، سید احمد

(ترجمہ خط نمبر ۵)

جناب سیدی مشفقی مکرمی سلامت !

بعد سلام مسنون الاسلام و اشتیاق ملاقات بہجت آیات کے التماس ہے کہ اس سے قبل والا نامے کے جواب میں ایک عریضہ بھیجا تھا ، ملاحظے سے گزرا ہوگا ۔ قضا و قدر ربانی ، تقدیر ازلی اور مشیت خداوندی سے بندے کی

صدر امینی پر ترق ہوگئی ہے اور بجنور میں مجھے لگایا گیا ہے - یہ سب کچھ حق تعالیٰ کا فضل و کرم ہے ورنہ یہ نالائق بے کار محض ہے - خدائے تعالیٰ کا فضل و کرم دیکھیے ، کس طرح کام کرتا ہے - ان اللہ علی کل شیء قدیر (ترجمہ : بے شک اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے) -

اگرچہ دہلی کی مفارقت اور احباب سے جدائی طبیعت کو سخت ناگوار گزرتی ہے مگر راضی برضائے الٰہی ہوں - یہاں کی آب و ہوا نہایت در نہایت بہترین اور خوشگوار ہے - بجنور اگرچہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے لیکن آب و ہوا اس کی نہایت عمدہ ہے - یہاں کا صیغہ رجسٹری بھی صدر امین سے متعلق ہے جس کی آمدنی تقریباً ستر روپے ماہوار ہے - اس جگہ احباب کی جدائی کے سوا میں بہمہ وجوہ خوش و خرّم ہوں - اللہ تعالیٰ انجام بھی بخیر کرے - آمین یا رب العالمین -

روانگی کے وقت صدرالصدور صاحب سے بھی بالکلیہ صفائی ہوگئی تھی ، اور جیسا کہ چھوٹوں کے ساتھ بزرگوں کا سلوک ہوتا ہے ، وہ مجھ سے بڑی خوبی کے ساتھ پیش آئے اور یہ بھی بڑی خوشی کی بات ہے - اُمید ہے کہ کبھی کبھی اپنے مزاج کی کیفیت سے مطلع فرماتے رہیں گے -

خاکسار ، سید احمد ۱۰ فروری ۱۸۵۵ع

(ترجمہ خط نمبر ۹)

جناب سیّدی مخدومی و مکرمی عنایت فرمائے حال نیازمنداں سلامت !

نیازمندانہ اور عاجزانہ سلام مسنون کے بعد التماس یہ ہے کہ یہاں آنے کے بعد میں نے ایک نیازنامہ آپ کی خدمت عالی میں بھیجا تھا ، اُمید ہے وہ پہنچا ہوگا - کارہائے متعلقہ کی کثرت کے باعث یا ہم جیسے نیازمندوں کو بھول جانے کی وجہ سے جواب نہ ملا - بہرحال خیریت مزاج سے مطلع فرمانا اخلاق عالیہ سے بعید نہ ہوگا - اگرچہ یہ ناکارہ اس کا اہل نہیں مگر ان دنوں اس علاقے کی تاریخ تصنیف و تالیف کر رہا ہے اور اس کی ضرورت کے پیش نظر دیار و امصار کے حالات کی دریافت واجب ہے لہٰذا ضلع متھرا کے متعلق جو اُمور دریافت طلب ہیں وہ نیازنامے کی پشت پر درج کرکے خدمت عالی میں بھیج رہا ہوں اور تصدیع دیتا ہوں کہ کماحقہ تحقیق و تفتیش کرکے جتنی جلدی

ممکن ہو ، عنایت فرمائیں اور سابقہ نیاز ناموں کے جواب کی طرح اس کو سرسری تصور نہ فرما کر براہِ کرم اس کے جواب سے فوری طور پر مطلع فرمائیں ۔ اور مطلوبہ نقشہ ، جس کا ذکر نیازنامے کی پشت پر کیا ہے ، سنا ہے کہ چھپ گیا ہے اور اس ضلع میں قیمتاً ملتا ہے ۔ اگر ایسا ہے تو مہربانی فرما کر خرید کر عنایت فرمائیں ۔ قیمت جو کچھ ہوگی ، مع محصول ڈاک خدمتِ عالی میں پہنچ جائے گی ۔

واجب التحقیق مراتب کی تفصیل

اول : بندوبست کے موقع پر تمام اضلاع میں کمپاسی نقشے تیار ہوتے ہیں ۔ یقین ہے کہ اس ضلع کا بھی موجود ہوگا ۔ اس نقشے کی ہوبہو اور بڑی صحیح نقل مطلوب ہے ۔کسی شخص سے جو کمپاسی نقشے کھینچ سکتا ہو اس کی نقل کرا کر عنایت فرمائیں اور جو اُجرت نقل نویس کی ہو اس سے بھی مطلع فرمائیں تاکہ خدمتِ عالی میں بھیج دی جائے ۔

دوم : جتنی تحصیلیں ، تھانے اور منصفی ، صدرالصدوری اور صدر امینی کی کچہریاں اس ضلع میں ہوں اُن تمام کی فہرست بقیدِ نام اور مقام تحریر فرمائیں ۔

سیوم : اُس ضلع میں جتنے قصبے ہوں ان کے نام اعراب ، خوشخطی اور صحیح املا کے ساتھ بھیجیں ۔ اُن کے ضلع کے صدرمقام سے فاصلے اور سمتیں شرقاً غرباً اور شمالاً جنوباً تحریر فرمائیں ، یا ہندوؤں اور مسلمانوں کی کوئی بڑی عبادت گاہ یا مشہور درگاہ ہو ، جیسا کہ خاص متھرا ، بندرابن یا بلدیو کے ہندوؤں کی عظیم الشان عبادت گاہیں اب بھی موجود ہیں ، یا کوئی عمدہ مکان یا اُس قصبے کی مخصوص تجارت یا کوئی عمدہ جنس اُس قصبے میں پیدا ہوتی ہو یا بنائی جاتی ہو اُس کی تفصیل بھی دریافت فرما کر لکھیں ۔
والسلام

۲۱ مارچ ۱۸۵۵ء　　　　　　　　　　　　خاکسار ، سید احمد

۲۸

بنام آرچی بولڈ

رجسٹرار الہ آباد یونیورسٹی

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ، مورخہ ۳ نومبر ۱۸۸۸ع)

جناب والا !

میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج فنڈ کمیٹی کی طرف سے یونیورسٹی الہ آباد کی مجلس سنڈیکیٹ کی خدمت میں یہ درخواست کرتا ہوں کہ محمڈن اینگلو اورینٹل کالج آرٹس میں یونیورسٹی الہ آباد کے ساتھ ایفیلٹ کیا جاوے تاکہ کالج کو یونیورسٹی کی تمام ڈگریات آرٹس کے واسطے اپنے طالب علموں کو بھیجنے کا استحقاق حاصل ہو - یہ کالج یکم جنوری ۱۸۸۱ع سے درجہ' بی - اے تک یونیورسٹی کلکتہ کے ساتھ ایفیلٹ ہو گیا ہے -

بلحاظ دفعہ ۵۵ قواعد یونیورسٹی الہ آباد میں مندرجہ ذیل امور مجلس سنڈیکیٹ کے روبرو پیش کرتا ہوں :

(الف) اس کالج میں اس درجے تک تعلیم دینے کے وسائل موجود ہیں جس میں وہ اینلیٹ ہونا چاہتا ہے -

(ب) کالج کے معلّموں کا اسٹاف حسب ذیل ہے :

ایک یوروپین پرنسپل ، گریجویٹ یولیورسٹی کیمبرج -

ایک یوروپین پروفیسر ، انگریزی لٹریچر کا ، گریجویٹ یونیورسٹی آکسفورڈ -
ایک یوروپین پروفیسر فلاسفی کا ، گریجویٹ یونیورسٹی کیمبرج -
ایک ہندوستانی پروفیسر ریاضی کا ، جو یونیورسٹی کلکتہ کا ایم - اے ہے -
دو مسلمان پروفیسر فارسی و عربی کے -
ایک پنڈت پروفیسر سنسکرت کا -

(ج) کالج کی سالانہ آمدنی مندرجہ ذیل مخرجوں سے حاصل ہوتی ہے :

سود گورنمنٹ پرامیسری نوٹوں کا	۳۰۰۰
منافع از پرامیسری وقفی عطیہ نواب صاحب بہادر مرحوم والیِ رامپور	۱۲۰۰
آمدنی جاگیر دوامی عطیہ گورنمنٹ ہزہائنس نظام حیدرآباد دکن	۱۰,۰۰۰
یومیہ دوامی عطیہ مہاراجا صاحب بہادر مرحوم پٹیالہ	۱,۸۰۰
عطیہ دوامی امیرالدولہ ممتاز جنگ راجا امیر حسن خان بہادر سعید الملک رئیس محمود آباد از محمود آباد سٹیٹ	۶۰۰
عطیہ نواب صفدر علی خان بہادر رئیس رام پور	۲۰۰
عطیہ مہاراجا صاحب بہادر وزینگرام مرحوم	۲۴۰
آمدنی کرایہ مکانات ملکیت کالج	۸,۸۰۰
امداد گورنمنٹ	۱۳,۲۰۰
امداد چنگی	۱,۵۰۰
فیس تعلیم	۵,۰۰۰
	۴۸۷۴۰

جو اسکالرشپس ہر سال پرائیویٹ جنٹل مین عطا کرتے ہیں ان کی آمدنی رقومِ مندرجۂ صدر کے علاوہ ہے - اور تخمینی آمدنی جو سالانہ بجٹ میں درج کی جاتی ہے وہ ۵۰,۰۰۰ سے زیادہ ہوتی ہے -

مورخہ ۳۱ - اکتوبر ۱۸۸۸ع

آپ کا خادم ، سید احمد
آنریری سیکرٹری

۲۹

بنام ایچ بے بنگ ٹن[1]

پرائیویٹ سیکرٹری والسرائے ہند

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ، مورخہ ۲۳ مئی ۱۸۹۷ء)

۱۸۹۷ء میں ملکۂ وکٹوریہ کا ساٹھ سالہ حکومت کا جشن ہندوستان میں نہایت شان و شوکت سے منایا گیا ۔ سرسید نے بھی کالج کی طرف سے اس موقع پر ایک ایڈریس پیش کرنا چاہا ۔ یہ خط اسی سلسلے میں لارڈ الگن[2] وائسرائے ہند کے پرائیویٹ سیکرٹری کو لکھا گیا تھا ۔

جناب والا !

آپ کا تار برق مورخہ ۲۲ - اپریل ۱۸۹۷ء اور چٹھی مورخہ ۱۴ اپریل کے پہنچنے سے مجھے عزت حاصل ہوئی ۔ میں نے اس کی اطلاع ممبران محمڈن جنرل کمیٹی تہنیت جشن سلطنت شصت سالہ ہرگریشس مجسٹی امپرس آف انڈیا کو دی ۔ وہ نہایت دل سے ہزاکسلنسی وائسرائے اور گورنر جنرل آف انڈیا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہزاکسلنسی نے ازراہ مہربانی اجازت دی ہے کہ اس کمیٹی کے

۱- H. Babington   ۲- Lord Elgin (سنہ ۱۸۹۴ء تا ۱۸۹۹ء) ۔

ڈیلیگیٹ ایڈریس تہنیت موسومہ ہرگریشس مجسٹی امپرس آف انڈیا لے کر شملے میں حاضر ہوں اور اس ایڈریس تہنیت کو بحضور اکسلنسی ویسرائے و گورنر جنرل آف انڈیا کے پیش کریں جن کو ہرگریشس مجسٹی امپرس آف انڈیا نے ایڈریسین لینے کی اجازت فرمائی ہے۔

میں اس بات کے عرض کرنے کی بھی اجازت چاہتا ہوں کہ کمیٹی مذکور کے ڈیلیگیٹ شملہ میں بحضور ویسرائے حاضر ہونے اور ایڈریس پیش کرنے کی عزت حاصل کریں گے۔

ممبران کمیٹی اس بات کی اطلاع چاہتے ہیں کہ کس تاریخ تک ان کو شملہ میں آ جانا چاہیے اور کس تاریخ کو ایڈریس پیش کرنے کی عزت حاصل ہوگی، کیونکہ ۲ جون کو اتوار ہوگا۔ اس بات کی بھی اطلاع چاہتا ہوں کہ کس قدر ڈیلیگیٹوں کے حاضر ہونے کی ہزاکسلنسی کی مرضی ہوگی۔ جو ڈیلیگیٹ شملہ میں حاضر ہوں گے (اُن میں سے) پانچ ڈیلیگیٹ تو وہ ہیں جو لندن جانے کو منتخب ہوئے تھے اور علاوہ ان کے نواب سید امیر حسین خاں بہادر، سی۔ آئی۔ ای جو بالفعل پریسیڈنسی مجسٹریٹ کلکتہ کے ہیں، مسلمانانِ بنگال کی طرف سے بطور ڈیلیگیٹ شامل کیے گئے ہیں۔

علاوہ اس کے میرے پاس بحیثیت ہونے پریسیڈنٹ کمیٹی مذکور کے متعدد درخواستیں ڈیلیگیٹوں میں شامل ہونے کی آئی ہیں۔ مگر میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان کی نسبت فیصلہ کرنے سے پہلے ہزاکسلنسی کی مرضی نسبت تعداد ڈیلیگیٹوں کے، جو شملہ میں حاضر ہوں، دریافت کر لوں۔

اگر ہزاکسلنسی تعداد ڈیلیگیٹوں کی مقرر کرنا مناسب تصور نہ فرمائیں گے تو قریباً بیس ڈیلیگیٹ شملے میں حاضر ہونے کے لیے منتخب کیے جاویں گے۔

اس چٹھی کا جواب آنے کے بعد تعداد ڈیلیگیٹوں کی مقرر ہو جاوے گی اور ہر ایک ڈیلیگیٹ کے مختصر حال سے آپ کو اطلاع دوں گا۔

مقام علی‌گڑھ، ۶ مئی ۱۸۹۷ء — آپ کا وفادار خادم، سید احمد

پریسیڈنٹ جنرل کمیٹی

تہنیت جشنِ سلطنت شصت سالہ ملکہ قیصر ہند

۳۰

بنام راجا جے کشن داس

راجا جے کشن داس مراد آباد (یو۔پی) کے رؤسا میں سے تھے۔ خزانچی سے ترقی کرتے کرتے ڈپٹی کلکٹری کے عہدے تک پہنچے اور گورنمنٹ انگریزی سے سی۔ایس۔آئی کا خطاب پایا۔ نہایت بے تعصّب، فراخ دل، نیک طینت اور عالی ظرف بزرگ تھے۔ باوجود ہندو ہونے کے قرآن کریم کی بے حد تکریم کرتے تھے۔ قرآن شریف کا ایک قلمی نسخہ اُنھوں نے پانچ سو روپے میں خریدا بھی تھا۔ سرسید سے ان کی بڑی گہری دوستی تھی اور آخر وقت تک دونوں کے تعلقات نہایت خوشگوار رہے۔ دونوں ایک دوسرے کو بھائی کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ دو مختلف مذاہب کے افراد میں باہم ایسی اُلفت بہت کم دیکھنے میں آئی ہے جیسی ان دونوں میں تھی۔ سرسید کے پوتے راس مسعود سے انھیں بے حد محبت تھی اور راس مسعود اُنھیں "چچا راجا" کہا کرتے تھے۔ دسمبر ۱۸۹۳ء میں جب سرسید نے پوتے کی "بسم اللہ" کی تقریب کی تو مسعود، راجا صاحب کی بغل میں بیٹھے تھے اور راجا صاحب بڑی محبت سے ننھے بچے کو پیار کر رہے تھے۔ سرسید نے عرصے تک راجا صاحب کو اپنی بجائے سائنٹیفک

سوسائٹی کا سیکرٹری بنائے رکھا - اس مجموعے میں راجا صاحب کے نام سرسید کے پانچ خط ہیں - ان میں پہلے چار خط اُس وقت کے ہیں جب راجا صاحب سائنٹیفک سوسائٹی کے سیکرٹری تھے -

(۱)

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ، ۲۳ اگست ۱۸۶۷ع)

صاحبِ من !

آپ کی چٹھی نمبر ۳۳ ، ۱۸۶۷ع 'مشعر استفسار اس امر کے میرے پاس پہنچی کہ آیا سائنٹیفک سوسائٹی میرے چھاپہ خانے کو علاوہ اپنے خاص کام کے اَور شخصوں کے واسطے کسی کام کے چھاپنے کے لیے استعمال میں لا سکتی ہے یا نہیں ؟ اور میں بجواب اس کے نہایت خوشی سے عرض کرتا ہوں کہ آپ کو معلوم ہے کہ جو کام سوسائٹی کے واسطے کیا جاتا ہے اس کے عوض میں سوسائٹی ماہواری تنخواہ عملہ کی دیتی ہے - اور جو اتفاقیہ اخراجات بابت چھاپہ خانے کے مجھ پر عاید ہوتے ہیں وہ بھی ادا کرتی ہے - اور میں اس سے ‘زیادہ سوسائٹی سے کچھ نہیں لیتا ہوں - اس صورت میں مجھ کو کوئی عذر اس بات میں نظر نہیں آتا کہ سوسائٹی اپنے واسطے اور لیز اور شخصوں کے واسطے کاغذات چھپوائے ، مگر اس شرط پر کہ جو کچھ منافع بعد ضروری خرچ میرے چھاپہ خانے کے ہو وہ سوسائٹی کے کام میں آوے[1] -

مقامِ بنارس ، ۱۸ -اگست ۱۸۶۷ع آپ کا صادق دوست ، سید احمد

۱- یہ خط مکاتیبِ سرسید احمد خاں ، مرتبہ مشتاق حسین مرحوم میں بھی چھپ چکا ہے -

(۲)

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ[1] ، ۱۹ نومبر ۱۸۶۹ء)

(یہ خط سرسید نے اُس وقت لکھا تھا جب وہ لندن گئے ہوئے تھے)

عالی جناب سیکرٹری سین ٹیفک سوسائٹی علی گڑھ دام اقبالہ !

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۹ ستمبر ۱۸۶۹ء میرے پاس پہنچا ۔ آپ جو بسبب نہ بھیجنے حال سفر کے ناراض ہوئے ہیں اس کی معافی میں آپ سے چاہتا ہوں اور اپنے قصور کا اقرار کرتا ہوں مگر میں نے سنا تھا کہ آپ کی سوسائٹی کے بعض ممبر میری آزادانہ تحریر کو ناپسند کرتے ہیں اور ناراض ہوتے ہیں ۔ مجھ سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ جو کیفیت اس سفر میں میرے دل پر گزرتی ہے اور جو سچائی کہ میرے دل میں آتی ہے اس کو سوسائٹی کے ممبروں کے ڈر سے چھپاؤں اور جس گناہ کا الزام میں اپنے ہم وطن ہندوستانیوں پر دیتا ہوں ، خود بھی اسی گناہ کا مرتکب ہوں ۔ اس لیے میں نے بہتر سمجھا کہ اسکا لکھنا ہی موقوف کردیا جاوے ۔ اگر آپ میری آزادانہ رایوں اور باتوں کے چھپنے سے اپنی سوسائٹی کا کچھ نقصان نہیں سمجھتے اورکچھ ممبروں کی ، بلکہ سوائے خدا کے کسی کی ، ناراضی کا اندیشہ نہیں کرتے تو مجھ کو تمام حالات کے بھیجتے رہنے اور یہاں کے عجائبات کے لکھنے اور نصیحت آمیز اور عبرت خیز باتوں کے بیان کرنے میں کچھ عذر نہیں ہے ۔

اگر آپ میرے اس نیاز نامے کو بجنسہ اپنے اخبار میں چھاپ دیں گے اور امر مذکورۂ بالا کی نسبت صاف صاف اپنی رائے لکھ دیں گے تو میں بدستور سابق ہمیشہ ایک پرچہ بھیجتا رہوں گا ۔ بالفعل بطور تلافیِ مافات چھ مہینے کے سفر کا جو اب تک نتیجہ ہوا ہے وہ میں آپ کو لکھتا ہوں ۔

مجھ کو یہاں آئے ہوئے چھ مہینے کے قریب ہوئے ۔ اس عرصے میں اگرچہ بسبب تنگی روپے کے بہت سی چیزوں کے دیکھنے کا موقع نہیں ملا مگر بہ ایں ہمہ کچھ نہ کچھ دیکھا ۔ میں لارڈ اور ڈیوک کی مجلسوں میں بھی گیا ۔ اُن کے ہاں بڑے بڑے کھانوں اور مجلسوں میں بھی شریک ہوا ۔ اُن سے کم درجے کے

۱۔ یہ خط رسالہ 'اتالیق پنجاب' بابت ماہ نومبر ۱۸۶۹ء میں بھی شائع ہو چکا ہے اور مکاتیبِ سرسید ، مرتبہ مشتاق حسین مرحوم میں بھی ۔

بعض امیروں سے بھی اسی طرح ملا - متوسط درجے کے بھی رئیسوں اور اشرافوں سے ، جو گویا ہمارے ہم جولی یعنی ہمارے سے درجے اور رتبے کے تھے ، دوستانہ ملا اورکھانوں اور مجلسوں میں بھی شریک ہوا - ہر موقع پر لیڈیوں اور اشراف اور قابل تربیت یافتہ عورتوں کو بھی دیکھا - یہاں کے امیروں اور متوسط درجے کے بھلے مانسوں اور غریب اشرافوں بلکہ بعض نہایت کم درجے کے لوگوں کے گھروں کو اور ان کے رہنے سہنے اور زندگی بسرکرنے کے طریق کو بھی دیکھا - بڑے بڑے سوداگروں کے کارخانے اور متوسط درجے کے سوداگروں کی دکانیں اور ان کے اسباب رکھنے اور سودا بیچنے اور خریدار کے ساتھ پیش آنے اور گفتگو کرنے کے طریق کو بھی دیکھا - یہاں کے کاریگروں اور قلیوں کو بھی دیکھا - بڑے بڑے عالی شان مکانات اور میوزیم بھی دیکھے - انجینئروں کے کارخانے اور جہاز بننے کا کارخانہ ، جو سمندر میں ڈالا جاتا ہے اور ایک دنیا کو دوسری دنیا سے ملا دیتا ہے - جنگی جہاز (جن میں سے ایک جہاز پر کئی میل سفر بھی کیا) اور گریٹ ایسٹرن کو دیکھا - بعض سوسائٹیوں کی میٹنگ میں بھی شریک ہوا - بعض کلبوں کے جلسوں اور کھانوں میں بھی شریک ہوا اور ان سب باتوں کا جو نتیجہ حاصل ہوا وہ یہ ہوا کہ ہم جو ہندوستان میں انگریزوں کو ایک نہایت بداخلاق کا ملزم ٹھہرا کر (اگرچہ اب بھی میں اُس الزام سے اُن کو بری نہیں کرتا) یہ کہتے تھے کہ انگریز ہندوستانیوں کو بالکل جانور سمجھتے ہیں اور نہایت حقیر جانتے ہیں ، یہ ہماری غلطی تھی - وہ ہم کو سمجھتے ہی نہیں تھے بلکہ در حقیقت ہم ایسے ہی ہیں -

میں بلامبالغہ نہایت سچے دل سے کہتا ہوں کہ تمام ہندوستانیوں کو ، اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ تک ، امیر سے لے کر غریب تک ، سوداگر سے لے کر اہلِ حرفہ تک ، عالم فاضل سے لے کر جاہل تک انگریزوں کی تعلیم و تربیت اور شائستگی کے مقابلے میں درحقیقت ایسی ہی نسبت ہے جیسے نہایت لائق اور خوبصورت آدمی کے سامنے نہایت میلے کچیلے وحشی جانور کو - پس تم کسی جانور کو قابل تعظیم یا لائق ادب کے سمجھتے ہو ؟ کچھ اس کے ساتھ اخلاق اور بداخلاق کا خیال کرتے ہو ؟ ہرگز نہیں کرتے - پس ہمارا کچھ حق نہیں ہے (اگرچہ وجہ ہے) کہ انگریز ہم ہندوستانیوں کو ہندوستان میں کیوں نہ وحشی جانور کی طرح سمجھیں -

اگرچہ میرے ہم وطن میری اس تحریر کو بہت سخت سمجھیں گے اور وہ تعجب کریں گے کہ کس چیز کی ہم میں کمی ہے اور کس چیز کی انگریزوں میں فوقیت ہے جو میں نے ایسا لکھا ہے ، مگر اُن کا تعجب کرنا کچھ تعجب کی بات نہیں ہے - وہ یہاں کی کسی چیز سے واقف نہیں ہیں اور جو کچھ یہاں ہے وہ حقیقت میں (اُن کے) وہم و خیال سے باہر ہے - جو کچھ میں نے یہاں دیکھا اور دیکھتا ہوں ، امکان نہ تھا کہ وہ ہندوستان میں وہم و گمان میں بھی آ سکتا - جو کوئی میرا ہم وطن میری اس تحریر کو سچی اور واقعی حقیقت نہ سمجھے - آپ یقین کیجیے کہ اُس کی مثال مینڈک اور مچھلی کی ہے[1] - مادر زاد اندھا آپ کی دانست میں سورج کی روشنی کی کیفیت یا چاندنی کی خوشنمائی کی فرحت سمجھ

۱- ایک زندہ مچھلی اتفاقاً ایک مچھلی والے کے پاس سے ایک کنویں میں گر پڑی - اُس کنویں میں مینڈک رہتے تھے - انھوں نے ایک نیا مسافر گورے گورے رنگ ، چاندی کی سی چمک کا دیکھ کر اُس کی خاطر کی اور پوچھا کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں ؟ اُس نے کہا کہ میں گنگا جی کی رہنے والی ہوں - مینڈکوں نے پوچھا کہ تمھارا ملک بھی ایسا ہی ہے جیسے ہمارا آبی ملک ہے ؟ اس نے کہا کہ ہاں ایسا ہی ہے مگر نہایت روشن ہے ، نہایت عمدہ ہے - لطیف ہوا اُس پر چلتی ہے ، بڑی بڑی موجوں کی ایسی لہریں آتی ہیں کہ ہم اُن میں جھولے کی طرح جھولتے ہیں اور خوشیاں کرتے ہیں اور نہایت وسیع اور چوڑا چکلا ملک ہے جس میں ہم تیرتے پھرتے ہیں -
یہ سن کر ایک مینڈک کنویں کی دیوار سے ہاتھ بھر الگ ہٹ کر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ اتنا وسیع جتنا کہ میں اور کنویں کی دیوار ؟ اس نے کہا کہ اس سے بھی زیادہ - وہ مینڈک ہاتھ بھر اور ہٹ گیا اور پھر پوچھا - اُس نے کہا اور بھی زیادہ - وہ اور ہٹتا گیا اور پوچھتا گیا اور مچھلی یہی جواب دیتی گئی کہ اور بھی زیادہ - یہاں تک کہ مینڈک کنویں کی دوسری دیوار سے جا لگا اور پوچھا کہ اتنا بڑا ؟ جب مچھلی نے کہا کہ اس سے بھی بہت زیادہ تو مینڈک نے کہا کہ جھوٹ - اس سے زیادہ کیا ہوگا ؟ اتنے میں ایک شخص نے ڈول ڈالا اور پانی ہلا - مینڈک نے پوچھا کہ ایسی ہی لہریں آتی ہیں ؟ وہ مچھلی ہنسی اور کہا کہ اُس چیز کو جس کو تم نے کبھی نہیں دیکھا اور نہ تم کو اُس کا خیال میں لانا ممکن ہے ، اور وہ چیز بغیر دیکھے بتانے سے بھی خیال میں نہیں آ سکتی ، تو پھر اس کو کیوں پوچھتے ہو ؟

سکتا ہے یا خیال میں لا سکتا ہے ؟ میں اُن باتوں پر مطلق خیال نہیں کرتا جو بسبب خاصیتِ ملک کے ایک دوسرے سے مختلف ہیں ، بلکہ میں صرف اخلاق اور تعلیمی اوصافِ انسانی اور صفائی اور خوش سلیقگی اور ہنر وکمال کا ذکر کرتا ہوں جو تعلیم و تربیت سے علاقہ رکھتی ہے ۔

تمام خوبیاں دینی اور دنیوی ، جو انسان میں ہونی چاہئیں ، وہ خدا تعالیٰ نے یورپ کو ، اور اس میں بالتخصیص انگلینڈ کو ، مرحمت فرمائی ہیں[1] ۔ دینی خوبیوں سے میرا مطلب یہ ہے کہ جس دین کو وہ لوگ حق سمجھتے ہیں ایسی خوبصورتی اور ایسی عمدگی سے اس کے تمام متعلقات کو پورا کرتے ہیں اور انجام دیتے ہیں کہ کسی ملک میں اور کوئی مذہب والے اُس خوبی و خوش اسلوبی و سلیقے سے نہیں کرتے ۔ یہ تمام نتیجہ ہے زن و مرد کے عموماً تعلیم یافتہ ہونے کا اور تمام قوم کا اُن امور کی طرف متوجہ ہونے کا ۔ اگر ہندوستان کے لوگ بھی عموماً تربیت پا جاویں تو ہندوستان بسبب اپنے بعض قدرتی اوصاف کے انگلستان سے زیادہ نہیں تو یقینی اُس کے قریب قریب گلزار ہو جاوے ۔

جو درخواست میں نے آپ سے اس نیازنامے میں کی ہے اگر آپ اس کو منظور کر لیں گے تو میں اپنے سفر کا حال تو لکھتا ہی رہوں گا مگر میں کچھ تھوڑا سا حال اپنی پرائیویٹ لائف کا ، جو یہاں ہے ، لکھتا رہوں گا اور وہ غالباً دلچسپ ہوگا اور میرے ہم وطنوں کو یا تعجب میں ڈالے گا یا مجھ پر ہنسواوے گا یا ایک اور تیر ملامت اُن کے ہاتھ آوے گا ۔

جب میں لندن میں پہنچا تو تین چار دن چیرنگ کراس ہوٹل میں ٹھہرا ۔ میرے پاس نہ اتنا روپیہ تھا ، نہ مجھ کو ایسا مقدور تھا کہ میں ایک علیحدہ مکان کرائے پر لے کر اُس میں رہتا اور تمام اسباب خرید کرتا اور نوکر رکھتا ، اس لیے لاجنگ میں نے کرائے پر لیا ۔ لاجنگ کے یہ معنی ہیں کہ جس مکان میں صاحبِ مکان رہتا ہے اُسی میں چند کمرے وہ کرائے پر دے دیتا ہے ۔ مکان کو اسبابِ ضروری سے ، یہاں تک کہ سونے کے پلنگ ، اوڑھنے اور بچھونے سے مرتّب کر دیتا ہے ۔ مکان والا لینڈ لارڈ اور اُس کی بی بی لینڈ لیڈی کہلاتی ہے ۔ کھانا بھی وہی پکوا کر کھلوا دیتی ہے ۔ نوکروں کا بندوبست بھی وہی کر دیتی ہے ۔ ہر ہفتے ایک بل دے کر جو خرچ ہوتا ہے لے لیتی ہے اور نہایت آرام سے (زندگی) گزرتی ہے ۔

اس بیان سے آپ خیال کریں گے کہ ایسے لوگ جو اپنے رہنے کے مکانوں میں اَوروں کو بھی کرائے پر رکھ لیتے ہیں ، لندن کے غریب آدمی ہیں ۔ گو اشراف ہیں مگر باعتبار دولت و روپے کے نہایت غریب ہیں ۔ میں جس مکان میں رہتا ہوں وہ مسٹر جے ۔ لڈلم کے قبضے میں ہے ۔ اُس کی ایک بی.بی مسز لڈلم ہے اور مسز لڈلم کی دو بہنیں ہیں مس الن وسٹ اور مس فانی وسٹ ۔ وہ بھی کبھی کبھی بطور مہمان اپنی بہن کے پاس آتی ہیں اور دو تین ہفتے رہ کر چلی جاتی ہیں ۔ مسٹر جے ۔ لڈلم ایسا لائق اور قابل آدمی ہے جیسے کہ نہایت لائق اشراف کو ہونا چاہیے ۔ متعدد علوم سے واقف ہے اور ایسا شوقین آدمی ہے کہ جب فرصت ملتی ہے (تو) راتوں کو علمی مجلسوں[1] میں ، جہاں کیمسٹری یا جیالوجی یا زوالاجی وغیرہ علوم پر لیکچر ہوتے ہیں ، جاتا ہے ۔ چھ مہینے ہوئے مگر بجز اس کے کہ کبھی ملاقات ہوئی اور بات چیت ہوئی یا کمرے میں جانے (یا) نکلنے کے وقت اتفاقیہ صاحب سلامت ہوگئی (اس کے سوا) کبھی میرے کمرے تک اس کی آواز نہیں آئی ۔ ہر وقت اس بات کا خیال رہنا کہ اَور لوگ بھی ہمارے ساتھ رہتے ہیں ، ان کو تکلیف نہ ہو ، کیسی عمدہ اخلاق کی بات ہے ۔ بہرحال میں مسٹر جے ۔ لڈلم کی ذاتی خوبیوں کو جتانا نہیں چاہتا کیونکہ ممکن ہے کہ دوسرے میں نہ ہوں بلکہ اس بیان سے یہاں کی عام تعلیم و تربیت کا نقشہ اپنے ہم وطنوں کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں ۔

مسز لڈلم ایک ایسی قابل اور تعلیم یافتہ ، نہایت شائستہ ، نہایت پڑھی لکھی ، نہایت نیک بی.بی ہے کہ اُس کی خوبیاں مجھ سے بیان نہیں ہو سکتیں ۔ تہذیب اور اخلاق اور ادب اور انسانیت سب چیز کی مجسّم ہے ۔ تمام کام اور تمام معاملات خانہ داری کے نہایت لیاقت سے خود کرتی ہے اور مسٹر لڈلم کو

۱- یہ مجلسیں اور اس قسم کی اور بہت (سی انجمنیں) خود لوگوں نے قائم کی ہیں اور جو لوگ وہاں جاتے ہیں اُن سے دو تین آنے فیس کے لیے جاتے ہیں ۔ ان جلسوں میں اس قدر آمدنی ہوتی ہے کہ اُس کے تمام اخراجات اور لیکچر دینے والوں کی تنخواہیں اور آلات اور مکان غرض سب چیز کا خرچ اس میں سے چلتا ہے ۔ اور عام لوگوں کو ایسی تربیت پہنچتی ہے جو ہندوستان میں کسی بڑے عالی فلسفی کو بھی نہ تھی ۔ (سید احمد)

پھر آفس میں جانے اور اپنے علمی جلسوں میں شریک رہنے کے کسی چیز کی فکر نہیں ہے۔

اُن کی دونوں بہنیں بھی اسی طرح پڑھی لکھی قابل ہیں۔ اُن میں سے مس الن وسٹ کو کتابوں کے پڑھنے کا نہایت شوق ہے۔ ان دنوں میں میں ایک کتاب متعلق مذہب مسلمانوں کے لکھ رہا ہوں اور میں نے بہت سی انگریزی کتابیں جو مسلمانوں کے مذہب کے متعلق ہیں، خواہ اس کی تائید میں، خواہ اس کی تردید میں، لکھی گئی ہیں اور نیز چند کتابیں نہایت لا مذہبوں کی، جو کسی مذہب پر یقین نہیں رکھتے اور سب کی تردید کرتے ہیں، جمع کی ہیں۔ چند روز ہوئے کہ مس الن وسٹ دفعتہً نہایت بیمار ہو گئی تھی۔ دوسرے دن بیماری کو آرام ہو گیا، الا ضعف بہت تھا۔ پلنگ پر سے اٹھنے، چلنے، پھرنے کی بخوبی طاقت نہ تھی۔ انہوں نے مجھ سے کہلا بھیجا کہ جو کتابیں حال میں تم نے خریدی ہیں ان میں سے کوئی کتاب میرے پڑھنے اور دل بہلانے کو بھیج دو۔ میں نے کہا کہ میرے پاس اس قسم کی کوئی کتاب نہیں ہے۔ مذہبی کتابیں ہیں اور وہ بھی جھگڑے اور رد و قدح کی۔ اس نے کہا کہ کچھ مضائقہ نہیں۔ انھی میں سے کوئی دو۔ چنانچہ میں نے ایک کتاب بھیج دی۔ دو دن میں اُس نے اس کتاب کو پڑھ ڈالا اور جب اس کو بالکل صحت ہوئی اور باہر آئی تو چند باتیں نہایت عمدہ اُس کتاب میں سے بیان کیں۔ بس اب سمجھنا چاہیے کہ متوسط درجے سے کسی قدر کم درجے کی عورتوں کی تو کیسی عمدہ تعلیم ہے۔ کیا یہ تعجب خیز بات نہیں کہ ایک عورت حالتِ بیماری میں کتاب پڑھنے سے دل بہلاوے۔ آپ نے ہندوستان میں کسی امیر، کسی نواب، کسی راجے، کسی مردِ اشراف کو ایسی خصلت کا دیکھا ہے؟

اگر ہندوستان میں کوئی عورت بالکل برہنہ بازار میں پھرنے لگے تو ہمارے ہم وطنوں کو کیسا تعجب اور کس قدر حیرت ہوگی۔ بلا مبالغہ یہ مثال ہے کہ جب یہاں کی عورتیں یہ سنتی ہیں کہ ہندوستان کی عورتیں پڑھنا لکھنا نہیں جانتیں اور حلیۂ تربیت اور زیور تعلیم سے بالکل برہنہ ہیں تو ان کو ایسا ہی تعجب ہوتا ہے اور کمال نفرت اور کمال حقارت ان کے خیال میں گزرتی ہے۔

آپ یقین جانیے کہ ہندوستان میں جس طرح انگریز ہندوستانیوں کے ساتھ پیش آتے ہیں، وہ پولیٹیکل پالیسی گورنمنٹ سے مجبور ہیں جو اُن کو ہندوستانیوں کے ساتھ ملنا اور اُن کی خاطر داری کرنی پڑتی ہے۔ اگر یہ نہ ہو اور فرض کرو

کہ ہندوستانی اور انگریز ایک آزاد ملک میں اکٹھے بسائے جائیں اور بالفعل جو عادتیں اور طرز زندگی اور پرائیویٹ لائف ہندوستانیوں کی ہے وہ ایسی ہی رہے اور جو انگریزوں کی ہے وہ ویسی ہی رہے تو ہرگز انگریز ہندوستانیوں کے پاس بھی نہ کھڑے ہوں اور (اُنھیں) جانور سے زیادہ نہ سمجھیں ۔ میں بے شک ہندوستان کے انگریزوں کو کہتا ہوں کہ (وہ) ہندوستانیوں کے ساتھ نہایت بداخلاق ہیں اور اُن کو ایسا ہونا نہیں چاہیے ، تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ باعتبار شائستگی کے میں ہندوستانیوں کو اس بات کا مستحق ٹھہراتا ہوں بلکہ اس وجہ سے کہتا ہوں کہ انگریزوں کو خود اپنی شائستگی کے لحاظ سے ایسا کرنا خود اپنی تربیت اور شایستگی پر بٹہ لگانا اور حقیقت میں عام شایستگی کے پھیلنے کو سدِّ راہ ہونا ہے اور لاکھوں باتوں کو اور کروڑوں منافع علم عام کرنے کو نقصان پہنچانا ہے ۔

انڈیا آفس میں تمام ہندوستان کی قوموں کی تصویریں اور حالات و رسومات کی ایک کتاب ہے اور جس رسم کا اُس میں بیان ہے اس کی بعینہٖ تصویر بھی ہے اور اکثر تصویریں فوٹوگراف کی لی ہوئی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عین اُسی وقت اور اُسی حالت میں لی گئی ہیں ۔ پھر اُن کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ کیسے کچھ وحشیانہ ہیں اور جانوروں سے زیادہ کچھ رتبہ نہیں رکھتے ۔ جوان انگریز جو سول سروس میں پاس ہونے کے بعد دو برس تک واسطے دینے بعض خاص امتحانوں کے یہاں رہتے ہیں وہ قریب اپنے زمانۂ روانگی کے انڈیا آفس میں آتے ہیں اور ہندوستان کے حالات سے کچھ واقفیت بہم پہنچانی چاہتے ہیں ، وہ بھی اس کتاب کو دیکھتے ہیں اور وہ حالات پڑھنے اور تصویریں دیکھنے کے بعد جو عزت اور قدر و منزلت ہندوستانیوں کی ان کے دل میں آتی ہے ، وہ ایک ادنیٰ غور سے خیال میں آ سکتی ہے ۔

ایک دن میں اور حامد اور محمود انڈیا آفس میں گئے ۔ محمود نے اُس کتاب کو دیکھنا شروع کیا ۔ اتنے میں ایک جوان انگریز ، شاید کوئی سول سروس پاس کیے ہوئے تھا ، آن کھڑا ہوا ۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے محمود سے پوچھا کہ تم بھی ہندوستانی ہو ؟ محمود نے اُسی وقت بلا خیال کہا ''میں'' (ہاں) ۔ مگر یہ کہتے ہی اُس کو ایسی شرمندگی ہوئی کہ اس کا رنگ متغیّر ہو گیا اور اُس نے کہا کہ :

I am of a foreign nation, and not an Indian.

یعنی میں ہندوستان کی قوم کا آدمی نہیں ہوں بلکہ پردیسی قوم کا ہندوستان میں آیا (ہوا) ہوں - پس خیال کرو کہ جب تک یہ کلنک کا ٹیکا ہندوستانی اپنے منہ سے نہ چھٹائیں گے ، اُس وقت تک کبھی اُن کی عزت اور قدر کسی تربیت یافتہ قوم کی آنکھ میں نہیں ہونے کی -

میں نہایت خوش ہوں کہ ہمارے بھائی بنگالیوں اور پارسیوں نے کسی قدر شایستگی میں ترقی کرنی شروع کی ہے مگر وہ ایسا دوڑ کر چلے ہیں جس سے گر پڑنے کا اندیشہ ہے - مگر ہمارے ہم وطن ہندو اور کم بخت مسلمان بھائی اب تک کوے جہالت میں پڑے ہیں اور آیندہ مدت تک پڑے رہیں گے - اور شاید مسلمان تو اتنے دنوں تک پڑے رہیں کہ پھر وقت اور زمانہ ان کی ترقی اور شائستگی کا باقی نہ رہے اور جو اب مرض ہے وہ علاج پذیر نہ رہے ، کیونکہ ان کو یعنی مسلمانوں کو ، جہل مرکب نے گھیرا ہے - اپنے باپ دادا کے قصّے یاد کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم سے بہتر کون ہے ، اور حال میں جو باغ اُن کے سامنے ہے اور گل و پھول کھل رہے ہیں ، اُسی جہل مرکب نے ان کی آنکھوں کو اُس کے دیکھنے سے اندھا کر رکھا ہے -

مگر مجھ کو اس بات کے دیکھنے سے بڑی خوشی ہے کہ گو ہمارے ہندوستان کے مسلمان بھائی جہل مرکب میں مبتلا ہوں مگر اور ملکوں میں جو ہمارے مسلمان بھائی ہیں انھوں نے تربیت و شائستگی میں ترقی کرنی شروع کی ہے - مصر اور ٹرکی یعنی سلطانِ روم کی عمل داری کے مسلمان روز بروز شائستگی میں ترقی کرتے جاتے ہیں - نہایت خوشی کی بات ہے کہ ترکی کے مسلمانوں میں سے وہ تعصّب ، جس کی بنا حماقت اور جہالت پر ہوتی ہے اور جس کا اخیر نتیجہ مذلّت اور خواری ہوتا ہے ، روز بروز جاتا جاتا ہے - بلکہ کہنا چاہیے کہ معدوم ہوگیا ہے - میں نے اپنی آنکھوں سے خدیوِ مصر کو انگلستان میں دیکھا اور ایک ایسی قوم سے ، جن میں ایک زمانے میں باہم نفرت تھی ، دوستانہ طور سے ملتا اور جلسوں میں شریک ہوتا ہوا دیکھا - سلطانِ روم کو بھی اپنی ہمسایہ قوموں سے روز بروز محبت اور اتحاد اور دوستی بڑھتی جاتی ہے - چند روز ہوئے کہ ایک بہت بڑا ثبوت جہالت کے تعصّبات کے جاتے رہنے کا سلطانِ روم کے فرانس اور لندن میں آنے اور باہم دوستانہ ملاقاتیں کرنے اور کھانوں میں ایک میز پر شریک ہونے سے ہوا تھا ، اور اب دوسرا بہت بڑا ثبوت امپریس آف فرانس یعنی شہنشاہِ فرانس کی ملکہ اور شہنشاہِ آسٹریلیا کے روم میں جانے اور سلطان

کے ہاں مہمان ہونے سے ہوگا ۔ ان دنوں میں اس مہمان داری کی روم میں بڑی بڑی تیاریاں ہو رہی ہیں ۔ سلطان خود امپریس آف فرانس کے استقبال کو جائے گا اور سب شہنشاہ آپس میں ایک ہفتے تک برادرانہ محبت و ارتباط سے ملیں گے اور جلسوں میں اور کھانوں میں شریک ہوں گے اور پھر ساتھ سفر کریں گے اور سلطان اپنے مہمانوں کو اپنے ساتھ بیت المقدس کی زیارت کرانے لے جائے گا ۔ ابھی چند روز ہوئے کہ پرنس آف ویلز سلطان روم کے ہاں مہمان تھے اور تمام ترکی زبان حال سے اس طرح پر ترانہ سنج تھے :

اے آمدنت باعث آبادیٔ ما ذکر تو بود زمزمۂ شادیٔ ما

پس اس بات کے دیکھنے سے کہ آپس میں انسانوں کی روز بروز محبت بڑھتی جاتی ہے اور جہالت اور وحشیانہ پن کم ہوتا جاتا ہے ، جو اصلی منشا نیچر کا ہے ، کس قدر خوشی حاصل ہوتی ہے ۔

روم اور مصر دونوں میں روز بروز تعلیم کی ترقی ہے ۔ عورتیں بھی روز بروز بہت زیادہ پڑھی لکھی ہوتی جاتی ہیں ۔ مصر کی ایک مسلمان لڑکی کا میں نے ذکر سنا کہ سوائے عربی زبان کے ، جو اُس کی اصلی زبان ہے اور جس میں وہ نہایت فصاحت سے لکھتی پڑھتی ہے ، فرنچ زبان بھی نہایت خوب بولتی ہے ۔ اور لیٹن اس قدر جانتی ہے کہ جو مضمون یا شعر اس کے سامنے رکھا جائے اُس کو پڑھ لیتی ہے اور مضمون سمجھ لیتی ہے ۔ اُس کے بھائی نے فرانس میں تربیت پائی تھی ۔ جب وہ اپنے گھر گیا تو اُس کی بہن نے ، جس کو پڑھنے کا بہت شوق تھا اور اپنے کنبے کے بزرگوں سے اُس نے اپنی زبان عربی میں بہت کچھ پڑھا تھا ، اپنے بھائی سے فرنچ اور لیٹن سیکھ لی ۔

اب میں ایک نہایت دلچسپ مکان میں رہتا ہوں (یہاں کے مکانات اور ان کے موقعوں کا حال پھر لکھوں گا) ۔ چھ کمرے اُس مکان کے ہم سے متعلق ہیں ۔ چار تو بیڈ روم ہیں یعنی ہم چاروں کے لیے سونے کے چار کمرے ۔ حامد ، محمود اور مرزا خداداد بیگ کے سونے کے کمرے میرے سونے کے کمرے سے کسی قدر زیادہ اچھے ہیں اور اُن میں فرنیچر بھی کسی قدر زیادہ ہے ۔ اس لیے کہ وہ اُسی کمرے میں رات کو پڑھتے بھی ہیں اور کتاب بھی دیکھتے ہیں ۔ میرے کمرے میں صرف سونے کا سامان ہے ۔ مگر ایسا ہے کہ میں نے ہندوستان میں نہیں دیکھا تھا ۔ شاید کلکتے و بمبئی والوں نے دیکھا ہو ۔ ایک

کمرہ میرے لکھنے اور کتاب دیکھنے اور کتاب کے تصنیف کرنے کا ہے اور اسی کمرے میں ہم کھانا بھی کھاتے ہیں اور چائے بھی پیتے ہیں ۔ اور ایک بڑا کمرہ آراستہ ہے جو سٹنگ روم کہلاتا ہے ، یعنی ملاقات کا کمرہ ۔ اس میں کبھی ہم سب مل بیٹھتے ہیں اور دل خوش کرتے ہیں ۔ اور جب کوئی دوست ہم میں سے کسی سے ملاقات کو آتا ہے تو اُس کمرے میں ملاقات ہوتی ہے ۔

ہماری مہربان لینڈ لیڈی نے ہمارے کاموں کے انجام کے لیے دو نوکریں رکھی ہیں ۔ ایک کا نام این ۔ اسمتھ ہے اور دوسری کا ایلزبتھ ماتھیوز ۔ پچھلی نوعمر غریب لڑکی ہے جو متفرق کام کرتی ہے ۔ اور پہلی نہایت ہوشیار اور لائق پڑھی لکھی ، خوش خط با سلیقہ ہے ۔ کتابیں پڑھ سکتی ہے ، تمام ضروری مضمون لکھ سکتی ہے ۔ اخبار پڑھ سکتی ہے اور اُس سے خوشی حاصل کر سکتی ہے ۔ اپنے متعلق کام اس خوبی سے انجام دیتی ہے کہ جیسے کوئی کل یا گھڑی بلاتفاوت باقاعدہ اپنا کام کرتی ہے ۔

ہم اپنے سونے کے کمرے میں سے بعد فراغ تمام ذاتی کاموں کے پوری پوشاک پہن کر قریب ساڑھے آٹھ بجے کے اپنے لکھنے پڑھنے کے کمرے میں آتے ہیں ۔ اس عرصے میں این اسمتھ دونوں کمرے صاف کر رکھتی ہے اور ہر چیز کیا چوکی اور کیا میز اور کیا الماری اور کیا تصویریں اور کیا قلم دان اور کیا کتابیں ، غرض کہ تمام چیزیں جھاڑ پونچھ کر اور آراستہ کر کے اپنے اپنے موقع پر رکھ دیتی ہے ۔ آتش دان میں بقدر حالت سردی کے آگ جلا رکھتی ہے ۔ اگر کوئی چٹھی کسی کے نام کی آئی تو اُس نے ہر ایک کا نام پڑھ کر ہر ایک کی نشست کی چوکی کے آگے رکھ دی ۔ اگر کوئی اخبار ہوا تو اُس کو سب کے بیچ میں رکھ دیا کہ جس کا دل چاہے وہ لے کر پڑھے ۔ غرض کہ ہم کمرے میں آئے تو سب چیز کو آراستہ پایا ۔ قریب نو بجے کے وہ کمرے کے دروازے پر آئی اور دروازہ کھٹکھٹا کر اندر آنے کی اجازت چاہی ۔ جب معمولی الفاظ سے اجازت ملی تو وہ اندر آئی اور کھانے کی میز پر چادر بچھائی اور بریک فاسٹ کا سامان سب تیار کیا ۔ تمام گفتگو نہایت شستہ ، نہایت مؤدب اور باوجود مؤدب ہونے کے خوش خو ، اخلاق اور انسانیت سے بھری ہوئی ۔ ہر ایک سے ''سر'' کہہ کر بات کہنی ۔ حامد کو مسٹر حامد ، محمود کو مسٹر محمود اور مرزا خداداد بیگ کو مسٹر بیگ نہایت ادب آمیز طریقے سے کہنا ۔ اور جو کہ وہ جان گئی

ہے کہ مرزا خداداد بیگ کا یہ پورا نام نہیں ہے ، ایک آدھ دفعہ یہ بھی کہہ دیا ہے کہ ''سر پلیز پارڈن می یور فل نیم از ویری ڈفیکلٹ Sir, please pardon me, your full name is very difficult یعنی آپ مجھے معاف فرمائیں جو میں نے آپ کا پورا نام نہیں لیا ۔ آپ کا پورا نام نہایت مشکل ہے ۔

اب یہ بڑا تماشا ہوگیا ہے کہ ہم سب نے مرزا خداداد بیگ کا نام مسٹر بیگ رکھ دیا ہے ۔

غرض کہ اسی طرح تمام چیزیں وقت پر موجود اور تیار رکھتی ہے اور ڈنر اور سپر سب کا سامان اسی طرح خوبی و درستی سے انجام دیتی ہے ۔ آپ یقین جانیے کہ یہ عورت ، جو نہایت غریب آدمی اور اصیل گری کی نوکری کی محتاج ہے اور دن رات ہماری خدمت میں حاضر رہتی ہے ، اگر ہندوستان میں جائے اور اچھے سے اچھے امیر آدمیوں کی عورتوں سے ملے تو اُن کو محض جانور سمجھے اور نہایت حقارت سے اُن سے نفرت کرے ۔ یہ صرف نتیجہ عام تعلیم و تربیت کا ہے ۔

اُس نوعمر لڑکی ایلزبتھ ماتھیوز کو دیکھو کہ باوجود قلتِ تنخواہ کے ہمیشہ ہاف پینی والے اخبار ، جس کا نام ''ایکو'' ہے ، مول لیتی ہے اور جب کام سے فرصت ملی اُس کو پڑھتی ہے ۔ کبھی پنچ اخبار کا کوئی پرچہ لے کر اُس میں جو تصویریں عورتوں کی مسترز اور کسٹم پر ہوتی ہیں اُن کو دیکھتی ہے اور اُس کے ایڈیٹر کے کنائے اور اشارے کو پڑھتی ہے اور طبیعت خوش رکھتی ہے ۔

(یہاں) تمام سودے والوں کی دوکانوں کی پیشانیوں پر ان کے نام بڑے خوش خط ، سنہری اور رنگین حرفوں میں لکھے ہوئے ہیں ۔ یہ تمام نوکرہیں ہر ایک تحریر کو پڑھ لیتی ہیں اور تمام کام کر لاتی ہیں ۔

کیب مین اور کوچوان اپنی گدی کے نیچے کوئی اخبار یا کتاب دبائے رکھتے ہیں ۔ جہاں سواری پہنچائی اور کیب یا اور جو سواری ہو وہ کھڑی کی اور انھوں نے اخبار نکالا اور پڑھنا شروع کیا ۔ آپ خیال کر لیں کہ یہاں کیب مین کی ایسی حیثیت ہے جیسی کہ بنارس میں وہاں کے یکتے کرائے پر چلانے والوں کی حیثیت ہے ۔ پس جب تک کہ اس قدر ترقی عام تعلیم کی نہ ہو شائستگی اور تربیت کسی قوم میں آئی اور اُس قوم کی عزت ہونی ناممکن ہے ۔

اس تمام ترقی کا باعث انگلستان میں صرف یہ ہے کہ تمام چیزیں ، تمام

علوم ، تمام فن جو کچھ ہے اُسی قوم کی زبان میں ہے جو عموماً یا قریب عموماً کے بولی جاتی ہے ۔ گو ابھی انگلستان میں بعض مقاموں کی زبانیں ایسی گنواری ہیں جن پر انگریزی کا اطلاق کرنا مشکل ہے مگر انگریزی زبان انگلستان میں ایسی ہے جیسے ہندوستان میں ، علی الخصوص شمال و مغربی اضلاع اور صوبۂ بہار میں اُردو ، جس کو ہر کوئی سمجھ سکتا ہے ۔ پس جو لوگ حقیقت میں ہندوستان کی بھلائی اور ترقی چاہنے والے ہیں وہ یقین جان لیں کہ ہندوستان کی بھلائی صرف اسی پر منحصر ہے کہ تمام علوم اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ تک انھی کی زبان میں ان کو دے جائیں ۔ میری یہ رائے ہندوستان کے ہمالیہ پہاڑ کی چوٹی پر نہایت بڑے بڑے حرفوں میں آیندہ زمانے کی یادگاری کے لیے کھود دی جائے ۔ اگر تمام علوم ہندوستان کو اُسی کی زبان میں نہ دیے جائیں گے ، کبھی ہندوستان کو شائستگی و تربیت کا درجہ نصیب نہیں ہونے کا ۔ یہی سچ ہے ، یہی سچ ہے ، یہی سچ ہے ۔

اس معاملے میں گورنمنٹ کو نہایت مشکل ہے اور جب گورنمنٹ کی زبان ملکی زبان نہیں ہے تو لوگوں کو ورنیکلر پر متوجہ ہونے کا بہت کم حوصلہ ہوتا ہے کیونکہ اس وقت تک ہندوستان میں سوائے نوکری کے لالچ کے کوئی شخص علم کی قدر سے علم کو تحصیل نہیں کرتا ۔ مگر اے ہندوستان کی بھلائی چاہنے والو ! تم کسی سے توقع مت رکھو اور خود اپنے اپنے بھروسے اور آپس کے چندے سے اپنے ملک میں تمام علوم اعلیٰ درجے سے ادنیٰ درجے تک اپنی زبان میں پھیلاؤ ۔ پھر جب تم علوم سے واقف ہو جاؤ گے اور شائستگی و تربیت تک پہنچو گے تب تمھاری نگاہ میں گورنمنٹ کی نوکریوں کے لالچ کی کچھ بھی حقیقت نہیں معلوم ہوگی ۔ امید ہے کہ کسی نہ کسی دن ایسا ہی ہوگا ، ہوگا ، ہوگا ۔

مجھ کو اس بات کے دریافت ہونے سے کہ حضور نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر نے آپ کی سوسائٹی کی بڑی دست گیری کی ہے اور صاحب ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن بہادر اضلاع شمال مغرب نے بھی بہت بڑی اعانت اور پرورش فرمائی ہے ، نہایت خوشی ہوئی اور خدا کا بہت بہت شکر کیا ۔ مگر اے مائی ڈیئر راجا ![1] اپنی

۱- یعنی راجا جے کشن داس سیکریٹری سائنٹی فک سوسائٹی ۔

سوسائٹی اور اخبار کی آزادی کو ہرگز ہاتھ سے مت دینا۔ سر رشتۂ تعلیم کی بھلائی اور برائی پر تمام ہندوستان کی زندگی اور موت منحصر ہے۔ ہمیشہ نہایت غور کی مگر نہایت منصفانہ نگاہ سے اس کو دیکھتے رہنا۔ صرف سچائی اور عوام کی بھلائی کو اپنا دوست جاننا۔

مجھ کو سوسائٹی کے قرضے کا بہت رنج ہے۔ میں نے جو بنارس سے سوسائٹی کے لیے فوارے کا حوض تیار کرا کر بھیجا ہے اُس کا حساب میں نے آپ کو بھیج دیا تھا اور شاید کئی سو روپیہ میرا فاضل بذمہ سوسائٹی بابت لاگت حوض کے تھا۔ آپ نے جو حساب قرضہ سوسائٹی کا مرتّب کیا ہے اُس میں وہ رقم بھی داخل ہے یا نہیں ؟ اگر داخل ہو تو میں چاہتا ہوں کہ بقدر رقم مذکورہ میری طرف سے ڈونیشن سوسائٹی کے حساب میں جمع کیجیے اور اُس رقم کو قرضے کے ادا میں خرچ میں ڈال لیجیے۔ غرض کہ جس قدر میرا روپیہ بطور قرض بابت لاگت حوض سوسائٹی کے ذمے میں لینا ہے، اُس کا جمع خرچ برابر کر دیجیے۔ زیادہ نیاز، فقط[۱]

از مقام لندن، ۱۵ - اکتوبر ۱۸۶۹ع عاجز، آپ کا تابعدار، سید احمد

(۳)

(اخبار سائنٹی فک سوسائٹی علی گڑھ، ۱۳ جون ۱۸۷۳ع)

جناب راجا صاحب والا مناقب عالی مناصب جناب راجا جیکشن داس !

بعد ہزاراں نیازمندی کے دو ایک باتیں متعلق اخبار سوسائٹی آپ کی خدمتِ عالی میں عرض کرنی چاہتا ہوں۔ ان باتوں سے میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایڈیٹر

۱۔ مشتاق حسین صاحب مرحوم نے اپنے مجموعۂ ''مکاتیبِ سرسید احمد خاں'' میں صفحہ ۳۷ پر تحریر فرمایا ہے کہ ''سرسید کے قیامِ انگلستان کے زمانے میں راجا جے کشن داس، سائنٹی فک سوسائٹی کے سیکریٹری رہے۔'' یہ صحیح نہیں بلکہ راجا صاحب سرسید کے ولایت سے آنے کے بہت بعد تک سیکریٹری رہے۔ سرسید سنہ ۱۸۶۹ عیسوی میں واپس آ گئے مگر سرسید کے یہ خطوط راجا صاحب کے نام ۱۸۶۷ع سے ۱۸۷۳ع تک کے ہیں۔

اخبار کی آزادی میں کچھ دست اندازی کی جاوے بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ جس بات کا کوئی نتیجہ نہ ہو، حتی الوسع اس سے کنارہ کیا جاوے۔

پچھلے پرچہ اخبار میں میں نے دیکھا کہ اودھ اخبار اور سوسیٹی کے اخبار میں کچھ مباحثہ شروع ہوا ہے جس سے ظاہراً کوئی نفع معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ اخبار کے ایڈیٹر کا صرف یہ کام ہے کہ جس امر کی نسبت اس کی جو رائے یا جو خیال ہو اس کو حتی المقدور عمدگی اور خوبی سے ظاہر کر دے۔ اور اس کی رائے ظاہر ہونے کے بعد تین صورتیں پیش آتی ہیں (۱) کچھ لوگ اس سے اتفاق کرتے ہیں (۲) اور کچھ اختلاف (۳) اور بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ایڈیٹر کا مطلب اور خوبی کلام ہی کو نہیں سمجھتے بلکہ اس میں غلطی کرتے ہیں۔ مگر ان تینوں صورتوں میں ایڈیٹر کو رد و قدح کرنے اور بنیاد مباحثہ قائم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ صورت اول میں تو ظاہر ہے اور صورت دوم میں مباحثے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ صاحب الرائے کا فرض یہ ہے کہ جو عمدہ رائے اس کے نزدیک ہے اس کو ظاہر کرے اور اس کے اچھے یا برے ہونے کا تصفیہ لوگوں کی رائے پر چھوڑ دے۔ اس بات کی اس کو ضرورت یا ذمہ داری نہیں ہے کہ اس کی حمایت میں مباحثہ قائم کرے۔ اور ممکن ہے کہ جب وہ لوگوں کو غلطی پر دیکھے تو اپنی رائے کی تائید یا تشریح بھی کرے مگر اس طرح پر کہ گویا وہ تحریر فی نفسہ ایک مضمون مفصّل ہے، نہ مباحثہ اور رد و قدح جس میں شخص خاص مخاطب ہو۔ تیسری صورت میں رد و قدح کو تو جگہ ہی نہیں ہے، اور جن لوگوں نے مطلب کے سمجھنے میں غلطی کی ہے ان اشخاص خاص کو سمجھانا بھی ایڈیٹر کا فرض نہیں ہے۔

پس میری درخواست یہ ہے کہ اگر آپ کی رائے بھی میرے ساتھ متفق ہو تو طرز مباحثہ کا آپ اپنی سوسیٹی کے اخبار سے قطعاً موقوف کر دیجیے۔ ایڈیٹر صاحب کو بالکل آزادی رہے کہ جو مضمون اور رائے اور خیال چاہیں بے تکلف لکھیں اور جب دوسرے اخبار والے اس سے اختلاف کریں یا ان کے مطلب اور خوبی تحریر کے سمجھنے میں لوگ غلطی کریں تو اصول مذکورہ بالا

کے لحاظ سے کسی خاص شخص یا اخبار سے مباحثہ نہ فرمایا کریں ۔ آئندہ جو آپ کے نزدیک مناسب ہو[1] ۔ فقط والسلام

مقام بنارس ، ۹ جون ۱۸۷۳ء   راقم آثم ، آپ کا نیازمند ، سید احمد
ممبر سائنٹی فک سوسائٹی علی گڑھ

(۳)

(اخبار سائنٹی فک سوسائٹی علی گڑھ ، ۲۷ جون ۱۸۷۳ء)[2]

جناب راجا صاحب والا مناقب عالی مناصب راجا جیکشن داس !

بعد سلام نیاز کے عرض یہ ہے کہ چند روز سے میرا ارادہ یہ ہے کہ میں آپ کی خدمت میں چند باتیں ، جو انتظام سائنٹی فک سوسائٹی سے علاقہ رکھتی ہیں ، عرض کروں ۔

آپ کو اور تمام ممبروں کو معلوم ہے کہ یہ سوسائٹی اس مقصد سے قائم ہوئی تھی کہ انگریزی کتابوں کا اُردو کتابوں میں ترجمہ کرکے چھاپے اور اس کے اخراجات کے لیے ممبروں سے چندہ لے ، اور بعوض اس کے جو کتابیں چھاپے بلا قیمت ان کو دے ۔

چند سال تک یوں ہی کام چلا لیکن جوکہ علمی کتابوں کے ترجموں سے ممبروں کی دل بستگی بخوبی نہ تھی اور جو زمانہ کہ کتابوں کے ترجمے اور چھاپنے میں صرف ہوتا تھا وہ زمانہ ممبروں کے لیے نہایت ہی پھیکا ، بدمزہ ، سنسان زمانہ ہوتا تھا اس لیے ممبروں کی دلبستگی کے واسطے اخبار جاری ہوا اور وہ اخبار بھی بلا قیمت ان کو ملنے لگا ۔

اخبار کے جاری ہونے سے بلا شبہہ سوسائٹی کا بقا ہوا اور ممبروں کی بھی دلبستگی (ہوئی) مگر کتابوں کے ترجمے میں نقصان پڑ گیا ۔ جس کی وجہ سے کتابوں کے ترجمے میں ہرج پڑا ہے وہ مجھے بخوبی معلوم ہے اور ہر شخص جانتا

۱۔ سائنٹی فک سوسائٹی علی گڑھ کی طرف سے جو اخبار نکلا کرتا تھا ، سرسید کی یہ ہدایات اُسی کے متعلق ہیں ۔ یہ خط مکاتیب سرسید احمد خاں ، مرتّبہ مشتاق حسین مرحوم میں بھی چھپ چکا ہے ۔

۲۔ یہ خط مکاتیب سرسید ، مرتّبہ مشتاق حسین مرحوم میں بھی چھپ چکا ہے ۔

ہے کہ اس کی قوی دو وجہیں ہیں ؛ اول یہ کہ اخبار چھپتا ہے اور جو بلا قیمت ممبروں کو ملتا ہے اس میں ماہواری زر کثیر صرف ہوتا ہے اور اس سبب سے ترجمۂ کتب کے اخراجات میں کمی اور دقّت پڑتی ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ چندہ ممبروں سے باقاعدہ وصول نہیں ہوتا بلکہ زر کثیر قریب پچیس ہزار روپے کے ممبروں پر باقی ہے۔

اس مقام پر بلا مبالغہ میں آپ کے انتظام اور کارروائی کا دلی شکر کرتا ہوں جس کے سبب آج تک سوسائٹی برقرار ہے۔ اگر آپ ان کفایت شعاریوں کو اور ان تدبیروں کو، جن سے آپ نے آمدنی چھاپہ خانہ بڑھائی، عمل میں نہ لاتے تو ایسی حالت میں کہ ممبروں سے باقاعدہ روپیہ وصول نہیں ہوا بلکہ زر کثیر باقی ہے، ایک دن بھی سوسائٹی کا کام نہیں چلتا اور آج تک کبھی کی مسدود ہوگئی ہوتی۔ پس در حقیقت آپ نے سوسائٹی کو زندہ رکھا ہے۔

بہرحال کتابوں کے کم ترجمہ ہونے اور کم چھپنے کا سبب کوئی ہو مگر ان ممبروں کو، جو برابر باقاعدہ چندہ دیتے ہیں، سوسائٹی سے شکایت ہے، اور وہ شکایت یہ ہے کہ وہ چندہ تو پورا دیتے ہیں اور کتابیں بسبب کم چھپنے کے ان کو نہیں ملتیں۔ البتہ صرف اخبار ملتا ہے جس کی قیمت عام خریداروں سے اُنیس روپے آٹھ آنے معہ محصول لی جاتی ہے مگر ممبروں کو پچیس روپے آٹھ آنے سالانہ دینا پڑتا ہے۔ پس درحقیقت یہ نا انصافی ہے جس کی اصلاح ہونی ضروری ہے۔

میرے نزدیک مناسب یہ ہے کہ قانون سوسائٹی میں از سرِ نو اصلاح و ترمیم کی جاوے تاکہ کسی ممبر کو جائے شکایت باقی نہ رہے اور جن چیزوں کی میں ترمیم چاہتا ہوں وہ مفصّلہ ذیل ہیں:

۱۔ اول یہ کہ سوسائٹی کو جس میں بہت بڑا کتب خانہ اور عمدہ چھاپہ خانہ اور مکانات اور آلاتِ علمی کثیر المالیت موجود ہیں، اس کو بموجب ایکٹ ۲۱، ۱۸۶۰ء کے رجسٹری کرا دیجیے تاکہ آئندہ ان تمام چیزوں کی حفاظت لائق اطمینان کے ہو جاوے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ چندہ ممبری، جو چوبیس روپے سال لیا جاتا ہے، وہ گھٹاکر اٹھارہ روپے سالانہ کر دیا جاوے اور جو شخص اٹھارہ روپے سالانہ اور محصول اخبار دیوے وہ ممبر سوسائٹی کا متصوّر ہو اور اخبار بعوض اس چندے کے اس کو ملا کرے۔

۳- تیسرے یہ کہ ہرگاہ ممبروں سے چندہ بجز قیمت اخبار و محصول اخبار کے کچھ زیادہ نہ لیا جاوے گا تو ان کو بجز اخبار کے اور کسی کاغذ یا کتاب کا، جو سوسائٹی چھاپے گی، بلا قیمت ملنے کا کچھ استحقاق نہ ہوگا۔

۴- چوتھے یہ کہ سوسائٹی تا مقدور اپنے اور جہاں تک ممکن ہوگا وہ بدستور کتابوں کے ترجمہ کرنے اور چھاپنے میں کوشش کرے گی اور جو کتاب چھپ کر تیار ہوگی اس کا اشتہار معہ قیمت اخبار میں دیا جاوے گا اور جو ممبر یا شخص غیر اس کتاب کی قیمت دے گا اس کو وہ کتاب دی جاوے گی۔ اس صورت میں ممبر کتابوں کو خرید لیں گے۔ ان کے پاس وہ کتاب بھی ہو جاوے گی اور ان کو تخفیف بھی ہوگی کہ ہر سال جو چھ روپے چندہ زاید وہ دیتے ہیں وہ ان کو نہ دینا پڑے گا۔

۵- پانچویں یہ کہ چھاپہ خانے کی آمدنی کو کسی تدبیر سے اور زیادہ ترقی دی جاوے تاکہ اخراجات سوسائٹی، سوسائٹی کی آمدنی مستقل اس کے پاس ہو جاوے[1] اور جو نقصان کہ سوسائٹی کو تخفیف کردینے زرِ چندہ ممبری سے ہوگا وہ اضافۂ آمدنی چھاپہ خانہ اور قیمتِ کتب سے، جو ممبر و غیر ممبر خریدیں گے، پورا ہو جاوے گا۔

میں چاہتا ہوں کہ یکم جولائی ۱۸۷۳ع سے قاعدہ تخفیف چندہ کا جاری ہو اور کمیٹی اگر میری تدبیروں کو منظور کرے تو اپنی تجویز میں لکھ دے کہ قاعدۂ تخفیف چندہ یکم جولائی سے نافذ ہو تاکہ حساب میں کچھ دقّت پیش نہ آوے۔

میری آرزو ہے کہ اس نیاز نامے کو اخبار میں بجنسہ چھاپ دیں تاکہ تمام ممبران ان تجویزوں سے مطلع ہوں اور اگر کسی کو کچھ عذر ہو تو وہ اپنا عذر پیش کرے۔

بعد چند روز کے جب یہ خط چھپ لے تو آپ کمیٹی کا اجلاس منعقد کریں

۱- نقل مطابقِ اصل۔

اور میری ان تجویزوں کو کمیٹی میں پیش فرماویں اور جو کمیٹی فیصلہ کرے اس کے مطابق کام کیا جاوے -

اگر اجلاس کمیٹی کا ایسی تاریخوں میں ہو کہ میں وہاں آ سکوں تو میں بخوشی اجلاس میں شریک ہوں گا -

اُمید ہے کہ آپ میری جرأت کو، جو بنظر بہتری کاروبار سوسائٹی کے میں نے کی ہے، معاف فرماویں گے - زیادہ نیاز -

از مقام بنارس، ۲۰ ۱۸۶۳ع — آپ کا تابعدار، سید احمد

ممبر و لیف[۱] آنریری سیکرٹری سائنٹی فک سوسائٹی علی گڑھ

(۵)

(مولوی عنایت اللہ کے قلمی مجموعے سے لیا گیا)

جناب راجا صاحب مخدوم و مکرم!

اگر آپ کو تکلیف نہ ہو اور (آپ شملہ میں اپنی کوٹھی کے) کسی کمرے میں پندرہ بیس روز (کے لیے) عنایت اللہ[۲] کو رہنے کی اجازت (دے) دیں تو میں اور شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ (جو) عنایت اللہ کے باپ (ہیں) آپ کے شکرگزار ہوں گے - عنایت اللہ نہایت سعادت مند لڑکا ہے اور بہت سلیقے کا اور نہایت آدمیت و صفائی سے رہنے والا ہے - والسلام

علی گڑھ، ۱۷ مئی ۱۸۹۰ع — خاکسار، سید احمد

۱- 'لائف' کو سرسید نے اکثر جگہ 'لیف' لکھا ہے -

۲- مولوی عنایت اللہ دہلوی ناظم دارالترجمہ سرکار عالی حیدرآباد دکن نے علی گڑھ کالج میں تعلیم پائی تھی اور سرسید ان کو بہت ہی زیادہ عزیز رکھتے تھے اور ان کی صحت کا ان کو بہت زیادہ خیال رہتا تھا - علی گڑھ میں گرمی سخت پڑنے لگی تو سرسید نے عنایت اللہ کو چند دن کے لیے شملہ بھیجنا چاہا - سرسید کے نہایت گہرے دوست راجا جے کشن داس اس وقت شملہ میں تھے - شملہ میں عنایت اللہ کے قیام کے لیے سرسید نے راجا صاحب کو یہ سفارشی خط لکھا تھا - مولوی عنایت اللہ نے وہ تمام خطوط، جو

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

(۹)

(از رسالہ 'فکر و نظر' علی گڑھ ، حصہ انگریزی ، ص ۱۰۴)

جناب راجا صاحب والا مناقب عالی جناب سلامت !

بعد تسلیم عرض یہ ہے کہ آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ میں نے منشی محمد ذکاء اللہ صاحب سے سترہ کتابوں علم ریاضی کے ترجمہ کرنے اور نیز چھاپ دینے کا بندوبست کیا ہے اور ان سے یہ اقرار ہے کہ سائنٹی فک سوسائٹی علی گڑھ اور سائنٹی فک سوسائٹی صوبۂ بہار خود اور نیز بذریعہ فراہمی دیگر خریداران ڈھائی ڈھائی سو کتابیں ان کی خریدے گی ۔ چنانچہ سائنٹی فک سوسائٹی صوبہ بہار نے سو سو جلدیں خریدکر لیں اور نصف زر قیمت نقد بھیج دیا ۔ اور میں نے دیگر اطراف میں بھی کوشش کی اور نواب سر سالار جنگ کو لکھا ۔ انھوں نے بھی کچھ کتابیں خرید کیں اور مہاراجا پٹیالہ نے بھی وعدۂ خرید فرمایا ہے ۔ منشی ذکاء اللہ صاحب سے یہ بھی اقرار ہے کہ ٹائٹل پیج ہر نام سوسائٹی علی گڑھ و صوبۂ بہار چھاپا جاوے ، چنانچہ ایسا ہی ہوا ہے ۔ انصاف اور حق تو یہ تھا کہ سائنٹی فک سوسائٹی علی گڑھ بقدر تعداد ممبروں کے کتابیں خرید کرتی اور بلا قیمت ایک ایک کتاب ممبروں کو تقسیم کرتی ۔ مگر میں جانتا ہوں کہ روپیہ نہیں ہے اور ایسا نہیں ہو سکتا ۔ بہرحال کسی قدر کتابیں سائنٹی فک سوسائٹی علی گڑھ کو خرید کرنی لازم اور نہایت ضرور ہیں اور پھر اس کو اختیار ہے ، چاہے فروخت کر ڈالے ، چاہے اپنے ممبروں کو تقسیم کرے ۔ تجویز اس بات کی کہ کس قدر کتابیں سوسائٹی مقصد مذکورہ کے لیے خریدکرے ، آپ کی تجویز اور ہدایت پر منحصر ہے ۔ الاّ جس قدر کتابیں خرید ہوں گی اس کا روپیہ نقد دینا ہوگا ۔ اگر آپ کی رائے میں بغرض مذکورہ بالا خریدنا کتابوں کا بنظر حالات قرض داری

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

سرسید نے وقتاً فوقتاً انھیں لکھے، ایک جلد میں مجلّد کرکے بڑی حفاظت سے اپنے پاس رکھ چھوڑے تھے ۔ مولوی صاحب مجھ راقم الحروف پر بے حد مہربانی فرماتے تھے ۔ اپنے انتقال سے چند ماہ پہلے مولوی صاحب نے وہ تمام خطوط ڈیرہ دون سے ، جہاں وہ اس وقت مقیم تھے ، مجھے بھیج دیے تھے ۔ اُن ہی میں یہ خط بھی تھا جو میں آج ہدیۂ ناظرین کر رہا ہوں ۔

سوسائٹی مناسب نہ ہو تو بارہ بارہ جلد کا تو خریدنا واسطے دفتر و کتب خانۂ سوسائٹی کے نہایت واجبات سے ہے ۔ پس آپ مجھ کو اجازت فرماویں کہ میں بدرجۂ لاچاری بارہ بارہ کتابیں جلد بندی وغیرہ سے درست کرکے واسطے سوسائٹی کے خدمت عالی میں روانہ کروں ۔ ان کی قیمت اور لاگت ادا کرنے کا یہ بندوبست ہو سکتا ہے کہ آپ نقد روپیہ نہ دیجیے گا ۔ میرے ذمے جو سوسائٹی کا روپیہ دینا ہوگا اس میں مجرا کر لیجیے گا ۔ اس میں یہ آسانی ہوگی کہ سوسائٹی کے خزانے میں سے نقد روپیہ دینا نہ پڑے گا ۔ اُمید (ہے) کہ بہت جلد اس عریضے کے جواب سے مطلع فرمایا جاوے ۔ و تسلیم

از مقام بنارس ، ۱۹ اپریل ۱۸۷۱ء　　　آپ کا تابعدار ، سید احمد

(۷)

(از رسالہ 'فکر و نظر' حصہ انگریزی ، ص ۱۱۱)

جناب راجا صاحب والا مناقب عالی جناب سلامت !

بعد تسلیم عرض یہ ہے کہ جس قدر تنخواہ حافظ عبدالرزاق کی چڑھی ہوئی ہے اس میں سے ساٹھ روپیہ اور جس قدر تنخواہ حافظ عبدالرحمٰن کی چڑھی ہوئی ہے اس میں سے تیس روپیہ یکمشت وضع فرماکر پرچہ 'تہذیب الاخلاق' کی اُجرت چھاپہ خانے میں جمع فرما لیجیے ۔ پس حساب 'تہذیب الاخلاق' میں ۹۰ روپے جمع ہیں ۔ جمع کر لیے ہیں ۔ آپ بھی جمع فرما لیویں ۔ الٰہی بخش چپراسی سے پچاس روپے ہم آنے لینے ہیں ۔ اُس کی نصف تنخواہ برابر وضع فرماویں اور یہ روپیہ بھی 'تہذیب الاخلاق' کے حساب میں جمع ہووے ۔ والسلام

از بنارس ، ۲ دسمبر ۱۸۷۳ء　　　خاکسار ، سید احمد

(۸)

(از رسالہ 'فکر و نظر' علی گڑھ ، حصہ انگریزی ، ص ۱۱۵)

جناب راجا صاحب والا مناقب عالی جناب سلامت !

میں مرزا پور میں نالائق مقدمے کی تحقیقات میں مصروف ہوں ۔ جناب

سر ولیم میور صاحب کو دو نسخے میری کامنٹری کے مطلوب ہیں ۔ اس کے لیے چٹھی آئی ہے ۔ پس آپ بھیج دیجیے ۔ اس طریقے کی دو جلدیں جلد اول کی اور دو جلدیں جلد دوم کی فی‌الفور بمقام الہ آباد ان صاحب کے نام پر روانہ کر دیجیے جن کا نام و پتا ذیل میں بخط انگریزی مندرج ہے ۔ والسلام

از مرزا پور، ۲۴ اکتوبر ۱۸۷۲ع خاکسار، سید احمد

۳۱

بنام نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی

نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی ، سرسید کے تمام دوستوں میں سب سے زیادہ ذی علم بزرگ تھے - عربی زبان کے عالم اور فارسی کے فاضل تھے - انگریزی کی نہایت عمدہ لیاقت رکھتے تھے - لاطینی اور یونانی بھی جانتے تھے - عبرانی اور کالڈی سے بھی واقف تھے - اسلام کی حقانیت ، سچائی اور دین حق کے فضائل و محاسن کے متعلق انھوں نے متعدد قابل قدر کتابیں یادگار چھوڑی ہیں - سرسید کے رسالہ 'تہذیب الاخلاق' میں اُن کے عالمانہ اور محققانہ مضامین نہایت قدر اور عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے - آپ ریاست حیدر آباد دکن میں معتمد مالیات کے معزز عہدے پر مامور تھے جس کی وجہ سے سرسید کی کالج کے متعلق نہایت زبردست امداد کرتے رہتے تھے - ۱۸۴۵ع میں پیدا ہوئے اور ۱۵ جون ۱۸۹۵ع کو بمقام بمبئی انتقال کیا جہاں وہ علاج کے لیے گئے ہوئے تھے - ''تحقیق الجہاد'' اور ''اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام'' اُن کی نہایت مشہور کتابیں ہیں جو انھوں نے انگریزی میں لکھی تھیں - پہلی کتاب کا مولوی خواجہ غلام الحسنین نے اور دوسری کا مولوی عبدالحق نے اُردو میں ترجمہ کیا جو

چھپ کر شائع ہو چکی ہیں ۔ مجموعۂ رسائل چراغ علی بھی اُن کی محققانہ کتاب ہے ۔

(۱)

(منقول از ''اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام'' جلد دوم ، ص ۶۲)

جناب مولانا و مخدومنا !

میں نے آپ کی کتاب ''اعظم الکلام'' کو بخوبی دیکھا ۔ آپ کی تار برقی پہنچنے کے بعد کل فہرست کا اُردو میں ترجمہ بھی کروا لیا اور اُس کو کسی قدر وضاحت سے لکھنا شروع کیا ۔ مگر میری رائے میں اس (کتاب) کا اُردو میں چھپنا مناسب نہیں ہے ۔ (عام) لوگ اس کا مطلب اور مقصد سمجھنے کے (اہل) نہیں (اس لیے) اور اُلٹے اور مخالف معنی لگا دیں گے ۔ اور اس کے چھپنے اور شائع ہونے سے شاید حیدر آباد میں ایک مخالف اور عداوتی فیلنگ آپ کے ساتھ پیدا ہوگی ، جس کا پیدا ہونا میری رائے میں مناسب وقت نہیں ہے ۔ اس لیے میں نے فہرست کا چھاپنا اور درست کرنا موقوف کر دیا ہے[۱] ۔ علی گڑھ میں بھی (اس کتاب کے متعلق) بُری فیلنگ آپ کی نسبت پھیلی (ہوئی) ہے ۔ منشی اکبر حسین منصف[۲] کے پاس وہ (انگریزی) کتاب کہیں سے آئی ہے (جس پر) اُس کے بعض مضامین کا انھوں نے لوگوں سے ذکر کیا اور لوگ نہایت ناراض ہوئے ۔

۱- اس کتاب کے متعلق سرسید کے مشورے کو مولوی چراغ علی نے قبول کیا اور اس محققانہ کتاب کا ، جو انھوں نے نہایت قابلیت سے انگریزی میں لکھی تھی ، اُن کی زندگی میں ترجمہ نہیں ہوا ۔ مگر مولوی صاحب کے انتقال کے بعد مولوی عبدالحق (بابائے اُردو) نے اس کی دونوں جلدوں کا اُردو ترجمہ کیا جو اُس وقت چھپ گیا تھا مگر آج کل نایاب ہے ۔

۲- مشہور شاعر اکبر الہ آبادی سے مراد ہے جو اُس وقت علی گڑھ میں منصف تھے اور اُن دنوں سرسید اور اُن کے رفقا کے بڑے مخالفین میں سے تھے ۔ وہ مزاحیہ انداز میں سرسید کے خلاف منشی سجاد حسین کے اخبار 'اودھ پنچ' لکھنؤ میں مضامین اور نظمیں لکھا کرتے تھے ۔

حیدر آباد (دکن) میں یہاں سے زیادہ جہالت ہے اور بہت ناراضی پھیلنے کا اندیشہ ہے ۔ والسلام[1]

خاکسار ، سید احمد

(۲)

(نقل از خطوط سرسید ، مرتّبہ سر راس مسعود)

مخدومی و مکرمی نواب اعظم یار جنگ بہادر!

آپ کا عنایت نامہ اور چند اجزا جواب سوال پہنچے ۔ زائد از حد آپ کی عنایت کا شکر ادا کرتا ہوں[2] ۔ مجھے نہایت خوشی ہے کہ آپ کا جواب (خواہ) کتنا ہی بڑا ہو ، 'تہذیب الاخلاق' میں چھاپا جاوے گا ۔ آپ کے پاس پروف بھیجنا تو مشکل ہے مگر جہاں تک مجھ میں طاقت ہے ، میں اُس کی صحت میں کوشش کروں گا ۔ آپ نے جو صدر محاسبی سے تقاضا کر دیا کہ رقم ماہوار جلد جلد بھیج دیا کریں اُس کا بھی شکر کرتا ہوں ۔ اب حیدر آباد (دکن) میں سوائے آپ کے کوئی دوست نہیں ہے ، اس لیے آپ کو کالج کے امور کی نسبت زیادہ تر خیال رکھنا لازمی ہے ۔ (ایک) سو روپیہ ماہواری جو بڑے سالارجنگ مرحوم نے خاص اپنی جاگیر سے کالج کے لیے مقرر کیا تھا اور سند دوامی عنایت کی تھی ، اُس کو نواب . . . بہادر نے روک رکھا ہے ۔ نہایت افسوس کی بات ہے جو نواب . . . بہادر[3] نے ایسا کیا ۔ ہم نے بذریعہ گورنمنٹ انگریزی کوئی تحریک نہیں کی ہے ، اور معلوم نہیں کہ اس طرح پر تحریک کرنی مناسب ہے یا نہیں ۔

۱- یہ خط مولوی چراغ علی مرحوم کو سرسید نے ۱۸۸۲ء میں لکھا تھا ، مگر اس کی ٹھیک تاریخ معلوم نہیں ہو سکی ۔
۲- نقل مطابقِ اصل ۔
۳- خطوط سرسید ، مرتّبہ سر راس مسعود میں (جہاں سے یہ خط نقل کیا گیا ہے) اس جگہ نواب صاحب کا نام نہیں لکھا ، اس کی بجائے نقطے لگا دیے گئے ہیں ۔ سر راس مسعود نے نام کا ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھا ہوگا ۔

اس حصے کے لکھنے سے مقصد یہ ہے کہ آپ وہاں (موجود) ہیں اور کالج کے ہر ایک امر کا لحاظ اور خبر گیری کی صرف آپ کی ذات سے توقع کی جاتی ہے ۔ بقیہ اجزائے جواب بھی عنایت فرمائیے ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۱۲ جون ۱۸۹۳ع — خاکسار ، سید احمد

(۳)

(منقول از روزنامہ 'جنگ' کراچی ، مورخہ ے جولائی ۱۹۶۹ع ، ص ۲۰)

مخدومی مکرمی نواب اعظم یار جنگ بہادر !

خدا کا شکر ہے کہ مدرسۃ العلوم سٹرل ہال ، جو بہت بڑا اور عالی شان ہے ، دوستوں کی فیاضی سے طیار ہوگیا ہے ۔ اب اُس کی روشنی کے لیے شیشہ آلات کی فکر ہے جس کا تخمینہ' قیمت بارہ سو روپے ہے ۔ منجملہ اُن کی قیمت کے میں نے ایک سو روپیہ آپ سے لینا تجویز کیا ہے ۔ پس اب از راہِ مہربانی سو روپیہ چندہ مرحمت فرمائیں ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۲۳ اگست ۱۸۹۳ع — خاکسار ، سید احمد

۳۲

بنام سید حامد

(محفوظ در مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ)

سرسید کے دو صاحب زادے تھے۔ بڑے سید حامد اور چھوٹے سید محمود۔ سید حامد جن کے نام کے تین خط یہاں درج کیے جا رہے ہیں، ۲۱ جنوری ۱۸۴۹ع کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کے بعد یو۔پی میں سپرنٹنڈنٹ پولیس کے عہدے پر متعین ہوئے اور ۲۷ جنوری ۱۸۹۴ع کو دہلی میں اُن کا انتقال ہو گیا۔ قبر بارہ کھمبا کے علاقے میں تھی۔ نہ معلوم اب اُس کا کوئی نشان باقی ہے یا نہیں۔

سرسید کو اس بیٹے کے انتقال کا نہایت شدید صدمہ ہوا کیونکہ بیوی کی وفات کے بعد انھوں نے ان کو نہایت ہی شفقت، محبت اور محنت سے پالا تھا۔ تاہم بہت ہی صبر کے ساتھ انھوں نے اس عظیم صدمے کو برداشت کیا۔

سید حامد مرحوم کے نام صرف یہ تین خط اب تک دستیاب ہوئے ہیں جو سرسید کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں اور مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ میں محفوظ ہیں۔

(۱)

عزیز از جان حامد !

آج دہلی سے خط آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری طبیعت زیادہ علیل ہے ۔ (پس) فی‌الفور تم اپنا مفصّل حال لکھو کہ طبیعت کا کیا حال ہے ؟ اگر ضرورت ہے (اور) بیماری ہے (تو) رخصت لو ۔ ڈاکٹر کے سرٹیفکیٹ پر رخصت لو ۔ بہرحال مفصّل حال لکھو اور صحتِ طبیعت کا مفصّل حال لکھو ۔ والسلام

کلکتہ ، ۲۹ جنوری ۱۸۸۲ع　　　　　　خاکسار ، سید احمد

(۲)

عزیز از جان حامد !

تمہارا خط پہنچا ، خیریت سے دل خوش ہوا ۔ سید محمود کا آج ہی خط آیا ہے ، وہ بخیریت ہیں ۔ وہ یکم اکتوبر کو یا آٹھویں اکتوبر کو برنڈزی سے روانہ ہوں گے اور ۱۶ یا ۲۳ کو بمبئی پہنچیں گے ۔

اگر تمہارے نزدیک دہلی کے لوگوں کو کچھ ہرج و دقّت نہ ہو تو میں احمد الدین کو علی گڑھ میں کالج کے متعلق پچیس تیس روپے کی نوکری پر بلا لوں ۔ مگر یہ خیال ہے کہ اس کے چلے آنے کے بعد دلی میں گھروں میں کوئی شخص نہیں رہتا ۔ تمہاری کیا صلاح ہے ؟ بلانا مناسب ہے یا نہیں ؟ والسلام

علی گڑھ ، ۷ ستمبر ۱۸۸۳ع　　　　　　خاکسار ، سید احمد

(۳)

عزیز از جان حامد !

تھیلی کے لفافے کے ایک طرف کالج کا تمغہ اور ایک طرف فارسی خط میں نام بنایا جاوے ۔ لفافے کے عرض و طول میں زیادتی کا اختیار ہے ۔ لفافے کا سرا

آس طرف مڑے جس طرف کالج کا تغمہ ہے ۔ اور جو ٹکڑا مڑے اس پر بھی بیل بنادی جاوے ۔ اس ٹکڑے کے اوپر بھی بیل ہو اور نیچے بھی بیل ہو اور سرے کے ٹکڑے پر ایک کھنڑی سنہری کلابتون کی بنا دی جاوے ۔ مگر اس کا جلد طیار ہو جانا ضرور ہے ۔ احمد الدین کو سمجھا دو ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۱۹ جون ۱۸۹۳ع — سید احمد

۳۳

بنام سید حبیب‌اللہ

(خطوطِ سرسید ، مرتبہ راس مسعود)

عزیز سید حبیب اللہ اسکوائر !

تمہارا خط پہنچا ۔ اسپیچ کرنے پر تمہاری مستعدی معلوم ہونے سے نہایت خوشی ہوئی ۔ بعض مصلحتوں سے ہم نے تمہارے یہاں آنے کی (تاریخ) بھی ۱۳ فروری مقرر کی ہے ۔ تم کو مناسب ہوگا کہ بارھویں تاریخ کو یہاں آ جاؤ ۔ کچھ اور باتیں تم کو سمجھائی جاویں گی ۔ ۲۳ تاریخ ایک بجے مدرسے میں جلسہ ہوگا اور رات کو ڈنر ۔

آج میں نے تمہارے چچا صاحب کو خط لکھا ہے کہ وہ تاریخ مذکورہ کو پسند فرمائیں ۔ اُن کا جواب آنے پر ہم کارروائی شروع کریں گے ۔ اس درمیان میں تم کو مناسب ہے کہ ہائی کورٹ میں ان رول ہو جاؤ ۔ تم کو دو اسپیچیں کرنی ہوں گی ۔ ایک دن کے جلسے میں اور ایک رات کے ڈنر پر ۔ ان دونوں اسپیچوں کو تم لکھ لو اور خوب یاد کر لو ۔ اسی میں چندفقرے مناسبِ وقت بڑھا دینا ۔ طرزِ بیان و طریقہ کھڑے ہونے کا نہایت عمدہ ہونا چاہیے ۔ ایک مہینے کا عرصہ ہے ، اس میں تم بخوبی طیار ہو سکتے ہو ۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ایسی عمدہ اسپیچ ہو کہ کسی کو مقامِ گرفت نہ رہے ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۱۱ جنوری ۱۸۸۵ء — خاکسار ، سید احمد

۳۴

بنام خیراللہ خاں صاحب

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ، ۲۲ مئی ۱۹۰۷ء)

فروری ۱۸۸۷ء میں پہلی مرتبہ سرسید کی حیات میں علی گڑھ کالج میں ہڑتال ہوئی جس میں کالج کے تمام طلبا نے حصہ لیا۔ اس سٹرائیک کے سرغنوں میں سے ایک (مولوی) عزیز مرزا بھی تھے (جو بعد میں بہت مشہور شخص اور نامور ادیب ہوئے) ۔ یہ سٹرائیک سرسید کی شخصیت اور رعب کے باعث جلد ہی دب گئی اور طلبا نے معافی مانگ لی ۔ مگر عزیز مرزا کو معافی نہ ملی اور اُن کو ہمیشہ کے لیے کالج سے خارج کر دیا گیا ۔ سٹرائیک میں شامل ہونے والوں میں انٹرنس کے محمد یاقوت خاں بھی تھے ۔ اُن کے والد خیراللہ خاں نے سرسید کو لکھا کہ یاقوت خاں اپنے کیے پر نادم ہے ۔ آئندہ ایسی حرکت سے توبہ کرتا ہے اور معافی مانگتا ہے ۔ آپ اُسے معاف کر دیں اور کالج میں داخل کر لیں ۔ خیراللہ صاحب کا خط غالباً فارسی میں تھا اس لیے سرسید نے اس کا جواب فارسی ہی میں دیا اور یاقوت خاں کو معاف کر دیا ، جس پر باپ نے یاقوت خاں کو علی گڑھ بھیج دیا ، جہاں سے

اُنھوں نے بی - اے پاس کیا اور سرکاری نوکر ہوگئے -
۱۹۰۷ع میں وہ سہارن پور میں کورٹ انسپکٹر تھے -

سرسید کے اس فارسی خط کے لیے میں مولوی محمد حسین صاحب رضوی لائبریرین مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ کا ممنون ہوں جنھوں نے از راہِ نوازش میرے لیے اس خط کو 'علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ' میں سے نقل کروا کر مجھے بھجوایا - 'علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ' میں یہ خط مظفر نگر (یو - پی) کے ایک صاحب طفیل احمد نے شائع کرایا تھا اور خط کے ساتھ ایک مضمون بھی لکھا تھا ، جسے یہاں غیر ضروری سمجھ کر نقل نہیں کیا گیا - البتہ خط کا اُردو ترجمہ ساتھ دے دیا گیا ہے -

خان صاحب مکرم و مظہرِ عنایت و کرم خان خیراللہ خان زاد عنایتہ !

عنایت نامہ آں شفیق مکرم رسید و باعثِ ممنونی گشت - شکر عنایت آں مکرم کہ از عنایت نامہ مترشح بود ، ادا می نمایم - مدرسۃ العلوم علی گڑھ کہ بجہتِ تعلیم و تربیتِ مسلمانان بنا یافتہ ، اگر اطفالِ مسلمانان از آں فائدہ برداوند ، بلاشبہ باعثِ مسرتِ دلی است - یاقوت خان فرزند آں مکرم کہ امتحان انٹرنس پاس نمود ، مسرت بر مسرت افزود - خدا تعالی آں شفیق را مبارک کند - سعادت مندی و نیک رویگی و ادب و اطاعتِ بزرگان و خیر خواہانِ بر تعلیم ہم مقدم است - اگر یاقوت خان ارادۂ تعلیم زائد دارد و حصولِ ڈگری ہائے یونیورسٹی را خواہان است و دریں مدرسہ آمدہ تعلیم می خواہد ، من بسیار خورسندم و ہر قدر کہ ممکن است ، در تعلیم او کوشش خواہم کرد - مگر یاقوت خان را معلوم باید کرد کہ تعمیلِ احکام و قواعدِ مدرسہ برو واجب خواہد بود - و نیز او را طریقِ سعادت مندی و اطاعت و ادب و فرمانبرداری لازم و ضرور خواہد شد و از مشورت و صلاحِ اشرارے کہ خود را و دیگراں را خراب کردن می خواہند ، پرہیز باید کرد - باز دیگر چناں حماقت و نادانی نہ نماید کہ یک بار مرتکبِ آں شدہ - من بسیار خوش خواہم شد اگر یاقوت خان در مدرسہ حاضر شدہ بطریقِ سعادت مندی تعلیمِ خود جاری نماید - والسلام علیکم

علی گڑھ ، ۲۵ جولائی ۱۸۸۷ع خاکسار ، سید احمد

(ترجمہ خط ہذا)

خان صاحب مخدوم و مکرم مظہر عنایت و کرم خان خیراللہ خان زاد عنایتہ !

آپ کا خط پہنچا ۔ آپ کے والا نامے سے جس شکر گزاری کے جذبات کا اظہار ہوتا ہے اُس کا شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ علی گڑھ کا مدرسۃ العلوم مسلمانوں کی تعلیم اور تربیت کی غرض سے قائم کیا گیا ہے ۔ اگر مسلمان طلبا اس سے فائدہ اُٹھائیں تو بلاشبہ میری دلی مسرت کا باعث ہوگا ۔ آں محترم کا فرزند یاقوت خاں ، جو انٹرنس کے امتحان میں پاس ہوا ہے ، اس سے نہایت درجہ خوشی ہوئی ۔ اللہ تعالیٰ اُسے یہ کامیابی مبارک کرے ۔ سعادت مندی ، نیک روی ، بزرگوں کی اطاعت اور خیرخواہوں کا ادب تعلیم پر مقدّم ہے ۔ اگر یاقوت خاں آگے تعلیم جاری رکھنا چاہتا ہے اور یونیورسٹی کی ڈگریوں کا خواہش مند ہے اور کالج میں آکر تعلیم پانا چاہتا ہے تو میں بہت خوش ہوں گا اور جس قدر مجھ سے ہو سکے گا ، اُس کی تعلیم میں کوشش کروں گا ۔ مگر یاقوت خاں کو معلوم ہونا چاہیے کہ مدرسے کے قواعد اور احکام کی تعمیل اُس پر واجب ہوگی ۔ اُسے یہاں رہ کر سعادت مندی ، اطاعت ، ادب اور فرمانبرداری کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے اور فتنہ انگیز اور بد راہ طلبا سے ، جو اپنے آپ کو اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی خراب کرتے ہیں ، پرہیز کرنا چاہیے ۔ اور دوسری مرتبہ اُس سے ایسی حماقت اور نادانی سرزد نہ ہو جس کا ایک مرتبہ وہ مرتکب ہو چکا ہے ۔ میں نہایت خوش ہوں گا اگر یاقوت خاں کالج میں داخل ہو کر سعادت مندی کے ساتھ اپنی تعلیم کو جاری رکھے گا ۔ والسلام علیکم

علی گڑھ ، ۲۵ جولائی ۱۸۸۷ع — خاکسار ، سید احمد

۳۵

بنام 'دانشمند' ساکن موگا

۱۸۸۶ء میں اخبارات میں یہ سوال اُٹھا کہ "سرسید کے بعد کیا ہوگا ؟" ایک صاحب نے ، جن کا لقب "دانشمند" تھا ، سرسید سے بھی اس کے متعلق پوچھا ۔ سرسید نے جو جواب دیا وہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے ۔

[1] شفیق و مخدومِ من !

آپ کا عنایت نامہ اور چار آنے کے ٹکٹ (بابت) قیمت مثنوی "صبح اُمید" پہنچے ۔ جن الفاظ سے آپ نے مجھے یاد فرمایا اور مضامین میری نسبت لکھے ہیں ، ان کا شکریہ ہے ۔ نسبت تعلیم اطفال مسلمانانِ غریب کے آپ فرمائیے کہ کیا علاج کیا جائے ۔ اس وقت پچاس ہزار روپے سال کا خرچ کالج اور سکول کا ہے ۔ اگر عمدہ پروفیسر نہ ہوں تو کیا نتیجہ ہے ۔ سکونتِ طالب علمان کے

۱- یہ خط اخبار "سر مور گزٹ" ناہن ، جلد ۲ ، نمبر ۲۸ ، بابت ۳۱ جولائی ۱۸۸۹ء کے صفحہ ۹ سے نقل کیا جاتا ہے ۔ اس پرچے میں تو مکتوب الیہ کا نام "دانشمند" ہی لکھا ہے مگر 'سرمور گزٹ' کے دوسرے پرچے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ "دانشمند" ان صاحب کا خاندانی لقب تھا جو ان کے آبا و اجداد کو شاہانِ مغلیہ کے دربار سے ملا تھا ۔ ان کا اصلی نام محمد نیاز الدین خاں تھا اور وہ موگا ضلع فیروز پور کے رہنے والے تھے ۔

اخراجات میں جس قدر کفایت کی گئی ہے اس سے زیادہ ہونی ممکن نہیں ہے۔ ہماری قوم کی بدبختی ہے کہ وہ اس قدر مفلس ہے کہ اس قدر خرچ بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ اگر قوم کی ایسی حالت ہے تو قوم کو اپنے مفلس بچوں کی مدد کرنی چاہیے۔ خواہ ایسا فنڈ جمع ہو جس سے ان کے اخراجات چلیں، خواہ ہر ضلع سے دو تین طالب علموں کی پرورش کے لیے چندہ جمع ہو اور وہی لوگ اپنے ضلعے کے ہونہار لڑکوں کو منتخب کر کے تعلیم کے لیے بھیجیں۔ اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ مگر قوم کو اپنی قوم کا خیال مطلق نہیں ہے۔ پس جب تک وہ خیالؔ خدا انؐ کے دل میں نہ ڈالے؟ کچھ ہو نہیں سکتا۔ زمیندار صاحب، جو اپنے فرزند کی تعلیم کے لیے ہزار روپیہ دینا چاہتے ہیں، اگر پہلے سے معلوم ہوتا تو ساڑھے بارہ سو روپے کا ایک حصہ بنگلہ جدید کا اُن کو دیا جاتا اور دس روپے مہینہ اس کی آمدنی ہو جاتی۔ مگر اب وہ بنگلا تیار ہو گیا اور معلوم نہیں کہ کوئی حصہ دار اپنا حصہ منتقل کرنے پر راضی ہوگا یا نہیں۔ پس اب سرمایہ محفوظ رہے اور اس کی آمدنی سے خرچ تعلیم (پورا) ہو، (اس کی) بجز پرامیسری نوٹ کے اور کوئی صورت نہیں ہے۔ ایک طالب علم کے خرچ کو علاوہ لباس کے پانچ ہزار روپیہ چاہیے جس کے سود سے خرچ تعلیم (پورا) ہو اور زرِ اصل محفوظ رہے۔ جیسا کہ بعض لوگوں نے کیا ہے اور بعض اور صاحب کرنے والے ہیں۔

آپ کا یہ خیال کہ میرے بعد کیا ہوگا، بلاشبہ قابلِ غور ہے۔ مگر زمانہ ترقی کرتا جاتا ہے اور لوگوں کے خیالات تبدیل ہوتے جاتے ہیں اور قوم کو جو ضرورت ہے وہ بھی ظاہر ہوتی جاتی ہے۔ پس ممکن نہیں ہے کہ میرے بعد دوسرا قائم مقام نہ ہو۔ مولوی سمیع اللہ خاں صاحب کا ارادہ ہے کہ جس دن میں مروں گا (تو اُس وقت) غالباً وہ نوکری چھوڑ دیں گے اور مدرسے میں چلے آئیں گے۔ سید محمود کا ارادہ ان سے بھی زیادہ مستحکم معلوم ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنی خاص سکونت کے لیے اور اپنے خرچ سے مدرسۃ العلوم کے دروازے پر مکان بنانا تجویز کیا ہے۔ ان کا ارادہ ہے کہ وہ مدرسۃ العلوم میں ہی سکونت اختیار کریں گے اور قومی تعلیم پر متوجہ ہوں گے۔ ان کو ہائی کورٹ کے جج ہونے کی چنداں خوشی نہیں ہے۔ جب تک میں زندہ ہوں وہ سمجھتے ہیں کہ ابھی ضرورت نہیں ہے۔ مگر مدرسے میں رہنے کا سب سامان

درست کر لیں گے ۔ انھوں نے تجویز کیا ہے کہ مدرسے ہی میں سیکرٹریٹ کے دفتر کے لیے بھی مکان بنایا جائے تاکہ ان کو کام کرنے میں دوسری جگہ جانا نہ پڑے ۔ مجھے یقین ہے کہ جس دن میں مرا اسی دن وہ ہائی کورٹ کی ججی چھوڑ دیں گے ۔ یہ ان کے خیالات ہیں جن سے بہتری کی امید پائی جاتی ہے ۔ آپ کو شاید معلوم ہوگا کہ کالج کو ہمیشہ درست حالت میں رکھنے کے لیے دو چیزیں درکار ہیں ؛ اول مستقل آمدنی ، دوم فیلو سسٹم ۔ ہم کو دونوں باتوں کا از حد خیال ہے ۔ اگر خدا نے ان دونوں باتوں کو پورا کر دیا (تو) پھر کچھ اندیشہ نہیں ہے ۔ بہ ایں ہمہ ہم کو خدا کی ذات پر بھروسہ ہے کہ اگر اس کی مرضی ہے (تو) سب کچھ اچھا ہوگا ورنہ سب تدبیریں و خیالات ہیچ ہیں ۔ والسلام

خاکسار ، سید احمد ، ۲۲ جون ۱۸۸۹ع

اس خط کے ساتھ اُس مضمون کا مطالعہ بھی ناظرین کی دلچسپی کا موجب ہوگا جو سرسید نے مزاحیہ رنگ میں اس معاملے کے متعلق اُس وقت 'سرمور گزٹ' میں لکھا تھا ۔ یہ مضمون موجودہ زمانے کے ناظرین کے لیے بالکل نیا ہے کیونکہ ''مقالات سرسید'' کے کسی حصے میں شائع نہیں ہوا ۔ چونکہ یہ مضمون اسی خط کے متعلق ہے اور اسی سلسلے میں ہے اس لیے 'سرمور گزٹ' مورخہ ۸ جولائی ۱۸۸۹ع سے لے کر یہاں درج کیا جاتا ہے ۔ سرسید کی نایاب تحریروں کے شائقین اسے ایک علمی تحفہ پائیں گے ۔ اس مضمون کا عنوان سرسید نے ''ایک دلچسپ دور اندیشی'' رکھا تھا ۔ مجھے 'سرمور گزٹ' کا یہ فائل محترمی عنایت اللہ صاحب (گجرات) کی عنایت سے ملا ہے اور میں اس کے لیے اُن کا بے حد شکر گزار ہوں ۔ جزاک اللہ خیر الجزا ۔

ہم نے سنا ہے کہ ہمارے چند دوست ایک جگہ جمع تھے اور قومی ہمدردی کے سبب سے اس بات پر غور کرتے تھے کہ سرسید کے بعد مدرسۃ العلوم کا کیا حال ہوگا ؟ (اس پر) ایک دوست نے کہا کہ کچھ اندیشے کی بات نہیں ہے ۔ تعلیم کی ضرورت پر اب ہر ایک شخص کو یقین ہو گیا ہے اور مدرسۃ العلوم

اب تیار ہوگیا ہے۔ بنی بنائی چیز کا ہاتھ میں لینا ہر ایک شخص پسند کرے گا۔ (کالج کی) آمدنی بھی اس قدر ہے کہ موجودہ حالت قائم رہ سکتی ہے۔ اور سرسید احمد خاں کے مرنے سے اُس میں کچھ نقصان نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بظاہر وہ آمدنی مستقل ہے۔

دوسرے دوست نے فرمایا کہ ہاں سچ ہے۔ کچھ شک نہیں ہے کہ سید احمد خاں کے بعد، یعنی اُن کے مر جانے پر، بورڈنگ ہوس میں اس قدر اخراجات نہیں ہوں گے اور طالب علم زیادہ آئیں گے۔ کالج و سکول میں بھی سید احمد خاں نے بہت زیادہ خرچ بڑھا رکھا ہے۔ (اس لیے سرسید کے مرنے کے بعد) کم تنخواہ کے لوگ مقرر ہو کر بہت تخفیف سے کام چل سکے گا۔ اور (پھر یہ بھی ہے کہ) اُن کے مر جانے پر جو اور چند رکاوٹیں ہیں وہ بھی جاتی رہیں گی۔

میں اپنے دوستوں کا نہایت شکرگزار ہوا کہ اُن کو مدرسۃ العلوم کی اس قدر فکر ہے اور اُس کے لیے دور اندیشیاں، جو میری عین تمنا ہے، فرماتے ہیں۔ اگر مجھ کو یقین ہو جائے کہ میری زندگی مدرسۃ العلوم کی ترقی کے لیے ایک رکاوٹ ہے تو میں خودکشی کے لیے تیار ہوں، تاکہ ہمارے دوستوں کو مدرسۃ العلوم کی ترقی کے لیے انتظار نہ کھینچنا پڑے۔

مگر افسوس ہے کہ ہمارے دوستوں کے اب تک وہی ٹکیل پرانے خیالات ہیں۔ وہ بورڈنگ ہوس کو ایسے ہی لوگوں سے بھرنا چاہتے ہیں جو مسجدوں میں مُردوں کی فاتحوں کی روٹیاں کھانے پر بسر اوقات کرتے ہیں۔

افسوس! کہ اُن کو تعلیم کی ابھی قدر نہیں ہوئی۔ تھوڑی تنخواہ کے ٹیچر اور پروفیسر کیا تعلیم دے سکتے ہیں؟ اُنھوں نے کبھی چار روپوں سے زیادہ تنخواہ کا میاں جی دیکھا ہی نہیں۔ بلاشبہ ایک میاں جی کو پان سو اور سات سو روپے ملنا اُن کو متعجب کرتا ہوگا۔ اگر ہمارے بعد مدرسۃ العلوم کا یہی حال ہونا ہے جس کی دور اندیشی ہمارے دوست کرتے ہیں تو ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ قبل اس کے کہ مدرسۃ العلوم کا یہ حال ہو، ایک شدید بھونچال آئے اور ہمارا پیارا مدرسۃ العلوم زمین میں دھس جائے! آمین۔ اب ہم اپنے دوستوں سے التجا کرتے ہیں کہ (وہ) ہم کو کوئی ایسی تدبیر بتائیں کہ ہمارے مرنے کے بعد مدرسۃ العلوم کا ایسا حال نہ ہونے پائے۔

راقم، سید احمد

۳۶

بنام بابو درگا پرشاد

(۱)

(از رسالہ 'فکر و نظر' علی‌گڑھ ، حصہ انگریزی ، ص ۱۲۹)

مشفقی بابو درگا پرشاد صاحب !

مجھ کو انڈین سیک سیشن ایکٹ یعنی (قانون وراثت ہند) اُردو کا درکار ہے - اُردو گورنمنٹ گزٹوں میں سے جو سوسائٹی میں تھے ، قانون علیحدہ کر کے اُن کی جلدیں بندھوا لی تھیں - وہ جلدیں میرے ساتھ کالکتے گئی تھیں اور اب میں اُن کو مکان پر چھوڑ آیا ہوں - آپ میری کوٹھی پر جائیے اور ذوالفقار خاں سے پوچھیے کہ وہ جلدیں کہاں ہیں - اور جس جلد میں کہ قانون مذکورہ ملے ، اُس کی جلد توڑ کر قانون مذکور اس میں سے نکال کر میرے پاس بہت جلد روانہ کر دیجیے - اور اگر ان جلدوں میں نہ ملے تو آپ سوسائٹی میں جو گزٹ ہیں اُن میں تلاش کیجیے - اور اگر اُن میں بھی نہ ملے تو مولوی خواجہ محمد یوسف سے کہیے کہ کہیں سے اُس کو بہم پہنچا کر میرے پاس روانہ کر دیں - علاوہ اس کے پرانے قانونوں کی کتابیں فارسی یا اُردو ، دفتر ضلع میں ہوں گی - اُن میں سے خواہ اُردو خواہ فارسی قانون ۵ سنہ ۱۸۲۸ع اور قانون ۱۵ سنہ ۱۸۹۵ع کی نقل کنہیا لال سے لکھوا کر بہت جلد میرے پاس بھیج دیجیے - والسلام

شملہ ، ۱۰ جون ۱۸۶۹ع — خاکسار ، سید احمد

(۲)

(از رسالہ 'فکر و نظر' ، حصہ انگریزی ، ص ۱۳۰)

مشفقی بابو درگا پرشاد صاحب !

آپ نے قانونِ وراثتِ ہند ۱۸۶۵ع کے بھیجنے کی تدبیر کی ہوگی - مجھے خوب یاد ہے کہ وہ اُن جلدوں میں موجود ہے جن کا نشان میں نے کل کے خط میں لکھا ہے -

مگر علاوہ اس کے اُردو ایکٹ ۱۳ ، ۱۸۷۵ع بھی انھی جلدوں میں سے یا اُردوگورنمنٹ گزٹ سے تلاش کر کے بھیج دیجیے - اُن کی نہایت ضرورت ہے ، اور بہت جلد بھیجنی چاہییں - والسلام

شملہ ، ۱۲ جون ۱۸۷۹ع　　　　خاکسار ، سید احمد

(۳)

(از رسالہ 'فکر و نظر' علی گڑھ ، حصہ انگریزی ، ص ۱۴۰)

مشفقی بابو درگا پرشاد صاحب !

جن قانونوں کی طلب میں میں نے خط لکھے ہیں ان کی نہایت ضرورت ہے - بغیر ان کے بہت حرج ہے - اُمید ہے کہ آپ نے روانہ فرمائے ہوں گے -

علاوہ ان کے اُردو ایکٹ ۲۷ ، ۱۸۶۰ع کی بھی ضرورت ہے - وہ بھی اُردو گورنمنٹ گزٹ میں سے نکال کر روانہ کرو - والسلام

شملہ ، ۱۷ جون ۱۸۷۹ع　　　　خاکسار ، سید احمد

(۴)

(از رسالہ 'فکر و نظر' علی گڑھ ، حصہ انگریزی ، ص ۱۳۳)

مشفقی بابو درگا پرشاد صاحب !

جو بل حال ہیں سر جان سٹریچی نے نسبت لیسنس[1] ٹیکس کے پیش کیا ہے ، اس کا ترجمہ اُردو 'گورنمنٹ گزٹ' الہ آباد میں چھپا ہوگا ۔ وہ گزٹ جلد بھیج دو ۔ مجھے اُمید ہے کہ میں آپ سے کہہ آیا ہوں ۔ ایک اُردو گورنمنٹ گزٹ برابر آپ میرے پاس روانہ کرتے رہیں گے ۔ علاوہ اس کے میں چاہتا ہوں کہ حال کا لیسنس ٹیکس بل ، جو کونسل میں پیش ہوا ، اُس سے مقابل کا لیسنس ایکٹ ترمیم ہوگا ۔ وہ لیسنس ایکٹ بھی اردو گورنمنٹ گزٹ میں سے نکال کر بھیج دو ۔ اور اگر مولوی خواجہ محمد یوسف صاحب کے پاس علحدہ چھپا ہوا ہو تو اُن سے لے کر بھیج دو ۔ تفسیر وغیرہ کے پروف اب تک میرے پاس نہیں آئے ۔ والسلام

کلکتہ ، ۸ دسمبر ۱۸۷۹ع　　　　خاکسار ، سید احمد

(۵)

(از رسالہ 'فکر و نظر' ، حصہ انگریزی ، ص ۱۳۴)

کلکتہ ، وکٹوریہ ٹرمینس نمبر ۱۰

۱۵ دسمبر ۱۸۷۹ع

بابو درگا پرشاد صاحب !

ان غفلتوں سے تمام چھاپہ خانہ برباد ہو جائے گا اور کبھی کام نہیں چلے گا ۔ افسوس ہے کہ آپ ذرا خیال نہیں کرتے ہیں ۔ آج میرے پاس تفسیر کی کاپیاں صفحہ ۱۸۱ سے آئی ہیں ۔ لیکن اُس کے ماقبل کے صفحے جو چھپ گئے ہوں گے ، ان کے ساتھ نہیں آئے ۔ اب میں اپنا سر پھوڑوں اور کس طرح ان کا مقابلہ کروں ، اور جو عبارت کہ آئی ہے اس کو ماقبل کے صفحے سے کیونکر ملا کر دیکھوں کہ صحیح ہے یا غلط ۔

۱۔ لائسنس ۔

میرے پاس ۱۶۸ تک مطبوعہ صفحے آ چکے ہیں ۔ اس کے بعد کے یعنی ۱۶۹ سے لغایت ۱۸۰ آنے چاہییں ۔ جب وہ آ جائیں تو مرسلہ پروفوں کا مقابلہ ہو سکے گا ۔ میں نے نہایت تاکید کی ہے کہ جب پروف آئیں تو اس کے ماقبل کا چھپا ہوا فرما اس کے ساتھ آئے ۔ آیندہ سے آپ خود فکر کر کے ذرا احتیاط کے ساتھ پروف وغیرہ روانہ کیجیے ۔ اور جس شخص نے کہ یہ پروف تفسیر کا ، بغیر پہنچنے پہلے فرمے کے روانہ کیا ہے ، اس کی تنخواہ میں سے چھ روز کی تنخواہ کاٹ لیجیے ۔ کیونکہ اس کے نہ بھیجنے سے اس قدر ایام کا حرج بے فائدہ ہوا ہے ۔

جناب ! اب تو میں نے بمشکل صحت کر کر بھیج دیا ہے ۔ آیندہ سے آپ از راہ مہربانی بخوبی دیکھ لیا کیجیے کہ جو پروف روانہ ہو اس کے ماقبل کے چھپے ہوئے صفحے روانہ ہو چکے ہیں یا نہیں ۔ علاوہ اس کے آیتوں کی گیلیاں جلد آنی چاہییں ، جیسا کہ میں سمجھا آیا ہوں ، تاکہ آیندہ کے لیے مسودہ بھیجوں ۔

فقط والسلام

خاکسار ، سید احمد — ۱۵ دسمبر ۱۸۷۹ع

۳۷

بنام مولوی ذکاء اللہ

خان بہادر شمس العلما مولانا ذکاء اللہ دہلوی ، سرسید کے نہایت عزیز اور قلبی دوستوں میں سے تھے - اور جب تک سرسید زندہ رہے وہ برابر ان کے کاموں میں اُن کی امداد و اعانت کرتے رہے - مولوی صاحب قدیم دہلی کالج کے ممتاز طلبا میں سے تھے - جب پڑھ کر فارغ ہوئے تو اسی کالج میں ریاضی کے پروفیسر مقرر ہو گئے - زاں بعد آگرہ کالج میں چلے گئے - آخر میں سنٹرل میو کالج الہ آباد کی پروفیسری کے لیے آپ کا انتخاب ہوا جہاں لگا تار پندرہ سال تک آپ نے طلبا کو فارسی کا درس دیا - پنشن کے بعد اطمینان سے دہلی آکر تصنیف و تالیف میں مشغول ہوگئے - آپ نے مختلف موضوعات پر ملک کے وقیع جرائد و رسائل میں ہزاروں مضامین لکھے جو اگر جمع کیے جائے تو کئی جلدوں میں سماتے - علاوہ اس کے بکثرت کتابیں تالیف اور تصنیف کیں جن میں بیشتر ریاضی سے متعلق تھیں جو مولانا کا خاص مضمون تھا - یہ کتابیں نہایت کثرت کے ساتھ سکولوں اور کالجوں کے طلبا میں رائج رہیں اور بار بار چھپتی رہیں - تاریخ پر بھی مولانا نے بہت کام کیا - چنانچہ ہندوستان کی نہایت مبسوط

اور مفصّل تاریخ (ہندوؤں ، مسلمانوں اور انگریزوں کے زمانے کی) سولہ ضخیم جلدوں میں بڑی محنت سے مرتّب کی ۔ غرض مولانا بلا مبالغہ پوری ایک لائبریری لکھ گئے ۔ مگر افسوس آج ان کی ایک کتاب بھی بازار میں نہیں ملتی ۔ تاہم مجلس ترقی ادب لاہور نے ان کی دو کتابیں ''مکارم الاخلاق'' اور ''محاسن الاخلاق'' حال ہی میں شائع کر دی ہیں ۔ مولوی صاحب ۱۸۳۰ع میں پیدا ہوئے اور ۷ نومبر ۱۹۱۰ع کو وفات پائی ۔

سرسید نے جس قدر خط مولوی عنایت اللہ دہلوی اور ان کے والد خان بہادر شمس العلما مولوی ذکاء اللہ کے نام لکھے تھے وہ مولوی عنایت اللہ نے ایک جلد میں مجلّد کرا لیے تھے اور اپنے انتقال سے چند دن پہلے مجھے پانی پت بھیج دیے تھے ۔ یہ خطوط اُسی مجموعے میں سے نقل کیے گئے ہیں ۔ جب سر راس مسعود نے اپنے دادا کے خطوط جمع کر کے چھاپنے چاہے تو مولوی عنایت اللہ نے ان خطوط کی نقول ان کو بھی بھیج دی تھیں جو ۱۹۲۴ع میں شائع ہوئے ۔

(۱)

مخدومی مکرمی شمس العلما خان بہادر !

اسی قدر القاب لکھنے پایا تھا کہ ڈاک آئی اور آپ کا نوٹ انگریزی رپورٹ سال تمام پر لکھا ملا ۔ خدا کا شکر کیا ۔ بہت دعائیں دیں کہ تم کو اور تمھارے بیٹے کو خدا زندہ و سلامت رکھے ۔

تم سے میں اس لیے ناراض ہوا کہ باوجود اس قدر بیماری کے ، جو دہلی میں ہوئی ، آپ نے اور آپ کی خدا رسیدہ بیوی صاحبہ نے عنایت اللہ کو دہلی میں رہنے دیا ۔ متعدد مرتبہ میں نے ارادہ کیا کہ آپ کو لکھوں کہ عنایت اللہ کو دہلی سے بھیج دو ۔ پھر معلوم نہیں کہ کیا کیا اوہام اور خیالات نے گھیرا کہ خط لکھا لکھایا چاک کر دیا اور دل کو اس بات سے تقویت دی کہ خدا پر توکل کرو ۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ خیر و عافیت سے بہت سخت زمانہ گزر

گیا ۔ مجھ کو تو دن رات تردد رہتا تھا ۔ اب بھی گرمی بڑی شدت کی ہے ۔ خدا سب کی خیر و عافیت رکھے ۔

میں نے حکیم عبدالمجید خاں صاحب سے اقرار کیا تھا کہ مدرسۂ طبیہ کی سالانہ رپورٹ میں لکھ دوں گا ۔ انھوں نے مجھ کو بلایا کہ رپورٹ لکھ جاؤ ۔ میں نے لکھا کہ دہلی میں بیٹھ کر نہیں لکھی جا سکتی ۔ آپ سب کاغذات اور اپنے بھائی صاحب کو علی گڑھ بھیج دیجیے ۔ چنانچہ وہ دو دن کے لیے بروز پنج شنبہ علی گڑھ آویں گے ۔ اگر آپ بھی اُن کے ساتھ دو دن کے لیے تشریف لے آویں تو بہتر ہوگا ۔ عنایت اللہ کو شملہ یا نینی تال بھیج دو تو بہتر ہے ۔ نینی تال میں اُس کے لیے میں بندوبست کر دوں گا ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۱۶ مئی ۱۸۹۲ء خاکسار ، سید احمد

(۲)

مخدومی و مکرمی جناب شمس العلماء خان بہادر !

عنایت نامہ پہنچا ۔ عزیزی عنایت اللہ کی طبیعت کے بہتر ہونے کا جو حال آپ نے لکھا ہے ، اُس سے خوشی ہوئی ۔ خدا اُس کو صحتِ کامل اور مستقل عنایت کرے ۔ میں آپ سے بیان نہیں کر سکتا کہ عنایت اللہ کی علالتِ مزاج سے مجھ کو کس قدر رنج ہے ۔

سید محمود کو ، جیسا کہ اُن کا مزاج ہے ، ہائی کورٹ کی ججی کی کچھ بھی پروا نہیں ہے ۔ وہ استعفا دینے کو جوتی اُتارنے کے برابر سمجھتے ہیں ۔ جو تحریرات بابت تنازعہ چیف جسٹس انھوں نے لکھی ہیں وہ نہایت سخت ہیں ۔ اور چیف جسٹس کی نسبت الزام لکھنے اور ان کی خصلتوں کے بیان کرنے میں کچھ فروگذاشت نہیں کی ۔

ابھی ان تمام تحریرات کی نسبت گورنمنٹ سے کچھ فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ انھوں نے استعفا بھیج دیا ہے ۔ بعد اس قدر ناچاق اور تحریراتِ مخالف کے پھر یک جائی اور بشرکت کام ہونا ناممکن تھا لہٰذا ان کے دل میں سما گیا ہے کہ مجھے نوکری کرنی ہی منظور نہیں ہے ۔ اس کا کیا علاج ہے ۔ بہرحال خدا کو جو بہتر معلوم ہوگا وہ ہوگا ۔

دو رم کاغذ کے جو مدرسے کے کام کے لیے آپ سے منگائے تھے ، اس کی قیمت (کے طور پر) ۱۱ روپے ۸ آنے بذریعہ منی آرڈر مرسل خدمت ہیں ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۲۶ ستمبر ۱۸۹۳ء — خاکسار ، سید احمد

(۳)

مخدومی مکرمی جناب شمس العلماء خان بہادر !

تہذیب (الاخلاق) کا کاغذ ہو چکا ہے ۔ میں ایک تختہ سفید کاغذ کا (اور) ایک تختہ زرد کاغذ کا بطور نمونے کے بھیجتا ہوں ۔ جیسا کہ سفید تختہ ہے اس کے ساتھ کے بیس رم اور جیسا زرد تختہ ہے اس کے ساتھ کے چار رم روانہ فرمائیں ۔

۳۱ جولائی کے اجلاس ٹرسٹیان میں آپ کا تشریف لا کر شریک ہونا ضرور ہے ۔ اب کے 'تہذیب الاخلاق' میں عزیزی عنایت اللہ کا ایک مضمون انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کیا ہوا چھپا ہے ۔ آپ انصاف سے اس کو پڑھیے گا ۔ آپ کی تمام عمر ترجمہ کرنے میں گزر گئی ۔ آپ بھی ایسا عمدہ ترجمہ کر سکتے ہیں ؟ اگر کسی ایسے مطوّل اور مشکل مضمون کا اُردو میں ایسا ترجمہ کر دو تو جو کچھ کہو آپ کی نذر کر دوں ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۲۹ جولائی ۱۸۹۵ء — خاکسار ، سید احمد

(۴)

جناب والا شمس العلماء خان بہادر !

واہ جناب واہ ! آپ نے خواجہ وجیہ الدین سے فرمایا کہ گیارہ بجے کا وقت ، جو بجٹ میٹنگ کے لیے مقرر کیا ہے ، اچھا نہیں ہے ۔ اگر ایک بجے کا وقت ہوتا تو اچھا تھا ۔ مطلب آپ کا یہ تھا کہ آپ نو بجے دلی سے چلتے اور اجلاس میں شریک ہو کر اسی دن واپس چلے جاتے ۔ یہی آپ کا انصاف ہے ؟ آپ سے ملاقات نہیں ہوتی ۔ برس میں دو اجلاس ہوتے ہیں جس میں آپ سے ملاقات ہونے کی توقع ہوتی ہے ۔ اگر برس میں دو دن بھی آپ ملاقات پسند نہیں کرتے تو مجھ کو اپنی بدقسمتی پر افسوس ہے ۔ آپ ضرور تاریخ اجلاس سے

ایک روز پہلے تشریف لائیے گا ۔ دوسرے دن اجلاس میں شریک ہو کر تشریف لے جائیے گا ۔ ایک دن قبل اجلاس کے بورڈ آف مینیجمنٹ کا اجلاس ہوگا اور غالباً سید محمود بھی اُس جلاس میں اور ٹرسٹیوں کے اجلاس میں شریک ہوں گے ۔ ان سے بھی ملاقات ہو جاوے گی ۔ پس آپ ضرور ایک روز قبل اجلاس کے تشریف لائیں ۔ معلوم نہیں کہ عزیزی عنایت اللہ مہوبا سے واپس آئے یا نہیں ؟ والسلام

علی گڑھ ، ۵ جولائی ۱۸۹۶ع خاکسار ، سید احمد

(۵)

مخدومی مکرمی شمس العلماء خان بہادر !

فرد ملفوفہ بابت حساب کاغذی مرسل خدمت ہے ۔ اس کے ملاحظے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ کاغذی کے صرف ایک سو دو روپے دس آنے ہم کو دینے باقی ہیں ۔

عزیزی محمد عنایت اللہ بی ۔ اے کو بعد سلام واضح ہو کہ پہلا باب ترجمے کا صاف کر کے اور آیتوں پر زبر و زیر لگا کر چھپنے کو روانہ کر دیا ہے اور دوسرا باب اس لیے واپس منگایا ہے کہ اس کی آیتوں پر بھی اعراب لگا دیے جاویں ۔ آخر کار بعد غور کامل یہ بات قرار پائی کہ قرآن مجید کی آیات اور ترجمہ دونوں متن میں لکھے جاویں کیونکہ آیتیں یا ترجمہ اگر حاشیے پر لکھا جاتا تو حاشیے میں سما نہیں سکتا تھا ۔

چھٹے باب کا ترجمہ جو تم نے بھیجا ہے وہ پہنچ گیا ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۱۰ ستمبر ۱۸۹۷ع خاکسار ، سید احمد

(۶)

مخدومی مکرمی جناب شمس العلماء خان بہادر !

سید احمد علی دہلی میں ہے ۔ اگرچہ افسوس ہے کہ وہ بھی نہایت کاہل اور سست ، افسردۂ محض ہو گیا ہے ۔ لیکن اگر اس کی بیوی اچھی ہو اور وہ خود اپنے تئیں یہاں آنے کے لائق سمجھتا ہو تو اس کو بھیج دیجیے ۔ بعض کام انگریزی تحریر کے ضروری ہیں ۔

عزیزی عنایت اللہ کا حال معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہیں ؟ اور ان کی طبیعت کا کیا حال ہے ؟ اگر ان کی طبیعت اچھی ہو تو ہفتہ دو ہفتہ کے لیے ان کو بھی بلانا چاہتا ہوں تاکہ وہ بھی انگریزی کے کام میں کچھ مدد کر دیں ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۱۴ جولائی ۱۸۹۶ع — خاکسار ، سید احمد

(۷)

مخدومی مکرمی جناب خان بہادر شمس العلماء !

اس وقت میرے پاس صاحب کلکٹر اور مجسٹریٹ علی گڑھ کی ایک باضابطہ چٹھی آئی ہے جس میں انھوں نے لکھا ہے کہ شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ خان بہادر زندہ ہیں ؟ اور وہ کہاں ہیں ؟ میں نے جواب لکھ دیا ہے کہ فضل الٰہی سے زندہ ہیں اور دہلی میں ہیں اور چیلوں کے کوچے گذر فیض بازار میں رہتے ہیں ۔ مگر اس استفسار کا سبب مجھ کو کچھ معلوم نہیں ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۸ نومبر ۱۸۹۷ع — خاکسار ، سید احمد

(۸)

مخدومی مکرمی شمس العلماء خان بہادر !

حضور جناب وائسرائے و گورنر جنرل آف انڈیا ۲۶ نومبر کو علی گڑھ واسطے ملاحظے کالج کے تشریف لاویں گے اور اس سبب سے ضرورت ہوگی کہ صدر دروازہ مدرسہ سے اسٹریچی ہال تک سرخ بانات بچھائی جائے جس کا فاصلہ قریباً پونے دو سو گز کا ہے ۔ بانات بورے کے اوپر بچھائی جاتی ہے اور کوئی نقصان بانات میں نہیں ہوتا ۔ مگر یہاں اس قدر بانات نہیں ملتی ۔ سابق میں دہلی سے ایک بزاز لایا تھا اور چند گھنٹے بچھا کر پھر اٹھا لے گیا تھا ۔ اور شاید ہم آنے گز کے حساب سے اس کو کرایہ دیا گیا تھا ۔ پس آپ فی الفور جواب لکھیں کہ دہلی میں کوئی بزاز اس طرح بانات لانے کو راضی ہے یا نہیں ؟ اگر راضی ہو اور معتبر آدمی ہو تو اس کو ۲۵ نومبر تک بانات لے کر یہاں آ جانا ہوگا ۔ ۲۶ نومبر کو آٹھ نو بجے بانات بچھائی جاوے گی اور ایک بجے یا دو بجے اٹھا لے جاوے گا ۔ امید کہ جلد تر اس کا جواب عنایت فرمائیے ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۱۰ نومبر ۱۸۹۷ع — خاکسار ، سید احمد

۳۸

بنام رانی راجا گوبند سنگھ

(رسالہ 'فکر و نظر' علی گڑھ ، حصہ انگریزی ، ص ٦٧)

یہ علی گڑھ کی ایک رئیسہ تھیں ۔ جب سرسید علی گڑھ میں سائنٹی فک سوسائٹی کی عمارت بنانے لگے تو انھوں نے علی گڑھ اور مضافات کے دوسرے رئیسوں کی طرح ان کو بھی اس عمارت کی تعمیر میں چندہ دینے کے لیے یہ خط لکھا ۔

رانی صاحبہ مہربان ، رانی راجا گوبند سنگھ صاحب !

چونکہ اس ضلع کے رئیسوں نے واسطے بھلائی اور بہبودی ہندوستانیوں کے ایک مکان علی گڑھ میں چندے سے بنانا شروع کیا ہے ، بلکہ قریب‌الاختتام ہے ، اور مقصود اس سے یہ ہے کہ ہمیشہ ہندوستانی اُس میں جمع ہوا کریں اور واسطے ترقی علم اور بہبودی ہندوستانیوں کے علمی گفتگوئیں ہوا کریں ، اور اس کام کے لیے اس ضلع کے رئیسوں اور بلند شہر کے رئیسوں اور بہت سے لوگوں نے چندہ دیا ہے ۔ مگر ہنوز پورا چندہ جو تعمیر مکان کے لیے درکار ہے ، جمع نہیں ہوا ۔ چونکہ یہ کام ہندوستانیوں کے لیے نہایت فائدہ مند ہے اور اس ضلع کے رئیسوں کو ، جن کے خاص ضلع میں یہ مکان تعمیر ہوا ہے ، اُس کی مدد کرنا

اور اس کو پورا کرنے کے لیے چندہ دینا نہایت فائدہ مند ہے، اس لیے آپ کو بھی اطلاع کی جاتی ہے کہ اگر آپ کو بھی اس مکان کو پورا کرنے کے لیے کچھ روپیہ بطور چندہ دینا منظور ہو تو آپ بھی دیجیے، کیونکہ ایسے نیک کام میں آپ کا بھی شریک ہونا نیک اور بہتر ہے۔ فقط

۲۹ جولائی ۱۸۶۵ع — سید احمد

۳۹

بنام خان بہادر سید زین العابدین

مولوی سید زین العابدین سب جج مچھلی شہر، سرسید کے نہایت ہی عزیز، بہت ہی مخلص اور گھرے دوستوں میں سے تھے۔ بلکہ صحیح یوں ہے کہ لنگوٹیے یار تھے۔ جیسے بے تکلف سرسید اُن سے تھے، ایسے کسی اور دوست سے نہیں تھے۔ انھوں نے بھی دوستی اور محبت کا پورا پورا حق ادا کر دیا اور مرنے کے بعد بھی سرسید سے جدا نہ ہوئے۔ چنانچہ اپنے دوست کے پاس ہی دفن ہوئے۔ اگست ۱۹۰۵ء میں آپ کی وفات ہوئی۔ اسی گروہ کے ایک نہایت ممتاز فرد خان بہادر مولوی بشیرالدین مرحوم ایڈیٹر "البشیر" اٹاوہ، سید صاحب موصوف کے متعلق 'علی گڑھ میگزین' کے 'علی گڑھ نمبر' میں لکھتے ہیں: ''مولوی زین العابدین کی ذات محبت و فداکاری کا پیکر جمیل تھی۔ یہ گویا سرسید میں اس قدر کھو گئے تھے کہ ''من تو شدم تو من شدی'' کا نقش اُبھر آیا تھا۔ سرسید بھی ان کو بے انتہا چاہتے تھے اور "زینو" کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ اکثر نہایت بے تکلفانہ مذاق بھی دونوں میں ہوتا رہتا تھا۔ سرسید سے اُن کے عشق کا یہ عالم تھا کہ جب سرسید کا انتقال ہوا اور بعد میں اُن کا مزار بننے لگا تو یہ دھوپ میں

چھتری لگائے سارا سارا دن بیٹھے تعمیر کی نگرانی کرتے رہتے تھے ۔ مولوی زین العابدین نے اپنی دولت ، قوتِ عمل اور محبت سے سرسید کے کاموں میں جو آسانیاں پیدا کیں وہ ان کی فداکاری کا ایک روشن نمونہ پیش کرتی ہیں . . . زین العابدین دبلے پتلے اور طویل القامت آدمی تھے ، ڈاڑھی لمبی تھی ، بڑے خوش مزاج ، وضع دار اور شریف طبیعت انسان تھے ۔ اُن کا خیال آتے ہی محبت اور شرافت کی زندہ تصویر نگاہوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔'' سب ججی سے پنشن کے بعد اُن کا تعلق ریاست رام پور سے ہو گیا تھا ۔

(۱)

مقام غازی پور ، ۹ تاریخ ماہ جنوری ۱۸۶۴ع

بخدمت مولوی زین العابدین صاحب !

سین ٹیفک سوسائٹی سے مجھے ہدایت ہوئی ہے کہ میں آپ کو اس بات کی اطلاع دوں کہ آپ ان کے اجلاس منعقدہ ۹ ماہ جنوری ۱۸۶۴ع میں بموجب دفعہ ۸ قانون سین ٹیفک سوسائٹی کے معاون ممبر مقرر ہوئے (ہیں) ۔

اس نیازنامے کے ساتھ میں روانہ کرتا ہوں آپ کی خدمت میں ایک نقل قانون سین ٹیفک سوسائٹی کی جس کے بموجب آپ اُن حقوقِ خاص و عام کے مستحق ہوں گے جو ایسے ممبر سے متعلق ہیں اور اس وقت سے آپ ان فرائض پر ، جو ایسے ممبر کے لیے مقرر ہیں یا آیندہ مقرر ہوں ، توجہ فرمانے اور ان کے پورا کرنے کے پابند ہوں گے [1] ۔

آپ کا نیازمند ، سید احمد
سیکرٹری سین ٹیفک سوسائٹی

۱- یہ خط مولوی عبدالشاہد صاحب اورینٹل اسسٹنٹ مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ نے مولوی مشتاق حسین مرحوم (مرتّبِ مکاتیبِ سرسید) کے مسودات میں سے تلاش کر کے بھیجا تھا جو غالباً اخبار علی گڑھ سائنٹیفک سوسائٹی کے کسی پرچے سے نقل کیا گیا تھا ۔

(۲)

(خطوط سرسید'، مرتّبہ سر راس مسعود، مطبوعہ ۱۹۳۱ع، ص ۱۱۹)

مکرمی مولوی زین العابدین !

تمھارا خط نہیں آیا - مزاج کا اور شادی کا حال معلوم نہ ہوا - کیا یہ بات سچ ہے کہ تم پنشن لیتے ہو یا (تمھیں) پنشن لینے کا حکم ہوا ہے؟

اس سال میں نے پانچ روپے ماہواری تمھاری طرف سے اسکالرشپ بجٹ میں مندرج کیے ہیں - اُمید ہے کہ تم کو اُس کے دینے میں کچھ تکلیف نہ ہوگی - تمھارا حال نہ معلوم ہونے سے تردد رہتا ہے - والسلام

علی گڑھ، ۲۰ اپریل ۱۸۸۹ع　　　　خاکسار، سید احمد

(۳)

(خطوط سرسید، مرتّبہ سر راس مسعود، مطبوعہ ۱۹۳۱، ص ۱۱۶)

مخدومی زین العابدین !

تمھارا خط پہنچا - میرا نینی تال جانا چند کاموں کے انجام پر موقوف ہے جو ٹھیک معلوم نہیں کہ کب انجام ہوں گے - تم اپنا وقت کیوں ضائع کرتے ہو - راجا صاحب کا مکان موجود ہے - جو کمرے میرے متعلق ہیں اُن میں تو راجا صاحب کو بھی مداخلت کا اختیار نہیں ہے - پس تم فی الفور مع زین‌الدین[۲] چلے جاؤ - تمھاری بیماری سے میں سخت پریشان و متردد ہوں - والسلام

علی گڑھ، ۷ مئی ۱۸۸۹ع　　　　خاکسار، سید احمد

۱- ''خطوط سرسید'' کے جو حوالے سید زین العابدین کے خطوط میں دیے گئے ہیں وہ دوسرے ایڈیشن کے ہیں جو ۱۹۳۱ع میں شائع ہوا تھا -

۲- زین‌الدین، مولوی زین العابدین کے بڑے لڑکے کا نام ہے - یہ یو - پی میں ڈپٹی کلکٹر تھے - ۱۹۳۹ع میں بمقام علی گڑھ انتقال ہوا - دوسرے بیٹے کا نام سید عین الدین تھا اور یہ بھی ڈپٹی کلکٹر تھے - ۱۹۵۲ع میں انگلستان میں وفات پائی - مولوی سید زین‌العابدین کے یہی دو بیٹے تھے -

(۴)

(خطوط سرسید ، مرتّبہ راس مسعود ، مطبوعہ ۱۹۳۱ء ، ص ۱۱۷)

مکرمی !

عنایت نامہ پہنچا ۔ جن ترددات کا مجھے ہمیشہ خیال رہتا تھا ، آخر وہ آن موجود ہوئے ۔ لیکن چھ مہینے کی رخصت منظور ہو یا پنشن ہو ، تم کو اپنی باقی ماندہ زندگی بسر کرنے کا اسی وقت پورا بندوبست کرنا چاہیے ۔ تمہارے خیال میں کیا ہے ؟ میں تو اس وقت تمہارا خط پڑھ کر اس قدر پریشان ہوا ہوں کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا ۔ بہرحال بتاؤ اب کیا کروگے ؟ والسلام

علی گڑھ ، ۸ مئی ۱۸۸۹ء — خاکسار ، سید احمد

(۵)

(خطوط سرسید ، مرتّبہ راس مسعود ، مطبوعہ ۱۹۳۱ء ، ص ۱۱۷)

مخدومی زین العابدین !

میں ۲۰ مئی تک یقیناً نینی تال جاؤں گا ۔ اگرچہ تم میں طاقت نہیں ہے مگر جس طرح ہو سکے تم میرے پاس آ جاؤ ۔ تمہارا دل بھی بہلے گا ، تم سے تمہارے آیندہ حالات کی نسبت بات چیت کرنے سے میری پریشانی بھی رفع ہوگی ۔ مع ہذا جب چھ مہینے کی رخصت لی ہے تو وہاں پڑے رہنے سے کیا فائدہ ؟ علی گڑھ ہی میں رہو ۔ یہاں آ جاؤ تو اُس کا بندوبست بھی کیا جاوے ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۹ مئی ۱۸۸۹ء — خاکسار ، سید احمد

(۶)

(خطوط سرسید ، مرتّبہ سر راس مسعود ، مطبوعہ ۱۹۳۱ء ، ص ۱۱۷)

مکرمی زین‌العابدین !

تمہارا خط پہنچا ۔ جو امور کہ تردد یا رنج کے پیش آتے ہیں اُن کی نسبت یہ کہہ دینا کہ رنج و تردد سے کچھ فائدہ نہیں ، لغو و مہمل لفظ ہیں ۔ رنج و

تردد کی بات قدرتی طور پر دل کو رنج و تردد میں ڈالتی ہے ۔ مگر بہرحال جو امر پیش آوے ، اُس کو برداشت کرنا چاہیے ۔ میری بھی نہایت تمنا ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں تم علی گڑھ میں رہو ۔ میری کوٹھی کے متصل جو بنگلہ ہے ، جس میں ڈاکٹر رہتا تھا ، خالی ہوگیا ہے ۔ جب تک تمھارے رہنے کا معاملہ طے نہ ہو ، کسی کو کرایہ پر نہیں دینے کا ۔ جس قدر ممکن ہو اور تم میں طاقت ہو ایک دن یا دو دن کے لیے میرے پاس ہو جاؤ ۔ جب تک تم مل نہ جاؤ گے اور تم سے زبانی بات چیت نہ ہو جائے گی ، ترددات جو لاحق ہیں رفع نہ ہوں گے اور طبیعت یکسو نہ ہوگی ۔ زین الدین کو اپنے ساتھ لیتے آؤ ۔

والسلام

علی گڑھ ، ۱۳ مئی ۱۸۸۹ء　　　　خاکسار ، سید احمد

(۷)

(خطوط سرسید ، مرتبہ راس مسعود ، مطبوعہ ۱۹۳۱ء ، ص ۱۱۸)

مکرمی زینو بھیا !

ابھی تمھارا خط پہنچا ۔ کچھ شبہ نہیں کہ تم کو مجھ سے جدا ہونے کا ایسا ہی رنج ہے جیسا کہ تم نے لکھا (ہے) مگر تم تو اس رنج کو کسی قدر لکھ بھی سکے مگر مجھ کو تمھارے چلے جانے سے جو رنج ہے وہ لکھا بھی نہیں جا سکتا ۔ زبان کھجلاتی ہے اور کوئی یہاں نہیں کہ اُس کو برا کہوں ۔ دل میں غصّہ آتا ہے اور کوئی یہاں نہیں ہے جس پر غصّہ نکالوں ۔ ہاتھ کھجلاتے ہیں اور کوئی یہاں نہیں ہے جس کو ماروں ۔ حقیقت میں تمھارے جانے سے مکان سونا نہیں ہوا بلکہ دل سونا ہوگیا ۔ صبح اُٹھ کر خدا یاد نہیں آتا مگر تم یاد آتے ہو : ع

اے کہ ہرگز فراموشت نہ کنم

کا نقشہ ہوگیا ہے ۔ قبل روانگیِ پنجاب میری طبیعت درست نہیں تھی ۔ پنجاب میں اور زیادہ مضمحل اور درماندہ ہوگئی ۔ لاہور میں زیادہ نہ ٹھہر سکا اور اضلاع پنجاب میں جہاں جہاں جانا تھا ، جا نہیں سکا ، واپس چلا آیا ۔ بعد واپسی کے طبیعت زیادہ خراب ہوگئی اور کل تک اچھی نہیں تھی ۔ آج اچھا ہوں اور اُمید ہے کہ دو ایک دن میں طبیعت (بالکل) درست ہو جاوے گی ۔ تمھاری

صحت اور تندرستی کا ہر وقت خیال رہتا ہے ۔

لاہور اور اضلاعِ لاہور میں جو چندہ ہوا اُس کی تعداد قریباً اکیس ہزار روپے کے ہے ۔ لیکن میرے لاہور میں قیام نہ کرنے سے اور اضلاع میں نہ جانے سے منجملہ زرِ چندہ کے دس ہزار ایک سو روپیہ نقد وصول ہوا ۔ زر بقیہ کے وصول کر کے بھیجنے کا دوستوں نے وعدہ کیا ہے ۔ معلوم نہیں کہ وصول ہوگا یا نہیں ؟ یا کس قدر وصول ہوگا ؟ بہرحال بہ سبب ناسازیِ طبیعت میں نہ لاہور میں ٹھہر سکتا تھا ، نہ اطراف میں جا سکتا تھا ۔ میری طبیعت اس وقت سست تھی اس لیے میں نے اپنے ہاتھ سے خط نہیں لکھا ۔ مگر اب میری طبیعت اچھی ہے ، کچھ تردد نہ فرمائیے ۔ مگر اس شعر پر ضرور عمل کرنا :

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی
بیاد آر محبّانِ بادہ پیما را

تمھارے گھر میں سب طرح خیریت ہے ۔ والسلام

۲۶ اپریل ۱۸۹۳ء　　　　خاکسار ، سید احمد

(۸)

(خطوط سرسید ، مرتبہ راس مسعود ، مطبوعہ ۱۹۳۱ء ، ص ۱۱۹)

مکرمی زینو !

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۳ اپریل پہنچا ۔ آپ نے لکھا ہے کہ اب میں کسی قدر اچھا ہوں ، اس سے طمانیت ہوئی ۔ کثرتِ کار ہم کو علیل کر دیتی ہے ۔ افسوس کہ سید علی حسین خاں ریونیو ممبر کا انتقال ہوگیا اور جب تک کوئی دوسرا مقرر ہو ، بے شک تم پر کام بہت پڑ جائے گا ۔

جناب عالی متعالی مسٹر سید زین الدین صاحب کی صورت دیکھنی مجھ کو نصیب نہیں ہوتی ۔ کبھی وہ تشریف نہیں لاتے اور اس سبب سے اُن کی ملازمت نصیب نہیں ہوتی[1] ۔ تمھارا خط جو اُن کے پاس آتا ہے اُس کی اطلاع مجھ کو نہیں

۱۔ یہ فقرہ سرسید نے اپنے دوست کے فرزند کے متعلق تعریضاً لکھا ہے جو اُس وقت علی گڑھ کالج میں پڑھتے تھے اور شرم کے باعث سرسید کے پاس کبھی نہیں آتے تھے ۔

ہوتی اور نہ تمہاری طبیعت کا حال معلوم ہوتا ہے ۔ بس اب مہربانی سے اپنی خیر و عافیت کا خط میرے نام سے ہمیشہ بھیجتے رہیے ۔ چار پانچ روز ہوئے کہ سید مسعود کی ختنہ ہو گئی ۔ وہ اور سید محمود اور میں سب بخیریت ہیں ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۱۵ اپریل ۱۸۹۵ء　　　　خاکسار ، سید احمد

(۹)

(خطوط سرسید ، مرتّبہ سر راس مسعود ، ۱۹۳۱ء ، ص ۱۱۹)

مکرمی زینو !

آپ کا عنایت نامہ پہنچا ۔ اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ ان دنوں میں آپ کو مجھ سے علیحدہ رہنے کا نہایت افسوس ہوگا مگر مجھ کو بھی ان دنوں میں تمہارے رام پور چلے جانے کا نہایت رنج ہے ۔ علاوہ ان سب باتوں کے میں نہیں چاہتا کہ تم اب زیادہ نوکری رام پور میں کرو ۔ تمہاری طبیعت کی حالت اچھی نہیں ہے اور بہ لحاظ تمہاری طبیعت کے سب ججی کے عہدے سے تم کو پنشن دلوائی گئی ۔ چند روز بہ لحاظ حالاتِ عیال داری کے تم نے نوکری کر لی اور اس قدر روپیہ تمہارے پاس ہوگیا ہے کہ ضروریاتِ عیال داری سے فارغ ہو جاؤ گے ۔ بس اب اپنی جان کو تکلیف میں ڈالنا کچھ ضرور نہیں ۔ جو کچھ تم کو ملتا ہے ، تمہاری زندگی بسر کرنے کے لیے نہایت کافی ہے ۔ خدا کا شکر کرو اور اپنے گھر میں آ کر بیٹھو اور جو خدا نے دال روٹی دی ہے اُس کو کھاؤ اور شکر کرو ۔ السٹر جو تم نے بنوایا ہے ، میں یہ جانتا تھا کہ میرے لیے بنوایا ہے اور عظیم نے جو لکھا تھا وہ سچ لکھا ۔ میں نے اُس سے یوں ہی کہا تھا ۔ مگر میری خوشی یہ تھی کہ تم یہاں موجود ہوتے اور جس طرح ہمیشہ اپنے ہاتھ سے خلعت عنایت کیا کرتے تھے اسی طرح وہ خلعت بھی دیتے اور میں آپ کے سامنے پہنتا ۔ مگر چونکہ اب آپ کے آنے میں دیر معلوم ہوتی ہے اس لیے اگر ضرورت ہوئی تو اُس کو پہن لوں گا ورنہ حتی المقدور تمہارے آنے کا انتظار کروں گا ۔ میں نے آپ کی طرف سے دس روپیہ ماہواری دو برس کے لیے چندہ واسطے اجرائے کار تعمیر مسجد کے لکھ دیا ہے ۔ حضور پُر نور نواب صاحب رام پور دام اقبالہ علی گڑھ اسٹیشن سے گزرے ۔ مجھ کو کچھ اطلاع نہیں تھی

ورنہ میں جا کر آداب عرض کرتا ۔ باقی ما بخیر و شما بہ سلامت ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۲۸ اکتوبر ۱۸۹۵ع — خاکسار ، سید احمد

(۱۰)

(خطوط سرسید ، مرتبّہ راس مسعود ، مطبوعہ ۱۹۳۱ع ، ص ۱۲۰)

مکرمی زینو !

ہزار روپے کے کرنسی نوٹ واسطے پورا کرنے نقصان کالج کے زین الدین نے مجھ کو دیے جس کے لیے میں آپ کا دل و جان سے شکر ادا کرتا ہوں ۔ لیکن ایک اور امر ہے جس کی بابت تصفیہ ہونا چاہیے ۔ گزشتہ بجٹ میں آپ کی طرف سے ۱۴۴ روپے بحساب ۱۲ روپے ماہواری بابت اسکالرشپ آپ کے نام لکھے گئے تھے ۔ اُس میں کچھ وصول نہیں ہوا اور بابت منافع تین قطعہ ڈبنچروں کے لغایت آخر مارچ ۱۸۹۶ع ۸۰ روپے ۱۴ آنے ۶ پائی زین الدین کے دادنی ہوں گے اور بابت منافع دیگر مبلغان کے ۶۳ روپے ۸ آنے ۹ پائی زین الدین کے دادنی ہوں گے ۔ بعد منہائی اُن روپیوں کے جو واسطے ادائی فیس کے دے دیے گئے ہیں جس کا مجموعہ ۱۴۴ روپے ۶ آنے ۱۱ پائی ہے ، پس اگر آپ اجازت دیں تو اُن روپیوں کا جمع خرچ کر دیا جائے کیونکہ اسی ماہ مارچ میں ان کا جمع ہونا ضرور ہے ۔

دوسرا امر یہ ہے ؛ جو کہ توقع نہیں ہے کہ سال آئندہ میں آپ رام پور میں ملازمت اختیار رکھیں گے اور نیز فیس تعلیم کی زیادہ ہو گئی ہے اس لیے بہ نظر آپ کے حالات کے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آئندہ سے آپ کے نام سے بجٹ میں کوئی اسکالرشپ نہ لکھی جائے ، یا نہایت ہی قلیل لکھی جائے ۔ جیسی کہ آپ کی رائے ہو اُس سے اطلاع دیجیے ۔

تیسرا امر یہ ہے کہ کالج سے ہر سال زین الدین کو بابت منافع مبلغان امانت شدہ ۱۹۶ روپے ۸ آنے ۹ پائی اور بابت منافع تین قطعہ ڈبنچر ۹۰ روپے یافتنی ہوتے ہیں جس کا مجموعہ ۲۹۶ روپے ۸ آنے ۹ پائی ہوتا ہے ۔ اور یہ روپیہ آپ کے تینوں لڑکوں کی ، جب کہ تیسرا بھی داخل ہو جائے ، ادائے فیس کے لیے کافی ہوگا اور اور روپیہ بچ رہے گا ۔ اس امر کی بھی آپ کو میں اطلاع کرنا چاہتا ہوں کہ ہم قرضہ گورنمنٹ میں ۲۵۰ روپے ماہواری قسط دیتے ہیں ۔ چند ماہ کے بعد وہ قرضہ پورا ہو جاوے گا اور ہمارا ارادہ ہے کہ دو سو یا ڈھائی سو

روپیہ ماہواری ، جو اُس قرضے سے چھوٹ جاوے گا ، وہ زین الدین کے زر امانت میں لگا دیا جاوے تاکہ رفتہ رفتہ زر امانت بیباق ہو جائے۔ اس میں جو آپ کی مرضی ہو اُس سے مطلع کیجیے۔ والسلام

علی گڑھ ، ۵ مارچ ۱۸۹۶ء خاکسار ، سید احمد

(۱۱)

(خطوط سرسید ، مرتّبہ راس مسعود ، مطبوعہ ۱۹۳۱ء ، ص ۱۲۱)

مکرمی زینو !

آپ کا عنایت نامہ طولانی رجسٹری شدہ پہنچا - میں نے حسب تحریر سابق حسابات کا جمع خرچ کر دیا - ۲ آنے ۱۱ پائی دادنی بعد جمع خرچ نکلے تھے وہ زین الدین کے پاس بھیج دیے - مجھ کو ہرگز نہ اس بات کا خیال تھا اور نہ خیال ہے کہ میرے بعد تم یا تمھاری اولاد علی گڑھ میں سکونت اختیار کرے گی - تمھارا اور تمھاری اولاد کا یہاں رہنا صرف عارضی ، غایت درجہ میری یا تمھاری زندگی تک ، ہے - شاید تم کو یاد ہوگا کہ میں نے تم کو لکھا تھا کہ ایک شخص کی عارضی زندگی کے بھروسے پر کوئی مکان وطن اختیار کرنے کے لیے بنانا لغو اور بے فائدہ ہے - تمھارا خیال تھا کہ بنارس میں توطن اختیار نہیں ہو سکنے کا - اگر ہو سکے تو مکانات شوالہ موجود ہیں اور یہی وجہ اصلی بنارس کے مکان فروخت کرنے کی ہوئی - بہرحال جو امر کہ ہو چکا اُس کے ذکر سے کچھ فائدہ نہیں -

میں اب بھی تم کو صلاح دیتا ہوں کہ اپنی اولاد سے ، جو فضل الٰہی سے سب سمجھ دار ہیں ، صلاح کرو کہ وہ کہاں توطن اختیار کرنا پسند کرتے ہیں ؟ علی گڑھ میں یا دوسری جگہ ؟ اگر وہ مراد آباد میں پسند کریں ، جس کو میں بھی اپنی اور تمھاری زندگی کے بعد اُن کا وطن ہونا پسند کرتا ہوں ، تو تم کو مراد آباد میں کوئی مکان لے لینا ، جو سستا بھی ملے گا ، نہایت مناسب ہے - اور اگر وہ علی گڑھ میں رہنا پسند کریں تو علی گڑھ میں کوئی مناسب بندوبست کیا جاوے - اسماعیل خاں والی کوٹھی اُن کے لیے خرید دینے کی شکایت بے جا ہے - کبھی مجھ کو خیال بھی نہ تھا کہ درحقیقت اُس زمین کے خریدنے کا اور اُس

میں مکان بنانے کا ، جو میری کوٹھی کے پاس ہے اور جو محمد احمد کے لیے خریدی گئی ہے ، تمھارا ارادہ ہے ۔ اور نہ کبھی اُس کا ارادہ تم نے ظاہر کیا ۔ اب اس خط میں اس کا ذکر کرتے ہو ۔ جس بنگلے میں تم علی گڑھ میں رہتے ہو اگر وہ میری ملکیت ہوتا تو شاید خدا جانتا ہوگا کہ میں اُسی وقت بلامعاوضہ تم کو دے دیتا ۔ مگر آپ کو معلوم ہے کہ وہ ملکیتِ مدرسہ ہے ۔ نہ اُس کو میں منتقل کر سکتا ہوں ، نہ اُس کا منتقل کرنا مناسب ہے اور نہ کرایے میں تخفیف کر سکتا ہوں ۔

اس کی مرمت کی جو شکایت ہے اُس کی نسبت میں نے پہلے بھی کہا تھا اور اب بھی کہتا ہوں کہ تم اپنے اہتمام سے خود جس طرح تمھاری مرضی ہو ، مرمت کرا لو اپنی خاطر خواہ ، اور اُس کی لاگت کرایہ میں مجرا لے لو ۔ میں نے تم سے یہ بھی کہا تھا کہ اگر مکان میں تنگی ہے تو تم کوئی کمرہ زاید بنا سکتے ہو ۔ آپ نے چبوترے کا سوائے اس خط کے کسی میں ذکر نہیں کیا ۔ آپ چبوترہ بھی مرمت کے ساتھ بنوا لیں ۔ یہ تو آپ یقین کر لیں کہ جس بنگلے میں آپ رہتے ہیں وہ کسی طرح منتقل نہیں ہو سکتا ۔ مگر آپ اس بات کا قطعی تصفیہ کریں کہ بعد میری اور آپ کی زندگی کے آپ کی اولاد کو کہاں توطن اختیار کرنا مناسب ہوگا ؟ علی گڑھ میں یا اور کسی جگہ ؟ اگر علی گڑھ ہی میں توطن قرار پائے تو اس وقت کوئی تدبیر مکان کی نسبت کی جاوے اور صلاح سے کوئی زمین لی جاوے جس میں مکان تعمیر ہو ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۱۲ مارچ ۱۸۹۶ء — خاکسار ، سید احمد

۴۰

بنام مسٹر سڈنس پرنسپل علی گڑھ کالج

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ، ۱۹ مئی ۱۸۸۳ع)

سڈنس مدرسۃ العلوم مسلمانان علی گڑھ کا سب سے پہلا پرنسپل تھا ، مگر صحت کی خرابی کے باعث جلد ہی واپس انگلستان چلا گیا ۔

بخدمت ایچ ۔ جی ۔ آئی سڈنس صاحب بہادر ، پرنسپل محمڈن اینگلو اورینٹل کالج ، علی گڑھ !

جناب والا !

جو عام امتحانات دونوں ٹرموں کے خاتمے پر کالج میں ہوتے ہیں ان کی نسبت میں مندرجہ ذیل انتظام آپ کے روبرو پیش کرتا ہوں تاکہ اگر آپ اس کی نسبت مجھ سے اتفاق کریں تو وہ جاری کیا جائے اور کمیٹی کی منظوری کے حاصل کرنے کے بعد آئندہ مجموعہ قواعد میں داخل کیا جائے :

۱۔ چونکہ مسلمانوں کی تعلیم میں دینیات کی تعلیم نہایت ضروری خیال کی جاتی ہے اس لیے ہمارے کالج اور سکول کے تمام طالب علموں پر یہ بات واضح ہونی چاہیے کہ اُن کی غیر حاضری ، دینیات کے امتحان سے ، بلکہ ان گھنٹوں سے جو ہفتے میں دینیات کی تعلیم کے واسطے مقرر ہیں ، مثل معمولی غیر حاضری کے متصور نہ ہوگی ۔

اور اگر آئندہ سے کوئی طالب علم کسی طریقے میں دینیات کی طرف سے بے پروائی کرے گا تو اس کا نام کالج کے رجسٹر سے خارج کر دیا جائے گا۔

۲- بی - اے - کلاس کے اُن طالب علموں کے واسطے ، جو یونیورسٹی کے امتحان کے لیے کوئی سیکنڈ لینگوج اختیار نہ کریں ، دینیات کی تعلیم کے لیے ایک گھنٹہ مقرر کرنا چاہیے۔

۳- جو مشکلات انٹر کلاس اور سیکنڈ ایئر کلاس اور فورتھ ایئر کلاس کے سالانہ امتحان میں ، دینیات میں علی العموم پیش آتی ہیں ، اُن کے رفع کرنے کی غرض سے دینیات میں ان طالب علموں کے امتحان ششماہی کے واسطے ماہ اپریل میں اور سالانہ امتحان کے واسطے ماہ اکتوبر میں کوئی تاریخیں پہلے سے مقرر کر دینی چاہیں اور ان ہی تاریخوں میں امتحان لینا مناسب ہوگا۔

۴- کسی طالب علم کو کسی وجہ سے کسی امتحان کی تاریخ پر ، خواہ وہ دینیات میں ہو یا اور کسی مضمون میں ، غیرحاضر ہونے کی اجازت نہیں دینی چاہیے - اور جو طالب علم کسی تاریخ پر ، جو امتحان کے واسطے مقرر ہو ، حاضر نہ ہوں گے وہ بغیر رخصت کے غیر حاضر متصوّر ہوں گے - منیجنگ کمیٹی ان کے معاملے میں ایسی کارروائی کرے گی جیسی کہ اس کو مناسب معلوم ہوگی۔

۵- چونکہ ان جاعتوں کو ، جن کا تحریری امتحان ہوتا ہے ، سوالات کا ڈکٹیشن کرنا نہایت ناپسندیدہ معلوم ہوتا ہے اس لیے ان کو آئندہ سے ہر ایک عام امتحان ششماہی اور سالانہ میں چھپے ہوئے سوالات دیے جائیں گے - امتحان ٹیسٹ بلاشبہ سالانہ امتحان کا ایک جزو متصوّر ہوگا - جن اخراجات کی اس طرح پر ضرورت پڑے گی ان کو کمیٹی بخوشی برداشت کرے گی اور کاغذات امتحان کے چھپوانے کا کام از روے حصہ رسدی کے صاحب پرنسپل اور پروفیسر انگلش لٹریچر اور ہیڈ ماسٹر اور سیکریٹری منیجنگ کمیٹی کے ذمے ہوگا - اور وہ ان کاغذات کو ، جو ان کے اہتمام میں آئیں ، جس مطبع سے چاہیں ، چھپوائیں گے۔

۶- یہ امر پسندیدہ ہے کہ آئندہ سے تمام جماعتیں ، جن کا زبانی امتحان دینے والوں کو ایک جگہ بٹھانے کے واسطے کافی گنجائش موجود ہے اور اسٹریچی ہال میں اس مقصد کے واسطے نشست کا کافی بندوبست کیا جا سکتا ہے اور وہ عام امتحانات کے مقاصد کے واسطے بخوبی کام دے سکتا ہے -

میری یہ خواہش ہے کہ ہر سال کے شروع میں کالج کی ایک المنک[۱] چھاپی جائے ، جس میں امتحان سالانہ اور ششماہی اور امتحان ٹیسٹ کی تاریخیں اور ایک فہرست ان تعطیلوں کی ، جو سال میں ہوتی ہوں اور جن کی ٹھیک ٹھیک پابندی کی جائے گی ، مندرج ہوگی -

اگر آپ از راہ مہربانی سال رواں کی بابت سالانہ امتحان اور امتحان ٹیسٹ کی تاریخیں مقرر فرمائیں تو میں ان کو بہت جلد اس سال کی المنک میں چھپوا دوں گا -

علی گڑھ ، ۱۶ مئی ۱۸۸۳ع — آپ کا خادم ، سید احمد

سیکریٹری مینجنگ کمیٹی

۱- المانک (Almanac) یعنی سالانہ جنتری یا تقویم جس میں طلبا کی کارگزاری ، امتحان کے نمبر اور دوسری ضروری چیزیں تاریخ وار لکھی جاتی ہیں - اسے Yearly calendar بھی کہتے ہیں -

۴۱

بنام نواب سر سالار جنگ

('وقار حیات' (سوانحِ وقارالملک) ص ۱۵)

سرسید کا ریاست حیدرآباد میں نہایت اثر و رسوخ تھا اور اُس زمانے کے نامور مدبّر سر سالار جنگ اول مدارالمہام دولتِ آصفیہ سے اُن کے خصوصی تعلقات تھے۔ اس اثر و رسوخ اور ان تعلقات سے سرسید نے پورا پورا فائدہ اُٹھایا اور کالج کے لیے ریاست سے لاکھوں روپے حاصل کیے۔ نیز اپنے لائق اور قابل دوستوں کو ، مدار المہام سے 'پر زور سفارشیں کر کے ، ریاست میں نوکریاں دلوائیں۔ ان میں سے نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی ، شمس العلماء مولوی نذیر احمد ، نواب محسن الملک مولوی مہدی علی اور نواب وقارالملک مولوی مشتاق حسین جیسے بزرگوں کے نام سر فہرست ہیں ، جنھوں نے حیدرآباد پہنچ کر اور وہاں اعلیٰ عہدوں پر متمکن ہو کر اپنے فرائض کو بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا اور سارے ہندوستان میں عزت کے ساتھ شہرت حاصل کی۔

ان اکابر میں سے مولوی مشتاق حسین کے متعلق ، جو اُس وقت ہندوستان میں انگریزی عدالت کے ایک معمولی سر رشتہ دار تھے ، سرسید نے جو سفارشی خط سر سالار جنگ

کو لکھا ، اُس کا صرف ایک حصہ ملا ہے جو ذیل میں
درج کیا جاتا ہے ۔ یہ خط سرسید نے ۱۸۷۳ء میں لکھا تھا ۔

(والا جناب) !

"۔ ۔ ۔ میں (حضور والا سے) خوشی کے ساتھ یہ کہوں گا کہ مشتاق حسین ذہین ، محنتی ، ایمان دار اور قابل حاکم ہے ، جس کو تجربہ کافی ہو چکا ہے ۔ مختصراً یہ شخص حضور والا کی ضرورت کے لیے بالکل موزوں ہے[۱] ۔ یہ صرف فوج داری ، دیوانی اور حساب کے صیغوں میں ہی کام نہیں کر سکتے بلکہ ہمیشہ اُس کام کے کرنے کو آمادہ (رہتے) ہیں ، جس کے لیے حکم دیا جائے ۔ میں دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ ان کا تقرر ریاست کے لیے فائدے کا باعث ہوگا اور حضور والا کو اُس وقت معلوم ہو جائے گا کہ مشتاق حسین کے متعلق میں نے جو کچھ کہا ہے اُس میں مبالغے سے کام نہیں لیا ۔

(۱۸۷۳ء) سید احمد

نوٹ : مختارالملک نواب سر سالار جنگ اول کا نام میر تراب علی خاں تھا ۔ وہ ۲ جنوری ۱۸۲۹ء کو پیدا ہوا ہے ۔ اُن کے والد محترم نواب شجاع الدولہ تھے اور جدِ امجد نواب منیرالملک ثانی ، جو ۱۸۰۹ء سے ۱۸۳۲ء تک دولت آصفیہ کے مدارالمہام رہے ۔ سالار جنگ کے چچا نواب سراج الملک بھی اسی عہدے پر فائز تھے ۔ جب ۱۸۵۳ء میں ان کا انتقال ہوگیا تو اعلیٰ حضرت نواب ناصرالدولہ نظامِ وقت نے نواب سالار جنگ کو اس عہدۂ جلیلہ پر سرفراز فرمایا اور یہ ۳۰ سال تک اپنے فرائض کو نہایت خوش اسلوبی اور عمدگی کے ساتھ انجام دیتے رہے ۔ بالآخر ۸ جنوری ۱۸۸۳ء کو ۵۴ سال کی عمر میں بعارضۂ ہیضہ انھوں نے اس جہانِ فانی سے رحلت کی اور اپنے پیچھے اپنا نیک نام چھوڑ گئے ۔

۱- سر سالار جنگ نے سرسید کو لکھا تھا کہ "ہمیں ریاست کے لیے ایسے قابل اور لائق اشخاص کی ضرورت ہے جو خوش اسلوبی اور دیانت داری کے ساتھ اپنے مفوضہ فرائض انجام دے سکیں ۔ آپ ایسے اشخاص کو منتخب کر کے ہمیں مطلع فرمائیں ۔" اس کے جواب میں سرسید نے یہ خط تحریر کیا ۔

نواب صاحب بے نظیر مدبّر ، دور اندیش حاکم ، با رعب افسر ، اعلیٰ درجے کے منتظم اور نہایت صاحبِ عقل و دانش انسان تھے ۔ عقل و فراست ، فہم و کیاست ، تدبّر و سیاست میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے ۔ خوش اخلاق اور پاکیزہ سیرت شخص تھے ۔ معاملہ فہمی اُن پر ختم تھی ۔ ایک نظر دیکھنے سے آدمی کی جبلّت اور خصلت کا اندازہ لگا لیتے تھے ۔ اعلیٰ درجے کے سیاست دان ہونے کے ساتھ ساتھ شعر و سخن کا بھی بہت اچھا مذاق رکھتے تھے ۔ موسیقی سے بھی خاص لگاؤ تھا ۔ ریاضی اور تاریخ کے بھی ماہر تھے ۔ اُن کا عہدِ وزارت نہایت کامیاب ، نہایت شان دار اور نہایت روشن رہا ۔ ان کے عہد میں ریاست حیدرآباد نے ہر لحاظ سے نہایت ترقی کی ۔ انھوں نے نہایت قابل اور لائق اصحاب کو اپنے گرد جمع کر لیا تھا ، جو ریاست کی فلاح و بہبود میں اُن کے دستِ راست تھے اور جن کی امداد اور تعاون سے اُن کو ریاست کے اندر اصلاحات کے رائج کرنے میں بڑی مدد ملی اور دفاتر کا انتظام نہایت باقاعدہ ہوا ۔ ریاست میں ریل و تار کی آمد اُن ہی کی یادگار ہے ۔

نواب سرسالار جنگ کے سوانحی حالات میں نے ہرچند تلاش کیے مگر کہیں سے دستیاب نہیں ہو سکے ۔ نہ مجھے کوئی ایسی کتاب ملی جس سے حالات اخذ کر سکتا ۔ میں نے اپنی اس مشکل کا ذکر اپنے نہایت ہی محترم دوست نواب مشتاق احمد خاں صاحب (فرزندِ گرامی حضرت نواب فخر یار جنگ مرحوم وزیرِ مالیات دولتِ آصفیہ) سے کیا تو انھوں نے عنایت فرما کر فوراً مجھے نواب سر سالار جنگ کے مختصر حالات لکھ کر بھیج دیے ، جو میری ضرورت کے لیے بالکل کافی تھے اور جو میں نواب صاحب موصوف کے نہایت درجہ شکریے کے ساتھ یہاں درج کر رہا ہوں ۔ نواب صاحب محترم نے سر سالار جنگ مرحوم کے یہ حالات ''حیدرآباد پکٹوریل'' کے پہلے حصے کے صفحہ ۱۰۴ سے اخذ کیے تھے جو بہت مستند اور معتبر مأخذ ہے ۔ نصیرالدین صاحب ہاشمی مرحوم نے ''کتب خانۂ نواب سر سالار جنگ کی اُردو قلمی کتابوں کی وضاحتی فہرست'' کے صفحہ ۱۹ پر جو سالار جنگ کی تاریخِ ولادت ۱۲۲۴ ہجری (۱۸۰۹ع) لکھی ہے ، یہ کسی طرح بھی صحیح نہیں ۔

۴۲

بنام منشی سراج الدین احمد

منشی قاضی سراج الدین احمد بیرسٹرایٹ لاء، سرسید کے زمانے کے ایک مشہور اہلِ قلم اور صحافی تھے۔ سرسید کے بڑے عقیدت مند اور مخلص مداحوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ کا قدیمی وطن بھیرہ ضلع شاہ پور تھا جہاں آپ ۱۸۶۷ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندانی سلسلہ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔ والد کا نام قاضی کرم الدین بن قاضی نور احمد تھا۔ ابتدائی درسی کتب کی تحصیل کے بعد ۱۸۸۱ء میں کوئٹہ جا کر ملازم ہوگئے۔ ۱۶۸۶ء میں آپ کو ریاست سرمور ناہن میں ایک ملازمت مل گئی جہاں سے آپ نے ۱۸۸۸ء میں اخبار 'سرمورگزٹ' نکالا۔ یہیں سے آپ کی دو کتابیں شائع ہوئیں؛ ایک 'فضیلت' یا 'معلّم الطلبا' اور دوسری نماز پر ایک لیکچر۔ سرسید کے لیکچروں کا مجموعہ بھی آپ نے یہیں سے شائع کیا تھا۔ ۱۸۹۳ء میں ریاست پونچھ کے چیف جج مقرر ہوئے۔ ۱۸۹۶ء میں مستقل طور پر راولپنڈی چلے آئے جہاں سے اخبار 'چودھویں صدی' جاری کیا۔ ۱۸۹۸ء میں انگلینڈ چلے گئے جہاں سے بیرسٹری کی سند لے کر ۱۹۰۱ء میں واپس آئے اور

راولپنڈی میں پریکٹس کرنے لگے ۔ آخر وہیں ۲۵ جولائی ۱۹۲۵ء کو انتقال کیا ۔ آپ کی تالیفات میں سے رسالہ ''تعلیم'' ۱۸۹۱ء میں لاہن میں چھپا ۔ ''حیات صلاح الدین'' ۱۸۹۷ء میں اور ''سیرة الفاروق'' ۱۹۰۱ء میں پہلی مرتبہ مطبع بلالی ساڈھورہ (ضلع انبالہ) میں چھپ کر شائع ہوئیں ۔ سلسلۂ داستانِ پاستان کی پہلی اور دوسری جلد ''فاتح ہسپانیہ'' کے نام سے دو حصوں میں لکھی اور تیسری جلد ''حجاج بن یوسف'' کے نام سے شائع کی ۔ یہ دونوں ناول ہیں ۔ ''حقیقتِ خلافت اور مسلمانوں کا فرض'' ایک رسالہ ۱۹۱۶ء میں امرتسر سے شائع کیا ۔ میں قاضی صاحب کے حالات کی فراہمی کے لیے اپنے محترم دوست ڈاکٹر وحید قریشی ایم ۔ اے ، پی ایچ ۔ ڈی ، ڈی لٹ پروفیسر اورینٹل کالج لاہور کا ممنون ہوں ۔

(۱)

(منقول از 'حیات جاوید' مؤلفہ مولانا حالی)

مکرمی و مخدومی !

''. . . سرکار بہاول پور نے دو دفعہ ہزار ہزار روپیہ کالج کے لیے ، اور چند روز ہوئے کہ ایک ہزار روپیہ واسطے تعمیر مسجد کے مرحمت کیا ہے ۔ جوکہ اس کی اطلاع آپ کو (دینی) ضرور تھی اس لیے فی الفور یہ مختصر نیاز نامہ روانہ کرتا ہوں[۱] ۔''

۱۸۸۹ء — سید احمد

۱- منشی سراج الدین صاحب نے اپنے اخبار 'سرمورگزٹ' میں کہیں یہ لکھ دیا تھا کہ ریاست بہاول پور سے علی گڑھ کالج کو کچھ چندہ نہیں ملا ۔ اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے سرسید نے یہ خط ۱۸۸۹ء میں منشی صاحب کو لکھا تھا ۔

(۲)

(منقول از 'حیات جاوید' و 'خطوط سرسید' مرتبہ راس مسعود)

مخدومی مکرمی !

میں نے آپ کا اخبار مؤرخہ ۸ جنوری پڑھا ۔ بلا شبہ میں آپ کی محبت کا، جو آپ کو مجھ ناچیز سے ہے، ممنون و احسان مند ہوں اور آپ کو اس تحریر کی نسبت، جو اس پرچے میں ہے، بوجہِ جوشِ محبت معذور سمجھتا ہوں ۔ مگر جانے دو، جس کا جو دل چاہے کہے، ہمارا کیا بگڑتا ہے ۔ اگر ہمارے برا کہنے سے اُن کا دل خوش ہوتا ہے، خوش کر لینے دو ۔ تم بھی اس برا کہنے سے خوش ہو، کیونکہ وہ ہمارے دھوبی ہیں، ہم کو گناہوں سے پاک کرتے ہیں ۔ مجھے نہایت افسوس ہے کہ میں نے وہ خط جناب خان بہادر برکت علی خاں صاحب کے پاس بھیج دیا ۔ اگر اُن کا ذکر (اُس خط میں) نہ ہوتا تو میں ہرگز نہ بھیجتا ۔ باوجودیکہ مجھے لفافے کے خط سے قریب یقین کے ہوگیا تھا کہ وہ خط منشی محترم علی صاحب کا ہے مگر اس کے بعد بھی میں ان سے نہایت صاف دلی سے ملا تھا ۔ لیکن جب تحریر پر غور کرنے سے وہ یقین زیادہ مستحکم ہوگیا تو بلاشبہ ایسے شخص سے جو ایسے بزرگ، ہمارے مخدوم اور اپنے محسن بلکہ پرورش کنندہ یعنی خان بہادر برکت علی خاں کی نسبت ایسا لکھے تو وہ اس قابل نہیں کہ اس سے تعلق رکھا جائے ۔ بس یہی کافی ہے ۔ اس سے زیادہ اپنا وقت کیوں ضائع کرتے ہو ۔ تم میرے ساتھ محبت رکھتے ہو اور اس کا بھی تم کو یقین ہے کہ جو لوگ میری نسبت عیب لگاتے ہیں وہ (عیب) مجھ میں نہیں ہیں، تو تمھارے خوش رہنے کے لیے اور مجھ کو خدا کا شکر ادا کرنے کے لیے یہی بات کہ وہ عیب اُس شخص میں جس کو تم دوست رکھتے ہو نہیں ہے کافی ہے ۔ اس سے زیادہ کیا خوشی کی بات ہے ۔ بس برا کہنے والوں کی بری بات کا بھی نیک پہلو نکالو اور خوش رہو ۔ خدا تم کو ہمیشہ خوش رکھے ۔ والسلام[۱]

خاکسار، سید احمد

علی گڑھ

۱- منشی محترم علی چشتی نے ایک مرتبہ نہایت ہی بیہودہ خط سرسید کو لکھا

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

(۳)

(منقول از 'حیات جاوید' و 'خطوط سرسید' مرتبہ راس مسعود)

بھائی سراج الدین !

تمہارا خط پہنچا ۔ ہم کو خدا نے دنیا میں اس لیے پیدا کیا ہے کہ سب کی بھلائی چاہیں ۔ برا کرنے والے کی برائی سے ہم کو کیا کام ہے ۔ ہم کو اپنا دل، اپنا کام، اپنی زبان بھلی رکھنی چاہیے (اور) بدوں یا بدطینتوں پر افسوس کرنا چاہیے ۔ مگر اس سے زیادہ کچھ کرنا خود اپنے کو بھی ویسا ہی کرنا ہے ۔ جو لوگ برا کہنے والے ہیں اُن کی نسبت ہم کو صبر و تحمّل چاہیے ۔ (ہم اپنے نفس کا محاسبہ کریں) ۔ اگر وہ برائی ہم میں ہے تو اس کے دور کرنے میں کوشش لازم ہے ۔ اگر نہیں ہے تو خدا کا شکر کرنا چاہیے کہ وہ برائی ہم میں نہیں ہے ۔ برا کہنے والے کی نسبت خیال ہی نہیں کرنا چاہیے کہ کون ہے ؟ دنیا میں ہے بھی یا نہیں ؟ بس یہی آرام و آسائش کا طریقہ ہے ۔ اگر تم بھی چاہتے ہو کہ دنیا میں آرام سے رہو تو یہی طریقہ اختیار کرو[1] ۔ میں یقین کرتا ہوں مگر افسوس کے ساتھ کہ منشی محرّم علی کی طبیعت خدا نے ایسی بنائی ہے کہ اُن سے بھلائی اور سچائی کی توقع نہیں ۔ کچھ ہی کرو، آزار ہی پہنچے گا ۔ پس گلہ کیا ہے ۔ کیا تم دنیا کے بچھوؤں سے گلہ کرتے ہو اور کیا وہ کسی دشمنی سے ڈنک مارتے ہیں ؟ پس منشی محرّم علی کے حال سے کچھ بحث مت کرو ۔ لوگوں کا جیسا دل چاہے ویسا اُس کے ساتھ برتاؤ کریں ۔ اگر ہم سے

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

اور اس میں خان بہادر برکت علی خان کا ذکر بھی نہایت بازاری رنگ میں کیا ۔ سرسید نے وہ خط خان بہادر کو بھیج دیا ۔ یہ اُسی کی طرف اشارہ ہے ۔ منشی محرّم علی، سرسید اور اُن کے رفقاء کے بدترین مخالفوں میں سے تھے ۔ یہ خط سرسید نے ۱۹۸۹ء کے شروع میں لکھا تھا ۔

۱- منشی محرّم علی چشتی نے اپنے اخبار 'رفیق ہند' میں سرسید کے خلاف بہت زہر اُگلا تھا، اُسی کی طرف اشارہ ہے ۔ یہ خط سرسید نے اس سے پہلے خط کے بعد ۱۸۸۹ء میں لکھا تھا ۔

معافی چاہتے ہیں ، ہمارا اُس نے کیا گناہ کیا ہے ـ کیا میری ڈاڑھی منڈگئی ؟ آپ آکر دیکھ لیں بدستور ہے ـ "جو دو "جو بڑی ہی ہوگی ـ

مجھے تمام عمر افسوس رہے گا کہ میں نے وہ خط کیوں خان بہادر برکت علی خاں کے پاس بھیج دیا ـ لیکن اگر خان صاحب ممدوح کی نسبت اس میں متوحّش بات نہ لکھی ہوتی تو میں ہرگز نہیں بھیجتا ـ خیر جو ہوگیا اُس پر افسوس سے کیا فائدہ ہے ؟ میرے نزدیک منشی محترم علی کی کسی بات کے درپے نہیں ہونا چاہیے ـ خدا کی دنیا میں بہت مختلف اقسام کی خلقت ہے ـ ہر ایک اپنا کام کرتا ہے ، تم اپنا کام کرو ـ مگر جان لوکہ تمہارا کام کیا ہے ؟ "نیکی ، بھلائی اور اپنے کام سے مطلب ـ دوسرے کے کام سے کچھ غرض نہیں" ـ جس سے دل رکا ہوا ہو اُس سے مت ملو کیونکہ اُس سے مل کر خوشی نہ ہوگی یا منافقانہ طور پر ظاہرداری کرنی پڑے گی ـ نہ ملنے میں بہ نسبت ملنے کے آرام ہے ـ اسی طرح اُس کی باتوں کی پروا نہ کرنے میں بالکل آرام ہے ـ والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ـ

علی گڑھ　　　　　　　　　　خاکسار ، سید احمد

(۲)

(منقول از خطوط سرسید ، مرتّبہ راس مسعود)

مخدومی مکرمی !

آپ کا پوسٹ کارڈ پہنچا ـ جو کلمات مبارکباد کے آپ نے تحریر فرمائے ہیں اُن کا دل سے شکر ادا کرتا ہوں ـ

"خوابِ حیرت[۱]" میرے پاس پہنچی ـ اُس کا بھی شکر ادا کرتا ہوں ـ

۱- 'خوابِ حیرت' ۲۳۲ صفحات کی ایک دلچسپ کتاب کا نام ہے جس میں ایک عجیب خواب کے پیرائے میں مسلمانوں کی تمدنی اور اخلاقی برائیوں کا نقشہ کھینچا گیا ہے ـ یہ کتاب مولوی احمد شفیع تحصیل دار فتح جنگ کی تصنیف تھی اور منشی سراج الدین نے بغرض اظہار رائے سرسید کو بھیجی تھی ـ

''فضیلت''[1] کو بر وقت فرصت پڑھ کر فضیلت حاصل کروں گا۔

مجھے یاد نہیں کہ میں نے آپ کے کسی خط کا جواب نہیں بھیجا - میں نے تو غالباً سب خطوں کا جواب بھیجا ہے۔ اگر کسی خط کا جواب نہ جائے تو آپ میرے حالات پر خیال فرما کر معاف کریں گے۔ معھذا جبکہ آپ میرے ساتھ از راہ عنایت پوری محبت رکھتے ہیں تو مجھ کو ضرور ہے کہ آپ کے خطوں کا جواب نہ بھیجوں یا بہت تاخیر سے بھیجوں تاکہ لطف انتظار، جس کی قدر آپ جانتے ہوں گے، قائم رہے۔ والسلام

علی گڑھ　　　　　　　　　　　　　　　　　　خاکسار، سید احمد

(۵)

(منقول از 'سرسید کے خطوط' مرتبہ مولوی وحید الدین سلیم)

مشفقی مکرمی مخدومی منشی سراج الدین صاحب!

آپ نے اپنے اخبار میں متعدد خط اس منشا سے کہ وہ عورت کے لکھے ہوئے ہیں، چھاپے ہیں - کیا آپ کو یقین دلی ہے کہ وہ خط درحقیقت کسی عورت کے لکھے ہوئے ہیں؟ اگر ایسا یقین نہیں ہے تو کیا یہ کانشنس کے برخلاف نہیں ہے کہ جس کو تم صحیح نہیں سمجھتے اُس کو بطور سچ کے ظاہر کرو؟ میری نصیحت یہ ہے کہ ہر ایک کام میں تم اپنے دل کو ٹٹولو کہ جو کچھ تم کہتے ہو یا کرتے ہو، تمھارا دل اس کو سچ جانتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں جانتا اور اس کو سچ کے طور پر بیان کیا تو خلاف کانشنس، بلکہ خلاف ایمانداری کام کیا۔ آپ مجھ کو معاف کیجیے - بہ سبب اس کے کہ آپ سے محبت ہے، یہ کڑوی نصیحت کی ہے۔ والسلام

علی گڑھ، ۹ اپریل ۱۸۸۹ع　　　　　　　　　　　　خاکسار، سید احمد

۱- 'فضیلت' ۱۱۶ صفحات کی ایک چھوٹی سی کتاب تھی جو منشی سراج الدین نے لکھی تھی - اس میں طلبائے مدارس کے لیے عام معلومات تلاش کر کے جمع کی گئی تھیں - یہ خط بھی ۱۸۸۹ع کا لکھا ہوا ہے۔

(۶)

(منقول از خطوطِ سرسید ، مرتّبہ راس مسعود)

۳۰ اپریل ۱۸۸۹ع کے 'سرمور گزٹ' ناہن میں "مذاق" کے عنوان سے ایک مضمون شایع ہوا ، جس پر سرسید نے مولوی سراج الدین ایڈیٹر 'سرمور گزٹ' کو ذیل کا خط لکھا ۔

مشفقی مکرمی !

کیا آپ کا اخبار بھی مثل دیگر نالائق اخباروں کے نامہذب ہونے کو ہے ؟ نہایت افسوس اور کمال درجہ افسوس ہے کہ مضمون "مذاق" نوشتہ ۰ ۰ ۰ ۰ [1] آپ کے اخبار ۳۰ اپریل میں چھپا ہے ۔ آپ کا اخبار روز بروز ترقی کرتا جاتا تھا ۔ لوگوں کا خیال اُس کی طرف رجوع تھا ۔ کیا اُس کا ارادہ ہے کہ اپنی تمام عزت و قدر کھو دے [2] ؟ والسلام

علی گڑھ — خاکسار ، سید احمد

اس خط کو پڑھ کر قاری کے دل میں ایک اُلجھن سی پیدا ہوتی ہے اور طبعی طور پر یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ کیا مضمون تھا جو 'سرمور گزٹ' میں چھپا اور سرسید نے اُسے پسند نہ کیا ۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ 'مکتوباتِ سرسید' کو دوبارہ مرتّب کرتے وقت ہم کو 'سرمور گزٹ' کے ایک پرانے فائل میں سے وہ مضمون مل گیا ۔ ہم نے اسے غور سے پڑھا ۔ وہ سوائے اس کے کہ ایک مذاحیہ مضمون ہے جس میں ظرافت کے پیرائے میں دکھایا گیا ہے کہ کس طرح ایک سادہ لوح

۱۔ سرسید نے اپنے خط میں مضمون نگار کا نام نہیں لکھا تھا مگر 'سرمور گزٹ' کا ۱۸۸۹ع کا فائل دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس مضمون کے لکھنے والے ایک صاحب سید اختر حسین رضوی لکھنوی تھے ۔

۲۔ اس خط پر کوئی تاریخ نہیں مگر 'سرمور گزٹ' کے فائل پتہ لگا کہ سرسید نے یہ خط شروع ماہ مئی ۱۸۸۹ع میں لکھا تھا ۔

شخص کو یار لوگوں نے اُلّو بنا کر لوٹ لیا ۔ اور کوئی بات ایسی نہیں ہے جو فحش یا مخربِ اخلاق ہو ۔ مگر سرسید کی بڑھی ہوئی سنجیدگی نے اس بات کو بھی گوارا نہیں کیا کہ ایسے مزاحیہ رنگ کے مضمون ان کے دوست کے پرچے میں شایع ہوں ۔ ہم ناظرینِ کرام کی اُلجھن دور کرنے کے لیے 'سرمور گزٹ' جلد ۲ ، نمبر ۱۶ ، مورخہ ۳۰ اپریل ۱۸۸۹ء سے وہ مضمون بجنسہ یہاں نقل کرتے ہیں ، اس لیے کہ یہ ایک قدیم تحریر ہے اور اس لیے بھی کہ اس مضمون کا اس خط سے گہرا تعلق ہے ۔ 'سرمور گزٹ' کے اس قیمتی اور نایاب فائل کے لیے ہم جناب عنایت‌اللہ صاحب (گجرات) کی عنایت کے ممنون ہیں ۔

مذاق

حکیم صاحب کی شامت

مضمون نمبر ۳

بھی کبھی ہو جو شیشے میں ساقیا پلا دینا
بڑا ثواب ہے دل کی لگی بجھا دینا

حکیم صاحب جالِ جہاں آرا بیگم صاحبہ کا نظارہ کر رہے ہیں اور دل میں ایسے خوش ہیں کہ پھولے نہیں سماتے ۔ اتنے میں دان جی ہلبلی پرشاد کو نئی اوپچ کی سوجھی ۔ حکیم صاحب سے مخاطب ہو کے فرمانے لگے کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں دو آنے کی سونتی کلداری خانے سے اُڑاؤں :

حکیم صاحب : ''بھئی ہمارے مزاج کے خلاف ہے ، ہم ہرگز اجازت نہ دیں گے ۔''

ہلبلی پرشاد : ''کیا سمع عالی میں گذرانوں اس وقت دلِ ناشاد بہت بے تاب ہے ، بے اختیار دل چاہتا ہے ، اور جب سے اس بتِ ترسا کو دیکھا ہے دور کی سوجھ رہی ہے ۔''

چھبّن صاحب : ''بھئی ایک دل لگی تو ہوگی کہ دیوان جی کے ذہن کا بخّارہ زیادہ کھل جائے گا ۔''

محمد مرزا : ”اجی دیوان جی آپ شوق سے تشریف لے جائیے مگر ابھی ابھی آئیے گا -“

ہلیلی پرشاد : (کھڑے ہو کر) ”آپ سب اندکے توقف فرمائیں“ (دیوان جی لمبے ہوئے)

اب سنیے ! ایک مُہری لہنگا پھڑکاتی ہوئی آئی اور حکیم صاحب سے کہنےلگی ”چلیے ، آپ کو حضور نے یاد کیا ہے -“

حکیم صاحب : (کھڑے ہو کر) ”کس طرف چلوں ؟“

مُہری : ”آپ میرے ساتھ ساتھ چلیں -“

مُہری تو آگے آگے ہوئی اور حکیم صاحب اس کے پیچھے پیچھے ہولیے. تھوڑی ہی دیر میں حکیم صاحب بیگم صاحب کے پاس پہنچے اور مُہری غائب ہو گئی -

حکیم صاحب اگرچہ دل میں بہت خوش تھے مگر ساتھ ہی اس کے وہاں کا سامان اور بیگم صاحب کا بے دھڑک سامنے ہو جانا کچھ کم تعجب خیز نہ تھا مگر اس خوشی کے مقابلے میں کسی خوف اور دہشت کی ان کے سامنے کچھ وقعت نہ تھی - بے خوف بیگم صاحب کے پاس بیٹھ گئے -

بیگم : ”آئیے آئیے

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو ، کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

کہیے مزاج شریف ! میں نے آپ کی بہت تعریف سنی ہے اور واقعی جیسا سنا تھا اس سے بہت بڑھ کے پایا -“

حکیم صاحب : ”میں اس وقت اپنی خوش قسمتی پر نازاں ہوں کہ آپ سا معشوق دل فریب میرا پہلو گرما رہا ہے -“

بیگم : ”آپ تو بہت جلدی مزے میں آئے - خوب ہی نخرے کیے - مجھے ایسی باتیں پسند نہیں -“

حکیم صاحب : (ایک آہ سرد بھرکر) ”واللہ جب سے حضور کے حسنِ جہاں افروز کی تعریف سنی تھی ، بغیر دیکھے ہوئے دل ہاتھ سے کھو بیٹھا تھا - اور اس وقت تو وہ حال ہے کہ میں اپنے آپے میں نہیں ہوں - اس وقت بے اختیار جی چاہتا ہے کہ حضور کے عارضِ تاباں کا بوسہ لے لوں -“

بیگم : دیکھو یہ مجنوں کی سی بڑ اچھی نہیں ہے۔ بڑے بے تکے آدمی ہو ۔

آدمی را آدمیت لازم است
عود را گر بو نہ باشد ہیزم است

اور (دبی زبان سے) ابھی جلدی کیا ہے ، کیوں گھبراتے ہو ۔"

حکیم صاحب : (گلے میں بانہیں ڈال کر) "صدقے ان باتوں کے ، کیا بھلی معلوم ہوتی ہیں ۔"

بیگم : (ہاتھ جھٹک کر) "واہ وا ! کیا خوب ۔ مجھے یہ باتیں نہیں اچھی لگتیں (آنکھیں نیچی کر کے) کیا اسی واسطے آئے تھے ؟

نے سر کی خبر نہ ہوش پا ہے
کیا جانیے تم کو کیا ہوا ہے

اللہ رے مردوے تیری جعل سازی ! کس دھوکہ بازی سے میرے پاس آیا ہے ۔ آگ لگے ضعیفہ کی باتوں پر ، وہ تو کچھ اور ہی کہتی تھی ۔"

حکیم صاحب : (چٹ چٹ بلائیں لے کر) "میری پیاری بیگم ، جانی بیگم ، کیا ہم سے خفا ہو گئیں ؟"

یہ میٹھی میٹھی باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک لمبے قد کی موٹی تازی حبشن حکیم صاحب کے سر پر ملک الموت کی طرح آ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی : "اوئی ! یہ کون مرد بیٹھا ہے ؟ آج تو ہم کچھ نیا سامان دیکھتا ہے ۔ یہ کون کُرم ساک ہے ؟"

حکیم صاحب : (صورت دیکھتے ہی آنکھیں بند کر لیں) "بھئی خدا کے واسطے ان کو یہاں سے ہٹاؤ ۔ کیا ڈراؤنی صورت ہے ؟"

حکیم صاحب اس کی صورت دیکھ کے خوف سے تھرتھر کانپنے لگے ۔ کبھی کاہے کو ایسی صورت دیکھی تھی ۔ حبشن نے ان کو کان پکڑ کے اُٹھایا اور کہا "ہٹ پرے ہو یہاں سے ۔ پرائی بہو بیٹیوں کو کھراب کرنے آیا ہے ۔"

حکیم صاحب : (بیگم سے مخاطب ہو کر) "یہ کون مردار ہے ۔ خدا کے لیے اس کو یہاں سے نکلواؤ ورنہ میری روح قالب سے پرواز کر جائے گی ۔"

حبشن : (چِلّا کر) ''ارے کوئی ہے جلدی دوڑو ، گھر میں ڈاکو گھسے ہوئے ہیں اور لوٹے لیتے ہیں۔''

اتنا کہنا تھا کہ پانچ پہلوان ڈنڑ پیل اور سات آٹھ حبشی ڈنڈے باندھے ہوئے باہر سے گھر میں گھس آئے اور آتے ہی پہلے محمد مرزا اور چھبّن صاحب کی خبر لی ، اور اس حبشن نے جو بھیس بدلے ہوئے تھی ، کپڑے اُتارے ۔ اب جو حکیم صاحب اس کو دیکھتے ہیں تو ایک حبشی چٹ لنگوٹ کسے ہوئے ، ایک چُھرا ہاتھ میں ، ان کی روح قبض کرنے کھڑا ہے ۔ دیکھتے ہی حکیم کی جان نکل گئی ۔ لگے اُس کے آگے ہاتھ پاؤں جوڑنے ۔ مگر اُس نے ایک نہ سنی اور حکیم صاحب کو دھکیلتا ہوا نیچے لایا ۔ چھبّن صاحب اور محمد مرزا اپنے ہی حال میں گرفتار تھے ۔ ان کو ایک حبشی خونخوار کے ساتھ دیکھ کے بید کی طرح کانپنے لگے اور حکیم صاحب کا تو یہ حال کہ :

عیش باغِ جہاں کی بھول گئے　　دفعتہً ہاتھ پاؤں پھول گئے
دل جو صدمہ بڑا اُٹھاتا تھا　　ایک رنگ آتا ایک جاتا تھا

حبشی : (حکیم صاحب کو چھُرا دکھا کر) ''ماردوں ایک بھنڈارے کا ہاتھ کہ ساری آنتیں باہر ڈھیر ہوں ۔''

چھبّن صاحب : ''کیوں حکیم صاحب ، ہم تو پہلے ہی کہتے تھے کہ کوئی گل ضرور کھلے گا مگر سنتا کون ہے ۔ آپ کو تو اور ہی دھن سمائی تھی ۔''

حکیم صاحب : (حبشی کے آگے ہاتھ جوڑ کر) ''اب ایسی خطا نہ ہوگی ۔ ہم لوگ نا دانستہ یہاں چلے آئے ہیں ، آپ ترس خدا کر کے ہم لوگوں کو یہاں سے جانے دیجیے ۔''

پہلوان : (ڈنڈا تان کر) ''جانے دیجیے ؟ پرائے گھر میں آنا کیا دل لگی بازی ہے ؟ اب اس آنے کا ذرا مزہ اُٹھائیے ، پھر چلے جائیے گا ۔''

چھبّن صاحب اور محمد مرزا کو چار حبشی ، قیدیوں کی طرح پکڑے ہوئے تھے اور اس زور سے ان دونوں کے ہاتھ پکڑے تھے کہ ان کا حال ابتر تھا اور درد کے مارے ان کے آنسو جاری تھے ۔ اتنے میں ایک حبشی نے حکیم صاحب پر حملہ کیا اور چھرے کی نوک سے ذرا چرکا دیا ۔ اس وقت ان کی حالت قابلِ افسوس تھی ۔ پھر تو اُن سے رہا نہ گیا اور لگے ہائے واویلا کرنے ۔

''اُف جان گئی ۔ خدا کے واسطے ترس کھاؤ ۔ ارے ظالمو ! یہ کیا ظلم کرتے ہو ۔ ہائے میرے اللہ میں کیا کروں ۔''

ایک : ''اماں دیکھتے کیا ہو ۔ ان سب کے کپڑے اُتار لو اور جو کچھ ان کے پاس ہو سب چھین لو ۔''

دوسرا : اے واہی ہوا ہے ۔ ان سب کی گردنیں کاٹ کر یہیں دفن کردو ۔ کہاں کا جھگڑا ۔''

اب ہلبلی پرشاد کی کیفیت سنیے کہ حضور نے خوب شراب پی اور نشے میں مست یہاں آن موجود ہوئے ۔ ان کو اور ہی کچھ سوجھی ہوئی تھی اور بسنت کی خبر ہی نہ تھی ۔ آتے ہی آپ نے نعرہ مارا :

''منم لندھور بن سعدان''

حبشی حیران ہوئے کہ یہ چرکوٹے برابر آدمی کہاں سے آن موجود ہوا ۔ مٹھی برابر ہڈیاں اور دعویٰ یہ ! ان میں سے ایک نے جھپٹ کر دروازہ بند کر لیا کہ ایسا نہ ہو کوئی اور بھی گھس آئے تو سارا کھیل بن کے بگڑ جائے ۔ ہلبلی پرشاد نے حکیم صاحب کو جو خراب حالت میں دیکھا تو فرماتے ہیں :

''پھنس گئی عندلیب ہو ہے کس ہائے تنہائی اور کنجِ قفس''

(بھی ہوئی زبان سے) ''کیوں بیٹا ، ہم کیسے نچھت بچے ۔ سچ کہنا ، یار لوگ یوں الگ رہتے ہیں ۔''

حبشی : ''کیوں واہی تباہی بکتا ہے ۔ ایک پٹخنی میں کام تمام ہو جائے گا ۔''

ہلبلی پرشاد : ''قسم گنگا کی ! اگر اس جانب کی طرف ذرا بھی نگاہ کی تو یہ سمجھ لینا کہ سر ہی پر ہوں گا اور ایسا زد و کوب کیا ہوگا کہ ہڈیاں سرمہ ہو جائیں گی ۔ (جھوم کر) اہاہا :

منم آں چہ حق بود کردم تمام
تو دانی دگر بعد ازیں والسلام''

پہلوان : (ڈنڈا رسید کر کے) ''کیوں بے ! اب راضی ہوا ۔''

ہلبلی پرشاد : (منہ بنا کے) ''اُف چوٹ تو بڑی آئی مگر کیا پروا ہے ۔ میرا بھی وار لیتا جا ۔''

یہ کہہ کے آپ تلملا کے آگے بڑھے اور اوندھے منہ زمین پر آ رہے ۔ لیکن پڑے پڑے بڑبڑا رہے ہیں ۔ ''کیوں پٹھّے سچ کہنا کیا مارا ہے ۔ ایک ہی وار

میں زمین پر لمبا لٹا دیا ۔

معشوق ہے خواری میں آتے ہیں سوے میخانہ آج
ساقیا! بھر دے شرابِ سرخ سے پیانہ آج

کیوں؟ یہ شعر بھی کیسا برمحل موزوں کیا ہے ۔''

حکیم صاحب اور سب حاضرین ان کی اس حالت پر بے ساختہ ہنس پڑے اور پہلوانوں اور حبشیوں نے ان کی مرمت کرنا شروع کی ۔ کوئی ڈنڈا مارتا ہے، کوئی گھونسہ مارتا ہے ۔

ہلبلی پرشاد : ''اچھا مارے جاؤ ۔ اب کی ایسی لپٹ ہوگی کہ . . . .'' (بے ہوش ہو گئے) ایک حبشی نے پھر ایک ڈنڈا رسید کیا ۔

ہلبلی پرشاد : (چونک کر) ''دیکھو ایسا ماروں گا کہ کچھ دنوں تک یاد کرو گے (لشے میں) اچھا مارے جاؤ ۔

من نہ گویم کہ ایں مکن آں کن
مصلحت بین و کار آساں کن

منہ لالائے ہلبلی پرشاد ۔ اپنے نام کا ہر تھانہ رفتہ رپٹ ضرور اندراج کروائے دوں گا ۔ اچھا فرمساخان زنگی بچگان فہمیدہ خواہد شد ۔''

حبشی : (زور سے ڈنڈا رسید کر کے) ''لے اور لے ۔''

ہلبلی پرشاد : (بے تاب ہو کر) ''اُف اب کی بڑی چوٹ آئی ۔ ہائے رام رے، ارے دیّا رے دیّا ۔

ہولی آمد بہار شد پیدا

ارے بیگم جانے دے ۔ ہائے کہاں گئیں، ارے میری پیاری بیگم ۔ ارے تمہارا عاشق تم کو پکارتا ہے ۔ اللہ کے ادھر نظارہ کرو ۔''

پہلوان : (دو تین گھونسے مار کر) ''اے بڑی سخت جان کا ہے ۔ کسی طرح چپ بھی نہیں ہوتا ۔ ٹیں ٹیں کیے چلا جاتا ہے ۔

ہلبلی پرشاد : ''وہ وہ ستم ۔ اُف اب کی بڑی چوٹ آئی ۔ ارے میرے معشوق جانی بیگم ۔

بجرمِ عشق تو ام میکشند و غوغاے ست
بیگم جانی! تو نیز دریں صحنِ خانہ بیا کہ خوش تماشائے ست

دیّا رے دیّا! اری موری میّا ری!''

حبشی : (حکیم صاحب سے مخاطب ہو کر) ''لے اب سیدھی طرح کپڑے اُتار دو ورنہ یہی حال تمہارا بھی ہوگا۔''

حکیم صاحب : ''خدا کا واسطہ ! مجھ پر ترس کھاؤ۔ اب کبھی ادھر کا رخ بھی نہ کروں گا۔ میرا قصور معاف کرو۔''

حبشی : ''یہ سیدھی طرح نہ دیں گے۔ اچھا ان کی بھی مرمت کرو۔'' (یہ کہہ کر آگے بڑھا)۔

حکیم صاحب : (ہاتھ جوڑ کر) ''اچھا اگر میں سب کپڑے اُتار دوں تو میری جان تو نہ لوگے ؟ خدا کا واسطہ میری جان نہ لو۔''

حکیم صاحب نے کل نقد و جنس ان کے حوالہ کیا۔ ایک لنگی ان کے باندھنے کو دی گئی اور مجرموں کی طرح اُکڑوں زمین پر بٹھائے گئے۔ چھبن صاحب اور محمد مرزا نے جب یہ کیفیت دیکھی تو ان لوگوں کے بغیر دھمکائے ہوئے کل کپڑے اُتار کے دے دیے۔ ایک ایک لنگی ان کو بھی ملی۔ جب یہ سب ننگے بوچے ہوگئے تو ان کو ایک جگہ بٹھایا اور کہا کہ اگر تم لوگوں نے تھانے پر رپورٹ لکھوائی اور یہاں کا پتا بتایا تو یہ جان لو کہ گھر میں گھس کے جان سے مار ڈالیں گے۔ ان سب نے قسمیں کھائیں اور کہا ''ہرگز رپورٹ نہ کریں گے۔ مگر ہماری جان اپنے اوپر سے تصدق کر کے چھوڑ دیجیے اور اب ہم کو اپنے گھر جانے دیجیے''۔

حبشی ان کو دھمکا کے راہی ہوئے۔ اب جو حکیم صاحب دیکھتے ہیں تو مکان میں کسی آدمی کی آواز تک نہیں آتی اور جس کمرے میں یہ لوگ بیٹھے تھے اس میں خاک اُڑ رہی ہے۔ آرایشی سازوسامان میں سے نام کو بھی کوئی چیز نہیں دکھائی دیتی۔ جب یہ کیفیت دیکھی تب ان لوگوں کی آنکھیں کھلیں اور حال معلوم ہوا کہ یہ سب دھوکا بازی تھی اور سر تا پا جعل۔ یہ ان کے پھانسنے کے واسطے دانہ ڈالا تھا اور جال بچھایا تھا۔ لیکن جب کام ہو لیا اور کپڑے لتّے چھن گئے تو آنکھیں کھلنے اور اصلیت معلوم ہو جانے سے کیا ہو سکتا تھا۔ قہر درویش بر جان درویش کہہ کے دیوان جی کو چونکایا۔ وہ اُٹھے تو سہی مگر کراہتے ہوئے۔ چنّدا کے چوٹ بہت آئی تھی۔ ہڈی ہڈی چُور تھی اور جوڑ جوڑ میں درد تھا۔ ایک یہ کیا، قریباً سب کی یہی کیفیت تھی۔ خیر بصد خرابی و ہزار دشواری یہ لوگ وہاں سے چلے اور گلیوں میں ہوتے

ہوئے مکان تک پہنچے۔ حکیم صاحب نے تو توبہ کر لی کہ اب کبھی کسی بڑھیا کے پھندے میں نہ آئیں گے ۔ یہ ایسا سبق نہ تھا کہ جیتے جی بھول جاتا ۔

راقم ، سید اصغر حسین رضوی لکھنوی

(۷)

(منقول از خطوط سرسید ، مرتّبہ راس مسعود)

محبّی و مکرمی و مخدومی !

آپ کا عنایت نامہ پہنچا ، ممنون ہوا ۔ آپ کے قلم نے 'سومور گزٹ' میں میری نسبت زیادہ جوش دکھایا ہے جس کے لائق میں خود اپنے آپ کو نہیں سمجھتا ۔ میں فرض کرتا ہوں کہ آپ اپنی عنایت و محبت سے مجھے ایسا ہی سمجھتے ہیں لیکن اور لوگ تو ایسا نہیں سمجھتے ۔ پس وہ لوگ آپ کی تحریر کو فضول سمجھتے ہوں گے ۔ پس ایسی تحریرات سے ، جن کو لوگ فضول سمجھیں ، کیا فائدہ ؟ . . . آپ میری تصویر کو کیا کیجیے گا ؟ آپ کو معلوم نہیں ہے کہ تصویر کھینچنا ، کھنچوانا ، رکھنا ، سب منع ہے ۔ یہ ایں ہمہ اگر آپ چاہتے ہیں تو لیجیے ، ملفوف ہے ۔ اگر تصویر میں کچھ نقص ہو تو بے چاری بے جان بے زبان تصویر پر الزام نہ دیجیے گا ۔ بلکہ جس کی تصویر ہے اُس پر ، اور اگر آگے بڑھیے تو اور پر ۔ مگر یہ نصیحت پیر دانا یاد رکھنی چاہیے :

پیر ما گفت خطا در قلم صنع نہ رفت
آفریں بر نظر پاک خطا پوشش باد

والسلام

علی گڑھ ، ۱۳ جون ۱۸۸۹ع   خاکسار ، سید احمد

(۸)

(منقول از خطوط سرسید ، مرتّبہ راس مسعود)

مخدومی !

(میں آپ کو) دوستانہ صلاح دیتا ہوں کہ آپ اپنے اخبار کو مہذّب

بنائیں ۔ بدگو[1] کے ساتھ اگر بدگوئی کی تو دونوں برابر ہو جاتے ہیں ۔ میری نسبت لوگ کیا کیا کچھ نہیں لکھتے ہیں ۔ کیا مجھے لکھنا نہیں آتا ؟ ہندوستانی ریاستیں ہندوستان میں غنیمت ہیں ، ہمیشہ اُن کے ساتھ دوستانہ برتاؤ چاہیے ۔

علی گڑھ   خاکسار ، سید احمد

(۹)

(از 'سرمور گزٹ' ناہن ، جلد ۲ ، نمبر ۲۹ ، بابت ۸ اگست ۱۸۸۹ع ، ص ۲)

سرسید نے اپنے بعد اپنے لڑکے سید محمود کو اپنا جانشین اور کالج کا لائف سیکرٹری بنانا چاہا تھا جس پر مخالفت کا زبردست طوفان اُٹھ کھڑا ہوا ۔ یہ خط سرسید نے اسی سلسلے میں لکھا تھا ۔

مخدومی ایڈیٹر سرمور گزٹ !

آپ کے اخبار مطبوعہ ۳۱ جولائی میں جو کچھ نسبت مسودۂ قانون ٹرسٹیان لکھا ہے اس کا شکر ادا کرتا ہوں اور جناب کے دوست دانش مند صاحب کا بھی شکر گزار ہوں کہ تین برس تک میرے خط کو محفوظ رکھ کر چھپوا دیا ۔ مسودۂ قانون ٹرسٹیان میں سید محمود کو جوائنٹ سیکرٹری اور بعدش سیکرٹری تجویز کرنے کی ضرورت اور یورپین اسٹاف کی موجودہ حالت کے قائم اور درست رکھنے کے لیے بہ نسبت آیندہ کی ضرورت کے بہت زیادہ ہے ۔ اور اسی موجودہ ضرورت کے خیال سے وہ دفعات بنائی گئی ہیں ۔ اگر اس ضرورت کی بنا صرف اسی قدر ہوتی کہ مجھ کو دوسروں کی نسبت کچھ کہنا نہ پڑتا تو میں ضرور اس کو چھاپ دیتا ۔ گو میرا طریقہ برا سننے کا ہے ، برا کہنے کا نہیں ۔ اب ہر شخص کو اختیار ہے کہ اس کو جس امر پر چاہیے محمول کرے مگر آپ یقین کیجیے کہ موجودہ حالات (میں) کالج کی بہتری کے لیے وہ تجویز لازمی اور ضروری تھی ۔ فقط والسلام

علی گڑھ ، ۳ اگست ۱۸۸۹ع   خاکسار ، سید احمد

۱۔ غالباً یہ خط ۱۸۸۹ع کا ہے ۔ اور اس میں "بدگو" کا اشارہ منشی محترم علی چشتی کی طرف ہے ۔

(۱۰)

(منقول از 'سرمور گزٹ' ناہن ، جلد ۲ ، نمبر ۳۲ ، بابت ۳۱ اگست ۱۸۸۹ء ، ص ۳)

مخدومی ومکرمی منشی سراج الدین صاحب !

'سرمور گزٹ' میں جو مضمون چھپا وہ میں نے پڑھا ۔ مجھ کو حقیقت میں نہایت تعجب ہے کہ مولانا حالی ، جو ایک گوشہ گزیں شخص ہیں اور نہایت متحمّل مگر اس معاملے میں ان سے بغیر لکھے نہ رہا گیا ۔ ان کا یہ خیال اُس قومی ہمدردی کو بتلاتا ہے جو اُن کے دل میں مخفی ہے ۔ وہ یقینی سمجھتے ہیں کہ اس وقت خاموش رہنے سے قوم کو نقصان ہوگا ۔ مگر کس عمدگی اور متانت سے مضمون لکھا ہے جس کا بیان نہیں ہو سکتا ۔ اُن کی تحریر سے ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مخالفت اور موافق دونوں اصل حقیقت سے واقف نہ تھے ، مولانا حالی کو پوری واقفیت تھی ، ان کی تحریر سے اصل بات ظاہر ہوگئی ۔ اب کوئی اس کو پسند کرے یا نہ کرے ۔ درحقیقت مولانا حالی نہایت شکر گزاری کے مستحق ہیں ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۱۸ اگست ۱۸۸۹ء   خاکسار ، سید احمد

(۱۱)

(منقول از 'سرمور گزٹ' ناہن ، جلد ۳ ، نمبر ۷ ، بابت ۱۷ فروری ۱۸۹۰ء ، ص ۲)

ایک صاحب نے ۱۰ فروری ۱۸۹۰ء کے 'سرمور گزٹ' ناہن میں مُتعے کے متعلق ایک مضمون لکھا ۔ اس مضمون کے آخر میں ایک فقرہ یہ بھی تھا کہ ''ہمارے زمانے کے محقّق اور حکیم سرسید احمد خاں بہادر نے بھی اپنے ایک لکچر میں ، اگرچہ اُن کی رائے خلاف مسئلۂ متعہ کے ہے ، مگر یہ قبول کیا ہے کہ علی مرتضیٰ 'مُتعہ کرتے تھے ۔''

'سرمور گزٹ' سرسید کے پاس باقاعدہ پہنچتا تھا ۔ جب انہوں نے یہ مضمون پڑھا اور اپنے متعلق یہ رائے لکھی ہوئی دیکھی

تو فوراً ایڈیٹر 'سرمور گزٹ' کو مندرجہ ذیل مختصر خط لکھا :

جناب ایڈیٹر صاحب اخبار سرمور گزٹ !

میرا ہرگز یہ عقیدہ نہیں ہے کہ جناب علی مرتضٰی علیہ السلام یا ائمہؑ اطہار میں سے کسی ایک نے بھی مُتعہ کیا ہے ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۱۴ فروری ۱۸۸۹ع[1] خاکسار ، سید احمد

(۱۲)

(منقول از خطوط سرسید ، مرتّبہ راس مسعود)

مخدومی مکرمی !

آپ کا پوسٹ کارڈ اور مجموعہٗ لکچر[2] پہنچا ۔ میں آپ کی عنایت کا اور اُس محبت کا ، جس کے سبب سے آپ کو اُن لکچروں کے جمع کرنے اور چھاپنے کا خیال ہوا ، دل سے شکرگزار ہوں ۔ لیکن میرے احباب جس قدر مجھ پر مہربانی

۱- مکتوبات سرسید کے پہلے ایڈیشن میں یہ خط خطوطِ سرسید از راس مسعود سے نقل کیا گیا تھا اور اُس میں خط کی تاریخ یہی لکھی تھی ۔ لیکن جب بعد میں 'سرمور گزٹ' کے قدیم پرچے سامنے آئے ، جن میں پہلے پہل یہ خط شائع ہوا تھا ، تو معلوم ہوا کہ اس خط کی صحیح تاریخِ تحریر ۱۴ فروری ۱۸۹۰ع ہے ۔

۲- منشی سراج الدین احمد نے دسمبر ۱۸۹۲ع میں سرسید کے ۳۴ لکچروں کا ایک مختصر مجموعہ ہلالی پریس ساڈھورہ میں چھپوا کر شائع کیا تھا جس کا نام ''مجموعہ لکچر ہائے سرسید'' تھا ۔ یہ سرسید کے لکچروں کا سب سے پہلا مجموعہ تھا جس کے صفحات ۳۲۰ تھے ۔ اس خط میں سرسید کا اشارہ اسی کتاب کی طرف ہے ۔ یہ مجموعہٗ لکچرز منشی صاحب نے ٦ دسمبر ۱۸۹۰ع کو چھاپ دیا تھا ، جیسا کہ اس کے دیباچے سے ظاہر ہے ، اور اُس کے بعد اپریل ۱۸۹۱ع میں اُسے سرسید کے پاس بھیج بھی دیا تھا ، جس کی رسید سرسید نے اس خط میں دی ہے ۔ مگر بہت دنوں تک یہ مجموعہ بغیر سرورق کے مطبع میں پڑا رہا ۔ جب اخیر دسمبر ۱۸۹۲ع میں اس کا سرورق چھپا اُس وقت اسے عام کیا گیا ۔ اسی لیے سرورق پر تاریخِ اشاعت اخیر دسمبر ۱۸۹۲ع چھپی ہوئی ہے ۔

فرمائیں گے اور بہ نیکی یاد کریں گے ، اُسی قدر بعض لوگ ناراض ہوں گے اور جو دل چاہے گا واجبی یا ناواجبی مجھ پر اور آپ پر ناراض ہوں گے ۔ بے چارے مہدی علی[1] نے کیا قصور کیا ہے جو اُس پر بھرمار ہو رہی ہے ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۱۷ اپریل ۱۸۹۱ء — خاکسار ، سید احمد

(۱۳)

(منقول از خطوط سرسید ، مرتبہ راس مسعود)

مخدومی مکرمی منشی سراج الدین احمد صاحب ایڈیٹر سرمور گزٹ ، ناہن !

آپ کا اخبار مورخہ ۲۱ مارچ ۱۸۹۲ء کے دیکھنے سے ، جس میں "نیرنگِ زمانہ کے تماشائی"[2] کی تحریر چھپی ہے ، نہایت رنج ہوا ہے ۔ کیا اخباروں کی اب یہ نوبت پہنچی ہے کہ ہم عصر انسانوں کے تمسخر کرتے کرتے انبیا علیہم السلام کے تمسخر کریں ؟ کیا آپ کے نزدیک وہ تحریر حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ ایک گستاخی اور ٹھٹھے کی نہیں ہے ؟ افسوس صد افسوس کہ آپ کے اخبار میں ایسے مضمون چھاپے ہوئے جو متانت اور انبیاء علیہم السلام کے ادب کے بالکل خلاف یا نامناسب ہیں ۔ آپ لکھتے ہیں کہ ایسا مضمون لکھنے کی ضرورت آئندہ بتائی جائے گی ۔ کوئی ضرورت ہو یا نہ ہو مگر ایسے مضمون کے لکھنے کی ، جس طرز تحریر پر ہر ایک مسلمان افسوس کرے گا ، کوئی ضرورت نہیں ہو سکتی ۔

اُمید ہے کہ میرے اس خط کو اخبار میں چھاپ دیں گے ۔ و انا بریُ مما تقولون ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۲۳ مارچ ۱۸۹۲ء — خاکسار ، سید احمد

۱۔ نواب محسن الملک سے مراد ہے ۔

۲۔ افسوس ہے کہ 'سرمور گزٹ' کا ۱۸۹۲ء کا فائل ہمیں دستیاب نہیں ہو سکا ، اس لیے ہم نہیں کہہ سکتے کہ مضمون "نیرنگِ زمانہ کے تماشائی" میں کیا بات لکھی گئی تھی جو سرسید کو ناگوار ہوئی ۔

(۱۳)

(منقول از خطوط سرسید ، مرتبہ راس مسعود)

مخدومی مکرمی !

جہاں تک مجھے علم ہے ، تحصیل داری[1] کے عہدے میں مندرجہ ذیل کام ہوتے ہیں :

اول وصول مالگزاری سرکار جس میں کوئی معذور شرعی نہیں ہے - دوم بٹوارہ اور تقسیم اراضیات ، اس میں بھی کوئی معذور شرعی نہیں ہے - سوم نالشات وصول زر لگان کا تصفیہ جو حسب استغاثہ زمیندار کاشت کار پرکیا جاتا ہے ، اس میں بھی کوئی معذور شرعی نہیں ہے - چہارم داخل خارج وارثان متوفی یا خریداران اراضیات میں ، اس میں بھی کوئی معذور شرعی نہیں ہے - بعض تحصیلوں میں صیغہ آبکاری تحصیلدار کی زیر نگرانی ہوتا ہے مگر اس کا ٹھیکدار جداگانہ ہوتا ہے اور داروغہ آبکاری یا تحصیلدار اس بات کا نگران ہوتا ہے کہ ٹھیکدار دغا بازی یا خلاف ورزی شرائط ٹھیکہ نہ کرنے پاوے اور چوری سے شراب کہیں نہ جا سکے - اس میں بھی کوئی معذور شرعی معلوم نہیں ہوتا - پنجم خزانے کی نگرانی جس میں کسی قسم کا معذور شرعی نہیں ہے - مجھ کو یاد پڑتا ہے کہ ایک نہایت بزرگ شخص سمجھتے تھے کہ تحصیلداری کی نوکری میں کوئی معذور شرعی نہیں ہے اور ایک نہایت بزرگ اور مقدس شخص نے اس وجہ سے عہدۂ تحصیلداری قبول کیا تھا - علاوہ اس کے جن تحصیلداروں سے رجسٹری اور میونسپلٹی کا کام متعلق ہے اُس میں بھی کوئی معذور شرعی نہیں ہے - بعض تحصیلداروں کے پاس فوج داری کا کام ہے جس میں مجرموں کو سزا دی جاتی ہے - وہ سزا سیاستاً ہوتی ہے جس میں کوئی معذور شرعی نہیں معلوم ہوتا - اگر معذور شرعی ہے تو رشوت لینا ہے - اگر نیک آدمی جو متدیّن ہے اور نہایت

۱- ۱۸۹۶ء میں 'چودھویں صدی' میں ایک سوال ایسی ملازمت کے متعلق چھپا تھا جس میں غیر اسلامی قانون کے مطابق احکام دیے جاتے ہیں - اسی کے جواب میں سرسید کا یہ خط ہے - اخبار 'سرمور گزٹ' کے بند ہونے کے بعد منشی سراج الدین نے 'چودھویں صدی' کے نام سے ایک رسالہ راولپنڈی سے جاری کیا تھا -

ایمانداری سے اپنے عہدے کا کام کرتا ہے ، اُس کے لیے کوئی امر شرعی عہدۂ تحصیلداری کے اختیار کرنے کے لیے مانع نہیں ہے ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۳ مئی ۱۸۹۶ع — سید احمد

(۱۵)

(منقول از خطوط سرسید ، مرتّبہ راس مسعود)

مخدومی مکرمی !

آپ کا عنایت نامہ پہنچا ۔ جو نوازش اور عنایت آپ نے اپنے عنایت نامے میں (میرے حال پر) فرمائی ہے اور قدردانی اور قدر افزائی 'تہذیب الاخلاق' کی کی ہے اس کا میں دل سے شکر ادا کرتا ہوں ۔ 'تہذیب الاخلاق' کے بند ہونے کا مجھ کو بھی نہایت افسوس ہے مگر افسوس ہے کہ میری ہمت ٹوٹ گئی اور بمقتضائے عمر اور بعض عوارض سے میں اپنے میں 'تہذیب الاخلاق' جاری رکھنے کی اب قدرت نہیں پاتا اور ان وجوہات سے کسی طرح بعد رمضان وہ جاری نہیں رہ سکتا[۱] ۔ مجھ کو افسوس ہے کہ میری اس تحریر سے آپ کی خاطر عاطر کو کچھ ملال ہوگا ۔ مگر جو امر میری قدرت سے باہر ہوگیا ہے اس کے عرض کرنے سے مجبور ہوں ۔ آپ کی عنایت اور مہربانی کا میں دوبارہ شکریہ ادا کرتا ہوں اور امید ہے آپ کی عنایت ہمیشہ میرے حال پر رہے گی ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۳۰ اکتوبر ۱۸۹۶ع — خاکسار ، سید احمد

(۱۶)

(منقول از خطوط سرسید ، مرتّبہ راس مسعود)

مخدومی مکرمی !

ان چیزوں کو موجودہ حالت میں بحث میں لانا مسلمانوں کی ترقی میں ہرج

۱- یہ خط اُس وقت کا ہے جب سرسید نے تیسری مرتبہ اپنے رسالے 'تہذیب الاخلاق' کو بند کیا ۔ اس سال رمضان کا مہینہ ۱۵ مارچ ۱۸۹۶ع کو ختم ہوا تھا ۔

ڈالتا اور ان کو متوحّش اور زیادہ تر متنفّر کرتا ہے ۔ یہ امور نہایت جزئیات ہیں جن کی بحث سے ترقی تعلیم اور ترقی تہذیب میں ہرج پڑے گا ۔ پس اس کو ہرگز بحث میں نہیں لانا چاہیے ۔ پہلے امور معظّم اور اصول کو رائج کرنا چاہیے ۔ تصاویر و تماثیل کے جائز و ناجائز ہونے کے دلائل موجود نہیں ۔ اس کی نسبت فیصلہ کرنا اور ناجوازی اور جواز کی وجہ بتانا نہایت دقیق اصول پر مبنی ہے ۔ تصاویر کا رواج خود ہوتا جاتا ہے ۔ پس جو بیل کہ چل رہا ہے اس کو آر مارنے کی کچھ ضرورت نہیں[1] ۔ والسلام

علی گڑھ — خاکسار ، سید احمد

(۱۷)

(منقول از خطوط سرسید ، مرتبّہ راس مسعود)

مخدومی !

بے شک میں پردے کی رسم کا متعدد وجوہ سے نہایت طرف دار ہوں اور بالتخصیص ہندوستان میں ۔ اس میں میرا کچھ اجتہاد نہیں ہے ۔ نہ میں نے کبھی اُس پر غور کیا ۔ مگر فقہائے اسلام کا یہ مسئلہ ہے کہ منہ اور ہاتھ پہونچے تک اور پاؤں ٹخنے تک ستر میں داخل نہیں ہیں ۔ فقہائے متاخرین نے بسبب فسادات زمانہ منہ کو پردے میں داخل کیا ہے ۔ مولوی شرر صاحب[2] نے میری نسبت ایک لغو بات لکھ دی ہے ۔ شاید میں نے کسی کے سامنے کہا ہوگا کہ شرعاً منہ اور ہاتھ پردے میں داخل نہیں ہیں ۔ ان کو چاہیے کہ خود فقہ کی کتابیں دیکھیں ۔ والسلام

علی گڑھ — خاکسار ، سید احمد

۱- اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں ۔

۲- مولوی عبدالحلیم شرر ایڈیٹر 'دل گداز' لکھنؤ کی طرف اشارہ ہے جو پردے کے مسئلے میں بہت آزاد طبع واقع ہوئے تھے ۔ اس خط سے یہ پتا نہیں چلتا کہ یہ خط سرسید نے کس سنہ میں منشی سراج الدین کو لکھا تھا ۔

(۱۸)

(منقول از 'سرسید کے خطوط' مرتّبہ مولوی وحید الدین سلیم)

مخدومی مکرمی محبّی!

آپ کے چار قطعہ عنایت ناجات پہنچے - دو ہوتے تو دوگانہ شکریہ ادا کیا جاتا، چار ہیں (لہذا) دوگانہ شکریہ بھی اُن کے لیے کافی نہیں - میں اس خیال سے کہ آپ میری کسی تحریر سے برا نہ مانیں گے، جو میرے دل میں آتا ہے لکھ بھیجتا ہوں - خصوصاً اپنے خاص دوستوں کی نسبت میری خواہش ہے کہ ہر اخلاق میں وہ اعلیٰ درجے پر ہوں - اور سب اخلاق سے مقدم سچائی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم خود اپنے آپ کو سچا جانیں - اور یہ سچائی جیسی کہ قول سے متعلق ہے ویسی ہی فعل سے بھی متعلق ہے - ایسے ہی پرائیویٹ خطوط سے اور ایسے ہی اخبار سے متعلق ہے - بہرحال جو محبت و عنایت آپ میرے ساتھ برتتے ہیں اُس کا دل سے شکر گزار ہوں۔ ... سے اور مجھ سے پرانی دوستی ہے اور در حقیقت مجھ کو اُن کے ساتھ کسی درجے تک محبت بھی ہے - انھوں نے جو ... کی تعلیم کو خراب کیا ہے اُس کا بے انتہا مجھ کو رنج ہے - مگر میرے اختیار میں بجز رنج کرنے کے اور کیا تھا؟ مجھ کو دو شخصوں پر بے انتہا تعجب ہے ... اگر اور کوئی ہوتا تو تعجب نہ ہوتا - تعجب یہ ہے کہ یہ دونوں صاحب بھی مطلق نہیں سمجھے کہ لڑکوں کی تعلیم کیونکر ہوتی ہے یا کیونکر ہونی چاہیے؟ اور محبت پدری کہاں تک کام میں لائی جائے؟ اور کہاں تک اُس کو روکا جائے؟ تاکہ وہ اولاد کے حق میں مضر نہ ہو جائے ...۱

علی گڑھ خاکسار، سید احمد

۱- اس خط پر بھی کوئی تاریخ درج نہیں ہے -

۴۳

بنام راجا سرپتی سنگھ

(از رسالہ 'فکر و نظر' علی گڑھ ، حصہ انگریزی ، ص ۶۸)

راجا صاحب مہربانِ دوستاں ، راجا سرپتی سنگھ صاحب تعلقدار سلّمہ

بعد مراسمِ اخلاص کے آپ کو واضح ہوکہ چند روز سے ہندوستانی رئیسوں نے باہم جمع ہو کر واسطے فائدۂ عام اور ترقی تعلیم و تربیت اہل ہند کے ایک مجلس مقرر کی ہے اور اُس کا نام سائنٹی فک سوسائٹی رکھا ہے - اور یہ ارادہ ہے کہ بذریعہ سوسائٹی کے اہلِ ہند کو یورپ کے علم و ہنر اور علوم و فنون کی کلوں کے تجربے سے واقف کیا جاوے اور نیز در باب ترقی فنِ زراعت کے کوشش ہو - ان تمام امور کے انجام کے لیے تعمیر ہونا ایک مکان کا ضرور تھا - چنانچہ اس ضلع کے اور قرب و جوار کے رئیسوں نے اُس مکان کی تعمیر کے لیے چندہ جمع کیا ہے اور تعمیرِ مکان قریب الاختتام ہے - مگر جس قدر چندہ ہوا ہے اُس میں واسطے پورا ہونے تعمیر مکان کے تخمیناً دو ڈیڑھ ہزار روپے کی کمی ہے - اس لیے آپ کو بھی اس تمام حال سے اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر آپ کو بھی اس نیک کام میں ، جو صرف ہندوستانیوں کے فائدے کے لیے ہوا ہے ، کچھ تائید کرنی ہو تو آپ بھی اس میں تائید فرما ویں - فقط

مرقوم ۲۹ جولائی ۱۸۶۵ع — سید احمد

۲۲

بنام ٹھاکر سرنام سنگھ

(رسالہ 'فکر و نظر' حصہ انگریزی ، ص ٦٧)

یہ صاحب موضع ثانی ، پرگنہ سکندرہ راؤ (ضلع علی گڑھ) کے رئیس اور تعلقہ دار تھے - ان کو بھی سرسید نے سائنٹی فک سوسائٹی علی گڑھ کی عمارت کی تعمیر میں چندہ دینے کے لیے یہ خط لکھا تھا -

جناب ٹھاکر صاحب مہربانِ دوستاں سلامت !

چونکہ اس ضلع کے رئیسوں نے واسطے بھلائی اور بہبودی ہندوستانیوں کے ایک مکان علی گڑھ میں چندے سے بنانا شروع کیا ہے ، بلکہ قریب الاختتام ہے ، اور مقصود اُس سے یہ ہے کہ ہمیشہ ہندوستانی (اصحاب) اُس میں جمع ہوا کریں اور واسطے ترقی علم اور بہبودی ہندوستانیوں کے علمی گفتگوئیں ہوا کریں - اور اس کام کے لیے اس ضلع کے رئیسوں اور بلند شہر کے رئیسوں اور (دیگر) بہت سے لوگوں نے چندہ دیا ہے - مگر ہنوز پورا چندہ جو تعمیر مکان کے لیے درکار ہے ، جمع نہیں ہوا - چونکہ یہ کام ہندوستانیوں کے لیے نہایت فائدہ مند ہے اور اس ضلع کے رئیسوں کو ، جن کے خاص ضلع میں یہ مکان تعمیر

ہوا ہے ، اُس کی مدد کرنا اور اُس کے پورا کرنے کے لیے چندہ دینا نہایت فائدہ مند ہے ، اس لیے آپ کو بھی اطلاع کی جاتی ہے کہ اگر آپ کو بھی اس مکان کے پورا کرنے کے لیے کچھ روپیہ بطور چندہ دینا منظور ہو تو آپ بھی دیجیے کیونکہ ایسے نیک کام میں آپ کا بھی شریک ہونا نیک اور بہتر ہے ۔

۲۹ جولائی ۱۸۶۵ع — سید احمد

۴۵

بنام بابو سرودا پرشاد سنڈل

الہ آباد

(منقول از 'حیات جاوید' بحوالہ علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ[۱])

۱۸۶۸ء میں جب پہلے پہل صوبہ یو-پی (انڈیا) میں ہندو اصحاب نے ایک کمیٹی اُردو کی مخالفت اور ناگری کی حمایت میں قائم کی تو اس کے سیکریٹری بابو سرودا پرشاد سنڈل قرار پائے۔ بابو صاحب نے اس مضمون کے متعلق سرسید مرحوم سے (جو اُس وقت بنارس میں جج عدالت خفیفہ تھے) ایک طویل خط و کتابت کی۔ سرسید اُس وقت انگلستان جانے کی تیاری میں مصروف تھے اور بہت جلد روانہ ہونے والے تھے۔ لیکن

۱- بابو سرودا پرشاد کے نام کے یہ دونوں خطوط پہلے ایڈیشن میں 'حیاتِ جاوید' سے نقل کیے گئے تھے۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ دونوں خطوط 'حیاتِ جاوید' کی اشاعت سے بہت پہلے 'علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ'، بابت ۲۷ نومبر ۱۸۶۸ء کے صفحہ ۷۵۴ اور صفحہ ۷۵۷ پر شائع ہو چکے تھے اور غالباً وہیں سے مولانا حالی نے 'حیاتِ جاوید' میں نقل کیے ہوں گے۔ 'علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ' کا دوسرا نام 'اخبار سائنٹی فک سوسائٹی علی گڑھ' تھا۔

باوجود تنگیِ وقت اور کثرتِ کار کے انھوں بابو صاحب کی چٹھیوں کے ایسے جوابات دیے جنھوں نے نہ صرف بابو صاحب کو خاموش کر دیا بلکہ اس سوال کا بھی ایک کافی عرصے کے لیے خاتمہ کر دیا ۔ اس سلسلے میں نہایت تلاش سے ہمیں سرسید کے صرف دو خط مل سکے ہیں جو ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں ۔ یہ خط و کتابت انگریزی میں ہوئی تھی ۔ یہاں اُردو ترجمہ دیا جا رہا ہے ۔ اصل انگریزی خطوط نہیں مل سکے ۔

(۱)

صاحبِ من !

آپ کی چٹھی مؤرخہ ۳۱ ماہ گزشتہ[۱] میرے پاس پہنچی ۔ آپ نے اس میں اس امر کی نسبت میری ناقص رائے طلب کی ہے کہ آیا ہندی یعنی موجودہ مخلوط زبان ، جو دیوناگری حروف میں لکھی جاتی ہے ، اضلاع شمال و مغرب کی عدالتوں میں رائج ہونی مناسب ہے یا نہیں ؟ اور یہ بھی آپ نے لکھا ہے کہ میں اپنی رائے کو مدلل و مبرہن لکھوں ۔

مجھ کو نہایت افسوس ہے کہ میں آپ کی درخواست کی پوری پوری تعمیل نہیں کر سکتا ۔ اس واسطے کہ آج کل مجھ کو چنداں فرصت نہیں ہے کہ میں ایسے عمدہ اور بڑے معاملے کی نسبت اچھی طرح غور و فکر کر سکوں ۔

لیکن تاہم جو کچھ اس باب میں میری رائے ہے ، میں اس کو مختصر طور سے بیان کرتا ہوں ۔ میرے پاس اُس کی تائید کے واسطے چند مستحکم دلیلیں بھی موجود ہیں ۔

میری دانست میں اس طرح پر بیان کرنا کہ ہندی زبان اضلاع شمال و مغرب کی موجودہ مخلوط زبان ہے ، جو دیوناگری حروف میں لکھی جاتی ہے ، دو مخالف باتوں کو ملا دینا ہے ۔ اس لیے کہ زبان فی نفسہٖ اَور چیز ہے اور کسی قسم کے خاص حروف میں اس کا لکھا جانا اَور بات ہے ۔

۱- یعنی ۳۱ اکتوبر ۱۸۶۸ع ۔

میرے نزدیک اضلاع شمال و مغرب و صوبہ بہار کی عدالتوں میں وہی زبان شائع ہونی چاہیے جس کو آپ ہندی یعنی موجودہ مخلوط زبان کہتے ہیں ، لیکن میں اس کو اُردو کہنا پسند کرتا ہوں ۔

اس باب میں گفتگو کرنا کہ وہ دیو ناگری یا فارسی یا انگریزی حروف میں لکھی جائے ، محض بے فائدہ بات ہے ۔ اس واسطے کہ خود عدالتوں کے کاروبار سے یہ بات ثابت ہو سکتی ہے کہ اُس کو کس قسم کے حروف میں لکھنا مناسب ہے اور کون سے حرف ہمارے کام کے انجام کے لائق ہیں ؟

اگر کوئی شخص فارسی حروف کے ترک کرنے اور اُن کی جگہ اور حروف کے قائم کرنے کی نسبت مستحکم وجوہ پیش کرے اور یہ اطمینان کر دے کہ بغیر کسی دقّت کے ہندی حروف سے ہماری کاربرآری ہو سکے گی تو میں پھر حروف مجوزہ کے جاری ہونے کی نسبت کچھ اعتراض نہ کروں گا ۔

بنارس ، ۸ نومبر ۱۸۶۸ع آپ کا دوست ، سید احمد

(۲)

صاحبِ من !

آپ کا عنایت نامہ مؤرخہ ۱۲ ماہ حال[1] میرے پاس پہنچا ۔ میں اس کے جواب میں مضمون مندرجہ ذیل گزارش کرتا ہوں ۔ جو کچھ میں نے ہندی زبان کی تعریف کی نسبت آپ کی پہلی چٹھی کے موافق اپنی پہلی چٹھی میں لکھا تھا ، اُس سے حقیقت میں میری یہی غرض تھی کہ زبان کا پسند کرنا اور بات ہے اور جن حروف میں وہ لکھی جائے اُن کا پسند کرنا اور بات ہے ۔ اور اسی وجہ سے بحث و گفتگو میں وہ دونوں معاملے جدا قرار دینے چاہییں ۔ ان دونوں کو شامل کر دینے سے آپ کی چٹھی میں وہ بات لکھی گئی ہے جو ہندی زبان کی تعریف میں ٹھیک ٹھیک شامل نہیں ہو سکتی ۔ مگر جب آپ یہ کہتے ہیں کہ ہندی زبان سے خاص ہندوستان کی زبان مراد ہے تو میں آپ سے اختلاف کرنے کی کوئی وجہ نہیں دیکھتا ۔

میں آپ کی صرف اس رائے سے اختلاف کرتا ہوں کہ وہ زبان اور اُردو

۱- یعنی نومبر ۱۸۶۸ع ۔

زبان ایک نہیں ہے ۔ اس واسطے کہ آپ اپنی پہلی چٹھی میں یہ بات تسلیم کر چکے ہیں کہ ہندی زبان سے آپ کی مراد اضلاع شمال و مغرب کی موجودہ مخلوط زبان ہے ۔ پس یہ مخلوط زبان سوائے اُردو کے اور کوئی نہیں ہو سکتی ۔

اور آپ کا یہ فرمانا کہ اُردو زبان میں فارسی کے بہت لفظ مخلوط ہیں ، بجا نہیں ہے ۔ اس واسطے کہ فارسی کے لفظ اُردو میں وہی لوگ زیادہ ملا دیتے ہیں جو فارسی زیادہ جانتے ہیں ۔ اور جو لوگ فارسی نہیں جانتے وہ نہایت رواجی اور عام استعمال کے لفظوں میں بولتے ہیں ، جیسے کہ قدیمی روسی زبان کا جاننے والا انگریز اپنی اصلی انگریزی زبان میں روسی لفظ اور جملے ملانے کا شائق ہوتا ہے ، یا سنسکرت کا ماہر بھاکا زبان میں سنسکرت کے لفظ ملانے سے باز نہیں رہتا ہے ۔

جو لوگ کہ اُردو زبان میں مشہور مصنّف ہیں وہ ہرگز نامناسب طور سے دو زبانوں کو نہیں ملاتے ۔ چنانچہ میر درد کے دیوان اور "باغ و بہار" کے دیکھنے سے معلوم ہوگا (کہ میرا کہنا کہاں تک سچ ہے) ۔

جب آپ کے نزدیک ہندی زبان ان اضلاع کی موجودہ مخلوط زبان ہے ، تو پھر میں نہیں سمجھتا کہ اس میں اور اردو میں کیا فرق ہے ؟ پس جب ان دونوں زبانوں میں امتیاز نہیں ہے تو پھر تبدیلی کے کیا معنی ہیں ؟ اور ایک زبان کی بجائے دوسری زبان کیسے رائج ہوگی ؟

علاوہ اس کے آپ کی اس تحریر سے کہ یہ تبدیلی اصلی زبان کی ترقی کا باعث ہوگی ، نہایت تعجب ہوتا ہے ۔ اس واسطے کہ میرے ذہن میں یہ بات نہیں آتی کہ تمام دنیا میں کوئی اصلی زبان بھی ہو ۔ پس ناچار میں آپ کی تحریر سے یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ شاید اصلی زبان سے آپ کی مراد ملک کی زبان ہوگی ۔ اور ہم لوگوں کی نسبت آپ ہندی زبان یا ان اضلاع کی موجودہ مخلوط زبانوں کو ''ہمارے ملک کی زبان'' کہتے ہوں گے جس کو میں ''اُردو'' کہتا ہوں ۔

یہ بات کہنا کہ دیو ناگری یا انگریزی حروف ہماری عدالتوں کے کاروبار کے لائق نہ ہوں گے ، صرف میرا ایک خیال ہے ۔ میں دعویٰ نہیں کر سکتا کہ یہ میرا خیال صحیح ہوگا ، اس لیے کہ ایک امر کی نسبت اطمینان حاصل کرنے کے واسطے بلاشبہ تجربہ درکار ہے ۔ مگر میں چند معقول وجوہ سے یہ بات فرض کر سکتا ہوں کہ تجربے کے بعد بھی میری رائے صحیح ٹھہرے گی ۔

اگر بجائے فارسی حروف کے دیو ناگری حروف جاری کرنا ممکن ہو (گو

میں اس کو ناممکن ہی سمجھتا ہوں) تو میں اس سے مخالفت کرنے کی کوئی وجہ نہیں دیکھتا ، جیسا کہ میں آپ کو ابھی لکھ چکا ہوں ۔ حالانکہ میں نے یہ خیال نہیں کیا کہ اصل اُردو زبان ہندوستانی زبان کی زیادہ محتاج ہے یا فارسی زبان کی ؟

یہ خیال کرنا بھی صحیح نہیں ہے کہ اہل معاملہ کے لیے یہ حروف بڑی سدّ راہ ہیں کہ اُن کو بعض وثائق کے پڑھوانے کے واسطے ایک فارسی خواں کی تلاش ہوتی ہے اور اس میں اُن کا سخت ہرج ہوتا ہے ۔ اس واسطے کہ ان کو ایسے امور کے سبب سے کوئی دقّت پیش نہیں آتی ، بلکہ حقیقت میں وثیقہ لکھنا ، پڑھنا یا اس کی تشریح کرنا صرف قانونی واقفیت پر موقوف ہوتا ہے ۔ پس اس غرض کے واسطے ان لوگوں کو ایسے شخصوں کے پاس جانا چاہیے جو قانون سے بخوبی واقف ہوں ۔ اور میں یہ بھی التماس کرتا ہوں کہ قدیم سے عوام الناس کو یہی دقّت پیش آتی رہی ہے اور خواہ وہ مسلمانوں کی حکومت میں ہوں ، خواہ کسی اور کی ، یہ قباحت رفع نہ ہوگی اور مجھ کو یقین ہے کہ وہ ہمیشہ رہے گی ۔

کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص آج کل اُردو جانتا ہو یا فارسی سے آگاہ ہو وہ خاص اپنے مقدمے میں انگریزی یا اسلامی قواعد کے موافق قانونی دقائق کو یا مقدمے یا معاہدۂ متنازعہ فیہ کی حقیقت کو دریافت کر سکتا ہے ؟ اور کیا ہر ایک ہندی کا جاننے والا (ہندی سے موجودہ مخلوط زبان مراد ہے جو دیوناگری حروف میں لکھی جاتی ہے) مذہب ہنود کے قانونی عقدوں کو حل کر سکے گا ؟

کیا آپ کی یہ رائے ہے کہ یورپ کے باشندے ، جو ہمیشہ اپنے معاملات (اپنے) اپنے ملک کی زبان میں انجام دیتے ہیں ، کسی قانون داں کی مدد کے محتاج نہیں ہیں اور یہ خود وثیقوں وغیرہ کو تحریر کر سکتے ہیں ؟

پس بایں لحاظ ضرور ہے کہ عدالتوں میں ملک کی رواجی زبان شائع ہووے اور وہ ایسے حروف میں لکھی جاوے جن میں ہمارے کاروبار بآسانی انجام پا سکیں ۔ یا وہ زبان جاری ہو جو قانون دان لوگ بولتے ہیں ۔ اس واسطے کہ جو زبان کل ملک میں رائج ہے اور فی نفسہٖ ہمارے خیالات ظاہر کرنے کا نہایت مناسب ذریعہ ہے ، اُس کی بجائے کسی اور ایسی زبان کے جاری کرنے کے واسطے (جو عدالت کے کاروبار کے لحاظ سے غیر مستعمل ہو) حقیقت میں بڑے قوی وجوہ درکار ہیں ۔

جو عنایت آمیز باتیں آپ نے اپنی چٹھی کے اخیر میں تحریر فرمائی ہیں اُن کے سبب سے میں آپ کا نہایت ممنون و مشکور ہوں ۔ لیکن مجھ کو اس سبب سے بڑا افسوس ہے کہ میں اخیر دسمبر تک اس باب میں اپنی پوری پوری رائے ظاہر نہیں کر سکتا ۔ البتہ ماہ جنوری میں کچھ میں اپنی رائے لکھ سکوں گا ۔ بشرطیکہ جو معاملات میرے ارادے کے موافق سفر یورپ سے متعلق ہیں ، اُن میں میرا وقت بالکل صرف نہ ہو ۔ اس چٹھی کی انگریزی عبارت میں جو کچھ غلطی ہو اُس کو براہِ نوازش معاف فرمائیے ۔

بنارس ، ۱۴ نومبر ۱۸۶۸ع — آپ کا دوست ، سید احمد

۴۶

بنام لالہ سری لال

(رسالہ 'نئی تحریریں'، لاہور، نمبر ۱، بابت ستمبر ۱۹۵۴ء، ص ۷۶)

سرسید کے وقت میں لالہ سری لال، علی گڑھ کے ایک مشہور سیٹھ اور ساہوکار تھے ۔ اُس زمانے میں یہ قاعدہ تھا کہ لوگ اپنا روپیہ حفاظت اور احتیاط کی خاطر شہر کے بڑے بڑے مہاجنوں اور سیٹھوں کے پاس امانت رکھوا دیا کرتے تھے اور حسبِ ضرورت اُن سے رقمیں لیتے رہتے تھے، جیسے آج کل بنک میں لوگ اپنا روپیہ جمع کروا دیتے ہیں ۔ یہ مہاجن اس امانت کے روپے کو آگے سود پر چلاتے تھے اور معقول منافع کماتے تھے، مگر عندالطلب خازن کو فوراً رقم ادا کر دیتے تھے، جیسا آج کل بنکوں کا حال ہے ۔ منشی نجم الدین محرّر محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کو اپنی شادی کے لیے روپے کی ضرورت ہوئی ۔ اُنھوں نے سرسید سے عرض کی ۔ سرسید نے ذاتی تعلقات کے خیال سے لالہ سری لال کو لکھا، مگر لالہ جی آخر بنیے تھے، اُنھوں نے اس بنا پر رقم دینے سے انکار کر دیا کہ منشی نجم الدین کی تنخواہ صرف بارہ روپے ماہوار ہے ۔ اس قلیل رقم میں سے یہ کہاں سے سود ادا کرے گا اور کہاں سے قسط دے گا ۔ جب سرسید کو یہ

معلوم ہوا تو اُنھوں نے کہیں اور سے منشی نجم الدین کے لیے بلاسود دو سو روپے کا انتظام کر دیا ۔ ذیل کا خط وہی ہے جو اس سلسلے میں سرسید نے لالہ سری لال کو لکھا تھا ۔ رسالہ 'نئی تحریریں' کے علاوہ یہ خط رسالہ 'فکر و نظر' علی گڑھ جلد ۱ نمبر ۳ بابت ماہ اپریل ۱۹۶۰ء میں بھی صفحہ ۱۳۰ پر ڈاکٹر مختار الدین احمد نے چھپوا دیا تھا ۔

مشفقی لالہ سری لال صاحب !

آپ مہربانی سے دو سو روپے بہ طریقِ قرض نجم الدین کو ایک روپیہ سینکڑہ سود پر دے دیں ۔ دس دس روپے ماہواری ہم اُس کی تنخواہ میں سے آپ کو دے دیا کریں گے ۔ والسلام[1]

علی گڑھ ، ۲۵ اکتوبر ۱۸۹۵ء — خاکسار ، سید احمد

۱۔ یہ خط ڈاکٹر مختار الدین احمد نے منشی نجم الدین سے لے کر اول رسالہ 'نئی تحریریں' لاہور میں چھپوایا تھا ۔ وہیں سے نقل کر کے مشتاق حسین مرحوم نے اپنے مرتّبہ ''مکاتیبِ سرسید احمد خاں'' میں شائع کیا ۔ جب بعد میں ڈاکٹر مختار الدین احمد نے رسالہ 'فکر و نظر' میں سرسید کے خطوط کا ایک طویل سلسلہ شروع کیا تو اس میں بھی اس خط کو شامل کر دیا ۔ اس طرح اب یہ خط چوتھی مرتبہ شائع ہو رہا ہے ۔

۴۷

بنام منشی سعید احمد

سرسید ، مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے بورڈنگ ہاؤس کے لیے ایک مذہبی اتالیق ملازم رکھنا چاہتے تھے جو طلبائے کالج کے مذہب اور اخلاق کی نگرانی رکھے ۔ اس سلسلے میں سرسید نے منشی حافظ سعید احمد صاحب کو ایک خط لکھا تھا تاکہ وہ اُن صاحب کو دکھا دیں جن کو وہ اس عہدے کے لیے کالج میں بلانا چاہتے تھے ۔ منشی صاحب ، مولوی محمد اکبر منیجر بورڈنگ ہاؤس مدرسۃ العلوم کے خویش تھے اور ۱۸۸۳ع سے کالج کی ملازمت میں بطور نائب منیجر بورڈنگ ہاؤس داخل ہوئے تھے ۔

جو صاحبان سرسید کے مذہبی خیالات و عقائد سے اختلاف رکھتے ہیں وہ اس خط کو خاص طور سے ملاحظہ فرمائیں ۔ اس میں سرسید نے نہایت صفائی اور تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ وہ طلبائے کالج کو کس رنگ میں رنگین دیکھنا چاہتے ہیں ؟ اور کس قسم کی تربیت اور تعلیم اُن کو دلوانا چاہتے ہیں ؟ اور کس سانچے میں اُن کی طبیعتوں اور عادتوں اور خصائل کو ڈھالنا چاہتے ہیں ۔ اس اہم خط سے سرسید کے مذہبی اور اندرونی خیالات کا صحیح پتا لگتا ہے اور یہ بات روز روشن

کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ سرسید کے مذہبی عقائد کس
قسم کے تھے ؟ اور وہ اپنے طلبا کو کیسا بنانا چاہتے تھے ؟

مشفقی منشی حافظ سعید احمد صاحب !

مولوی عبد اللہ صاحب کا خط جو آپ نے بھیجا ، میں نے نہایت خوشی سے پڑھا ۔ قبل اس کے کہ میں اس کا جواب دوں ، اپنے خیالات کا ظاہر کرنا مناسب سمجھتا ہوں ۔ سب سے اول یہ ہے کہ جس مقصد کے لیے ہم ایک بزرگ اور مقدس شخص کو بورڈنگ ہاؤس میں رکھنا چاہتے ہیں وہ ایسا ہو کہ درحقیقت اس کام میں اُس کو مالی فائدے پر نظر نہ ہو اور نہ مالی فائدے کو مقدم سمجھے ۔ بلکہ اُن کا اصلی مقصد اور اُن کی سچی نیت خالصاً اللہ یہ ہو کہ مدرسۃ العلوم ایک ایسی جگہ ہے جہاں کثرت سے مسلمان نوجوان جمع ہیں ۔ اُن میں نیکی اور اخلاق محمدی اور محبت اسلامی اور پابندی فرائض مذہبی کو پھیلانا اور اُن کے دلوں کو نرمی اور اخلاق سے ، نہ تشدّد اور سختی اور (نہ) تعصّب اور تشقّف سے ، نیکی کی طرف مائل کرنا ایک مذہبی اور ثواب کا کام ہے ۔ ہزاروں جاہلوں کے مجمع میں وعظ کہہ دینے سے ایسے لوگوں میں ، جو اس زمانے کے علوم کی تعلیم میں مصروف ہیں اور نوجوان ہیں ، نیکی اور اخلاق محمدی کا پھیلانا اور فرائض مذہبی کی طرف مائل کرنا ہزار درجے بہتر ہے اور اسلام اور قوم کے لیے زیادہ مفید ہے ۔ پس یہ مقصد ایسے ہی شخص سے حاصل ہو سکتا ہے جس کی نیت اور ارادہ خالصتاً بلا کسی قسم کے لالچ اور دنیاوی طمع کے اس کام کے کرنے کا ہو اور یہ سمجھے کہ میں اسلام کی خدمت کرتا ہوں ۔ پس اگر مولوی عبد اللہ صاحب اسی نیت سے یہاں آنا چاہیں تو ہماری عین خواہش اور خوشی ہے ۔ علاوہ اس کے میں دنیاوی فائدے کی نظر سے دینی کاموں کو انجام دینا یا دلوانا ناجائز بھی نہیں سمجھتا ۔

مولوی عبداللہ صاحب فرزند ہیں مولوی انصار علی صاحب کے ، نواسے ہیں (مولوی) مملوک علی صاحب کے ، داماد ہیں مولوی محمد قاسم صاحب (نانوتوی) کے اور اُن سب بزرگوں سے مجھے ذاتی واقفیت تھی ۔ اور اُمید ہے کہ ان بزرگوں کی صحبت کے فیض سے مولوی عبداللہ صاحب کی بھی ایسی ہی طبیعت ہے کہ دینی کاموں کو بہ لحاظ دین اور بہ لحاظ محبت اسلام انجام دیں ۔

اور اسی خیال سے میں ان کا مدرسے میں تشریف لانا اور یہاں رہنا باعث خیر و برکت سمجھتا ہوں۔

مدرسے میں قیام پذیر ہونے میں جن کاموں کی انجام دہی کی اُن سے خواہش ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ اول، مسجد کا اہتمام اور نماز پنجگانہ کا انتظام اُن کے متعلق رہے اور پانچوں وقت کی نماز وہ خود پڑھا دیا کریں۔ اُن کے سبب سے جماعت کو ترقی ہوگی اور طالب علموں کو نماز با جماعت کی زیادہ ترغیب ہوگی۔

۲۔ دوسرے، یہ کہ کبھی کبھی جمعہ کی یا اور کسی نماز کے بعد بطور وعظ کے طالب علموں کو کسی قدر نصیحت کر دیا کریں۔

کالج کے طالب علم خود تعلیم یافتہ ہیں اور متعدد قسم کے علوم سے واقفیت رکھتے ہیں۔ اُن کے لیے زیادہ تر مفید یہ ہوگا کہ اخلاق اور عادات محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور صحابۂ کرام اور دیگر بزرگان دین کی نیکیوں اور حسن اخلاق اور خدا پرستی اور خدا کی محبت اور احکام مذہبی کے خلوص سے ادا کرنے کا، والدین اور اُستاد کے ادب اور آپس میں مسلمانوں کی ہمدردی، عقائد مذہب اسلام کی خوبی اور سادگی، وحدانیت خدا کی عظمت و شان، قرآن مجید کی خوبی اور جناب رسالت مآب علیہ الصلٰوۃ والسلام کی ہدایات کی خوبی اور برتری سے وقتاً فوقتاً اُن کو آگاہ کیا جاوے، جس سے طالب علموں کے دلوں میں نیکی پیدا ہو اور اُن کے دل سچائی اور باہمی محبت اسلامی اور نیکی کی طرف مائل ہوں۔

مدرسے میں شیعہ اور سُنّی دونوں قسم کے طالب علم ہیں۔ اُن کو صرف سُنّی طالب علموں کی ہدایت سے تعلق رکھنا چاہیے اور اس بات کا ہمیشہ خیال رہے کہ کوئی ایسا امر واقع نہ ہونے پائے کہ جس سے مابین سُنّی اور شیعہ طالب علموں کے کوئی رنجش یا تکرار مذہبی پیدا ہو۔

اُن کو اس بات پر (بھی) توجہ کرنی چاہیے کہ اُن کا ادب اور اُن کی محبت طالب علموں کے دلوں میں پیدا ہو، اور یہ اُس وقت ہو سکتا ہے جب کہ وہ خود طالب علموں کے ساتھ اخلاق و محبت سے پیش آویں اور اُنھی کا اخلاق و محبت طالب علموں کی ہدایت اور اُن میں نیک دلی پیدا ہونے کا ذریعہ ہوگا۔ خدا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ "فبما رحمۃ من اللہ

لنت لهم و لو کنت فظاً غلیظ القلب لا انفضوا من حولک" -
پس علما کا بھی یہی فرض ہے کہ اس رحمت سے خود فائدہ اُٹھا کر لوگوں کی ہدایت کریں - میرے نزدیک تعصّب و تسلّط اور تشدّد اختیار کرنا خلافِ حکم خدا اور خلافِ طریقۂ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافِ انسانیت ہے ، اور اس طریقے سے ہرگز کسی کو ہدایت نہیں ہو سکتی ، بلکہ نفرت پیدا ہوتی ہے -

زیادہ تر میرا مقصد یہ ہے کہ طالب علموں کے دلوں میں نماز پنج گانہ اور با جماعت نماز ادا کرنے کا شوق پیدا ہو یا عادت پڑ جاوے - اگرچہ ہمارے کالج میں ایک خاص شخص نماز کی حاضری لینے کو معیّن ہوتا ہے اور جو لوگ جماعت میں غیر حاضر ہوتے ہیں اُن سے مواخذہ کیا جاتا ہے اور تدارک بھی ہوتا ہے ، مگر میری رائے میں اُس سے چنداں فائدہ نہیں - بہتر یہ ہوگا کہ جو شخص حاضری لیتا ہے وہ اُن لوگوں کے نام سے ، جو بلاوجہ اکثر جماعت سے غیرحاضر ہوتے ہیں ، مولوی صاحب کو اطلاع کرے گا اور مولوی صاحب کسی وقت اُن کو علیحدہ تخلیے میں بلا کر نصیحت کریں گے اور سمجھاویں گے کہ نماز پڑھنی اور جماعت میں شریک ہونا چاہیے - اگر کچھ نہیں تو اس طریقے سے شوکتِ اسلام اور شوکتِ جماعتِ مسلمانان ثابت ہوتی ہے - غرض کہ اس قسم کی مشفقانہ نصیحتیں زیادہ کارآمد ہوں گی اور اُن دنیاوی سزاؤں سے ، جو پرنسپل صاحب نماز کی غیرحاضری کے سبب دیتے ہیں ، زیادہ تر کارگر ہوں گی -

اسی طرح (اگر) مولوی صاحب کو معلوم ہو کہ (کالج کے) کسی لڑکے کے عقائدِ مذہبی میں فرق ہے یا اور کسی مذہبی مسئلے میں اس کو شبہ ہے تو تخلیے میں مشفقانہ طریق پر اس کو سمجھاویں اور جہاں تک اُن سے ہو سکے اس کے شبہے کو دور کریں -

جو لڑکے قرآن مجید پڑھے ہوئے نہیں ہیں اُن کو مسجد میں صبح کے وقت یا اور کسی وقت تھوڑا تھوڑا قرآن پڑھایا جاتا ہے اور اس کے لیے جداگانہ حافظ مقرّر ہے - مولوی صاحب کو مناسب ہوگا کہ اس پر بھی نگرانی رکھیں تاکہ تعلیم قرآن مجید کی بخوبی جاری رہے -

ان کاموں کے سوا کوئی کام مدرسے کا اُن سے متعلق نہ ہوگا - لیکن اگر کوئی طالب علم قرآن مجید کے معنی یا کوئی حدیث کی یا کوئی اور مذہبی کتاب پڑھنا چاہے تو اس کا پڑھانا بھی اُن کی خوشی پر منحصر ہوگا اور اُمید

ہے کہ مولوی صاحب ایسے کام سے انکار نہیں کریں گے ۔

مولوی صاحب کو دن رات مدرسے میں ایک خاص مکان میں ، جو مسجد کے ضلع میں ہوگا ، رہنا ہوگا اور جن دنوں میں کہ مدرسہ بند ہوتا ہے ، یعنی مدرسے میں تعطیل ہوتی ہے ، اُن دنوں میں اور نیز بحالت ضرورت بحصول رخصت وہ اور جگہ جا سکیں گے ۔ اور اسی امر کی بابت نہ یہ معاوضہ انجام امور دینی ہم اُن کو بخوشی معاوضہ دیں گے کیونکہ ان قیود کے سبب وہ اور طرح پر اپنی معاش حاصل کرنے سے معذور ہو جاویں گے ۔

مگر ہم کو افسوس ہے کہ بالفعل بہ لحاظ حالات مدرسہ ہم اُن کو اس قدر معاوضہ نہیں دے سکتے جس قدر کہ دینا چاہیے ۔ مگر مکان کی درستی، فرش وغیرہ اور مکان کی روشنی وغیرہ ہم سب مہیا کریں گے ۔ اگر وہ یہ چاہیں کہ اُن کے کھانے کا انتظام بھی ہم اپنے ذمے لیں تو پچاس روپے ماہواری اور اگر کھانے کا انتظام بھی خود مولوی صاحب اپنے آپ کرنا چاہیں تو ساٹھ روپے ماہواری اُن کو دیں گے ۔ اور اگر ہم دیکھیں گے کہ اس انتظام سے ہمارا مقصد بخوبی حاصل ہوتا ہے تو ہم رفتہ رفتہ اُن کی تنخواہ سو روپے تک بڑھا دیں گے ۔ مجھ کو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مولوی صاحب نے تصحیح اور تحشیّہ مثنوی مولانا روم کا کام اپنے ذمے لیا ہے اور اس کا معاوضہ بھی کچھ اُن کو ملتا ہے ، اس سے ہم کو کوئی مزاحمت نہیں ہے ۔

مجھ کو اس بات سے بھی اطلاع دینی ضرور ہے کہ اگر کوئی باہر کا طالب علم اُن سے اُن کے مکان سکونت واقع بورڈنگ ہاؤس میں آ کر پڑھنا چاہے تو بلا خاص اجازت سیکریٹری و پرنسپل کے کوئی باہر کا طالب علم بورڈنگ ہاؤس میں آمد و رفت نہیں کر سکے گا ۔

میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ ان سب امور سے مولوی صاحب کو اطلاع دیجیے ۔ اگر اُن کو منظور ہو تو میں فی‌الفور اُن کے رہنے کے لیے ایک مکان منجملہ مکانات متعلقہ مسجد کے تیار کردوں ۔ اور مجھ کو اُمید ہے کہ جب مولوی صاحب یہاں آئیں گے تو ہر مذہب کے طالب علموں اور کالج کے افسروں سے اپنا ایسا طریقہ برتاؤ رکھیں گے جو اَوروں کے لیے ایک نمونہ اسلامی اور عمدہ اخلاق کا ہوگا ۔ فقط والسلام

خاکسار ، سید احمد

علی گڑھ ، ۵ جون ۱۸۹۳ء

۴۸

بنام مولوی سمیع اللہ

مولوی حاجی سمیع اللہ خاں - سی - ایم - جی ، علی گڑھ کی تعلیمی تاریخ میں بہت کافی شہرت رکھتے ہیں - آپ علی گڑھ کالج کے بانیوں اور محسنوں میں سے ہیں - مولوی صاحب ابتدا میں سرسید کے نہایت زبردست معاون اور مددگار تھے - اُنھوں نے کالج کو ہزاروں روپے چندہ دیا اور اس کے عروج اور ترقی میں ہمہ تن سعی اور کوشش کی ، مگر بعد میں سید محمود کی جانشینی کے مسئلے پر اتنی سخت مخالفت ہو گئی جس کی انتہا نہیں - دم کے دم میں ساری محبت و الفت ، دشمنی اور عداوت میں بدل گئی اور آخر وقت تک جوں کی توں رہی - مولوی صاحب ذاتی لحاظ سے نہایت قابل ، فاضل اور عالم انسان تھے - عربی زبان سے اُن کو اتنی زیادہ محبت تھی کہ وہ اپنی کتابوں پر بالعموم عربی میں حواشی لکھا کرتے تھے- سنجیدگی ، متانت اور وقار کی زندہ تصویر تھے - نماز ، روزہ اور جملہ احکامِ شریعت کی نہایت سختی سے پابندی کرتے تھے - بے حد فیّاض اور مخیّر بزرگ تھے - غریبوں کی امداد فراخ دلی اور خاموشی سے کرتے اوز قومی و فلاحی کاموں میں دل کھول کر چندہ دیتے تھے - غدر ۱۸۵۷ع میں مظلوموں کی

عملی ہمدردی نہایت دل سوزی سے کی ۔ باوجود نہایت منکسر المزاج ہونے کے حددرجہ غیور اور قانع انسان واقع ہوئے تھے ۔ سر آسمان جاہ نے ڈھائی ہزار روپیہ ماہوار مشاہرے پر حیدر آباد بلایا ۔ اُن کے فرزند اکبر کو تین سو روپیہ ماہوار وظیفہ تاحیات دینا منظور کیا اور تیس ہزار روپیہ اُس کی اعلیٰ تعلیم کے لیے خزانۂ شاہی سے خرچ کرنے کا تحریری وعدہ فرمایا ۔ مگر اتنی گراں قدر ترغیبات بھی مولوی صاحب کی قناعت پسند طبیعت پر غالب نہ آ سکیں اور انھوں نے شکریے کے ساتھ اس قیمتی پیشکش کو مسترد کر دیا ۔ آخری عمر نہایت درجہ زہد و طاعت اور عبادتِ الٰہی میں سکون سے گذار کر اور ۷۲ برس کی عمر پا کر ۷ اپریل ۱۹۰۸ء کو علی گڑھ میں وفات پائی اور حسبِ وصیت حضرت نظام الدین اولیا (دہلی) کی درگاہ میں دفن ہوئے ۔ عادات و خصائل ، اخلاق و مروت ، عبادت و ریاضت ، نیکی و پارسائی اور عامۂ خلائق کی ہمدردی و خیرخواہی میں سلفِ صالحین کا بہترین نمونہ تھے ۔

ان کے نام سرسید کا صرف ایک خط مل سکا ہے جو اُس وقت کا ہے جب باہم بہت اتفاق و اتحاد تھا ۔

(از رسالۂ 'فکر و نظر' علی گڑھ ، حصہ انگریزی ، ص ۱۱۰)

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم بندہ سلامت!

بعدِ سلام عرض یہ ہے کہ دو ورقہ تیتل پیج[1] تاریخ ہندوستان کا بھیجتا ہوں ۔ جس قدر جلد ممکن ہو باجرت چھپوا کر بھیج دیجیے ۔ جس کاغذ پر آپ کا اخبار 'سین ٹیفک سوسائٹی' چھپتا ہے اُس قسم کے کاغذ پر چھپوائیے گا ۔ پروف میرے دیکھنے کو بھیج دیجیے گا ۔ پانچ سو پندرہ کاپی چھاپی جاوے گی ۔ بعد

۱۔ سرسید جس وقت انگریزی الفاظ اُردو میں لکھتے تھے تو اُن کا حلیہ بگاڑ دیتے تھے ۔ چنانچہ اس خط میں دو مرتبہ لفظ ٹائیٹل پیج کو تیتل پیج لکھا ہے ۔

چھپ چکنے کے اُجرتِ چھپائی اور قیمتِ کار سے مطلع فرمائیے گا۔ فی‌الفور خدمتِ مبارک میں مرسل ہوگی۔ اُمید کہ توجہ کافی فرمائی جاوے۔ والسلام

از بنارس، ۲۷ نومبر ۱۸۷۳ء   خاکسار، سید احمد
سکریٹری کمیٹی خزنۃالبضاعۃ

تقطیع کاغذ کی بعینہ ایسی ہی ہونی چاہیے جیسے کہ نمونہ مرسلہ کی ہے۔ اگر چھاپہ خانے میں کسی قسم کی نہایت باریک بیل ہو تو تیتل پیج پر لگا دی جاوے ورنہ صرف دوہری رول دینی کافی ہوگی۔

۴۹

بنام نواب عمادالملک سید حسین بلگرامی

نواب مؤتمن جنگ ، عمادالدولہ ، عمادالملک مولوی سید حسین بلگرامی سی ۔ ایس ۔ آئی ، حیدر آباد دکن کے بڑے معزز عہدہ داروں میں سے تھے ۔ ۱۸۴۳ع میں بمقام گیا پیدا ہوئے ۔ نہایت ذی علم ، وسیع المعلومات ، بااخلاق ، وضعدار اور نیک نفس بزرگ تھے ۔ عربی ، فارسی ، انگریزی اور فرانسیسی زبانیں بخوبی جانتے تھے اور ان زبانوں میں بلاتکلف گفتگو کر سکتے تھے ۔ عرصے تک یورپ میں بھی رہے اور روما اور پیرس کی خوب سیر کی ۔ بہت اعلیٰ درجے کا علمی ذوق رکھتے تھے ۔ آپ ہی کی کوششوں سے حیدرآباد میں اعلیٰ پائے کی مغربی کتابوں کی اشاعت کا ایک ادارہ ''دائرۃ المعارف'' قائم ہوا ۔ اہلِ علم کے نہایت قدردان تھے اور ان سے مل کر نہایت خوش ہوتے تھے ۔ علی گڑھ کالج کے ٹرسٹی ، مسلم یونیورسٹی کے فیلو اور انڈیا کونسل کے ممبر تھے ۔ انجمن ترقی اُردو کے صدر بھی رہے ۔ ۸۳ برس کی عمر پا کر ۱۹۲۷ع میں وفات پائی ۔ ان کے نام کے ۱۲ خط ہیں اور یہ سب کے سب ''خطوطِ سرسید'' مرتبہ سر راس مسعود سے لیے گئے ہیں ۔

(۱)

جناب مخدوم و مکرم من !

میرے دل کو اُس دن آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہونے کا نہایت رنج ہے ۔ حقیقت میں اس قدر کام تھا کہ حاضر ہونا بالکل بھول گیا ۔ نہایت نادم ہوں ۔ ندامت کا افسوس نہیں ہے کیونکہ آپ سے ندامت ہونا کچھ بات نہیں ہے ۔ مگر درحقیقت مجھ کو رنج ہے اور وہ اس طرح دور ہو سکتا ہے کہ میں دولت خانے پر ، خواہ چادر گھاٹ میں خواہ پہاڑ پر ، جہاں آپ ہوں ، حاضر ہو کر الوش خوری کر کے رنج کو مٹا دوں ۔ پس اگر کل آپ تشریف رکھتے ہوں تو مجھے علی الصباح مطلع فرمائیے ، میں حاضر ہوں ۔ ورنہ پہاڑ پر جس دن آپ فرماویں ، حاضر ہوں ۔ جو دلی نیاز کہ مجھ کو آپ سے ہے وہ حاجت بیان نہیں رکھتا ۔ والسلام

۲۵ اکتوبر ۱۸۸۲ع خاکسار ، سید احمد

(۲)

جناب مخدوم و مکرم معظم باعث افتخار ما برگشتہ نصیباں ، زاد عمرہ !

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۲ نومبر پہنچا ۔ باعث اعزاز ہوا ۔ آپ کا تعلیمی کانگرس[۱] میں شریک ہونا ، میں آپ کو دل سے یقین دلاتا ہوں کہ ، ہماری قومی عزت ، دلی خوشی (کا باعث اور) ذریعہ افتخار اور غرور ہے ۔ میں نے آپ کا نام نامی سرورق میں لکھ لیا ہے ۔ پانچ روپے سال اُس کا چندہ ہے ۔ پچھلے سال کی رپورٹ معہ رسالہ مولوی شبلی صاحب ''مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم'' پر ، جو گویا ایک جزو رپورٹ مذکورہ کا ہے ، خدمت عالی میں روانہ کی ہے ۔ رپورٹ نہایت ناقص چھپی ہے مگر اُس کے آخر میں قواعد کانگرس شامل ہیں ۔ اُس سے اُس کے مقاصد معلوم ہوں گے ۔ در حقیقت اُس سے یہ مقاصد میں نے سمجھے ہیں :
اول : یہ کہ ہر سال مختلف مقامات میں مسلمانوں کا گروہ جمع ہوگا اور

۱۔ محڈن ایجوکیشنل کانفرنس سے مراد ہے ۔ شروع میں اس کا نام کانفرنس کی بجائے کانگریس تھا ۔

مسلمانوں کی تعلیم پر اُلٹی سیدھی یا اچھی بری ، معقول نامعقول جو کچھ بحث ہوگی ۔ مگر اُس سے فائدہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں ایک تحریک اور خیال تعلیم کا ضرور پیدا ہوگا ۔

دوم : ہر ضلع سے مسلمانوں کی تعلیمی حالت کی رپورٹ لکھے جانے کی خواہش کی جاتی ہے ۔ اگر ہر ضلع کی رپورٹیں تیار ہو جاویں تو ایک صحیح نقشہ مسلمانوں کی حالتِ تعلیم کا لوگوں کے سامنے آ جاوے (گا) ۔ شاید اُس کی درستی کا اور لوگوں کو بدتر حالتِ مسلمانان سے مطلع ہوکر کچھ توجہ کرنے کا موقع ملے ۔

اُسی کے ساتھ یہ تدبیر چاہتا ہوں کہ علومِ عربیہ اور درس کتبِ مذہبی ، جو معدوم ہوتا جاتا ہے ، کسی طرح قائم رہے ۔ (کیونکہ) اگر عربی فارسی (کا علم) ہم میں سے معدوم ہو جائے تو اُس کے ساتھ ہماری قومیت بھی معدوم ہو جاوے گی ۔

سوم : یہ خواہش کہ قابلِ وقعت لوگ مسلمانوں کی تعلیم پر تحریرات کریں ۔ مضمون تو تعلیمِ مسلمانان ہو ، پھر (وہ) اُس کے متعدد پہلوؤں میں سے جونسا پہلو چاہیں اختیار کریں ۔ مولوی شبلی صاحب نے تاریخانہ مضمون ''گذشتہ تعلیم مسلمانان'' پر اختیار کیا ۔ وہ رسالہ مرسل ہے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ نہایت عمدہ اور مفید چیز طیار ہو گئی ۔ اس سال جو جلسہ لاہور میں ہوگا ، مولوی نذیر احمد صاحب مسلمانوں کی تعلیم پر ایک لکچر دیں گے ۔ بلاشبہ ایک لائق آدمی کے خیالات ، وہ کچھ بھی ہوں ، دنیا میں موجود ہو جاویں گے ۔ اُسی اجلاس میں مولوی ذکاء اللہ صاحب ایک رسالہ پیش کریں گے جس میں موجودہ حالت تعلم مسلمانان کا بیان ہوگا ۔ یہ سب رسالجات چھاپہ ہو ویں گے ۔ دنیا میں موجود رہیں گے ۔ شاید کوئی کسی وقت کام آوے اور اپنا اثر دکھاوے ۔ غرض کہ رپورٹ مرسلہ پر مجمل نظر ڈالنے سے اُس کا حال آپ کو معلوم ہوگا ۔ اگرچہ افسوس ہے رپورٹ نہایت خراب چھپی ہے ۔ حضور بندگانِ عالی نظام کے کانگرس میں شریک ہونے سے نہایت عمدہ اثر ہوا ہے ۔ مسلمانوں کے سردارِ اعظم کی شرکت بلاشبہ ہماری خوش نصیبی ہے ۔ نواب سر سالار جنگ نے بہت عمدہ چٹھی لکھی ہے ۔

آپ کی تحریک زیادہ تر مفید ہوئی ہوگی - عزیزی سید زین العابدین کے آکسفورڈ میں عمدہ تعلیم پانے سے نہایت خوشی ہوئی - خدا کرے سب طرح پر کامیابی ہو - دینیات کی تعلیم کا سوال نہایت مشکل ہے - مجھے اس بات کا یقین ہے کہ موجودہ کتبِ سنی و شیعہ اس قابل نہیں ہیں کہ بعدِ تعلیمِ علومِ جدیدہ کسی مسلمان کا اعتقادِ قلبی مذہبِ اسلام پر رہے - صرف معتزلیوں کے اصولِ مذہب اورکتابیں کسی قدر عمدہ معلوم ہوتی ہیں مگر موجود نہیں ہیں - یہی خیال مجھ کو باعث ہوا کہ میں نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی ہے - تین جلدیں اس کی چھپ کر تیار ہوگئی ہیں ، وہ آپ کی نذرکرتا ہوں - ہر وقتِ فرصت جا بجا ملاحظہ فرمائیے - جلد چہارم عنقریب تیار ہونے والی ہے ، وہ بھی بھیجوں گا - مولوی سید مہدی علی صاحب کے واپس آنے سے خوشی ہوئی - افسوس کہ اُن کی طبیعت تندرست نہیں ہے - سر لیپل گریفن صاحب سے میری ملاقات نہیں ہے - الاّ جو اوصاف اس کے مشہور ہیں وہ تو خوفناک ہیں مگر پٹیالے والے اُن سے خوش ہیں - شاید اُس کی یہ خصلت ہو کہ دوست کے اُس سرے کے دوست اور جس سے ناراض ہوں اُس کے پلے سریکے دشمن (یعنی پرلے سرے کے دشمن)[۱] - والسلام

علی گڑھ ، ۸ نومبر ۱۸۸۹ع کمترین ، سید احمد

(۳)

جناب مخدوم و مکرم معظم من نواب عماد الدولہ بہادر!

آپ کا نوازش نامہ پہنچا - جو خوشی اور افتخار آپ کے عنایت ناموں سے ہوتا ہے اُس کا بیان نہیں کر سکتا - آپ کا دل سے شکر کرتا ہوں کہ آپ نے الرشد کا چھپنا ہمارے سلسلۂ ''ال'' میں منظور فرمایا - پس میں منتظر ہوں - جس

۱- اس خط میں تاریخ ۸ نومبر ۱۸۸۹ع غلط ہے - ۱۸۸۸ع ہونی چاہیے کیونکہ اس خط میں جس کانفرنس کے انعقاد کا سرسید نے ذکر کیا ہے وہ دسمبر ۱۸۸۸ع میں بمقام لاہور منعقد ہوئی تھی -

وقت ابنِ رشد والا رسالہ بعدِ نظر ثانی آپ عنایت فرماویں گے ، فی الفور چھپنا شروع ہو جاوے گا ۔

جناب مولوی شبلی صاحب کی نسبت جو فقرہ آپ نے تحریر فرمایا تھا وہ میں نے اُن کو سنایا ۔ اُن پر چار حالتیں گزریں ۔ جب تک میں پڑھتا رہا وہ حیرت میں رہے اور تردد رہا کہ درحقیقت یہی الفاظ لکھے ہیں ۔ پھر میں نے اُن کو وہ خط دیا کہ اُس فقرے کو وہ خود پڑھ لیں ۔ جب کہ اُنھوں نے دیکھ لیا کہ وہی الفاظ ہیں تو اُن کو ندامت اور افتخار اور مسرت تین حالتیں ایک ساتھ جمع ہو گئیں ۔ ندامت تو اس لیے تھی کہ وہ اپنے نزدیک اپنے تئیں اس لائق نہیں سمجھتے جس طرح کہ اُن کی نسبت آپ نے اپنے خیالات ظاہر فرمائے ۔ افتخار اس لیے تھا کہ آپ جیسے شخص نے اُن کی تصنیفات کی اس قدر قدر فرمائی ، اور درحقیقت اُن کا یہ فخر ناواجب نہ تھا ۔ فلاں و پہاں کی واہ واہ سے نہ اُن کا دل خوش ہو سکتا اور نہ کچھ فخر ہو سکتا تھا ۔ بلاشبہ آپ کی قدردانی باعث افتخار ہو سکتی ہے ۔ مسرت اُن کو بے انتہا اس لیے ہوئی ہے کہ چونکہ وہ آپ کی نیک طبیعت اور مزاج سے واقف نہ تھے ، اُن کو دل میں افسوس تھا کہ آپ اُن کی پہلی تحریرات سے کسی قدر آزردہ خاطر ہیں ۔ دفعتاً اُن کا وہ خیال زائل ہو گیا اور بے انتہا مسرت اُن کو ہوئی ۔ میں نے آپ کا نام کسی قدر بے ادبی سے لیا کیونکہ اُس وقت جو میرے دل میں آیا اُسی طرح آپ کا نام لینا ادب تھا ۔ میں نے کہا کہ ”تم سید حسین کو نہیں جانتے ۔ میں نے آج تک اُن کا سا نیک دل اور پاک باطن ، ظاہر و باطن ، حاضر و غائب یکساں ، سچا دوست اور ہمہ تن سچائی کسی کو نہیں دیکھا ۔ رنج یا کدورت کی اُن کے دل میں خدا نے جگہ ہی پیدا نہیں کی“ ۔ اُن کو[1] آپ کی ملاقات کا نہایت شوق پیدا ہوا ہے ۔ میرے دل میں کچھ خیالاتِ خام سفرِ ہندوستان کے پیدا ہوئے ہیں ۔ اُن خیالاتِ خام کا جن میں غالباً اُمید کامیابی نہیں ہے ، پھر کسی وقت ذکر کروں گا ۔ مگر وہ خیالات پختہ ہو گئے ہیں ۔ اثنائے سفر میں میرا ارادہ حیدر آباد آنے کا بھی ہے ۔ اگر ممکن ہوا تو مولوی شبلی صاحب کو بھی حیدر آباد لاؤں گا تا کہ آپ کو وہ اپنی آنکھ سے دیکھ لیں اور جان لیں کہ آپ کون ہیں اور کیسے ہیں ۔ پچاس نسخے ”المامون“ کے میں نے خدمتِ عالی میں روانہ کیے ہیں ۔ ”گذشتہ تعلیم مسلمانان“

۱۔ یعنی مولانا شبلی کو ۔

کے نسخے صرف معدودے چند رہ گئے ہیں اس لیے وہ نہیں بھیج سکا - آپ نے جو کتابوں کو خرید فرمایا ، غالباً آپ کو خیال ہوگا کہ گویا ایک اعانت مولوی شبلی کی ہے ، مگر مولوی شبلی نے یہ کتابیں معہ حق تصنیف وغیرہ کالج کی نذر کر دی ہیں - اُن کی قیمت یا منافع سے ایک حبّہ کا فائدہ اُنھوں نے حاصل نہیں کیا - اور آئندہ جو کچھ وہ لکھ رہے ہیں صرف کالج کے فائدے کے لیے لکھتے ہیں - اپنا ذاتی فائدہ اُن کو مقصود نہیں - ایسے جاہل آدمی ہیں کہ انھوں نے چند نسخے ''المامون'' کے بلا قیمت اپنے دوستوں کو بھیجنا چاہے - میں نے ہرچند اصرار کیا کہ جس قدر تمھارا دل چاہے لے لو ، ہرگز نہ مانا - مجھ سے خرید کیں اور اپنے دوستوں کو بلا قیمت بھیج دیں - ''الفاروق'' کی نسبت جو آپ نے تحریر فرمایا وہ سب درست ہے مگر اُس کے ساتھ فیہ مافیہ بھی ہے - اگر کسی کا دل ایسا مضبوط ہو کہ اُس فیہ مافیہ کو بھی صاف صاف مثل ایسے مؤرخ کے ، جو کچھ مذہب نہ رکھتا ہو ، لکھے تو بلاشبہ نہایت عمدہ بات ہے - مگر کیا مولوی شبلی ایسا کریں گے ؟ اگر نہ کریں گے تو کتاب ردی ہوگی - یہی حال ''العلی'' کا ہے - خلافت کی نسبت بہ حیثیت انتظام ملکی کیا لکھا جاوے اور کون لکھ سکتا ہے - میں تو اُن صفات کو ، جو ذاتِ نبوی میں جمع تھیں ، دو حصوں پر تقسیم کرتا ہوں ؛ ایک سلطنت اور ایک قدوسیت - اول کی خلافت حضرت عمر کو ملی ، دوسری کی خلافت حضرت علی و ائمۂ اہل بیت کو - مگر یہ کہہ دینا تو آسان ہے مگر کس کو جرأت ہے کہ اس کو لکھے - حضرت عثمان نے سب چیزوں کو غارت کر دیا - حضرت ابوبکر تو صرف برائے نام بزرگ آدمی تھے - پس میری رائے میں ان بزرگوں کی نسبت کچھ لکھنا اور مؤرخانہ تحریرات کا زیر مشق بنانا نہایت نامناسب ہے - جو ہوا سو ہوا ، جو گزرا سو گزرا -

جزیہ کے رسالے پر مولوی شبلی صاحب نے نظرثانی کی ہے اور کچھ اضافہ کیا ہے - اب وہ نہایت عمدہ اور مکمل ہوگیا ہے اور ہمارے سلسلۂ ال میں بنام ''الجزیہ'' چھپ رہا ہے - متعاقب اُس کو خدمت میں بھیجوں گا - آپ ضرور بر وقت فرصت کوئی رسالہ تحریر فرماویں مگر اُس کا نام ''ال فلاں'' ہو اور ہم کو عنایت کریں تاکہ سلسلۂ ال میں چھاپا جاوے - تمام آمدنی جو اُن سلسلوں سے ہوگی وہ سب کالج کو دی جاوے گی - علاوہ اس کے کہ اس طریقے کے رسالے

اور مسلمانوں کی یاد تاریخ قوم میں پھیلے گی ، جو ہماری قوم کا باعث فخر ہے ، کالج کو بھی کچھ نہ کچھ فائدہ ہوگا ۔

اگر آپ کی کوشش کو خدا کامیاب کرے اور کالج کلاسوں کے ہونہار طالب علموں کے لیے پچاس روپیہ ماہواری وظیفہ ملے تو ہم نہال ہو جاویں گے ۔ ہمارے پاس وظیفوں کے لیے سرمایہ نہایت قلیل ہے ۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ہم کس طرح بھیک مانگ مانگ کر وظیفوں کے لیے روپیہ جمع کرتے ہیں ۔ کم بخت مسلمان ایسی بدتر حالت میں ہیں کہ بغیر مالی امداد کے اُن کی تعلیم غیر ممکن ہے ۔ بجٹ ہمارے کالج کا تیار ہونے کو ہے ۔ مسٹر بک نے بجٹ اسکالرشپوں اور وظیفوں کا سال آئندہ کے لیے ، جو یکم اپریل سے شروع ہوتا ہے ، پیش کیا ہے ۔ اُس میں چھ ہزار سات سو روپے اسکالرشپوں اور وظیفوں کے لیے مسلمان طالب علموں کے واسطے چاہتے ہیں ۔ میں قبول کرتا ہوں کہ جو کیفیت اور وجوہ اُنھوں نے لکھے ہیں سب درست ہیں مگر عمدہ وجوہات روپیہ پیدا نہیں کر سکتیں ۔

ایک اور امر بھی اس وقت میرے دل میں آیا ۔ خیر میں لکھ دیتا ہوں ۔ مولوی مہدی علی صاحب مجھ سے ملنے کو آئے ، دو دن رہے ۔ ہر قسم کی باتیں ہوئیں ۔ مجھے اس بات کے معلوم ہونے سے بے انتہا دلی خوشی ہوئی ہے کہ آپ کی دوستی اور محبت و یگانگت اور احسان مندی اور تمام وہ باتیں جو دو سچے دوستوں میں ہونی چاہئیں ، اُن کے دل میں پوری طرح پر آپ کی طرف سے موجود ہیں ۔ اب کی دفعہ مولوی مہدی علی سے مل کر مجھے اس سے زیادہ کوئی خوشی نہیں ہوئی ۔ الحمد للہ علیٰ ذالک

''المامون'' کی قیمت کا بل حسب ضابطہ کالج کی جانب سے متعاقب خدمت میں بھیجوں گا ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۲۰ مارچ ۱۸۸۹ء خاکسار کمترین ، سید احمد

(۴)

جناب مخدوم و مکرم معظم من باعث افتخار قوم نواب عماد الملک بہادر !

میں کل الہ آباد پہنچا ۔ آپ نے جو عنایت و محبت و شفقت بمقام حیدر آباد فرمائی اُس کا شکر ادا نہیں ہو سکتا اور نہ آپ کا شکر ادا کرنے کی ضرورت ہے ۔ آپ نے ترجمہ قرآن مجید کی چند کاپیاں دینی (ارشاد) فرمائی تھیں ، وہ رہ گئیں ۔ اُمید

کہ دو کاپیاں میرے پاس بمقام علی گڑھ بھیج دیجیے - اور سید محمود کے پاس جو کاپی بھیجیے وہ سیدھی اُن کے پاس بھیج دیجیے - عزیزی مہدی حسن طال عمرہ کو بہت بہت سلام - والسلام

الہ آباد ، ۲۷ ستمبر ۱۸۹۱ع خاکسار ، سید احمد

(۵)

مخدومی و مکرمی باعث افتخار قوم نواب عماد الملک بہادر !

آج ایک چک مرسلہ بنک بنگال حیدر آباد دو ہزار چار سو میرے پاس آئی - اس کے ساتھ جو چٹھی ایجنٹ بنک کی ہے اُس میں صاف یہ لکھا ہے کہ حسب خواہش اکونٹنٹ جنرل گورنمنٹ نظام یہ روپیہ بھیجا جاتا ہے - میں یقین کرتا ہوں کہ جیسا آپ نے پہلے لکھا تھا کہ جن سنوں کا روپیہ ''نظام وظیفہ'' کا چڑھ گیا ہے وہ بھیج دیا جاوے اور آئندہ کے لیے کوئی تجویز ہوگی کہ وہ جاری رہے گا یا نہیں - بہرحال میں آپ کی اس توجہ کا کہ زر باقیات سابق وصول ہوگیا ، دل و جان سے شکر ادا کرتا ہوں - خدا نے آپ کی سعی و کوشش کو کامیاب کیا ، خدا کا شکر ہے -

اس امر میں کہ آئندہ بھی ''نظام وظیفہ'' جاری رہے گا یا نہیں ، شبہ ہے - مجھ کو تو اُس کے آئندہ جاری رہنے میں مایوسی ہے - مگر جو اس وقت ایک مشکل پیش آ گئی ہے اُس کی اطلاع آپ کو ، کیا بحیثیت ٹرسٹی کالج اور کیا بحیثیت پیش افسر گورنمنٹ نظام ، دینی ضرور ہے اور مجھ کو یقین ہے کہ جو کچھ (اس کے متعلق) آپ سے ہو سکے گا ، آپ ضرور کریں گے -

حال یہ ہے کہ گورنمنٹ شمال مغرب نے حکم دیا ہے کہ کل گورنمنٹ کالجوں اور ایڈڈ کالجوں میں ، جیسا کہ ہمارا کالج ہے ، کالج کلاس کے طالب علموں کی فیس کا اضافہ کیا جاوے - ایم - اے کلاس کے طالب علموں کی فیس بارہ روپے ماہواری تجویز کی گئی ہے اور بی - اے کلاس کے طالب علموں کے لیے دس روپے ماہواری اور انٹرمیڈیٹ یا ایف - اے کلاس کے طالب علموں کے لیے آٹھ روپے ماہواری - یہ شرح فیس تعلیم کی اس قدر گراں ہے کہ اکثر مسلمان طالب علم بلکہ کلیتاً اس کے ادا کرنے سے معذور ہوں گے اور ایک شدید نقصان مسلمانوں کی تعلیم میں پہنچے گا - اس وقت ہمارے کالج کی کلاسوں میں ایک سو

بہتر سے زائد طالب علم صرف مسلمان ہیں ، لیکن فیس کے اضافہ ہونے کے بعد شاید بمشکل صرف نصف طالب علم باقی رہیں گے اور وہ بھی اس صورت میں کہ وظیفہ یا اسکالرشپ سے انکی اعانت کی جائے ۔ ایسی حالت میں اگر "نظام وظیفہ" جاری رہ سکتا ممکن ہو تو مسلمانوں کو نہایت مدد پہنچ سکتی ہے ۔ لیکن چونکہ چاروں طرف سے مسلمانوں کو بد نصیبی نے گھیر لیا ہے اور گھیرتی جاتی ہے اس لیے مایوسی کے سوا کچھ خیال نہیں ہوتا ۔ بہرحال ان امور کی اطلاع آپ کو کرنی مناسب تھی (اس لیے) کی گئی ۔

ہمارا ارادہ ہے کہ اُس رزولیوشن کی نسبت ، جو گورنمنٹ سے جاری ہوا ہے ، مسلمانوں کی حالت کے لحاظ سے عذر پیش کریں ۔ عذر کی چٹھی جو حقیقت میں موجّہ ہے ، مسٹر بک اور سید محمود لکھیں گے ۔ مگر میری دانست میں کچھ ہونے والا نہیں ۔ اگر آپ کے ذہن میں کوئی بات گزرے تو اس سے اطلاع فرمائیے ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۹ اپریل ۱۸۹۵ع کمترین خاکسار ، سید احمد

(۶)

جناب مخدوم و مکرم من باعث افتخار قوم نواب عماد الملک بہادر !

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۲۵ اپریل پہنچا اور میرے جان و مال اور روح کا باعث افتخار ہوا ۔ جو کہ آپ کی عنایت و توجہ سے دو برس کے بقایا وظائف نظامیہ مل گئے اُس کا شکر ادا کرنا میری طاقت سے باہر ہے ۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ کچھ ادا کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے ۔ قوم کی ہمدردی جو آپ کے دل میں ہے وہ باعث اُن سب باتوں کی ہے جو آپ نے کیں اور کرتے ہیں اور کریں گے ۔ یہ ظاہر ہے کہ حیدر آباد میں سوائے آپ کے یا مولوی چراغ علی کے کوئی ہمارا ہمدرد نہیں ہے مگر ہم کو ہر وقت خدا پر بھروسہ ہے اور ہر وقت خیال رہتا ہے کہ : ع

دشمن چہ کند چو مہربان باشد دوست

اگر خدا کو مسلمانوں کے حق میں کچھ بہتر کرنا ہے تو یہ مدرسہ قائم اور سرسبز رکھے گا ورنہ جو خدا کی مرضی ۔ اس وقت کالج کلاسوں میں ۲۰۵ طالب علم ہیں ۔ منجملہ اُن کے ۱۶۸ مسلمان ہیں ۔ اگر شمال مغربی اضلاع کے

کل کالجوں کے کالج کلاسس کے مسلمان طالب علموں کو شمار کر لیا جاوے تو بھی اُن کی تعداد ہمارے کالج کے مسلمان طالب عالموں سے نصف سے کچھ ہی زیادہ ہے۔

اسکول کلاسوں میں ۳۶۱ طالب علم ہیں جس میں سے ۲۸۹ مسلمان ہیں۔ یہ تعداد مسلمانوں کی بھی کچھ کم نہیں ہے۔ غرض کہ کل کالج اور اسکول کے طالب علموں کی تعداد ۵۶۶ ہے اور لاء کلاس میں ۹۰ طالب علم ہیں۔ پس کل تعداد طالب علموں کی ۶۵۶ ہے۔ زیادہ تر تعجب کی بات یہ ہے کہ ۳۳۵ طالب علم بورڈر ہیں اور سب آپس میں ملے ہوئے اور نہایت شاداں و فرحاں رہتے ہیں۔ علاوہ معمولی تعلیم کالج کے یونین کلب ہے جس میں وقتاً فوقتاً انگریزی زبان میں تقریریں اور مباحثہ ہوتا ہے۔

پھر ایک لجنۃ الادب ہے جس میں عربی خواں طالب علم اور مدرس اور بعض دیگر احباب شریک ہوتے ہیں اور کل گفتگو اور مباحثہ جو کچھ ہوتا ہے عربی زبان میں ہوتا ہے۔ اور جو عربی زبان میں نہایت عمدہ اور شستہ گفتگو کرتا ہے اُس کو انعام دیا جاتا ہے۔ شاید اب کی دفعہ نذیر احمد، ایک طالب علم کو، انعام ملے۔ عربی زبان کے اخبار جو مصر اور بیروت وغیرہ میں چھپتے ہیں، وہ اکثر لیے جاتے ہیں اور لجنۃ الادب کے ممبر اُن کو بخوبی پڑھتے ہیں، اور یہ ذریعہ اُن کو عربی میں گفتگو کرنے کا نہایت عمدہ ہے۔ علاوہ اس کے ایک مجلس اخوان الصفا کی ہے۔ اُس کے پریسیڈنٹ مسٹر آرنلڈ ہیں اور منتخب طالب علم اُس کے ممبر ہیں۔ یہ مجلس خاص لوگوں کی ہے۔ غیر شخص اُس میں داخل نہیں ہوتا۔ ہر ایک طالب علم کے دل میں جو سچی بات ہے اس پر گفتگو کرتا ہے، اور طالب علم صدقِ دل سے اس کی اصلاح اور ترمیم یا تصدیق یا تردید کرتے ہیں۔ اس مجلس نے میری دالست میں طالب علموں کے اخلاق پر نہایت عمدہ اثر کیا ہے۔

علاوہ اس کے چار پانچ کلب جسمانی ورزشوں کے ہیں۔ جمناسٹک، کرکٹ، فٹ بال، قواعد، گھوڑے کی سواری یعنی رائڈنگ اسکول، گھوڑوں پر علاوہ معمولی مشق کے اس طرح پر بھی مشق کرتے ہیں جس طرح قواعد میں ہوتی ہے۔ کل بورڈران ورزشِ جسمانی میں شامل ہیں اور علی الصبح روز قواعد ہوتی ہے۔ الگ الگ جماعتیں طالب علموں کی بہ لحاظ عمر کے بنائی گئی ہیں۔ محمڈن

ایجوکیشنل کانفرنس کے دلوں میں ایک ریویو ہوا تھا جس میں قواعد کرنے والی جماعتیں اور گھوڑے پر قواعد کرنے والی جماعتیں سب شریک تھیں ۔ اُس وقت آپ مجھ کو بہت یاد آئے ، کیونکہ آپ ہمیشہ اس بات کی تاکید کرتے تھے کہ طالب علموں کو ورزشِ جسمانی کا مشتاق کرنا چاہیے ۔ غرض کہ جہاں تک ہم سے ہو سکتا ہے قوم کی بھلائی اور بہتری میں کوشش کرتے ہیں ۔ آئندہ اس کا قائم رہنا خدا کے اختیار میں ہے ۔ آپ کا یہ کہنا بالکل سچ ہے کہ قوم اُس کی کچھ قدر نہیں کرتی اور نہیں جانتی کہ کیا کچھ اُس کی بہتری کے لیے ہو رہا ہے ۔ اگر قدر کرتی تو ہم کو روپے کی بابت کسی سے کچھ پرواہ نہیں رہتی اور نہ کبھی اس بات کا تردد ہوتا کہ نواب سر سالار جنگ مرحوم کی جاگیر کا روپیہ، جو بند ہو گیا ، وہ کمی ہم کیونکر پوری کریں ۔

جناب ! مجھ کو قوم کی طرف سے اور اُس کی بھلائی اور ترقی کی طرف سے بالکل مایوسی ہے ۔ لیکن اس خیال سے کہ کوشش کرنا ہمارا فرض ہے ، کوشش کیے جاتے ہیں ۔ گورنمنٹ سے جو فیس تعلیم کے اضافے کا حکم آیا ہے ، بلاشبہ نہایت تردد انگیز ہے ۔ اب یہ صلاح قرار پائی ہے کہ ایک عرض داشت بمضمونِ مناسب اس باب میں گورنمنٹ کی خدمت میں ٹرسٹیوں کی جانب سے بھیجی جائے ۔ سید محمد محمود نہایت توجہ سے اُس عرض داشت کو تیار کر رہے ہیں اور اپنی دالست میں اُس کو بہت موجہّہ لکھا ہے ۔ جب وہ تیار ہو جائے گی تو ایک نقل اُس کی آپ کے ملاحظے کے لیے بھیجوں گا ۔ اگرچہ مجھ کو اُمید نہیں ہے کہ منظور ہوگی ۔ ایک اور امر آپ کی اطلاع کے لیے باقی ہے ، وہ یہ ہے کہ ہمارے کالج کے وزیٹروں میں مندرجہ ذیل نام ہیں :

۱۔ آنریبل سر ولیم میور ۔ ایل ایل ، ڈی ، کے ۔ سی ۔ ایس ۔ آئی

۲۔ آنریبل سر جان اسٹریچی ۔ بی ۔ سی ۔ ایس ، آئی ۔ سی ۔ آئی ۔ ای

۳۔ آنریبل سرآکلینڈ کالون ۔ کے ۔ سی ۔ ایم ۔ جی ۔ کے ، سی ۔ ایس ۔ آئی ، سی ۔ آئی ۔ ای

۴۔ ہز ایکسی لینسی نواب محمد مظہر الدین خاں رفعت جنگ بشیر الدولہ عمدۃ الملک اعظم الامراء امیر کبیر سر آسمان جاہ بہادر ۔ کے ، سی ۔ آئی ۔ ای

اب یہ تجویز ہوئی ہے کہ ہز ایکسی لینسی نواب وقار الامرا مدارالمہام

کا نام بھی وزیٹروں میں اضافہ کیا جائے ۔ میں نے مولوی چراغ علی صاحب کو لکھا ہے کہ اگر ممکن ہو تو ہز ایکسی لینسی کی مرضی اس باب میں دریافت کریں ۔ اگر مرضی ہو (تو پھر) باضابطہ تحریک کی جاوے ۔

آپ نے جو حیدر آباد کالج کی ترقی کا حال لکھا ہے اُس کے پڑھنے سے بہت خوشی ہوئی ۔ تمام ہندوستان میں حیدر آباد ایک مسلمانی ریاست ہے اور (ہم) دن رات اُس کی بھلائی اور قیام اور دولت و اقبال کی ترقی کی دعا کرتے رہتے ہیں ۔ خدا آپ کو بھی خوش و خرم رکھے ۔ اگر آپ کو ذرا سا بھی رنج ہوتا ہے تو ہمارے دل کو نہایت صدمہ پہنچتا ہے ۔ آپ کی ادنیٰ پریشانی خاطر سے ہم کو دلی پریشانی ہوتی ہے :

در هند چو تو یکے و آنهم ناخوش
صد حیف ہما اگر بمانم خوش دل

والسلام مع الاکرام

علی گڑھ ، ۳ مئی ۱۸۹۵ع کمترین شا ، سید احمد

(۷)

جناب مخدوم مکرم معظم من نواب عماد الملک بہادر باعث افتخار ما برگشتہ بخت مسلمانان !

میں عزت حاصل کرتا ہوں ایک ناچیز عربی رسالے کے نذر کرنے سے جس کا نام ہے ''تبرئۃ الاسلام عن شیئین الأمۃ والغلام'' ۔ اُمید ہے آپ اس مختصر نذر کو قبول فرماویں گے ۔

سید محمود نے جو کتاب ''ہسٹری آف انگلش ایجوکیشن ان انڈیا'' لکھی (ہے) اور (جو) چھپ گئی ہے ، وہ بھی آپ کی خدمت میں ایک کاپی نذر کرنے والے ہیں ۔ آج ایک منی آرڈر بیس روپے کا ، جو آپ کی طرف سے بھیجا گیا ہے ، پہنچا ۔ اُس کی کوپن میں کچھ تفصیل نہیں ہے کہ کس بابت ہے ۔ اُمید کہ اُس سے مطلع فرماویں ۔

کوپن واسطے ملاحظے کے ملفوف ہے ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۱۳ مئی ۱۸۹۵ع کمترین ، سید احمد

(۸)

جناب مخدوم مکرم معظم من باعث افتخار قوم نواب عماد الملک بہادر !

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۸ جون پہنچا تھا۔ جس کو اور جس کے مضمون مندرجہ کو میں باعث اپنے افتخار کا سمجھتا ہوں۔ بالفعل یکم جولائی سے طالب علموں پر ایک روپیہ ماہواری فیس کا اضافہ کر دیا ہے اور بورڈنگ ہاؤس میں علاوہ فیس تعلیم کے جو اور فیسیں لی جاتی ہیں، مثلاً کرایہ وغیرہ، اُن میں تخفیف کر دی ہے۔ اس صورت میں طالب علموں کو ایک روپیہ فیس تعلیم کا کچھ ناگوار نہ ہوگا اور ہم کو جو بالفعل آمدنی کالج میں ہے اُس میں کچھ نقصان نہیں ہونے کا۔ کیونکہ جس قدر بورڈنگ کی فیس کم ہوئی ہے اُسی قدر، یا اُس کے قریب، اضافہ ہوا ہے۔ گورنمنٹ سے ہماری درخواست متعلق فیس کا اب تک کچھ جواب نہیں آیا ہے لیکن پرائیویٹ طور پر معلوم ہوا ہے کہ گورنمنٹ کی یہ رائے ہے کہ اگر ایک کالج کے لیے کچھ تخفیف کی جاوے تو تمام اور کالج غل مچاویں گے اور مشکل پیش آوے گی۔ پس ہم کو اس درخواست کی منظوری کی کچھ توقع نہیں ہے۔ خیر اس کے جواب آنے کے بعد دیکھا جائے گا کہ کیا کرنا ہے۔ اسکالرشپوں یا وظیفے کے سرمایے کے لیے چندہ کرنا ایک عمدہ تدبیر ہے، اگرچہ اُمید نہیں (کہ) اُس میں عمدہ کامیابی ہو۔ بعد آنے جواب کے گورنمنٹ سے میں سوچوں گا کہ کیا ہو سکتا ہے۔

نواب وقارالامرا بہادر نے وزیٹر ہونا مدرستہ العلوم کا منظور کر لیا ہے اور جواب بھیج دیا ہے۔ میں نے سید محمود کی ایک کتاب ''ہسٹری آف ایجوکیشن اِن انڈیا'' ہز ایکسی لینسی نواب وقارالامراء کی خدمت میں اس درخواست سے بھیجی تھی کہ چند کتابیں گورنمنٹ حیدرآباد بھی واسطے اپنے دفتر اور سررشتۂ تعلیم کے خریدے۔ اُس کا جواب ابھی تک نہیں آیا ہے۔

میں نے مینیجر کالج میگزین کو آج لکھ بھیجا ہے کہ آپ کے نام میگزین جاری کر دے۔ تین روپیہ سالانہ اُس کی قیمت ہے۔

بجٹ چھپ چکا تھا اور آپ کی مرضی سے اسکالرشپوں کا ذکر اُس میں مندرج نہیں ہو سکا لیکن 'علی گڑھ گزٹ' میں اُس کی خبر میں نے اپنی مرضی کے موافق (نہ آپ کی کے موافق) چھاپ دی ہے اور ۲۱ جولائی کے اجلاس میں اُس کو پیش کروں گا۔ اگرچہ بعض حالتوں کے خیال سے آپ کی نسبت افسوس ہوتا

ہے لیکن جس قدر خوشی اور عزت فی الحقیقت مجھ کو ان اسکالرشپوں کے مقرر ہونے سے ہوئی اُس کو بیان نہیں کر سکتا ۔ والتسلیم

علی گڑھ، ۲۶ جون ۱۸۹۵ع خاکسار، سید احمد

(۹)

جناب مخدوم و مکرمِ من باعثِ افتخارم و افتخارِ قومم نواب عمادالملک بہادر !

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۸ اگست پہنچا ۔ باعثِ افتخار ہوا ۔ جس طرح آپ کو آرام ہو اور چندہ یادگار جوبلی بہ اقساط ادا فرماویں تو کچھ ہرج نہیں ہے ۔ حاجی مولوی محمد اسماعیل خان صاحب کو کمال عزت و افتخار کا باعث ہے کہ آپ نے ان کے آرٹیکل کو، جو ۱۷ جولائی کے گزٹ میں چھپا ہے، پسند فرمایا ۔ یہ عزت جو اُن کو آپ کی پسندیدگی کا باعث ہوئی، نہایت افتخار کے ساتھ یاد رکھنی چاہیے ۔ میں نے اُن کو آج خط لکھا ہے کیونکہ وہ ایک کام کے لیے آگرہ چلے گئے ہیں ۔ نہایت خوشی ہوگی اگر اُن کا مضمون انگریزی اور اُردو میں بطور پمفلٹ کے چھپے، لیکن یہ تو فرمائیے کہ انگریزی ترجمہ کون کرے ۔ اگر آپ از راہِ عنایت حیدرآباد میں کسی سے لکھوا دیں اور پھر خود اُس پر نظر فرما کر اُس کی اصلاح کر دیں تو اُس کا بطور پمفلٹ اُردو اور انگریزی میں چھاپنا کچھ مشکل نہیں ۔

سید علی حسن اور سید علی رضا اپنی والدہ سے ملنا چاہتے ہیں ۔ میں نے آج اُن کو بلا کر کہہ دیا کہ اگرچہ حیدرآباد سے تار بھی آیا ہے اور خط بھی آیا ہے کہ تم دونوں کو بلگرام نہ بھیجا جائے لیکن اگست و ستمبر میں اگر تم اچھی طرح پڑھنے میں مشغول رہو گے، جس کا بندوبست میں نے کر دیا ہے، تو شروع اکتوبر میں آٹھ دس دن کے لیے میں تم کو بلگرام بھیج دوں گا تاکہ اپنی والدہ سے مل آؤ ۔ علی رضا بھی امتحان میں اپنی جماعت سے پاس ہوگیا اور (اب) اُس سے اُوپر کی جماعت میں ترقی ہوگی ۔ میں نے ایک روپیہ ماہواری بطور جیب خرچ کے انعام کے طور (پر) دینا تجویز کردیا ہے جس سے وہ خوش ہوگیا ۔ لیکن آپ کو معلوم رہے کہ ان لڑکوں کا جو جیب خرچ مقرر کیا ہے وہ امانت رہتا ہے اور ایک ایک پیسے کا حساب لکھا جاتا ہے ۔ وہ ایک پیسہ بھی بغیر اطلاع اور (بغیر) اجازت ماسٹر کے خرچ نہیں کر سکتے ۔ میں خوش ہوں کہ

دونوں لڑکے نہایت سعادت مندی سے رہتے ہیں - اگر بلگرام کے علاقے کورٹ ہو جائیں تو نہایت خوشی ہوگی اور ایک پرانا خاندان تباہی سے بچ جائے گا - مجھ کو نہایت خوشی ہے کہ نئے بورڈنگ ہاؤس کی تجویز کو آپ پسند کرتے ہیں مگر یہاں تو (سوائے) معدودے چند کے دشنام دہی کے سوا اور کچھ نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ لڑکوں کو عیسائی کرنے کا اُن کا ارادہ ہے - بہرحال میں اُس کی کوشش چھوڑنے کا نہیں -

ان دنوں میں میری طبیعت کسی قدر علیل ہو گئی تھی مگر اب اچھی طرح ہے - عزیزی سید محمد ہاشم کس جگہ بارسٹری کرتے ہیں ؟ اس سے مجھ کو اطلاع دیجیے - جن لوگوں کو میں نے ٹرسٹی تجویز کیا تھا اُن میں سے چار صاحبوں نے انکار کر دیا ہے - پس میرا ارادہ ہے کہ سید ہاشم کو اور تین اور شخصوں کو ٹرسٹی تجویز کروں - آپ کی صحت اور خیر و عافیت اور اقبال مندی کی دعا ہمیشہ خدا سے رہتی ہے - والسلام

علی گڑھ، ۱۱ اگست ۱۸۹۵ء　　خاکسار، سید احمد

(۱۰)

جناب مخدوم مکرم باعثِ افتخارِ قوم نواب عماد الملک بہادر !

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۲۷ اگست پہنچا ، باعثِ اعزاز ہوا - شاید اب تک آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ کلارک دفتر سکریٹری مدرسۃ العلوم نے متعدد جعلی اور فریبی چیکیں جاری کرکے مدرسۃ العلوم کے روپے میں سے ، جو بنک میں جمع تھا ، زرِکثیر تغلّب اور تصرّف کر لیا ہے - جس میں مجھ کو ایک قسم کی پریشانی ہوئی اور تمام حسابات کئی سال کے جانچنے ضرور پڑے - جس کے سبب مجھ کو فرصت نہیں ہوئی کہ میں آپ کے نوازش نامے کا جواب لکھتا - نواب وقارالامراء بہادر یہاں تشریف لے آئے - مولوی سمیع اللہ خاں بہادر کے یہاں مہمان ہوئے لیکن انھوں نے مولوی مہدی علی صاحب سے ، جو یہاں آئے ہوئے تھے ، اور مولوی سید علی صاحب کے ذریعے سے دو باتیں کہلا بھیجیں - ایک یہ کہ وہ چار بجے میرے مکان پر مجھ سے ملنے تشریف لاویں گے - دوسرے یہ کہ اُن کی نہایت خوشی ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ مولوی سمیع اللہ خاں صاحب اور مجھ میں جو شکر رنجی ہے وہ دور ہو جاوے - میں نے کہلا بھیجا کہ جو

آپ کی مرضی ہو مجھ کو اس میں کچھ عذر نہیں ہے۔ چنانچہ وہ معہ مولوی سمیع اللہ خاں صاحب کے تشریف لائے اور میں اُن کے سامنے مولوی سمیع اللہ خاں صاحب سے ملا ۔ میں نے چاہا کہ میں نواب صاحب سے عرض کروں کہ میرا مذہب اور میرا طریقہ اور عمل اس شعر پر ہے :

کفر است در طریقتِ ما کینہ داشتن
آئینِ ما ست سینہ چو آئینہ داشتن

مگر میں نے یہ شعر پڑھنا اُس وقت مناسب نہیں سمجھا اور صرف ملنے ہی پر قناعت کی ۔ نواب صاحب تھوڑی دیر میرے مکان پر ٹھہرے ، چائے پی اور میں اور مولوی سمیع اللہ خاں صاحب اور نواب صاحب ایک گاڑی میں بیٹھ کر مدرسے میں گئے اور ایڈریس دی گئی ۔

اگر آپ نے سوسائٹی کا اخبار مطبوعہ ۳ ستمبر ۱۸۹۵ء ملاحظہ نہ کیا ہو تو ضرور ملاحظہ فرمائیے ۔ اُس میں تمام حالات اور ایڈریس وغیرہ (کی تفصیل) مندرج ہے ۔

جو مجلس کہ آپ نے امدادِ طالب علمانِ مدرسۃ العلوم کی قائم کی اُس کا میں دل سے شکرگزار ہوں ۔ اُس مجلس میں کامیابی ہو یا نہ ہو ، اُس کی مجھ کو کچھ فکر نہیں ہے بلکہ مجھ کو کمال خوشی اور عزت جو کچھ ہے اس میں ہے کہ آپ سا شخص ، جس کو میں دل اور جان سے بہ اعتبار طینت کے ایک فرشتہ صفت خیال کرتا ہوں اور بہ اعتبار علم و فضل اور خاندان کے اپنی قوم کا سردار جانتا ہوں اور صرف سردار ہی نہیں بلکہ میں اپنے صدقِ دل سے باعثِ افتخارِ قوم سمجھتا ہوں ، ہمارے کاموں میں شریک اور ہمارا ہمدرد ہے ۔ اگر آپ میرا دل چیر کر دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو کہ کس قدر مجھ کو اس بات سے خوشی اور عزت ہے ۔ مولوی نظام الدین صاحب نے مجھ کو لکھا ہے کہ وہ پانچ سو روپے کا کرنسی نوٹ بطور سرمایۂ وظائف کے بھیج دیں گے ۔

میرے نزدیک بھی نہایت ضرور اور مناسب ہے کہ جس قدر روپیہ اس طرح سے وصول ہو وہ بطور سرمایۂ وظائف کے پرامیسری نوٹوں میں محفوظ کیا جاوے مگر افسوس یہ ہے کہ پرامیسری نوٹوں کا سود نہایت قلیل ہو گیا ہے ۔ بہرحال کچھ ہی ہو اس کے سوا کچھ چارہ نہیں ۔ 'رئیس و رعیت'[1] نے جو آرٹیکل مسلمانانِ

۱۔ ایک اخبار کا نام ہے ۔

بنگالہ پر لکھا ہے وہ میں نے نہیں دیکھا ہے۔ اگر آپ کے پاس ہو تو مجھ کو عنایت کیجیے ورنہ اُس کی تاریخ بتائیے کہ میں اُس کو دفتر 'رئیس و رعیت' سے طلب کروں۔

مجھ کو اس بات کے جاننے سے نہایت خوشی ہوئی کہ آپ نے اپنے دونوں صاحبزادوں کو حیدرآباد سے مختلف مقامات پر بھیج دیا ہے۔ کچھ شبہ نہیں کہ اُن کا حیدرآباد میں مقیم رہنا کچھ مناسب نہیں تھا۔ عزیزی زین العابدین غالباً برار میں کام سیکھنے گئے ہیں اور عزیزی سید ہاشم کو بارسٹری کا کام کرنے کے لیے مدراس بھیجنے کا ارادہ ہے۔ اس بات کے دریافت کرنے سے مجھ کو نہایت خوشی ہے کہ اُن دونوں عزیزوں نے علمی لیاقت بہت اچھی پیدا کی ہے۔ اور زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ عزیزی سید ہاشم میں سعادت مندی، بلند خیالی اعلیٰ درجے کی جمع ہے۔ اس زمانے کے لڑکوں میں وہ چیز، جس کو کہ ہم ہندوستانی سعادت مندی سے تعبیر کرتے ہیں، بہت کم ہے۔ جس لڑکے میں لیاقت، شرافت، سعادت مندی، بلند اقبالی جمع ہو وہ نمونہ خدا کی رحمت کا ہے، بلکہ اُس کو فرشتۂ رحمت کہنا چاہیے۔ عزیزی سید ہاشم کو ایم۔ اے کی ڈگری آ جاوے تو نہایت خوشی کی بات ہے، مگر اُن کا یہ خیال کہ اُس کے لیے روپیہ صرف کرنا فضول ہے، کوئی بے جا خیال نہیں ہے۔ خصوصاً آپ کی حالت جو ان دنوں میں ہے، جس کا مجھ کو کمال رنج اور افسوس ہے، بلا شبہ اس خیال کے لائق ہے جو خیال عزیزی سید ہاشم نے کیا ہے۔

اگر عزیزی سید ہاشم یہاں آویں اور چند روز میرے پاس رہیں تو مجھ کو اور سید محمود کو بے انتہا خوشی ہوگی اور میرا دل بے اختیار یہ شعر پڑھے گا:

ہمائے اوجِ محبت بدامِ ما افتد
اگر ترا گزرے بر مقامِ ما افتد

حقیقت میں دونوں لڑکوں سے ملنے کو میرا دل چاہتا ہے۔ اُمید ہے کہ خدا کوئی ایسا موقع (پیدا) کرے گا۔

میں آپ کی رائے سے دل سے متفق ہوں کہ اب موقع نہیں ہے کہ مسلمانوں کی گزشتہ حالت پر تفاخر کیا جاوے۔ اور میں نہایت نامناسب سمجھتا ہوں کہ عام مجمعوں میں یہ راگ گایا جایا کرے۔ اول تو یہ بات سچ ہے کہ اگر

انصافاً اس زمانے کے حالات سے گزشتہ مسلمانوں کے حالات کا مقابلہ کیا جاوے تو بجز ظلمت کے اور کچھ نہیں پایا جاتا ۔ شاید اس زمانے میں اکثر حکومتوں کا ایسا ہی حال ہو جو مسلمانوں کا تھا ۔ لیکن اگر کوئی یک چشم دوسرے کو بھی کہے کہ وہ بھی یک چشم ہے تو اس کہنے سے عیب یک چشمی اُس سے دور نہیں ہو سکتا ۔ مسلمانوں کو جا یا بے جا اپنی پہلی حالت پر غرور ہے اور خود پسندی اور استخوان جد فروشی اُن کے دل میں مستحکم ہوگئی ہے ۔ پس پچھلے تفاخر کو گائے جانا اُن کی بد عادت کو اور مستحکم اور قوی کرنا ہے ۔ حالانکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ جو عیوب اُن میں ہیں وہ بتائے جاویں اور جو ضرورتیں کہ اب اُن کو درپیش ہیں وہ سمجھائی جاویں ۔ اتفاق اور قومی ہمدردی نہ کبھی مسلمانوں میں ہوئی اور نہ اب موجود ہے ۔ یہ سچ ہے کہ کسی عہد سلطنت میں قوم یا سلطنت رفاہ عام کے کام کے اصولوں پر متوجہ نہیں ہوئی اور نہ کبھی کچھ کیا ۔ چند لوگوں نے اگر کچھ کیا تو صرف نام آوری یا مذہبی خیال سے ۔ مذہبی خیال کچھ قابل تعریف نہیں ۔ ایک بڑھیا جو گنگا کے پانی میں کھڑی ہو کر اپنی نتھ ہزار روپے کی چپکے سے گنگا میں ڈال دیتی ہے ، اگر یہ امر قابل تعریف کے ہو تو اور لوگوں کے بھی مذہبی کام قابل تعریف کے ہو سکتے ہیں ۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ مذہبی کام نہ کیے جاویں بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ جب قومی رفاہ کا کوئی کام نہیں کیا جاتا اور صرف مسجدیں (اور) امام باڑے ہی بنائے جاتے ہیں تو میں اس کو قابل عزت اور قابل وقعت نہیں سمجھتا ۔ بہرحال گزشتہ حالت پر تفاخر کرنا کچھ شبہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کے عیوب کو مستحکم کرنا ہے اور اُس سے کچھ اصلاح قومی کی توقع نہیں ہے ۔ والسلام

خدا آپ کو صحیح اور تندرست و کامیاب و با اقبال رکھے اور خداوند تعالیٰ آپ کے دونوں فرزندوں کو بھی نام آور اور باعث افتخار قوم بناوے ۔

آپ کا تابعدار
خاکسار ، سید احمد

علی گڑھ ، ۵ ستمبر ۱۸۹۵ ع

(۱۱)

جناب مخدوم و مکرم من باعث افتخار قوم نواب عماد الملک بہادر !

مولوی نظام الدین حسن صاحب نے پانسو روپے کا پرامیسری نوٹ بحق کالج خرید کرکے بمد اسکالرشپ فنڈ بھیج دیا ۔ مولوی ابوالحسن صاحب کا بھی اپنا چندہ جو بحساب سکۂ انگریزی بعد منہائی کمیشن منی آرڈر بہ تعداد ۸۵ روپے ایک آنہ کے ہوا ، معرفت آپ کے پرسنل اسسٹنٹ کے پہنچ گیا ۔

اگر آپ سے اور نواب وقارالامراء بہادر سے ملاقات ہو اور معلوم ہو سکے کہ بعد ملاحظۂ کالج اُن کی کیا رائے نسبت کالج کے ہوئی ، اُس سے بھی مطلع فرمائیے گا ۔ والتسلیم

علی گڑھ ، ۸ ستمبر ۱۸۹۵ء خاکسار ، سید احمد

(۱۲)

جناب مخدوم و مکرم من باعث افتخار من و قوم من نواب عماد الملک بہادر !

عنایت نامہ ، شفقت نامہ ، مرحمت نامہ مورخہ ۱۱ - اکتوبر ۱۸۹۶ء چند روز ہوئے میرے پاس پہنچا ۔ جو عنایت اور شفقت (آپ نے) میرے حال پر ظاہر فرمائی ہے اُس کا صرف شکرگزار ہی نہیں ہوں بلکہ (اپنے لیے) باعث عزت و افتخار سمجھتا ہوں ۔ میری آرزو جناب کی خدمت عالی سے صرف اس قدر ہے :

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا
بلبل ہمیں کہ قافیۂ گل شود بس است

بہرحال خدا تعالیٰ آپ کو صحیح و تندرست اور خوش و خرم رکھے ۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ بدبختی سے جو نقصان کالج کو ہوا اُس کا آپ کے دل پر نہایت ہی رنج ہوا ہوگا[۱] ۔ میرا تو اس صدمے سے تین چار مہینے تک ایسا حال ہو گیا تھا کہ لوگوں کو یقین تھا کہ میں کسی سخت بیماری میں مبتلا ہو جاؤں گا مگر رفتہ رفتہ وہ حالت بدل گئی اور میں نے اپنے دل کو سمجھایا

۱- کالج کے مشہور غبن کی طرف اشارہ ہے ۔

کہ جو امر واقع ہو گیا ، گو کسی سبب سے ہوا ہو ، اُس پر رنج کرنے سے کوئی نتیجہ نہیں - بلکہ دل کو مضبوط کر کے جہاں تک ممکن ہے اُس کی تلافی میں کوشش کرنی چاہیے - مگر جو لوگ اس قابل ہیں کہ مدد کر سکیں ، خدا اُن کو مدد کرنے کی توفیق نہیں دیتا اور جن کے دل میں کچھ مدد کرنے کی (خواہش) ہے اور خدا نے اُن کو توفیق بھی دی ہے اُن کے پاس ہے نہیں - مجھ کو یقین کامل ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ آپ کو پوری وسعت دیتا تو صرف اکیلے آپ ہی جبر نقصان کر دیتے - مگر جو حال آپ کا ہے وہ ظاہر ہے - گو آپ کی ہمت کچھ ہی ہو مگر جب روپیہ نہ ہو تو ہمت سے کیا کام نکلتا ہے - میں نے سنا ہے مولوی سمیع اللہ خاں صاحب نہایت فخر سے بیان کرتے ہیں کہ "حضور نظام نے الہ آباد کے بورڈنگ ہاؤس کے لیے اُن کو بارہ ہزار روپے دیے" اور لوگوں سے بطور طعن کے پوچھتے ہیں کہ "سید احمد کو بھی اس نقصان کی بابت حیدر آباد سے کچھ ملا ؟" معلوم نہیں کہ یہ خبر جو ، لوگوں نے مجھ سے کہی ہے ، صحیح ہے کہ نہیں ؟ اور جو بات اُن کی طرف منسوب کی جاتی ہے وہ درحقیقت انھوں نے کہی یا نہیں ؟ مگر جس شخص نے مجھ سے بیان کیا میں نے اُس کو جواب دیا کہ "حیدر آباد نے مجھ کو اس سے بہت زیادہ دیا ہے جتنا کہ اُن کو دیا مگر حقیقی دینے والا خدا ہے" -

میں اب زیادہ تر ضعیف ہو گیا ہوں اور آخر دفعہ جو میں نے آپ سے ملازمت کی تھی اُس کے بہ نسبت میرے قویٰ میں بہت ضعف ہو گیا ہے اور اب عمر بھی زیادہ ہو گئی - جو کچھ باقی رہی ہے وہ کسی نہ کسی طرح گزر جائے گی - آپ کی یہ دعا کہ جبر نقصان میرے سامنے ہو جائے ، خدا اس کو قبول کرے - آپ نے جو اپنی لڑکی کی شادی کر دی ، اُس سے مجھ کو کمال خوشی ہوئی - خدا مبارک کرے - اور اس بات سے زیادہ خوشی ہے کہ لڑکا نیک اور سعادت مند ہے - کفو کی پابندی نہ کرنا اگرچہ باعث افسوس ہے مگر کیا کیجیے ، جب کہ ہم قوم لڑکے بالکل نالائق اور ناسعادت مند ہیں - اشرافوں کے گھروں میں لڑکیوں کا ہونا ایک آفت جانکاہ ہے - اس لیے کہ لڑکے لائق اور سعادت مند ، اشراف خاندانوں میں ناپید ہوتے جاتے ہیں -

وظیفہ آپ کا مقرر کیا ہوا جو سہ ماہی آتا ہے نہ اُس میں کچھ دقت ہے اور اگر ماہواری آوے تو نہ اُس میں کچھ ہرج اور دقت ہے - بہرحال آپ اس میں کچھ زیادہ تکلیف نہ فرمائیں - جو صورت ہے ہم کو اُس سے کچھ ہرج نہیں -

اس بات کے دریافت ہونے سے کہ ایک ہفتے سے آپ کے مزاج میں اعتدال آ گیا ہے، نہایت خوشی ہوئی ۔ عزیزی سید ہاشم کی نیک نامی سے کام کرنے کی مجھ کو بہت خوشی ہوئی ہے اور اُمید ہے کہ وہ سعادت مند ضرور خدا کی عنایت سے ہر دلعزیز ہوں گے ۔

آپ کے پرسنل اسسٹنٹ صاحب نے جو اب کی دفعہ روپیہ بھیجا ہے اُس میں عزیزی سید ہاشم کی طرف سے بھی ستر روپے بھیجے ہیں ۔ اگرچہ مجھ کو اس روپے سے نہایت خوشی ہوئی ہے مگر پرسنل اسسٹنٹ کی چٹھی میں اور کچھ زیادہ تفصیل اُس کی نہیں لکھی ہے سوائے آپ کے اسکالرشپ کے ۔ اور روپیہ جو اس نام سے آتا ہے میں اُس کو بنک میں بھیجتا رہتا ہوں، اس ارادے سے کہ جب مناسب تعداد کا ہو جائے تو پرامیسری نوٹ اس کا خریدا جائے ۔

اس بات کے دریافت ہونے سے بھی مجھ کو بہت خوشی ہے کہ امراؤتی میں عزیزی سید زین العابدین نہایت اچھی طرح کام کرتے ہیں ۔ خدا آپ کے خاندان کو ہمیشہ با عزت و اقبال رکھے ۔ والتسلیم

عریضہ سید احمد

علی گڑھ، ۲۵ اکتوبر ۱۸۹۶ع

۵۰

بنام منشی شام بہاری لال

(رسالہ 'فکر و نظر' علی گڑھ، جلد ۱، نمبر ۲، بابت اپریل ۱۹۶۰ ع، ص ۱۲۲)

شام بہاری (یا شیام بہاری) لال، علی گڑھ کے ایک معزّز اور شریف کایستھ خاندان کا فرد تھا۔ اس کا باپ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر اور دادا لیفٹیننٹ گورنر پنجاب کا میر منشی تھا۔ چونکہ آدمی تعلیم یافتہ اور حساب کتاب میں ماہر تھا اس لیے سرسید نے اسے جون ۱۸۸۳ع میں اپنے کالج کے انگریزی دفتر کا ہیڈ کلرک بنا دیا۔ اس نے بھی ہوشیاری اور مستعدی کے ساتھ کام شروع کیا اور جلد ہی سرسید کا نہایت معتمد علیہ بن گیا اور سرسید مالی و انتظامی امور میں اس پر پورا اعتماد و اعتبار کرنے لگے۔ سرسید کی عادت تھی کہ جس شخص کی امانت اور دیانت پر ایک مرتبہ بھروسہ کر لیتے تھے، پھر اس کی خواہ کتنی شکایتیں ہوں، وہ اُن کا خیال نہیں کرتے تھے۔ شام بہاری لال کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اُس کے ملازم ہونے کے سال ڈیڑھ سال بعد ہی سرسید کو کسی نے اطلاع دی کہ ''یہ آدمی ہرگز اعتبار کے قابل نہیں''، کیونکہ اس سے پہلے گورداسپور میں داروغہ جیل تھا، اور وہاں اس نے

سرکاری روپیہ غبن کیا جس پر گرفتار ہوا اور قید کی سزا پائی'' ۔ مگر سرسید نے حسبِ عادت اس شکایت پر کوئی توجہ نہ دی اور یہ کہہ کر ٹال دیا کہ ''شریف آدمی ایک مرتبہ تکلیف اُٹھا کر پھر ویسی حرکت نہیں کیا کرتا'' ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سرسید کی شرافت اور اعتماد سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر یہ اُن کے جعلی دستخطوں کے ذریعے وقتاً فوقتاً بنک سے بھاری رقمیں نکلواتا رہا اور اُن کو شراب خوری اور عیاشی میں اُڑاتا رہا ۔ یہ سلسلہ بارہ سال کے طویل عرصے تک چلتا رہا ۔ لیکن اس تمام مدت میں نہ کبھی حسابات کی پڑتال ہوئی اور نہ سرسید کو اس کی دیانت پر شبہ ہوا ۔ یہاں تک کہ جب وہ ایک لاکھ پانچ ہزار چار سو نو روپے غبن کر چکا تو اچانک فالج میں مبتلا ہو گیا ۔ اُس کی بیاری اور دفتر سے غیرحاضری کے دوران میں جب بنک سے چٹھیاں آئیں تو اس عظیم ڈاکے کا حال معلوم ہوا ، جس پر فوراً اسے گرفتار کر لیا گیا ۔ مگر وہ جولائی ۱۸۹۵ء میں مقدمہ چلنے سے پہلے ہی حوالات کے اندر زہر کھا کر مر رہا اور سرسید نے جو روپیہ عرصۂ دراز میں در بدر بھیک مانگ کر جمع کیا تھا ، سب برباد ہو گیا ۔ اس کا صدمہ سرسید کو اتنا شدید ہوا جس کی انتہا نہیں ۔ سرسید کے خطوط سے ، جو انھوں نے اس زمانے میں مختلف اصحاب کو لکھے اور حضرت مولانا الطاف حسین حالی کے اُس بیان سے ، جو انھوں نے ''حیات جاوید'' میں تحریر فرمایا ، اُس عظیم صدمے کی مفصل کیفیت معلوم ہوتی ہے جو اس المناک حادثے کے باعث سرسید کو پہنچا اور جو آخر جان لیوا ثابت ہوا ۔

(الہ آباد[1]) ۲ فروری ۱۸۹۳ء

مشفق منشی شام بہاری لال صاحب !

نجم الدین[2] عرف ٹلو کو یکم جنوری (۱۸۹۳ء) سے بارہ روپے ماہواری کے حساب سے محمڈ(ن)[3] ایجوکیشنل کانفرنس سے تنخواہ ملا کرے گی ۔ آپ لالا سری لال[4] کے ہاں سے منجملہ مبلغان کانفرنس بیس روپے منگا لیجیے ۔ (اُن میں سے) بارہ روپے تو نجم الدین کو بابت ماہ جنوری (۱۸۹۳ء) دے دیجیے اور کانفرنس کے اخراجات میں لکھیے ۔ اور یہ روپیہ بابت کرایہ ریل

۱۔ یہ خط سرسید کے ہاتھ کا لکھا ہوا منشی نجم الدین کے پاس محفوظ تھا جو انھوں نے ڈاکٹر مختار الدین احمد کو دے دیا اور انھوں نے 'فکر و نظر' میں شائع کر دیا ۔ اس خط میں مقامِ روانگی کا نام نہیں تھا مگر منشی نجم الدین کا بیان ہے کہ یہ خط سرسید نے الٰہ آباد سے بھیجا تھا ۔

۲۔ منشی نجم الدین پہلے سرسید کے ذاتی ملازم تھے ۔ سرسید ان کو دس روپے ماہوار اپنی جیب سے دیا کرتے تھے اور یہ اُن کے مسودات صاف کرنے کا کام کیا کرتے تھے ۔ جب کبھی سرسید بیمار ہوتے یا سخت عدیم الفرصت ہوتے تو خطوط کے جوابات بھی انھی سے لکھوایا کرتے تھے ۔ جواب لکھ کر یہ اصلی خطوط اپنے پاس محفوظ رکھتے ۔ اس طرح اُس وقت کے تمام مشاہیر کے نام خطوط کا نہایت نایاب اور قیمتی ذخیرہ انھوں نے فراہم کر لیا تھا جو بعد میں غالباً سارا ڈاکٹر مختار الدین احمد کو عطا فرما دیا ۔ سرسید کی کتابوں کے جو مسودے انھوں نے صاف کیے تھے ، وہ مع اصل کے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی لائبریری کو دے دیے گئے جہاں وہ محفوظ ہیں ۔ منشی نجم الدین نے اچھی عمر پائی اور علی گڑھ میں ۱۹۵۹ء میں وفات پائی ۔

۳۔ سرسید کے ہاتھ کے لکھے ہوئے خط میں ، جو ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب کے پاس محفوظ ہے ، محمڈن کا 'ن' چھوٹ گیا ہے ۔ اسی وجہ سے اسے خطوطِ وحدانی میں لکھا ہے ۔

۴۔ لالہ سری لال علی گڑھ کا ایک ساہوکار تھا جس کے پاس محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا روپیہ جمع رہا کرتا تھا اور حسبِ ضرورت منگوا لیا جایا کرتا تھا ۔

آمد و رفت نجم الدین کانفرنس کے حساب میں لکھیے[1] اور وہ آٹھوں روپے میری امانت روزنامچہ مدرسہ میں جمع کر دیجیے ۔ والسلام

خاکسار ، سید احمد

۱۔ اس فقرے کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا ۔

۵۱

بنام شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی

شمس العلما مولانا محمد شبلی نعمانی دورِ حاضرہ کے نامور ادیب ، بہت اعلیٰ درجے کے مصنّف اور نہایت فاضل مورخ تھے ۔ عین غدر کے ایام میں بماہ مئی ۱۸۵۷ء موضع بندول (ضلع اعظم گڑھ) میں پیدا ہوئے ۔ ان کے آبا و اجداد ہندو سے مسلمان ہوئے تھے اور راجپوت تھے ۔ والد شیخ حبیب اللہ نے غدر کے زمانے میں انگریز کلکٹر مسٹر وینیلس کی نہایت وفاداری کے ساتھ بڑی خدمات انجام دیں اس لیے انگریزی حکام کی نظر میں اُن کی بڑی وقعت تھی ۔ مولانا نے ابتدائی تعلیم مختلف اُستادوں سے پانے کے بعد فاضلِ یگانہ مولوی محمد فاروق چریا کوٹی سے علم کی تحصیل کی جس کی تکمیل رام پور پہنچ کر مولانا ارشاد حسین سے اور لاہور آ کر مولانا فیض الحسن سہارن پوری سے کی ۔ حدیث کا علم اُس زمانے کے نامور محدّث مولانا احمد علی سہارن پوری سے حاصل کیا ۔ تعلیم کا یہ سلسلہ ۱۸۶۳ء سے ۱۸۷۶ء تک جاری رہا ۔ تکمیلِ تعلیم کے بعد آپ فوراً حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے ۔ واپس آ کر مختلف مشاغل میں مصروف رہے ۔ کبھی عدالت میں وکالت کی ، کبھی تیل کی تجارت کی ، کبھی زمین داری کا کام کیا ۔ شاعری

کا شوق بھی اسی زمانے میں ہوا ، جس کے دوران میں کبھی اپنا تخلص تسنیم رکھا ، کبھی شبلی اور کبھی نعانی ۔ اہل حدیثوں سے زور شور کے مناظرے بھی ان ایام میں ہوئے ، جن کے باعث اُستاد نے حضرت امام ابوحنیفہ نعان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کے نام کی مناسبت سے مولانا کو ''نعانی'' کہنا شروع کر دیا اور بعد میں یہ اسی نام سے مشہور ہو گئے ۔ (بعض لوگوں کا جو یہ خیال ہے کہ مولانا حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی نسل میں سے تھے اس لیے نعانی کہلاتے تھے ، یہ قطعاً غلط ہے) ۔ مولانا ۱۸۸۳ع میں علی گڑھ گئے اور سرسید کی تعریف میں ایک عربی قصیدہ لکھ کر لے گئے ۔ سرسید نے بعد میں مولوی سمیع اللہ کی سفارش پر ان کو اپنے قائم کردہ مدرسۃ العلوم میں اسسٹنٹ عربک پروفیسر مقرر کر دیا اور چالیس روپے ماہوار تنخواہ طے ہوئی ۔ مگر جیسی اُن کی خواہش اور توقع تھی ، اُس کے مطابق سرسید نے ان کی قدر اور عزت نہیں کی ، بلکہ بعض اوقات بہت سخت الفاظ ان کے متعلق استعمال کیے جن کے نمونے سرسید کے اُن خطوط میں ملتے ہیں جو انھوں نے وقتاً فوقتاً مولانا کو لکھے ۔ تاہم زمانۂ ملازمت میں انھوں نے سرسید کے ذاتی کتب خانے سے بڑا فائدہ اُٹھایا اور یہیں سے اُن کے تصنیفی دور کی ابتدا ہوئی ۔ آپ نے ۱۸۹۲ع میں قسطنطنیہ ، شام اور مصر کا سفر کیا اور واپس آ کر اپنا سفرنامہ شائع کیا ۔ ۱۸۹۴ع میں سرسید کی تحریک اور سفارش سے اُن کو شمس العلماء کا خطاب ملا جس پر علی گڑھ کالج میں ایک عظیم الشان جلسہ ہوا اور ہر طرف سے مولانا کو مبارک باد دی گئی ۔ سید سلیمان ندوی نے اس جلسے کی روئیداد نہایت طمطراق کے ساتھ 'حیات شبلی' کے ۲۶ صفحات پر شائع کی ۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ یہ سب کچھ سرسید نے اپنی ذاتی غرض کے لیے کیا اور اس خطاب اور جلسے سے ''اپنے مقاصد کے اشتہار کا کام لیا'' (حیات شبلی ، ص ۲۳۸) ۔ ۱۸۹۶ع میں ریاست حیدر آباد سے

آپ کا ایک سو روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر ہو گیا جس کے بعد ۱۸۹۸ع کے آخر میں آپ نے کالج سے استعفا دے دیا اور اُسی وقت سے سرسید کی مخالفت شروع کر دی - ۱۲ نومبر ۱۹۰۰ع کو اُن کے والد کا انتقال ہو گیا جس کے ساتھ ہی وہ بہت سی خانگی مشکلات میں پھنس گئے اور اُن کا گھریلو اطمینان و سکون ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گیا - مئی ۱۹۰۱ع میں وہ حیدر آباد دکن گئے اور وہاں سررشتۂ علوم و فنون کے ناظم مقرر ہو گئے - فروری ۱۹۰۵ع میں مستعفی ہو کر لکھنؤ چلے آئے اور یہاں ۱۹۰۵ع میں ندوۃ العلماء کے ناظم بنے - (مگر سخت اختلاف کے باعث ۱۹۱۳ع میں استعفا دے دیا - ندوۃ العلماء کی نظامت کے دوران میں آپ نے لکھنؤ سے ایک اعلی علمی ادبی مجلہ 'الندوہ' کے نام سے نکالا - ۱۷ مئی ۱۹۰۷ع کو اتفاقی طور پر بندوق چل جانے سے مولانا کی ٹانگ سخت زخمی ہوگئی جسے بعد میں کاٹنا پڑا - جولائی ۱۹۱۱ع میں گورنمنٹ نے ایک اورینٹل کانفرنس بمقام شملہ منعقد کی تھی - اُس میں مسٹر برن چیف سیکرٹری گورنمنٹ یو - پی نے مولانا سے پوچھا کہ ''انگریزی گورنمنٹ کے متعلق مسلمانوں کی رائے شرعی حیثیت سے کیا ہے؟'' جس پر مولانا شبلی نے جواب دیا کہ ''مسلمانوں کا تو یہ حال ہے کہ وہ ہر جمعے کی نماز کے خطبے میں ''السلطان ظل اللہ علی‌الارض'' پڑھتے ہیں'' (حیات شبلی ، ص ۲۸۱) - مولانا نے ۱۸ نومبر ۱۹۱۴ع کو اعظم گڑھ میں وفات پائی - آپ کی اعلیٰ درجے کی تصانیف میں سے بعض مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں : المامون ، الفاروق ، سوانح مولانا روم ، سیرۃ النعمان ، موازنۂ انیس و دبیر ، الغزالی ، کتب خانۂ اسکندریہ ، شعرالعجم وغیرہ - مگر آپ کی سب سے وقیع کتاب ''سیرۃ النبی'' ہے جس کی افسوس ہے کہ آپ تکمیل نہ کر سکے - آپ کی وفات کے بعد سید سلیمان ندوی نے اس کی تکمیل کی جو چھ جلدوں میں ختم ہوئی - آپ کے علمی اور تحقیقی مضامین کا مجموعہ آٹھ جلدوں میں ''مقالات شبلی''

کے نام سے شائع ہو چکا ہے ۔ خطوط بھی دو جلدوں میں چھپ چکے ہیں ۔

(۱)

(ماہنامہ 'معارف' اعظم گڑھ ، بابت اگست ۱۹۱۹ع ، ص ۱۵۲)

مولانا شبلی ، علی گڑھ کالج میں پروفیسر تھے اور کالج کے طلبا کو قرآن کریم کا ترجمہ پڑھایا کرتے تھے ۔ ایک مرتبہ انھوں نے سرسید کو خط لکھا (زبانی کہنے کی جرأت نہ تھی) کہ یہ کام مولوی عبداللہ کے سپرد کرنا چاہیے ، جس کا سرسید نے یہ جواب دیا ۔

شمس العلما مولوی شبلی صاحب !

یہ کام مولوی عبداللہ صاحب[1] کے متعلق نہیں ہو سکتا ۔ ان سے ایک خاص کام طے ہوا ہے ۔ وہ دیگر خدمات سے ہمیشہ مستثنیٰ رہیں گے ۔ لہٰذا یہ کام ان کے متعلق کرنا مناسب نہیں ہے ۔ آپ برسوں سے بخوشی خاطر یہ کام کر رہے ہیں ۔ اب کیوں خود غرضی سے ، جی چراتے ہو[2] ؟

علی گڑھ ، ۲۰ جنوری ۱۸۹۵ع — سید احمد

(۲)

(ماہنامہ 'معارف' اعظم گڑھ ، بابت ماہ اگست ۱۹۱۹ع ، ص ۱۵۳)

مولوی شبلی صاحب !

آپ نے اپنی طولانی تحریر کو ایسے عنوان سے شروع کیا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مجھ کو مولوی صاحب کے کام پر اطمینان نہیں (حاشا و کلاّ) ۔ اگر

۱- مولوی عبداللہ ایک بڑے فاضل اور عالم شخص تھے ۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی دختر ان کے عقد میں تھیں ۔ مولوی صاحب انبیٹھہ (ضلع سہارن پور) کے رہنے والے تھے اور علی گڑھ کالج میں ناظم دینیات تھے ۔

۲- یہ خط 'معارف' کے علاوہ رسالہ 'فکر و نظر' علی گڑھ میں بھی چھپ چکا ہے اور ''مکاتیب سرسید احمد خاں'' ، مرتبہ مشتاق حسین ، اورینٹل اسسٹنٹ مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ کے صفحہ ۲۳۷ پر بھی شائع ہو چکا ہے ۔

ایسا ہوتا تو ایسا عظیم الشان کام ، جو کہ کالج کی جان ہے ، ان کے سپرد ہر گز نہ کیا جاتا ۔ مجھے اُن پر بہت بڑا اطمینان ہے ۔ وہ صدہا علما میں سے اس جلیل القدر کام کے واسطے منتخب کیے گئے ہیں ۔ شاید آپ کا خیال خرابی یا بے ایمانی کی طرف اس لفظ سے گیا ہوگا کہ ("یہ کام ان کے متعلق کرنا مناسب نہیں") اس کے یہ معنی ہیں کہ میں کسی طرح ان کے خلافِ مرضی کوئی کام ان کے متعلق کرنا پسند نہیں کرتا ۔ مگر میں منشی سعید احمد صاحب کی معرفت مولوی صاحب کی مرضیِ مبارک دریافت کروں گا[1] ۔

۲۲ جنوری ۱۸۹۵ء سید احمد

(۳)

(مکاتیبِ شبلی ، جلد اول ، مطبوعہ ۱۹۱۶ء ، ص ۶)

علی گڑھ ، ۱۵ ستمبر ۱۸۹۵ء

مخدومی !

جن صیغوں میں آپ کے نزدیک ابتری ہے ان کے نام بتانے ضروری ہیں ۔ امیدکہ اس سے مطلع فرماویں گے ۔ والسلام[2]

سید احمد

۱- یہ خط 'معارف' اعظم گڑھ میں چھپنے کے علاوہ رسالہ 'فکر و نظر' علی گڑھ اور مکاتیبِ سرسید احمد خاں ، مرتبہ مشتاق حسین کے صفحہ ۲۳۸ و ۲۳۹ پر بھی شائع ہو چکا ہے ۔

۲- جب ۱۸۹۵ء میں شام بہاری لال ہیڈ کارک نے علی گڑھ کالج کے فنڈ میں بہت بڑا غبن کیا ، اُس وقت مولانا شبلی رخصت پر اعظم گڑھ گئے ہوئے تھے ۔ اخبارات میں غبن کی خبر پڑھ کر انھوں نے سرسید کو خط لکھا کہ غبن کے علاوہ کالج کے اور صیغوں میں بھی ابتری ہے ، جس پر سرسید نے مولانا کو یہ خط لکھا تھا ۔ مولانا کا اصلی خط ضمیمے میں شامل ہے ۔

۵۲

بنام مولوی شرف الدین

مولوی سید شرف الدین بلخی ، گیا (صوبہ بہار) کے رہنے والے ایک بزرگ تھے جو سرسید کے معتقدین میں سے تھے ۔ اُن کی تمام خط وکتابت سرسید سے علمی اور فقہی مسائل کے متعلق ہوتی تھی ۔ مگر افسوس ہے کہ اُن کے نام کے صرف پانچ خط مل سکے ہیں جو "خطوط سرسید" مرتّبہ راس مسعود سے ماخوذ ہیں ۔

(۱)

مخدومی مکرمی سید شرف الدین صاحب بلخی !

آپ کا نوازش نامہ پہنچا ۔ ممنونِ عنایت ہوا ۔ جو خیال آپ کا میری طرف ہے وہ صحیح نہیں ہے ، اس کو دل سے دور کر دیجیے ۔ میں صرف ایک گنہگار شرمسار آدمی ہوں ۔ ادنٰی سے ادنٰی مسلمان بھی مجھ گنہگار سے ہزار درجے بہتر ہے ۔

آپ نے مجھ سے جو سوال (دریافت) کیا ہے ، اگر بعوض اس کے آپ مجھ ہی سے مندرجہ ذیل سوال فرماتے تو میں نہایت خوشی سے اس کا جواب دیتا :

۱- نمازِ پنجگانہ فرض ہے یا نہیں ؟

ہر مسلمان کو ، عالم ہو یا جاہل ، درویش ہو یا دنیا دار ، نماز پنجگانہ اُس کو فرضِ مذہبی سمجھ کر ادا کرنا فرض ہے ؟

۲- جو مسلمان اس کو فرض نہ سمجھے وہ کافر ہے یا نہیں ؟ بلاشبہ کافر ہے -

۳- نماز نہ پڑھنے یا قضا کر دینے سے مسلمان گنہگار ہوتا ہے اور گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے یا نہیں ؟ بے شک مرتکب ہوتا ہے -

۴- نماز قضا ہونے یا قضا کرنے پر اگر کوئی شخص نادم ہو اور اپنے تئیں گنہگار سمجھتا ہو ، اور سخت گناہ کا مرتکب تسلیم کرتا ہو ، وہ کافر ہوتا ہے یا مسلمان رہتا ہے ؟ مسلمان رہتا ہے -

۵- اس کے ساتھ یہ بھی سوال کرو کہ جو لوگ مسجدوں میں جاتے ہیں اور اس بات سے خوش ہوتے ہیں کہ لوگ اُن کو نمازی اور نہایت پاک سمجھیں اُن کا کیا حال ہے ؟ اُن کی نمازیں خدا کے حضور کوئی وقعت نہیں رکھتیں -

میرے نزدیک جمع بین الصلواتین جائز ہے - میں ایک گنہگار آدمی ہوں - نماز پڑھتا بھی ہوں ، قضا بھی ہو جاتی ہے - جب قضا ہو جاتی ہے ، شامت اعمال سے اس کی ندامت ہوتی ہے - اپنے آپ کو گنہگار سمجھتا ہوں (اور) خدا سے معاف چاہتا ہوں -

جس شخص نے آپ سے کہا کہ میں نماز مغرب میں ، جو مسجدِ مدرسہ میں ہوتی ہے ، شریک نہیں ہوا ، سچ کہا ہے - کیونکہ جب تک میں مدرسے سے واپس نہ آؤں اور کپڑے نہ تبدیل کروں ، وہ کپڑے نمازی نہیں ہوتے -

بہرحال میری اندرونی تفتیش محض بے جا ہے - نہ میں مقدس ہوں ، نہ مقدس ہونے کا دعویٰ ہے (اور) نہ کسی کا ہادی بننا چاہتا ہوں - ایک گنہگار آدمی کے حالات کی تفتیش کیا ؟ البتہ مسلمانوں کی بھلائی اور ترقی کا خیال ہے - اس میں کوشش کرتا رہتا ہوں - والسلام

علی گڑھ ، ۲ اگست ۱۸۹۲ء   خاکسار : سید احمد

(۲)

مخدومی مکرمی مولوی شرف الدین صاحب !

آپ کا نوازش نامہ پہنچا - رسالہ جن و تحریر فی اصول التفسیر روانۂ خدمت ہو چکا - جس کتاب کی تحریر کی ضرورت آپ نے تحریر فرمائی ہے ، بلاشبہ بہت

ضروری ہے ۔ (بے شک) کوئی شخص ایسا (ضرور) ہو (نا چاہیے) جس کو جمیع مذاہبِ اسلامیہ سے نہ محبت ہو نہ عداوت بلکہ سچے مؤرخ کی طرح اصلی حالات کو بیان کرے ۔ خدا کسی کو ایسی توفیق دے ۔ میں تو جب تک میری تفسیر ختم نہ ہو لے ، کوئی بڑا کام اختیار نہیں کر سکتا ۔ میری نسبت تو بہ سبب میری تصنیفات کے فتوےٰ ہائے کفر (صادر) ہو چکے ہیں ۔ آپ میری تحریرات کو پسند فرماتے ہیں ، آپ پر بھی فتوےٰ ہائے کفر (صادر) ہو جائیں گے ۔ رسالۂ استجابتِ دعا علیحدہ لکھا ہے ، اس کو بھی ملاحظہ فرمائیے ۔ خطوط سب میرے نام ہوں ۔ میں خود تعمیل کروں گا ۔ والسلام

۳ فروری ۱۸۹۳ء خاکسار ، سید احمد

(۳)

مخدومی مکرمی مولوی سید شرف الدین احمد صاحب بلخی !

آپ کا نوازش نامہ مورخہ ۱۱ فروری میرے پاس پہنچا ۔ آپ نے جو الفاظ اپنی عنایت سے میری نسبت لکھے ہیں ، انھوں نے مجھے تکلیف دی ۔ برائے خدا مجھ کو امام نہ سمجھیے بلکہ احمد من الانام کالانعام سمجھیے ۔ آپ نے لطیف بات لکھی ہے کہ علما بتاویں کہ میں مہدی ہوں یا دجّال ؟ میں آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ علما نے میرے دجّال ہونے پر فتویٰ (دے) دیا ہے ۔ میں تلاش کروں گا ۔ اگر ملا تو اُس کی نقل آپ کے پاس بھیج دوں گا ۔ والسلام

۱۵ فروری ۱۸۹۳ء خاکسار ، سید احمد

(۴)

مخدومی مکرمی مولوی سید شرف الدین احمد صاحب بلخی !

عنایت نامہ پہنچا ۔ نسبت خواب کے ایک بہت بڑا مضمون تفسیر جلد پنجم میں بذکر خواب ہائے حضرت یوسفؑ و فرعون مندرج ہے ، اُس کو ملاحظہ فرمائیے ۔

بیعت کی رسومِ ظاہری لغو و ہیچ کارہ ہیں ۔ صرف ارادتِ رہبر مقصود ہے ۔ حقیقتِ بیعت پر میرا رسالہ ہے جو مجموعۂ تصانیف میں چھپا ہے ۔[1] اُس کو دیکھیے ۔

بیعتِ مسنونہ ، جس کی تفصیل میرے رسالے میں ہے ، دو شخصوں سے یا متعدد اشخاص سے کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء خاکسار ، سید احمد

(۵)

مخدومی مکرمی !

تفسیر صرف سورۂ النحل تک چھپی (ہے) ۔ اس سے اگلی سورتوں کی تفسیر لکھی گئی ہے مگر ابھی تک چھپنے کی نوبت نہیں آئی ۔ خدا نے چاہا تو عنقریب چھپنی شروع ہوگی ۔

سید محمود نے (جو) اسپیچ الہ آباد کے تھیئٹر میں کی تھی ، وہ صرف زبانی تھی ۔ وہ لکھی (نہیں) گئی اور نہ چھپی ہے ۔ مجھے تو یہی یاد ہے ۔ مگر حال میں سید محمود نے کانفرنس[2] میں ایک بے نظیر لیکچر دیا ہے انگریزی تعلیم پر اور دکھایا ہے کہ مسلمانوں نے اس سے کس قدر فائدہ اُٹھایا اور ہندوؤں نے کس قدر ۔ اور ڈائگرام بنا کر آنکھوں سے دکھایا ہے ۔ وہ چھپ جائے گا تو ایک کاپی خدمتِ عالی میں بھیجوں گا ۔

دس قطعہ اشتہارات در باب اجرائے 'تہذیب الاخلاق' مرسلِ خدمت ہیں ۔ از راہِ مہربانی اُن کو دوستوں میں تقسیم فرما دیجیے ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۲۰ فروری ۱۸۹۴ء خاکسار ، سید احمد

۱- اس سے ''نمیقہ'' مراد ہے ۔ سرسید کا یہ خط نما مضمون فارسی میں ہے اور اس مجموعے میں مع ترجمے کے شامل ہے ۔
۲- مراد محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ ہے ۔

۵۳

بنام قاضی شہاب الدین

(ضمیمہ رسالہ 'فکر و نظر' علی گڑھ ، ص ۲۸۸-۲۸۹ ، خط نمبر ۸۹)

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۸ - اپریل ۱۸۸۳ع میرے پاس پہنچا ، جس کا میں شکر کرتا ہوں ۔ آپ کی توجہ جو قومی ترقی کی نسبت ہے ، اُس کا حال دریافت ہونے سے نہایت خوشی ہوئی ہے ۔ آپ کی ذات سے ایسی ہی توقع تھی ۔ جو کچھ آپ نے میرے خط کے جواب میں لکھا ہے بالکل صحیح و درست ہے ۔ مگر جو کام قوم کی بھلائی کے لیے ایسے بڑے اسکیل پر بنایا جاتا ہو ، جس کے پورا کرنے کے لیے بہت سی قوتوں کا جمع ہونا ضرور ہے اور بغیر اس کے وہ پورا نہیں ہو سکتا ، تو اس کے پورا کرنے کے لیے قومی قوتوں کا جمع کرنا ایک شخص پر ، جو قوم کی بھلائی کی طرف دل رکھتا ہے ، ضرور ہے ۔

یہ ایک بہت بڑا مسئلہ قومی ترقی کا بحث طلب ہے کہ قوم کی ترقی کے لیے اعلیٰ درجے کے انسٹی ٹیوشن موجود ہوئے بغیر ادنیٰ درجے کی امدادوں سے قومی ترقی ممکن ہے یا نہیں ؟ میں کہتا ہوں کہ نہیں اور اس لیے میں ہر ایک شخص پر ، جو قومی ترقی کا خواہاں ہو ، اس قسم کے انسٹی ٹیوشن قائم کرنے میں مدد کرنی فرض سمجھتا ہوں ، گو کہ وہ دوسرے طور پر کیسی ہی مدد کرتا ہو ۔

اس وقت ہمارے کالج میں گجرات ، سومنات ، حیدر آباد (دکن) ، میسور تک

کے لڑکے بورڈر ہیں - اس سے ثابت ہے کہ تمام ہندوستان میں ایک انسٹی ٹیوشن کی ضرورت ہے جس میں لوگ اپنی اولاد کو تعلیم کی غرض سے بھیج دیں - اور جب کہ کوئی ایسا انسٹی ٹیوشن قائم ہو تو ہندوستان کے ہر ایک گوشے سے اس کی مدد ہونی ضرور ہے -

ہمارا کالج جس اسکیل پر قائم ہے اس کے پورا کرنے کو پندرہ لاکھ روپیہ درکار ہے اور جب تک کہ ہندوستان کے ہر ایک گوشے سے اس کی مدد نہ ہو، اس کی تکمیل ناممکن ہے - پس آپ گو قومی بھلائی میں مدد کرتے ہوں مگر اس انسٹی ٹیوشن میں بھی مدد کرنی اور قوتوں کا جمع کرنا ضرور ہے -

بہرحال جو آپ کی رائے ہو اس میں بحث کرنا نہیں چاہتا - ایک اور امر ہے جس میں آپ کی رائے دریافت کرنا چاہتا ہوں - کمیٹی کو خیال ہے کہ ایک ڈپوٹیشن ہز ہائی نس مہاراجا گائیکواڑ کی خدمت میں بہ اُمیدِ امداد کالج بھیجے - آپ کی رائے میں کچھ امداد ہونے کی توقع ہے یا نہیں ؟ اگر نہ ہو تو کمیٹی کو مناسب ہوگا کہ اس خیال کو چھوڑ دے -

جب مہاراجا گائیکواڑ کلکتے میں تھے (تو) میں بھی وہاں تھا اور جس رات کو وہ گورنمنٹ (ہاؤس) میں تھے اس پارٹی میں میں بھی تھا - مگر جو کہ کسی سے واقفیت نہ تھی (اس لیے) میں نے ان سے ملنے کا کچھ خیال نہیں کیا[۱]-

خاکسار ، سید احمد

(کلکتہ)

۱- اس خط پر اگرچہ کوئی تاریخ نہیں مگر جیسا کہ شروع خط سے معلوم ہوتا ہے ، یہ خط ۱۸ اپریل ۱۸۸۳ع کے فوراً ہی بعد لکھا گیا ہوگا -

۵۴

بنام مولوی عبدالحق صاحب دہلوی

مؤلف تفسیر حقانی

(اخبار ''سرگذشت'' علی گڑھ ، جلد ۷ ، نمبر ۳۰ ، بابت ۸ اکتوبر ۱۹۳۵ع ، ص ۴)

جس زمانے میں سرسید مدرسۃ العلوم علی گڑھ قائم کرنے میں منہمک تھے اور اخباروں میں اس کے متعلق خوب بحثیں ہو رہی تھیں ، اُن ہی ایام میں مولوی عبدالحق صاحب دہلوی نے سرسید کے نام ایک خط 'سیدالاخبار' دہلی میں چھپوایا تھا ۔ سرسید کا مندرجہ ذیل خط مولوی صاحب کے اُسی مطبوعہ خط کا جواب ہے ۔ مولوی عبدالحق حقانی ، دہلی کے نامور اور فاضل علماء میں سے تھے ۔ ''تفسیر حقانی'' کے نام سے آپ نے قرآن کریم کی نہایت مفصّل اور مشرّح تفسیر آٹھ جلدوں میں لکھی تھی ۔ اسی تفسیر کی بدولت آپ کی شہرت ہوئی ۔ حیدرآباد سے آپ کو وظیفہ ملتا تھا ۔ گورنمنٹ انگریزی نے بھی شمس العلماء کا خطاب دیا تھا ۔ ۱۸۴۹ع میں پیدا ہوئے اور ۱۹۱۶ع میں وفات پائی ۔

مخدوم و مکرم من جناب مولوی عبدالحق صاحب سلمہ‌اللہ تعالیٰ !
بعد سلام مسنون عرض یہ ہے کہ آپ نے جو عنایت نامہ میرے نام

'سیدالاخبار' دہلی ، نمبر ۱۷ میں چھاپا ہے اُس کا شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ اور اُس کے جواب میں یہ عرض ہے کہ آپ جو یہ استفسار فرماتے ہیں کہ مدرسۃ العلوم مسلمانان میں (وہ) کون سے علوم ہوں گے جن سے اہلِ اسلام ترقی دنیا حاصل کریں گے ؟ تو (اس کے جواب میں عرض ہے کہ) اگر آپ از راہِ عنایت اُس طریقۂ تعلیمِ مسلمانان پر غور فرمائیں گے جو کمیٹی میں پیش ہوا ہے اور ہمراہ پرچۂ "تہذیب الاخلاق" مطبوعہ ۱۵ ذی الحجہ ۱۲۸۹ھ تقسیم ہوا ہے ، تو آپ کو ان سب علوم کا ، جو مدرسۃ العلوم مسلمانان میں پڑھانے تجویز ہوئے ہیں ، بخوبی حال معلوم ہو جائے گا ۔ اور اُس وقت آپ یہ رائے قائم فرما سکیں گے کہ ان علوم کے پڑھنے سے دین اور دنیا دونوں میں ترقی ہونے کی اُمید ہے یا نہیں ؟

آپ نے تصور فرمایا ہے کہ مدرسۃالعلوم کی تعلیم سے (مقصد) ہاتھ آنا سرکاری نوکریوں کا اصلی مقصود ہے ، اس لیے آپ فرماتے ہیں کہ سرکار میں اتنی نوکریاں کہاں ہیں جو مسلمانوں کو دے گی ؟ جنابِ من ! آپ نے مقصودِ مدرسۃ العلوم پر غور نہیں فرمایا ہے ۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان علوم و فنون میں ایسی تعلیم پا جائیں کہ بلا ذریعۂ نوکری خود اپنے قوتِ بازو سے اپنی معاش پیدا کریں ۔ اور جو کہ مدارسِ سرکاری میں بجز نوکری پیشہ بننے کے یہ بات حاصل نہیں ہوتی اس لیے مستقل مدرسے کے قائم کرنے کی ضرورت پیش آئی ہے ۔ آخر کو جو آپ نے نصیحتِ ناپائداری دنیا لکھی ہے اور ارقام فرمایا ہے کہ "انسان کو لازم ہے کہ ہر دم کو دمِ واپسیں جانے اور اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو" بلا شبہ یہ عمدہ نصیحت ہے ۔ مگر یہ ایسی بات ہے کہ اس کو ہر کوئی اعلیٰ و ادنیٰ ، عالم و جاہل سب جانتے ہیں مگر افسوس کہ کرتا کوئی نہیں ۔ اگر آپ خود ہی اس پر عمل رکھتے ہوتے تو اخیر خط میں یہ ارقام نہ فرماتے کہ '' نحن منتظرللجواب'' کیوں کہ آپ کو یقین تھا کہ آپ میرا جواب پہنچنے تک زندہ رہیں گے ۔ اُس وقت آپ کو اپنی اس نصیحت کا کہ ہر دم کو دمِ واپسیں جاننا چاہیے ، کیوں خیال نہ رہا ؟ مجھ سے آپ سے ملاقات نہیں ہے اور نہ آپ کے حال سے واقف ہوں اس لیے میں نہیں جانتا کہ آپ کس حال میں ہیں ؟ مگر میں نہایت ادب اور عاجزی سے پوچھتا ہوں کہ آپ نے اپنے رہنے کی کبھی کوئی کچّی یا پکی حویلی بھی بنوائی ہے ؟ برسات کی تکلیف سے بچنے کے لیے گھر کی چھت پر مٹی ڈلوائی ہے ؟ کبھی اپنے رہنے کے لیے چھپر ڈلوایا ہے ؟ آپ کے پاس پہننے کے کئی جوڑے ہیں ؟ جن میں سے ایک آدھ تو آپ پہنے ہوئے

ہوں گے اور باقیوں کو آیندہ پہننے کے لیے رکھا ہوگا ۔ کم سے کم نان بائی یا بھٹیارے کو صبح شام کی روٹی پکانے کا حکم دیتے ہوں گے اور اس ماہ مبارک رمضان میں سحری کے لیے بھی کچھ ضرور اُٹھا رکھتے ہوں گے ۔ مگر آپ کو اس نصیحت پر کبھی عمل کرنے کا اتفاق نہیں ہوتا کہ ''شاید ہمیں نفس نفس واپسیں بود ۔'' پس جس بات پر کہ آپ کبھی عمل نہیں فرماتے ، دوسروں کو اس کے کرنے کی کیوں نصیحت فرماتے ہیں ؟ جناب ایسی باتیں کہہ دینی اور لکھ دینی بہت آسان ہیں مگر اس پر کسی کو عمل کرتے نہیں دیکھا ۔

بندہ نے بھی زمانہ دیکھا ہے ۔ بڑے بڑے مقدّس عالموں کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں ۔ بڑے بڑے بزرگوں اور درویشوں کی جوتیاں سیدھی کی ہیں ۔ مگر ایسی نورانی کا سب کو محتاج پایا ۔ پھر بھلا آپ ایسی باتیں جاہل مسلمانوں کے برباد کرنے کو کیوں فرماتے ہیں ؟ ہمارے دین میں کچھ تنگی نہیں ہے ۔ جس سے خدا اور رسولؐ نے منع فرمایا اُس سے ہم کو پرہیز کرنا چاہیے ۔ جس چیز سے ہم کو منع نہیں کیا وہ ہمارے لیے حلال اور مباح اور خدا کی نعمت ہے ۔ ہم کو شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام کی مطابقت میں خدا کی نعمتوں کو لوٹنے دو ۔ برائے خدا آپ کو کیا نقصان ہوتا ہے ؟ وہ تو ہمارے خدا کی نعمتیں ہیں ۔ اُس نے ہمارے لیے بنائی ہیں ۔ پھر ہم نہ لوٹیں گے تو (اور) کون لوٹے گا ۔ ہاں خدا سے یہ دعا مانگو کہ ہم ان نعمتوں کے سبب سے مغرور نہ ہوجائیں اور اپنے خدا کو جس نے وہ نعمتیں ہمارے لیے وقف کر دیں ، نہ بھول جائیں ۔ مروت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ آدمی اپنی ذات سے زیادہ دوسروں کی بھلائی پر کوشش کرے ۔ پس آپ بھی اپنے بھائی مسلمانوں کی ترقی کے لیے کوشش کیجیے اور لوگوں سے مدرسۃ العلوم مسلمانان کے لیے نہ چندہ مانگتے پھریے اور جمع کر کے میرے پاس بھیجتے جائیے ۔ حقیقت میں یہ بات ہر دم کو دمِ واپسیں سمجھنے پر عمل کرنے کی ہوگی ۔ کیونکہ وہ کام اپنے لیے نہ ہوگا بلکہ دوسروں کے لیے ہوگا ۔ اُمید ہے کہ آپ میری اس عرض پر دلی توجہ فرمائیں گے ۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

از بنارس ، ۵ نومبر ۱۸۷۳ء — راقم آثم ، سید احمد

۵۵

بنام مولوی حکیم سید عبدالحی

سرسید کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ خط مولوی عبدالحی کے فرزند مولوی ابو الحسن ندوی کے پاس محفوظ ہے ۔ انھوں نے اس کا ایک فوٹو مہیش پرشاد پروفیسر ہندو یونیورسٹی بنارس کو دیا جو اُنھوں نے اپنی کتاب "مشاہیر اُردو" میں شائع کیا اور اس کا ایک فوٹو ڈاکٹر مختار الدین کو دیا جنھوں نے اسے لاہور کے رسالہ 'نقوش' بابت مئی و جون ۱۹۵۳ع میں چھپوایا ۔ اور 'نقوش' سے لے کر ہم یہاں اسے ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں ۔ بعد میں یہ خط ڈاکٹر صاحب نے رسالہ 'فکر و نظر' علی گڑھ ، جلد ۱ ، نمبر ۴ ، بابت ماہ اکتوبر ۱۹۶۰ع میں بھی چھپوایا تھا ۔

یہ خط سرسید نے مولانا حکیم سید عبدالحی (ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ) کے نام لکھا تھا ۔ اس وقت سرسید کی مخالفت عام مسلمانوں میں بڑے زور شور سے ہو رہی تھی اور اُن کو کافر ، ملحد ، دہریہ ، نیچری اور نہ معلوم کیا کیا کہا جا رہا تھا اور اُن کے مذہبی خیالات کی تردید سے اکثر اخبار بھرے ہوئے تھے ۔ اُسی زمانے میں مولانا سید عبدالحی نے بھی ایک خط سرسید کو لکھا جس میں اُنھیں مذہبی لحاظ

سے بہت سی نصیحتیں کیں ۔ سرسید نے اُس نصیحت نامے کے جواب میں یہ خط سید صاحب کو لکھا جو طنز سے بھرپور مگر بہت مہذّب و شائستہ اور نرم و شیریں لہجے میں تحریر ہوا ہے ۔ ایسے موقعوں پر سرسید بالعموم ایسا ہی شگفتہ اور دلچسپ لہجہ اختیار کیا کرتے تھے ۔

جناب مولانا و مخدومنا مولوی سید عبدالحی صاحب !

آپ کا نوازش نامہ مملو از پند و نصائحِ ارجمند پہنچا ۔ میں آپ کی عنایت و ہمدردیِ اسلامی کا نہایت شکر ادا کرتا ہوں ۔ میری بھی دعا اپنے لیے اور آپ کے لیے اور سب مسلمانوں کے لیے خداوند کریم سے یہی ہے کہ اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم غیرالمغضوب علیهم ولا الضالین ۔ آمین[1] ! والسلام[2]

علی گڑھ ، ۲ فروری ۱۸۹۳ع — خاکسار ، سید احمد

مولانا سید عبدالحی صاحب مرحوم جن کے نام یہ خط ہے عربی زبان کے مشہور فاضل ، اُردو کے اعلیٰ درجے کے ادیب ، بہت بڑے مورخ اور بڑے پائے کے نقاد تھے ۔ وہ مشہور فاضل مولانا سید فخرالدین کے لائق فرزند اور حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے ۔ عرصے تک لکھنؤ کی مشہور درسگاہ ندوۃالعلماء کے ناظم رہے ۔ آپ کا وطن رائے بریلی تھا ۔ ۲ فروری ۱۹۲۳ع کو انتقال کیا ۔ عربی میں جنت المشرق (ہندوستان کی بے مثل تاریخ) ، کتاب المعارف (مسلمانانِ ہند کی علمی ترقیوں کی تفصیل)، کتاب نزهة الخواطر ،

۱- یعنی (اے اللہ !) ہمیں سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق دے ۔ اُن لوگوں کے راستے پر جن پر تیرا انعام ہوا ، نہ کہ جن پر تیرا غضب نازل ہوا ، اور نہ گمراہوں کے ۔ آمین

۲- اس خط کا فوٹو ڈاکٹر صاحب نے رسالہ 'فکر و نظر' میں شائع فرمایا تھا ۔ یہاں اُسی فوٹو کی نقل پیش کی جا رہی ہے ۔

(ہندوستان کے علماء و مصنّفین کا نہایت مفصّل اور ضخیم تذکرہ) آٹھ مبسوط جلدوں میں اور اُردو میں تذکرۂ گل رعنا آپ کی تالیفات ہیں ۔ موخرالذکر کتاب اُردو زبان کی ابتدائی تاریخ ، اُس کی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے مشہور اُردو شعرا اور اُن کے کلام کے نمونوں پر مشتمل ہے۔ مسدسِ حالی کا بھی اُنھوں نے جواب لکھا تھا جو نظم میں تھا۔

۵٦

بنام نواب عبدالسلام خاں

نواب محمد عبدالسلام خاں صاحب پرتاپ گڑھ صوبہ یو ۔ پی میں سب جج تھے ۔ اُنھوں نے ''حقیقت المذہب'' کے نام سے ایک تحقیقی کتاب لکھنی چاہی تو سرسید کو خط لکھ کر پوچھا کہ اس موضوع پر کون کون سی کتابیں لکھی گئی ہیں ؟ اس کے جواب میں سرسید نے مندرجہ ذیل خط بھیجا ۔

(۱)

جناب نواب صاحب مخدوم مکرم من نواب عبدالسلام خاں صاحب !

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۸ دسمبر پہنچا ، ممنون عنایت ہوا ۔ آپ نے ایسا مشکل کام اختیار کیا ہے جس کی مشکلات کا بیان نہیں ہو سکتا ۔ ایک طرف تو آپ کے ہاں یعنی مسلمانوں کی کتابیں تفسیر و حدیث وغیرہ کتب مذہبی ہیں جو آماجگاہ اعتراضات مخالفین ہو گئی ہیں ، جن کی جواب دہی اور حمایت نہایت مشکل بلکہ ناممکن ہے ۔ دوسری طرف عیسائیوں کے اعتراضات ہیں جو مشکلات سے خالی نہیں ہیں اور بہ حمایت کتب سابق جو اسلام پر لکھی گئی ہیں اُن کی جواب دہی غیر ممکن ہے ۔ کوئی کتاب عربی یا فارسی میں آپ کو ایسی نہیں ملنے کی جس میں تقلید کو چھوڑ کر خالص اسلام کے اُوپر بحث کی ہو ۔

علاوہ اُن کے ایک تیسرے شخص ہیں ، یعنی مُلحد ، جو تمام مذہبوں کی جڑ کاٹتے ہیں ۔

آپ نے جو فہرست لکھی ہے اس میں بہت سی دفعات ایسی ہیں کہ جب تک تمام و کمال بحثیں نہ کی جائیں اُن پر کوئی مضمون نہیں لکھا جا سکتا ۔ مثلاً آپ نے ایک دفعہ قائم کی ہے کہ مذہب شخصی ایجاد ہے یا جاعتی ؟ اگر آپ اس کو شخصی ایجاد قرار دیں تو بھی غلط ہے اور جاعتی ایجاد قرار دیں تو بھی غلط ہے ۔ کیونکہ سچا مذہب خدا کی طرف سے دیا گیا ہے اور جب اس کو ثابت کرنے بیٹھیے گا تو اُن تمام امور سے بحث کرنی پڑے گی جن کا میں نے اُوپر ذکر کیا ہے ۔

ایک دفعہ آپ نے (یہ) قائم کی ہے کہ بت پرستی کیا شے ہے ؟ اور خدا پرستی کیا ہے ؟ مگر جب آپ کعبے کی طرف سجدہ کرنا اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی اولاد کا ایک پتھر کو کھڑا کر کے اس طرف عبادت کرنا اور اس پر نذر چڑھانا بت پرستی سے خارج کرنا چاہیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کیا مشکلات پیش آتی ہیں ۔ اور اور بہت سی باتیں ہیں ، میں کہاں تک لکھوں ۔ آپ لکھتے ہیں کہ میں کوئی نظام یا منصوبہ قائم کر کے لکھنا نہیں چاہتا ہوں بلکہ زیادہ تر اصل واقعات ظاہر کر کے اُن سے استنباط کرنا چاہتا ہوں ۔ جنابِ من ! یہی کام سب سے زیادہ مشکل ہے ۔ جس وقت آپ اصل واقعات ثابت کریں گے تو آپ کو ان تمام باتوں سے ، جو اصل واقعات میں شامل ہو گئی ہیں ، بہت لمبی بحث کرنی پڑے گی ۔

غرضکہ جو کام آپ چاہتے ہیں وہ ایسا مشکل ہے کہ اس سے زیادہ مشکل اور (کوئی) کام نہیں ۔ خدا آپ کی مدد کرے اور آپ کی ہمت قائم رکھے ۔

بہرحال عربی یا فارسی میں کوئی کتاب آپ کو نہیں ملنے کی جو اس باب میں مدد دے ۔ مگر انگریزی میں بہت سی کتابیں ہیں جو اس باب میں آپ کو مدد دے سکتی ہیں ۔ مجھ کو تو انگریزی کتابوں کے نام معلوم نہیں ہیں لیکن شاہجہان پور میں جو کانفرنس[1] ہوگی اُس میں سید محمود اور مولوی مہدی علی

۱۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا جو سالانہ اجلاس ۱۸۹۵ع کی آخری تاریخوں میں بمقام شاہجہان پور ہونے والا تھا ، سرسید کا اشارہ اُسی کی طرف ہے ۔

صاحب دونوں تشریف لائیں گے اور بہت سی کتابوں کے نام آپ کو بتائیں گے جو اس قسم کے مضامین سے متعلق ہیں ، اور اُن کتابوں کا منگانا اور پڑھنا آپ کو نہایت ضرور ہے ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۱۱ دسمبر ۱۸۹۵ع — سید احمد

(۲)

مخدومی مکرمی محمد عبدالسلام صاحب !

آپ کا عنایت نامہ از مقام پرتاپ گڑھ پہنچا ۔ جو تجویز کہ آپ نے اس (خط) میں مندرج کی ہے ، میں تو اُس کو نہایت نامناسب اور محض ناواجب اور سر تا سر بے جا سمجھتا ہوں ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۲ جون ۱۸۹۷ع — خاکسار ، سید احمد

۵۷

بنام سید عبدالعلی

(غیر مطبوعہ)

سید عبدالعلی صاحب ، مولوی سید بندہ علی منصف و صدر امین کے صاحبزادے تھے اور کھیتا سرائے ضلع جون پور میں سکونت رکھتے تھے ۔ اُن کے نام کا مندرجہ ذیل خط سرسید کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا مجھے مولانا حالی کی لائبریری میں سے ملا تھا جو میں یہاں درج کر رہا ہوں ۔

مشفقی و مکرمی !

میں آپ کی یاد فرمائی کا ممنون ہوا ۔ افسوس ہے کہ جب آپ علی گڑھ تشریف لائے تو آپ سے ملاقات نہیں ہوئی ۔ (پس اب) کسی اور وقت جب خدا کو منظور ہوگا ملاقات ہوگی ۔ والسلام

خاکسار ، سید احمد

علی گڑھ ، ۱۵ ستمبر ۱۸۹۵ع

۵۸

بنام سید عبدالغنی

مولوی سید عبدالغنی ، شمس العلماء پروفیسر مولانا سید میر حسن
کے چھوٹے بھائی تھے ۔

مخدومی مکرمی سید عبدالغنی صاحب !

آپ کا عنایت نامہ علی گڑھ ہو کر الہ آباد میرے پاس پہنچا ۔ آپ کی صحت و تندرستی سے نہایت خوشی ہوئی ۔ انشاء اللہ دسمبر میں آپ سے ملاقات ہوگی ۔ چندہ کانفرنس آپ کا مرسلہ پہنچا ۔ مسدس منشی احمد علی صاحب شوق علی گڑھ سے آپ کے نام روانہ ہو گیا ہو گا ۔

حضرت مرزا (غلام احمد) صاحب (قادیانی) کی نسبت زیادہ کد و کاوش کرنی بے فائدہ ہے ۔ ایک بزرگ ، زاہد ، نیک بخت آدمی ہیں ۔ جو کچھ خیالات اُن کو ہوگئے ہوں ، ہو گئے ہوں ۔ بہت سے نیک آدمی ہیں جن کو اس قسم کے خیالات پیدا ہو چکے ہیں ۔ ہم کو اُن سے نہ کچھ فائدہ ہے نہ کچھ نقصان (مگر) اُن کی عزت اور اُن کا ادب کرنا بہ سبب اُن کی بزرگی اور نیکی کے لازم ہے ۔ اُن کے خیالات کی صداقت و غیر صداقت سے بحث محض بے فائدہ ہے ۔ ہمارے لیے مفید صرف ہمارے اعمال ہیں ۔ اُن کے اچھے ہونے پر کوشش چاہیے ۔ فقط

از الہ آباد ، ۱۴ نومبر ۱۸۹۲ء خاکسار ، سید احمد

۵۹

بنام سید عبداللہ الہ آبادی

(کتاب 'تہذیب الأخلاق' جلد دوم ، ص ۳۹۲ ، مطبوعہ ۱۸۹۵ع ، مرتّبہ منشی فضل الدین ، لاہور)

ایک صاحب عبداللہ نامی نے سرسید کو لکھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ ''میری امت کے ۷۳ فرقے ہو جائیں گے ، اُن میں سے صرف ایک فرقہ بہشتی ہوگا ، باقی سب دوزخی'' مگر اب ہر فرقہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ صرف میں ہی فرقۂ ناجیہ ہوں ، تو اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم اسلام لائے تو کس فرقے میں داخل ہو ؟ تاکہ سیدھا بہشت میں پہنچ جائے ؟'' سرسید نے اس کے جواب میں مندرجہ ذیل خط لکھا ۔

مکرمی !

یہ مسئلہ اسلام کا نہیں ہے کہ مذہب اسلام میں ۷۳ فرقے ہیں اور ناجی ان میں سے ایک ہی ہے ۔ (درحقیقت یہ) ایک موضوع روایت ہے جس کو اُس زمانے کے لوگوں نے ، جب کہ مسلمانوں میں باہم مسائلِ فروعی میں اختلاف پڑا ،

اپنی تائید کے لیے بنائی ہے ۔ اس روایت کا موضوع ہونا روایتاً و درایتاً[1] محققین کے نزدیک ثابت ہے ۔ سچا مسئلہ اسلام کا صرف یہ ہے :

من قال لا الہ الا اللہ فدخل الجنۃ[2]

(باقی) محمد رسول اللہ ؐ اس (کلمے) کے ساتھ لازم و ملزم ہے ۔ پس اسلام اسی قدر ہے اور اسی کی تعلیم اور اسی پر یقین نجات کے لیے کافی ہے ۔

عن معاذ بن جبل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مفاتیح الجنۃ شہادۃ ان لا الہ الا اللہ ۔ رواہ احمد[3]

سید احمد

۱- یعنی یا تو کوئی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے قول یا فعل سے ثابت ہو یا پھر عقل اور سمجھ کے موافق ہو ۔

۲- یعنی جس نے (سچے دل سے) اقرار کیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ، وہ جنتی ہے ۔

۳- یعنی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جنت کی کنجی یہ ہے کہ آدمی اس بات کا (سچے دل سے) اقرار کرے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں'' ۔ روایت کیا اس حدیث کو احمد نے ۔

٦٠

بنام عبداللہ مہر علی دہرمسی

(منقول از مکاتیب سرسید احمد خاں ، مرتبہ مشتاق حسین مرحوم ، ص ۲۴۵)

یہ خط ایک صاحب سید مرتضٰی بلگرامی کے پاس محفوظ تھا جہاں سے لے کر مشتاق حسین (مرحوم) اوریئنٹل اسسٹنٹ مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ نے اپنے مجموعہ مکاتیب سرسید احمد خاں میں شائع کیا ۔

بہ عالی خدمت جناب عبداللہ مہر علی دہرمسی ، پیشکار انجمن اسلامیہ بمبئی !

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۹ مارچ پہنچا ، ممنونِ عنایت ہوا ۔ میں تمام کاغذات متعلق تہنیتِ سلطنتِ شصت سالہ قیصر ہند آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں ۔ میری اسپیچ جو سنٹرل ہال مدرسۃ العلوم میں ہوئی ہے وہ بھی اُن کاغذات میں شامل ہے ۔ اُس کے ملاحظے سے بخوبی واضح ہوگا کہ کیا کیا امور ہم لوگوں نے اس تہنیت کے ادا کرنے میں تجویز کیے ہیں ۔ سب سے بڑا اور مشکل امر یہ ہے کہ یہ خواہش ہم لوگوں کی ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے چند مسلمان ڈیلیگیٹ ایڈریس تہنیت لے کر لندن جائیں اور مسلمانوں کی طرف سے ایڈریس پیش کریں ۔ اور یہ بھی تجویز ہوئی ہے کہ جو ڈیلیگٹ جائے وہ اپنا خرچ آپ ادا کرے ۔ پس اول آپ بذریعہ ٹیلیگرام مطلع فرماویں کہ بمبئی میں ایک یا دو ایسے مسلمان ذیلیگٹ مل سکتے ہیں ؟ اور وہ اپنے خرچ سے لندن میں جانا

قبول کر سکتے ہیں یا نہیں ؟ میں ۲۶ مارچ کو بعد دوپہر واسطے شمول اجلاس جنرل کمیٹی تہنیت کے دہلی جاؤں گا اور ۲۷ - ۲۸ مارچ تک دہلی میں رہوں گا - اگر آپ کو ان تاریخوں میں ٹیلیگرام بھیجنا ہو تو میرے نام بذریعہ سلطان احمد خان اسکویر بارسٹرایٹ لا کے دہلی میں بھیجیے گا ، میرے پاس پہنچ جائے گا - مسودۂ ایڈریس جو یہاں مرتّب ہوا ہے وہ بھی ان کاغذات میں ملفوف ہے - جو فقرہ کہ اُس ایڈریس میں کاٹ دیا گیا ہے ، اس کا سبب یہ ہے کہ بعض دوستوں نے کہا کہ یہ فقرہ ایڈریس میں تحریر ہونا نامناسب ہے ، اس لیے کہ جو ڈیلیگیٹ ایڈریس لے کر جاویں گے ان کی بابت جداگانہ تحریرات بذریعہ افسران ہندوستان ہوگی - اور بعد منظوری گورنمنٹ آف انڈیا جس طرح پر وہ مناسب سمجھے گی ، ڈیلیگیٹوں کے جانے کی اطلاع لندن میں اُن افسروں کو کرے گی جن کو کرنی مناسب ہوگی -

ٹیلیگرام میں یہ بھی لکھیے گا کہ صوبہ بمبئی کے لوگوں کو جنرل کمیٹی میں شریک ہونا منظور ہے تاکہ میں وہ کاغذات جن پر مسلمانوں کے دستخط ہوں گے ، آپ کے پاس واسطے دستخط کے بھیج دوں - آپ کی عنایت کا دوبارہ شکر کرتا ہوں - والسلام

علی گڑھ ، ۲۲ مارچ ۱۸۹۷ع

سید احمد
پریسیڈنٹ جنرل کمیٹی تہنیت
جشن شصت سالہ قیصر ہند

٦١

بنام مولوی علی بخش خاں

(اخبار علی گڑھ سائنٹی فک سوسائٹی ، مورخہ ۲۳ جولائی ۱۸۷۴ء)

سید الحاج مولانا علی بخش خاں شرر بدایونی سب آرڈینینٹ جج اپنے زمانے کے بڑے سربرآوردہ ، معتزز ، فاضل اجّل اور مشہور آدمی تھے ۔ سرسید کے شدید مخالفوں میں ان کا شمار ہوتا ہے ۔ اگرچہ سرسید کے عقائد کا نہایت سختی سے رد کرتے تھے مگر اُن کے رفاہِ عام کے کاموں کے معترف بھی تھے ۔ غازی پور میں یہ بھی صدر الصدور تھے اور سرسید بھی ۔ وہیں سے اختلافات کا آغاز ہوا اور آخر وقت تک جاری رہا ۔ شروع شروع میں نواب محسن الملک سے بڑی گاڑھی دوستی تھی مگر پھر سرسید کی اعانت کے باعث مخالفت ہو گئی ۔ سرسید کی تردید میں اُنھوں نے دو رسالے لکھے ۔ ایک 'شہابِ ثاقب' اور دوسرا 'تائید الاسلام'۔ سرسید نے اس کا جو جواب دیا اُس کا نام 'دافع البہتان' ہے ۔ سرسید نے 'تہذیب الاخلاق' میں اور مولانا حالی نے 'حیات جاوید' میں جگہ جگہ ان کی مخالفت کا بیان کیا ہے ۔ مزاج نہایت تیز تھا مگر وضع نہایت سادی تھی ۔ کُرتا لیچا اور ڈاڑھی لمبی تھی ۔ چار سو روپے پنشن ملتی تھی ۔ ۲۰۰ بیوی کو دیتے

اور دو سو اپنی ذات پر خرچ کرتے بہت اعلیٰ درجے کے مہمان نواز اور بہت ہی ملنسار آدمی تھے - گورنمنٹ سے ''خان صاحب'' کا خطاب ملا تھا - ۱۸۲۱ع میں پیدا ہوئے اور ۱۸۸۵ع میں انتقال کیا - ان کے حالات کے لیے میں چوہدری حنیف شاہد صاحب ایم - اے لائبریرین صیغہ' السنہ' مشرقیہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور کا ممنون ہوں جنھوں نے مجھے رسالہ 'اُردو' کا ایک پرانا شمارہ (جلد ۲۲ ، نمبر ۸۳ ، بابت جولائی ۱۹۳۱ع) مرحمت فرمایا جس میں پروفیسر آل احمد سرور کا ایک مضمون ان کے متعلق تھا -

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم ، معظم و محتشم !

بعد سلامِ مسنون عجز و نیاز مشحون کے عرض یہ ہے کہ آپ کا عنایت نامہ درباب مدرسۃ العلوم کے میرے پاس پہنچا - میں آپ کی عنایت و مہربانی کا ، جو آپ نے اس عنایت نامے کے لکھنے میں فرمائی ہے ، دل سے شکر کرتا ہوں - اگر میرے عقائد ، جیسا کہ آپ خیال فرماتے ہیں ، کفر و ضلالت ہیں تو قومی محبت اور ہمدردی کا مقتضا یہی ہے کہ آپ اپنے اوقاتِ خاص میں میرے حق میں دعا فرماویں تاکہ خدا تعالیٰ مجھ کو گمراہی سے نکالے اور راہِ راست پر لاوے - اور جو کہ آپ بزرگ ہیں اور حاجی ہیں ، اُمید ہے کہ خدا تعالیٰ آپ کی دعا قبول کرے گا - اور میری بھی خدا سے یہی دعا ہے کہ وہ ہم کو اور آپ کو اور سب لوگوں کو راہِ راست کی ہدایت فرماوے - اللھم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین - آمین !

جو کچھ کہ میں نے آپ کی مخالفتِ مدرسۃ العلوم کو آپ کی نفسانیت پر محمول کیا ہو ، اس کی معافی میں آپ سے چاہتا ہوں - درحقیقت جو مخالفت آپ نے ، مجھ کو اپنی دانست میں مخالفِ اسلام سمجھ کر (گو میں اپنے تئیں حامیِ اسلام سمجھتا ہوں) مجھ سے کی اور نیز مدرسۃ العلوم کی بھی بخوفِ معصیت مخالفت فرمائی ، جیسا کہ آپ کے عنایت نامے سے ظاہر ہوتا ہے ، وہ نہایت تعریف کے قابل ہے اور ضرور آپ کو ایسا ہی کرنا چاہیے تھا - اور آپ کی اس نیت خیر

کا[1] جزائے خیر ضرور خدا تعالیٰ آپ کو دے گا اور جو میری لیت ہے، یقینی اس کی جزا بھی مجھ کو ملے گی۔

بہرحال اب مدرسۃ العلوم میں آپ کا مددگار ہونا اس بات پر منحصر ہے کہ میرے عقائد کی مداخلت کا اندیشہ، جس کو آپ خلافِ شرع سمجھتے ہیں، اور کمیٹی کی دست اندازی کا خوف مسائلِ مذہبی میں نہ رہے اور اس کے رفع ہونے کے لیے آپ یہ تجویز فرماتے ہیں کہ کمیٹی خزنۃ البضاعۃ تعلیمِ مذہبی میں کچھ مداخلت نہ کرے۔ اور ایک کمیٹی جس پر عام اہلِ اسلام کو اطمینان ہو اور متعلقہ تعلیمِ مذہبی کے لیے مقرر کی جاوے۔

میں نہایت دلی خوشی سے، جو امر کہ آپ نے پیش فرمایا ہے، اس کو بتمامہ منظور کرتا ہوں۔ اور مجھ کو کامل یقین ہے کہ کمیٹی کے کسی ممبر کو بھی اس میں عذر نہ ہوگا۔ پس جو ہدایت کہ آپ نے فرمائی ہے اس کو دل سے قبول کرکر یہ عرض کرتا ہوں کہ جو طریقہ، تعلیم کمیٹی میں پیش ہوا ہے اس میں ایک دفعہ اور بڑھائی جاوے اور خاص مذہبی تعلیم کے لیے ایک جداگانہ کمیٹی مقرر ہو جس کے ممبروں کی تعداد اُس قدر ہو جس قدر کہ آپ تجویز کریں اور ان کا انتخاب بھی ابتداءً صرف آپ کی رائے پر یا اور جس کو آپ اپنا شریک کرنا چاہیں اس کی شراکت رائے پر منحصر ہو۔ اور جو ممبر کہ اس کمیٹی کے لیے منتخب ہوں وہ لیف[2] ممبر اس کمیٹی کے ہوں تاکہ آئندہ کسی شخص کو اور کسی کمیٹی کو اُن کی نسبت کچھ اختیار باقی نہ رہے۔ اور یہ قاعدہ تجویز ہو کہ جب کوئی عہدہ اس کمیٹی کی ممبری کا خالی ہو تو باقی ممبرانِ موجودہ کسی دوسرے شخص کو اپنی تجویز سے بلا مداخلت کسی اور کے خود مقرر کریں۔ اور تمام امور متعلقہ تعلیمِ مذہب اہلِ سنت و جماعت و سلسلہ کتبِ درسیہ مذہبی اور تقررِ مدرسان اس کے لیے اور تمام امور جو تعلیمِ مذہبی سے علاقہ رکھتے ہیں

۱- لفظ لیت کے لحاظ سے اگرچہ 'کی' آنا چاہیے تھا مگر سرسید نے یہاں 'کا' لکھا ہے۔

۲- لائف ممبر (دوامی رکن) کو سرسید نے اپنے خطوط میں بیشتر جگہ 'لیف ممبر' لکھا ہے۔ سرسید کو انگریزی الفاظ بلا ضرورت اُردو عبارتوں میں استعمال کرنے کا تو بہت شوق تھا لیکن وہ اُن انگریزی الفاظ کو اُردو میں صحیح تلفظ کے ساتھ نہیں لکھتے تھے جس کا ایک نمونہ یہ "لیف ممبر" ہے۔

اسی کمیٹی کی رائے پر منحصر ہوں ۔ اور کمیٹی خزنۃ البضاعۃ کو یا مجھ کو کبھی اس میں مداخلت نہ ہو ، اور وہ کمیٹی بنام مدبّران تعلیم مذہب اہل سنت و جماعت موسوم ہو ۔

قانون کمیٹی میں یہ بات تجویز ہو چکی ہے کہ جو لوگ روپیہ اس شرط پر دیں گے کہ ان کا روپیہ سود پر نہ لگا جاوے ، وہ کبھی سود پر نہ لگایا جاوے گا اور جو لوگ کہ بالتخصیص واسطے تعلیم مذہبی کے روپیہ دیں گے اس کی آمدنی بلاشبہ تعلیم مذہبی ہی میں خرچ ہوگی ۔ اور یہ بات بھی قانون کمیٹی میں تجویز ہو چکی ہے کہ جو آمدنی سرمایے سے ہو اس کے خرچ کرنے کا ممبران کمیٹی کو اختیار ہوگا ۔ پس جو روپیہ کہ مذہبی تعلیم کی آمدنی سے ہوگا ، اگر ممبران کمیٹی مذکورہ اس آمدنی میں گنجائش دیکھیں گے اور تعلیم مذہبی شروع کرنا چاہیں گے تو ان کو زر آمدنی سے مدرسۃ العلوم میں تعلیم مذہبی شروع کرنے کا بالکل اختیار ہوگا ۔

دو ممبر کمیٹی کے اس وقت یہاں موجود ہیں ۔ ان کے دستخط منظوری کے میں نے اس پر ثبت کرائے ہیں ۔ اَور ممبروں کے پاس بھی میں ان خطوط کی نقل بھیج کر منظوری حاصل کر لیتا ہوں ۔ مگر اب آپ بخوبی سمجھ لیجیے گا کہ اہل سنت و جماعت کی تعلیم کا بوجھ اور اس کی کمیٹی کے ممبر مقرر کرنا اور تمام انتظام تعلیم مذہبی یہ سب آپ کے سر پر ہے اور اب آئندہ آپ اس کے ذمہ دار ہیں ۔ اور علاوہ اس کمیٹی کی ممبری کے آپ کو کمیٹی خزنۃ البضاعۃ کا بھی ممبر مقرر کریں گے تاکہ اس میں بھی جو کچھ غلطی ہم سے ہو اس میں آپ کی ہدایتوں سے فائدہ اٹھاویں ۔ والسلام

از مقام گورکھپور ، ۷ جون ۱۸۷۳ع — خاکسار ، سید احمد

(۱) میں اس تمام تجویز سے اتفاق کرتا ہوں۔

مشتاق حسین ممبر کمیٹی خزنتہ البضاعہ

(۲) میں بھی اس تمام تجویز سے اتفاق کرتا ہوں۔

محمد یار خاں ممبر کمیٹی خزنتہ البضاعہ[1]

۱- یہ خط رسالہ 'فکر و نظر' علی گڑھ اور مکاتیبِ سرسید احمد خان، مرتّبہ مشتاق حسین میں بھی چھپ چکا ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ 'فکر و نظر' میں تاریخِ کتابت ۷ جون ۱۸۷۴ع لکھی ہے مگر مکاتیب میں تاریخ نہیں لکھی۔ فکرونظر میں خط کے آخر میں دو ممبروں کی تصدیق نہیں ہے مگر مکاتیب میں موجود ہے۔ اس خط میں سرسید نے مولوی علی بخش کو جو دعوتِ اتحاد دی ہے اور لکھا ہے کہ اہل سنت و الجماعت کے طلباء کی تعلیم کا انتظام آپ کلیتاً اپنے ہاتھ میں لیں تو اس کا جواب مولوی صاحب نے یہ دیا تھا کہ پہلے تم اپنے کفریہ عقائد سے توبہ کر لو، پھر میں اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے سکتا ہے۔

٦٢

بنام نواب سید علی حسن[1]

شمس العلما نواب سید ابوالنصر مولوی محمد علی حسن المخاطب بہ صفی الدولہ حسام الملک ، نواب صدیق حسن خاں رئیسِ بھوپال کے فرزند اور خود بھی نہایت لائق فائق اور عالم فاضل انسان تھے ۔ انھوں نے لکھنؤ میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی جہاں آپ ندوۃ العلماء کے ناظم کے فرائض انجام دیتے تھے ۔ اُن کی علمیت اور لیاقت کے باعث گورنمنٹ انگریزی نے ''شمس العلماء'' کا خطاب دیا تھا ۔ نہایت با اخلاق ، نیک طینت اور پابندِ مذہب بزرگ تھے اور مسلمانوں کی تعلیمی اور معاشرتی تحریکوں میں نہایت شوق اور مستعدی سے حصہ لیا کرتے تھے ۔ آپ ذاتی جھگڑوں اور فرقہ وارانہ مناقشات سے ہمیشہ علیحدہ رہے اور بہت صلح کل پالیسی کے ساتھ اپنی

۱۔ نواب صاحب مرحوم کے نام کے یہ تمام غیر مطبوعہ خطوط اُن کے فرزند سے خاص طور پر مکرمی محمد طفیل صاحب ایڈیٹر "نقوش" نے حاصل کر کے اپنے ''مکاتیب نمبر'' میں شائع کیے تھے ۔ وہیں سے میں طفیل صاحب کی اجازت سے ان کو یہاں نقل کر رہا ہوں اور اس عنایت کے لیے اُن کا نہایت شکر گزار ہوں ۔

زندگی گزاری - ۱۸۶۶ع میں پیدا ہوئے اور ۱۹ نومبر ۱۹۳۶ع کو وفات پائی اور نہایت اعلیٰ پائے کی علمی ، ادبی اور مذہبی کتابیں اپنی یادگار چھوڑیں؛ مثلاً بزم سخن (تذکرۃ الشعراء) فطرۃ اسلام ، مردم دیدہ اور مآثر صدیقی الموسوم بہ سیرۃ والا جاہی (اپنے والد نواب صدیق حسن خاں کی سوانح حیات جو چار ضخیم جلدوں میں ہے اور لولکشور پریس لکھنؤ سے ۱۹۲۳ع-۱۹۲۵ع میں شائع ہوئی) - آپ شاعر بھی تھے اور طاہر تخلص کرتے تھے - اُن کی غزلیں اور نظمیں اکثر مولوی سید سلیمان ندوی کے رسالے 'معارف' اعظم گڑھ میں شائع ہوا کرتی تھیں -

(۱)

جناب والا مناقب مخدوم و مکرم جناب مولوی محمد علی حسن خان بہادر دام عنایتکم ا

آپ کا نوازش نامہ مورخہ تیسری ربیع الثانی ۱۳۰۸ھ[۱] مع قطعہ کرنسی لوٹ تعدادی پانچ سو روپیہ پہنچا ، باعث افتخار و ذریعہ ہزاراں اعزاز ہوا - گو عطیے کو میں شعبۃ من الشرک سمجھتا ہوں مگر اس فیاضانہ مرحمت کو مدرسۃ العلوم کے اور قوم کے لیے فال نیک جانتا ہوں - کچھ شبہ نہیں کہ مدرسۃ العلوم اور میری کوشش فلاح قومی دنیاوی امور سے متعلق ہے لیکن اگر نیت نیک اور تمام کام حسبنا اللہ ہوں تو خدا سے اُمید ہے کہ جزائے انما الاعمال بالنیات[۲] سے جو مخ ایمان ہے ، محروم نہ رکھے گا -

آپ باور کریں یا نہ کریں مگر میں یقین کرتا ہوں کہ اس اسلامی اخوت اور ہمدردی قومی کی جزائے خیر ضرور خدائے تعالیٰ آپ کو عطا فرماوے گا - یہ تو مجھ کو یقین کامل ہے ، جب کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ اس وظیفے سے کسی طرح کی شہرت و یادگار آپ کو منظور نہیں ہے ، اور بلاشبہ خیرات

۱- مطابق ۱۶ نومبر ۱۸۹۰ع -
۲- یہ صحیح بخاری کی سب سے پہلی حدیث ہے - اس کا مطلب یہ ہے کہ اعمال کا ثواب اُن کی نیتوں کے مطابق ملے گا -

مخفی ہزار درجہ خیراتِ جلی سے بہتر ہے ، مگر نیک نیتی اور بے ریائی کو تسلیم کر کے دوسرے پہلو پر بھی نظر ڈالنی ضرور ہے کہ اعلان اس قسم کی خیرات کا ، جو قومی بھلائی سے ، نہ شخصی مراعات سے متعلق ہے اور قوم کو اس قسم کی خیرات کی شدید ضرورت ہے ، ذریعہ ہوگا اوروں کی ترغیب کا ۔ اور خیرات دینے والا ''والدال علی الخیر کفاعلہ'' میں ضرور داخل ہوگا ۔ پس قومی فلاح کے کاموں میں باعلان خیرات کرنا ، اگر نیت نیک ہو ، تو دوچند اجر کا مستحق کرتی ہے ۔ دوسرے یہ کہ اس اعلان سے قومی عظمت اور اسلامی شوکت ثابت ہوتی ہے جو ہماری عین تمنا اور آرزوئے دلی ہے ۔ آپ نے مدرسۃ العلوم کو ملاحظہ نہیں فرمایا اور جس نے نہ دیکھا ہو اس کے خیال میں آ ہی نہیں سکتا کہ وہ کیسا ہوگا ۔ اس کی عمارت جس شان و شوکت سے بنائی قرار دی گئی اور جس قدرکہ اس وقت تک بن چکی ہے (وہ) قومی عظمت اور اسلامی شوکت کو ثابت کرتی ہے ۔ ایک انگریز نے کہا کہ ''یہ خیال کہ مسلمانوں میں قومی جوش اور ان میں سے قومی عظمت جاتی رہی ، علی گڑھ میں جا کر اور مدرسۃ العلوم کی عمارت کو دیکھ کر بالکل غلط ثابت ہوتا ہے ۔'' اسی کے ساتھ جب کہ غیر قوم کے لوگ اس کی دیواروں پر جابجا مسلمانوں کے نام کثرت سے کندہ دیکھتے ہیں تو اور بھی زیادہ قومی عظمت اور اسلامی شوکت کا اثر ان کے دل میں بیٹھتا ہے ۔ پس ان وجوہ سے آپ مجھ کو مجاز رہنے دیں کہ اس روپے کو ایک مناسب فنڈ میں داخل کروں اور اس کے ساتھ آپ کے نامِ نامی کی بقیدِ ولدیت نشانی قائم رکھوں ۔

مدرسۃ العلوم کی درمیانی عمارت ، جو سنٹرل ہال سے موسوم ہے ، بہت بڑی عمارت ہے ۔ سات ہزار روپے اس کی لاگت کا تخمینہ ہوا ، اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ لاگت آئے گی ۔ اس میں نہایت خوش اسلوبی سے ایک سو بیس پتھر لگائے گئے ہیں ۔ جس بزرگ نے پانچ سو روپیہ دیا ہے وہ روپیہ اس کی تعمیر کے فنڈ میں جمع کیا گیا ہے اور ان پتھروں میں سے ایک پتھر پر اس کا نام کندہ کر دیا ہے ۔ جس قدر نام کندہ ہو چکے ہیں ، غیر قوم کے لوگ جب

۱- یہ بھی حدیثِ نبوی ہے ۔ معنی یہ ہیں کہ نیکی کی ترغیب دینے والا خدا کے نزدیک ایسا ہی ہے جیسے اُس نے خود وہ نیکی کا کام کیا ہو ۔

آ کر دیکھتے ہیں تو قومی عظمت کا بے انتہا اثر اُن کے دل پر ہوتا ہے ۔ اور مسلمانوں کے دل بھی ایک قسم کی فرحت اپنے میں پاتے ہیں ۔ پس میرا ارادہ ہے کہ آپ کے زرعطیہ کو بھی اسی فنڈ میں داخل کروں اور آپ کا نام بقید ولدیت کنندہ کر دوں ۔ جب کہ آپ نے یہ روپیہ عنایت کیا اور مجھ کو متولی کیا کہ اس کو کسی کارخیر میں صرف کروں تو اب آپ کو اس میں مداخلت ضرور نہیں ہے ۔ آپ ثواب میں داخل ہو گئے ، اب جو گناہ ثواب رہا ، میری گردن پر ہے ۔ اگر میری نیت بخیر ہے تو خدا سے اُمید ہے کہ مجھ کو بھی میری نیت کے موافق بدلہ دے گا ۔ اس تحریر کا میں آپ سے جواب نہیں چاہتا ۔ میں کروں گا وہ جو اللہ چاہے گا ۔

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس اب کے سال الہ آباد میں ہوگا ۔ ۲۸ ، ۲۹ اور ۳۰ دسمبر تواریخ اجلاس مقرر ہوئی ہیں ۔ پہلے اجلاس میں وہ امور تنقیح پائیں گے جو بحث کے لیے پیش ہوں گے مگر تمام بحثیں تعلیم مسلمانان سے متعلق ہوں گی ۔ نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خاں غالباً اسباب تنزّل مسلمانان پر لیکچر دیں گے ۔ ہمارے کالج کے ایک نہایت نیک اور عالم پروفیسر انگریز مسٹر آرنلڈ ، چین اور جاوا میں اسلام کی ترقی اور وہاں کے مسلمانوں کی حالت پر لیکچر دیں گے ۔ وہ یہ ثابت کریں گے کہ بغیر کسی زور حکومت کے وہاں اسلام پھیلا ہے ۔ اس وقت ان ہی دونوں صاحبوں کا ارادہ (کانفرنس میں لیکچر دینے کا) معلوم ہوا ہے ۔ مگر غالباً مولوی سید علی بلگرامی ، جو حیدرآباد سے آنے والے ہیں ، وہ بھی کوئی لیکچر دیں گے ۔ غرض کہ تمام جلسے میں ''ہائے مسلماں !'' ''ہائے مسلماں !'' اس کے سوا کچھ نہ ہوگا ۔

گزشتہ سال کی اجلاس رپورٹ بطور نذرانہ آپ کے ملاحظے کے لیے بھیجتا ہوں ، منظور فرمائی جاوے اور آپ مجھ کو ہمیشہ اپنا نیاز مند (بلکہ) ایک عاجز نیازمند متصور فرمائیں ۔ آپ کی خدمت میں نیاز نامہ جات ارسال کرنے باعث میرے فخر کا ہوگا ۔ والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

علی گڑھ ، ۲۰ نومبر ۱۸۹۰ع — خاکسار ، سید احمد

(۲)

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم من مولوی سید محمد علی حسن خان بہادر !

آپ کا نوازش نامہ پہنچا ۔ ممنون یادآوری ہوا ۔ اگر آپ کا تشریف لانا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں بمقام الہ آباد ہوتا تو بلاشبہ قوم کو نہایت عزت ہوتی اور آپ کی ملاقات میرے لیے باعث فخر و مسرت ۔

جلسہ الہ آباد درحقیقت قومی شان و عزت کا جلسہ تھا اور قومی مطالب کے لیے اس میں نہایت کامیابی ہوئی ۔ رپورٹ جلسہ مذکور مع تین لیکچروں کے جو اس میں دیے گئے ، خدمت عالی میں روانہ ہوتی ہے ۔ اُمید کہ از راہ الطاف اُن کو قبول فرماویں گے ۔ انگریزی خواں ماسٹر جو لائق ہو ، تلاش سے مل سکے گا ۔ سر دست جلدی سے ملنا ذرا مشکل ہے ۔ اگر آپ اجازت دیں تو تلاش کیا جائے ۔ مگر جس مدرسے کے لیے درکار ہے ، اس کے کسی قدر حال سے بھی مطلع فرمانا ضرور ہے ۔ یعنی سررشتہ تعلیم ریاست کس کے ماتحت ہے ؟ اور اس ماسٹر کو کس سے تعلق رہے گا ؟ کیونکہ ریاست ہائے ہندوستانی میں جب تک اُن کو طانیت نہ ہو ، لائق آدمی جانا پسند نہیں کرتے ۔ جن کو اور کہیں کچھ نہیں ملتا یا اچھی لیاقت نہیں رکھتے ، وہ آنے کو تیار ہوتے ہیں ۔ پس اگر ان کو پسند ہو تو کچھ مفصل امر تحریر فرمائیں ۔ میں تلاش کرنے میں کوشش کروں گا ۔

میرا ارادہ (چندے کے لیے) حیدرآباد (دکن) جانے کا ہے اور کسی قدر خیال بھوپال آنے کا بھی ہے ۔ گو کہ بھوپال میں کالج کی (امداد میں) بھی کامیابی ہونے کی توقع نہیں ہے مگر مشکل یہ ہے کہ مجھے ریاست بھوپال کا حال اُس سے زیادہ کہ وہاں کے ارکان میں باہمی رنج و بے لطفی ہے ، اور کچھ معلوم نہیں ہے ۔ لیکن اگر میں وہاں آؤں تو میرے نزدیک سب ایک سے ہوں گے اور ہر ایک سے کالج کی امداد میں چندہ یا خیرات چاہوں گا ۔ پس میں حیران ہوں کہ مجھے کیا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا ؟

افسوس ہے کہ ریاست بھوپال سے قومی مدرسہ مسلمانان کے لیے کچھ امداد نہیں ہوئی اور شاید اب بھی نہ ہو ۔ مگر بھوپال میں بہت سے مسلمان رئیس اور اہلکار ہیں ، اُن سے کیوں توقع امداد (کی) نہ رکھی جائے ؟ میں آج ایک خط اس باب میں منشی محمد امتیاز علی صاحب کو لکھتا ہوں ۔ آپ کی اس باب میں

جو رائے ہو اس سے بھی مطلع فرمایا جائے ۔ والسلام علیکم و رحمۃ اللہ

علی گڑھ ، ۱۰ جولائی ۱۸۹۱ع — خاکسار ، سید احمد

(۴)

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم و معظم من ابوالنصر مولوی سید محمد علی حسن خان بہادر !

نوازش نامۂ عالی محررہ ۲۸ ذوالحجہ پہنچا ۔ ممنون عنایت کیا ۔ جو کچھ کہ آپ نے واسطے بہتری مسلمانوں کے حق میں سرکار عالیہ سے سعی فرمائی اور مدرسۃ العلوم اور اس ناچیز کے حق میں کلمۃ الخیر فرمائے ، اس کی نسبت بجز اس کے کہ اجرکم علی اللہ ، اور کیا کہہ سکتا ہوں ۔ بلاشبہ سرکار عالیہ[1] کو تائید مدرسۃ العلوم میں تأمل ہوگا ، خصوصاً اس وجہ سے کہ مخالفین نے بہت کچھ غلط باتیں نسبت مدرسۃ العلوم کے مشہور کر رکھی ہیں ۔ علاوہ اس کے ایک عام خیال نسبت حسنات و خیرات و مبرات کے محدود ہوگیا ہے ۔ اس خیال کو توڑنا اور یہ بات دل میں ڈالنی کہ درحقیقت جس امر کی مسلمانوں کو (اس وقت اشد) ضرورت ہے اور جس کے نہ ہونے سے مسلمانوں کی روز بروز ذلّت ہوتی جاتی ہے ، اور اس کے ساتھ اسلام کی بھی ذلّت ہے ، اُس میں تائید کرنا اور اس ذلّت سے مسلمانوں کو نکالنا (یہ باتیں) سب سے بڑی حسنات میں شامل ہیں . . . اور ظاہر ہے کہ دین میں یا عقبیٰ میں کچھ کام آنے والی نہیں ہے ، مگر انگریزی نہ جاننے کے سبب روز بروز مسلمانان ہندوستان ذلّت و خواری میں پڑتے جاتے ہیں ، عہدہ ہائے سرکاری سے روز بروز خارج ہوتے جاتے ہیں ۔ اعلیٰ عہدے اُن کے ہاتھ سے نکلتے جاتے ہیں ۔ ہندو (اور) بنگالی روز بروز ترقیاں پاتے جاتے ہیں اور مسلمان ہر امر میں ان کے مغلوب و دست نگر ہوتے جاتے ہیں ۔ پس مسلمانوں کو ہندوؤں و بنگالیوں پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے یا اُن سے مغلوب نہ ہونے دینے کے لیے انگریزی زبان کی تعلیم دینا درحقیقت ہندوؤں اور بنگالیوں پر ان کو فتح مند کرنا ہے ۔ اور اس زمانے میں جو حال مسلمانوں کا

۱- نواب شاہ جہاں بیگم سے مراد ہے جو اُس وقت والیۂ بھوپال تھیں اور جن کا انتقال ۱۶ جون ۱۹۰۱ع کو ہوا ۔

ہے ، درحقیقت ان کی تعلیمِ انگریزی میں امداد کرنا پوری (طرح) حسنات میں داخل ہے ، مگر سرکارِ عالیہ کو یا عموماً مسلمانوں کو اس خیال کی طرف . . . محالات سے ہے ۔

مدرسۃ العلوم میں مسجد کی تعمیر مکمل نہ ہونے سے درحقیقت طالب علموں کو نماز کی تکلیف ہے ۔ نواب سر آسمان جاہ نے جس قدر روپیہ دیا تھا ، اس سے مسجد کرسی تک تعمیر ہو کر رہ گئی ہے ۔ اُسی پر ایک چھپر ڈال دیا ہے جس میں نماز ہوتی ہے ۔ دو سو طالب علموں کے قریب پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں ۔ اُن کے وضو کے لیے پانی کا اہتمام بھی مشکل ہوتا ہے ۔ اس کے لیے کنواں بھی بن رہا ہے ، مسجد کے صحن میں وضو کے لیے حوض بھی بن رہا ہے ۔ اگر سرکارِ عالیہ مسجد ہی کے لیے تائید فرمائیں گی تو بہتر ہے ۔ اسی کی کسی قدر تکمیل ہو جائے گی ۔ میں کل یہاں سے علی گڑھ جاؤں گا اور وہاں پہنچ کر کوئی تاریخ روانگیٔ بھوپال مقرر کر کے آپ کو اور وزیر صاحب کو اطلاع دوں گا ۔ ہمارے سب کام توکلتُ علی اللہ ہوتے ہیں ، جو خدا کو منظور ہوگا ، ہوگا ۔

کارساز ما بفکر کار ماست فکر ما در کار ما آزار ماست

جو خدا کو منظور ہوگا وہ ہوگا ۔ مگر آپ نے (اس باب میں) جو سعی و کوشش کی اس کا شکر ہم پر واجب اور اجر دینا خدا کے اختیار میں ہے ۔ والسلام علیکم

الہ آباد ، ۸ اگست ۱۸۹۱ع خاکسار ، سید احمد

(۴)

جناب مخدوم و مکرمِ من ابوالنصر مولوی سید محمد علی حسن خان بہادر !

آپ کا نوازش نامہ پہنچا ۔ جہاں آپ کی اَور عنایتوں کا میرے دل پر نقش ہے اس سعی و عنایت کا بھی ، جس کے سبب آپ کے اور مخدومی عالمگیر محمد خان صاحب کے نام سے ہزار روپے کا اضافہ ہوا ، ہزار ہزار شکر ہے ۔ نو بجے تشریف لائیے ، میں حاضر موجود ہوں گا ۔ تمام احباب جو میرے ساتھ ہیں وہ سب آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں ۔ کوئی وقت تجویز فرما کر اطلاع فرماویں تاکہ وہ سب حاضر ہوں ۔

میں تو آپ کے دسترخوانِ نعمت کا ایک ٹکڑا کھانا بھی فخر سمجھتا

ہوں مگر نہایت عاجزی سے ملتمس ہوں کہ دعوت کو ملتوی فرمائیے کیونکہ میرا عہد ٹوٹ جاوے[1] گا اور حیدر آباد میں باعث نقصان عظیم ہوگا

پانسو روپیہ جو آپ کی طرف سے دیا جاتا ہے اس کو میں کاغذات و حسابات میں آپ کے نام سے کہ بابت دعوت نقد عنایت کیا، لکھوں گا۔ بلکہ عالمگیر محمد خان صاحب بھی اگر ایسی ہی اجازت دیں تو مدرسۃ العلوم کو حیدر آباد میں زیادہ فائدہ ہوگا۔ اس کے متعلق مفصل حالات زبانی عرض کروں گا۔ والسلام

بھوپال، ۲ ستمبر ۱۸۹۱ع — خاکسار، سید احمد

(۵)

جناب مخدومی و مکرمی!

بجواب عنایت نامہ ملتمس ہوں کہ جو آپ کی خوشی ہے اس کی تعمیل میں ہم سب کو افتخار ہوگا۔ تعمیل ارشاد ہوگی۔ بعد نماز مغرب ہم سب حاضر دولت خانہ ہوں گے اور وہاں سے کھانا کھا کر اسٹیشن چلے جاویں گے۔ خانہ آباد دولت زیادہ۔ والسلام

بھوپال، ۳ ستمبر ۱۸۹۱ع — خاکسار، سید احمد

(۶)

مخدوم و مکرم من جناب ابوالنصر نواب سید علی حسن خان بہادر!

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۱ مارچ اور آج پلندہ چار صد 'البیان' کا پہنچا۔ آپ کی عنایت اور نوازش کا اور اس امر کا کہ آپ کو ہر وقت مدرسۃ العلوم کا خیال رہتا ہے، ممنون ہوا۔ 'البیان' جو آپ نے عنایت کیا ہے، حتی المقدور

۱- وہ عہد یہ تھا کہ سرسید، کالج کے چندے کے لیے جس شہر میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ جایا کرتے تھے اور وہاں کے روسا، سرسید اور ان کے رفقا کی دعوت کرنا چاہتے تھے تو سرسید کا قاعدہ تھا کہ ان سے دعوت کے نام پر کچھ رقم نقد لے لیا کرتے تھے اور اسے کالج کے چندے میں منتقل کر دیا کرتے تھے اور اپنے کھانے کا خرچ ہر شخص خود برداشت کیا کرتا تھا۔

فروخت کیا جائے گا اور جس قدر قیمت وصول ہوگی مدرسے میں داخل کی جائے گی ۔ نہایت عمدہ مضمون پر آپ نے لکچر دیا ہے ۔

جلد 'تہذیب الاخلاق' ۱۳۲۴ نبوی اور جلد کامل ۱۳۱۵ نبوی خدمتِ عالی میں مرسل ہے ۔ ۱۳۲۵ھ کا پرچہ شعبان علیحدہ نہ تھا اس واسطے پوری جلد بھیج دی گئی ہے ۔ یہ دونو جلدیں خاص میری ملکیت ہیں ۔ کالج سے ان کو کچھ علاقہ نہیں ، اس لیے بطور نذر آپ کی خدمت میں مرسل ہیں ۔ اُمید (ہے) کہ آپ قبول فرماویں گے ۔ زیادہ بجز نیازمندی کے اور کیا عرض کروں ۔ والسلام

خاکسار ، سید احمد

(۷)

جناب مخدومی مکرمی نواب علی حسن خان بہادر بالقابہٗ !

آپ کے مشکوئے مغلئی میں فرزند ارجمند کے پیدا ہونے کی مبارک باد دیتا ہوں ۔ خدا اس کی عمر دراز کرے اور آپ کے سایۂ عاطفت میں بااقبال ہو ۔ آمین !

ایسی خوشی اور مبارکی میں قوم کو یاد رکھنا ضروری ہے ۔ خدا کا اصلی شکریہ اس کے بندوں کے ساتھ سلوک کرنا ہے ۔ پس آپ خدا کے شکریے میں قومی کام (میں اور) قومی بھلائی میں کچھ عنایت فرمائیے ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۱۲ مئی ۱۸۹۳ع خاکسار ، سید احمد

(۸)

جناب مخدوم مکرم نواب محمد علی حسن خان بہادر !

چند روز ہوئے کہ آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۶ اگست میرے پاس پہنچا تھا (اور) باعث اعزاز ہوا تھا ۔ اُن دنوں میں بعض امور ایسے در پیش تھے کہ مجھ کو نہایت کم فرصت تھی اس لیے تحریر جواب میں تاخیر ہوئی ، آپ معاف

۱- پہلے ایڈیشن میں ۱۳۲۴ نبوی غلط لکھا ہے ۔ در اصل ۱۳۲۴ نبوی ہے ۔
۲- پہلے ایڈیشن میں ۱۳۱۵ نبوی غلط لکھا ہے ۔ صحیح ۱۳۲۵ نبوی ہے ۔

فرماویں ۔ جو الفاظ عنایت اور شفقت آمیز آپ نے اپنے عنایت نامے میں لکھے ہیں میں اُن کا دل سے شکر گزار ہوں ۔ مجھ ناچیز کو ایسے الفاظ سے یاد فرمانا جو آپ کے عنایت نامے میں مندرج ہیں ، صرف آپ کی بزرگی اور عنایت ہے ۔ ایام غدر کی بابت صرف ایک رسالہ انگریزی شائع ہوا ہے جس کی جلدیں میں نے مدرسے کو دے دی ہیں اور کچھ جلدیں ہنوز فروخت کو باقی ہیں ۔ ۱ روپیہ ۸ آنے اُس کی قیمت ہے ۔ اگر آپ فرماویں تو میں آپ کے پاس بھیج دوں ۔ مگر اُس کا اُردو میں ترجمہ کرنا اور چھاپنا اب مناسب وقت نہیں ہے ۔ وہ زمانہ گیا ۔ اب وہ زمانہ نہیں ہے کہ اُن پرانے قصّوں کو پھر یاد دلایا جائے ۔

تاریخ اسلام مصنّفہ مسٹر آرنلڈ یورپ میں چھپ رہی ہے ۔ بعد چھاپہ ہونے کے ہندوستان میں آوے گی ۔ اُس کا ترجمہ کرانے کے لیے مسٹر آرنلڈ کی اجازت درکار ہوگی ۔ بسبب تعطیل کالج کے مسٹر آرنلڈ پہاڑ پر گئے ہوئے ہیں ۔ جب وہ واپس آویں گے تو میں اُن سے ذکر کروں گا ۔ آپ سے ملنے کو ہمیشہ دل چاہتا ہے مگر فاصلہ اس قدر دور دراز ہے کہ نہ میں آپ کے پاس آ سکتا ہوں ، اور آپ کو ایسے اشغال رہتے ہیں کہ جن سے آپ کو بھی فرصت نہیں ہوتی ۔

میں آپ کو اپنا دلی دوست اور معین و مددگار اس قومی کام کا سمجھتا ہوں جس کے انجام پر میں نے اپنی عمر صرف کی ہے ۔ اور مجھ کو اُمید آپ سے (ہے) کہ آپ ہمیشہ اس کام کے مددگار رہیں گے ۔

اب کے سال محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس شاہجہان پور میں قرار پایا ہے جو حسبِ معمول اخیر دسمبر میں ہوگا ۔ اور مجھے اُمید ہے کہ آپ اس جلسے میں تشریف لاویں گے اور مجھ سے اور اور احباب سے ملاقات ہوگی ۔ شاہجہان پور کے جلسے کے مہتمم مولوی محمد اسماعیل صاحب وکیل عدالت (شاہجہان پور) قرار پائے ہیں ۔ اگر آپ کا ارادہ تشریف آوری کا ہو تو اُن سے خط و کتابت فرماویں ۔ والسلام علیکم

علی گڑھ ، ۱۱ ستمبر ۱۸۹۵ع خاکسار ، سید احمد

(۹)

مخدوم و مکرم بندہ جناب ابوالنصر نواب سید علی حسن خان بہادر!

بعد سلام مسنون التماس یہ ہے کہ بلحاظ اُس شفقت اور عنایت کے جو آپ کو میرے حال پر ہے اور بلحاظ اُس قومی ہمدردی کے جو مسلمانوں کی ترقی اور بہبودی کی آپ کے دل میں ہے، مجھے جرأت ہوتی ہے کہ آپ کی خدمت عالی میں ایک ضروری امر التماس کروں۔

آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ دفتر مدرسۃ العلوم کے ہیڈ کلرک نے بذریعہ جعلی چیکوں کے ایک زر خطیر، زر امانت مدرسۃ العلوم میں سے، جو بنک میں جمع تھا، غبن و تصرّف کر لیا، جس کے سبب سے نقصان کثیر زر امانت مدرسۃ العلوم میں ہوگیا۔ اگر وہ غبن و تصرّف صرف زر امانت ہی میں ہوتا تو صبر کیا جاتا مگر اس غبن و تصرّف کے سبب چوالیس ہزار روپیہ بنک کا مدرسے پر فاضل ہوگیا۔ اور اگر زر فاضلات کی ادائیگی کی جلد تر تدبیر نہ کی جائے تو اس کا سود اس قدر بڑھ جاوے گا جس کا ادا کرنا ناممکن ہوگا۔ اس لیے یہ تجویز ہوئی ہے کہ اُس زر فاضل کو چندۂ باہمی سے، جس قدر جلد ممکن ہو ادا کیا جاوے۔ چنانچہ اس کے لیے چندہ کھولا گیا ہے اور احباب اور ٹرسٹیان کالج نے قریب دس ہزار روپے کے چندہ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اور اَور لوگوں نے بھی اُس میں چندہ دیا ہے۔ اس لیے میں آپ سے تین امر کی درخواست کرتا ہوں اور اُمید ہے کہ آپ اس پر توجہ فرمائیں گے۔

۱۔ اول یہ کہ آپ بھی اپنی ذات خاص سے اس نقصان کے پورا کرنے میں کچھ امداد فرماویں تاکہ زر فاضل بنک کا ادا کیا جاوے۔

۲۔ دوسری درخواست یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو حضور جناب بیگم صاحبہ سے بھی اس باب میں عرض و معروض کریں۔ اور اگر جناب ممدوحہ بھی کچھ عنایت فرماویں گی تو اس وقت میں نہایت مدد پہنچے گی۔

اگرچہ میرا ارادہ تھا کہ حضور جناب بیگم صاحبہ کی خدمت میں بھی کوئی عرضی لکھوں مگر میں نے مناسب نہیں سمجھا۔ اگر آپ سے اس باب میں کچھ ممکن ہو تو عرض معروض کیجیے۔

۳- تیسری درخواست یہ ہے کہ علاوہ اپنی ذاتِ خاص اور حضور جناب بیگم صاحبہ کے اَور لوگوں سے بھی اگر ممکن ہو تو اس امر کے لیے کچھ چندہ وصول کیجیے ۔ آپ کی کوشش اور سعی سے اُمید ہے کچھ نہ کچھ وصول ہو جائے گا ۔ والسلام

علی گڑھ، ۱۲ جون ۱۸۹۶ء — خاکسار، سید احمد

(۱۰)

جناب مخدوم و مکرم معظمِ من ابوالنصر نواب سید محمد علی حسن خان بہادر !

محمد یعقوب علی صاحب احکام نگار روبکاری جناب کا خط مورخہ ۔ ستمبر ۱۸۹۶ء معہ نصف قطعہ نوٹ پانے تعدادی ایک ہزار روپیہ، جو آپ نے از راہِ فیاضی و شفقتِ بزرگانہ بتلافی نقصانِ کالج عنایت فرمایا ہے، میرے پاس پہنچا ۔ میں آپ کی عنایت اور نوازش کا دل سے شکر ادا کرتا ہوں اور شکر ادا کرتا رہوں گا ۔ اور یہ عریضۂ نیاز بطور رسید نصف قطعہ ثانی نوٹ مذکور خدمتِ عالی میں مرسل ہے ۔ والتسلیم مع التعظیم

علی گڑھ، ۸ ستمبر ۱۸۹۶ء — خاکسار، سید احمد

(۱۱)

جناب مخدوم و مکرم معظمِ من !

آپ کا عنایت نامہ پہنچا ۔ میں نے مولوی صاحب سے کتاب کے ترجمے کی بابت کہا تھا ۔ اُنھوں نے کہا کہ میرے پاس نہیں ہے ۔ میری رائے میں اُن سے کسی قسم کی کوشش کی توقع نہیں رکھنی چاہیے بلکہ وہ اس کتاب کو پسند (بھی) نہیں کرتے ۔ بس آپ کو جہاں سے مل سکے تلاش کیجیے، اُن سے کچھ توقع نہ رکھیے ۔ والسلام

علی گڑھ، ۱۵ نومبر ۱۸۹۶ء — خاکسار، سید احمد

(۱۲)

مخدومی و مکرمی ابوالنصر نواب سید علی حسن خان بہادر !

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۸ نومبر پہنچا ۔ ممنون یاد آوری ہوا ۔ آپ کی خیر و عافیت و صحتِ مزاج سے طانیت ہوئی ۔ منشی امتیاز علی صاحب کے انتقال کا افسوس ہے ۔ خدا کرے کہ جناب عالیہ بیگم صاحبہ کو کوئی ایسا وزیر مل جاوے جو ملک کی اور قوم کی بھلائی کر سکے اور باعث نیک نامی ریاست اور حسبِ مرضی و پسند جناب عالیہ ہو ۔ خدا کی قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ ایسا ہی شخص ریاست کو مل جاوے ۔

آپ کی یاد آوری کا شکرگزار ہوں ۔ والسلام علیکم

علی گڑھ، ۲۰ نومبر ۱۸۹۶ء خاکسار، سید احمد

(۱۳)

مخدوم مکرم من جناب ابوالنصر نواب سید محمد علی حسن خان بہادر !

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۷ جون پہنچا ۔ اول تو میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ کو ہمیشہ مدرسے کی تائید کا خیال رہتا ہے ۔ بعد اس کے سید عبدالرب صاحب کا اور اُن نیک لوگوں کا جنھوں نے سید عبدالرب صاحب کے اضافے کی خوشی میں ایک ایک روپیہ دیا، دل سے شکر ادا کرتا ہوں ۔ کم مایہ بزرگ جو باوجود اپنی قلّتِ معاش کے کالج کی مدد کرتے ہیں اُن کا میں زائد از حد شکرگزار ہوں کہ باوصف قلّتِ معاش کے قومی مدرسے کا خیال رکھتے ہیں ۔

مبلغ ۱۳ روپے میرے پاس پہنچ گئے ہیں اور مدرسے (کے حساب) میں جمع کر دیے گئے ہیں ۔ خدا دینے والوں کا بھلا کرے ۔

نواب محسن الملک اٹاوہ چلے گئے ہیں ۔ ۲۱ جون کو واپس آجاویں گے ۔

'خطباتِ احمدیہ' انگریزی زبان میں موجود ہے ۔ ایک جلد خدمتِ عالی میں روانہ ہو رہی ہے ۔ پانچ روپے اس کی قیمت ہے اور محصول ڈاک اس کے علاوہ ۔

میں آپ کی عنایت اور یاد آوری کا مکرر شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ والسلام

علی گڑھ، ۱۹ جون ۱۸۹۷ء خاکسار، سید احمد

(۱۴)

مخدوم و مکرمِ من جناب ابوالنصر نواب سید علی حسن خان بہادر !

جو کہ مجھ کو آپ کی خدمت میں خالص نیاز مندی (حاصل) ہے اس واسطے میں بلا تکلف تین امر آپ کی خدمت میں لکھتا ہوں - (اُمید ہے کہ) آپ بھی بلا تکلف ہاں یا نہ کا اقدام فرماویں گے -

۱- امر اول یہ ہے کہ میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میں آپ کو ٹرسٹی مقرر کرنا چاہتا ہوں کیونکہ مجھ کو اُمید ہے کہ آپ میرے بعد بھی کالج کی بہتری اور سرسبزی کا خیال رکھیں گے - پس آپ مطلع فرمائیے کہ آپ بخوشی ٹرسٹی ہونا منظور فرماتے ہیں یا نہیں ؟

۲- دوسرا امر یہ ہے کہ بسعی منشی امتیاز علی صاحب مرحوم کے جناب عالیہ بیگم صاحبہ بھوپال نے دس ہزار روپیہ تعمیرِ مسجد کے لیے عنایت فرمایا تھا - اب اس مسجد کی تعمیر کی نوبت پہنچ گئی ہے - صرف برج اور مینار اور استرکاری باقی ہے - نماز اس میں ہونے لگی ہے اور مؤذن اور امام وغیرہ اس کے لیے مقرر ہو گئے ہیں - اور ایک مولوی صاحب واسطے وعظ اور تعلیمِ مذہبی کے بمشاہرہ ۸۰ روپیہ ماہواری مقرر ہیں - میں چاہتا ہوں کہ ۵۰ روپیہ ماہواری یا کم و بیش حضور عالیہ جناب بیگم صاحبہ کی طرف سے واسطے اخراجاتِ مسجد کے مقرر ہو جائیں - میں نے اس باب میں مولوی عبدالجبار خان صاحب کو بھی خط لکھا تھا مگر انھوں نے کچھ جواب نہیں دیا - پس آپ کی سعی اس امر میں کچھ کارگر ہو سکتی ہے یا نہیں - اگر کارگر ہو سکے تو سعی فرمائیے اور اگر کارگر نہ ہو سکے تو خیر -

۳- تیسرا امر یہ ہے کہ میں آپ کی عنایت کا اور نیز اُن دوستوں کی عنایت کا، جنھوں نے واسطے تلافیِ نقصانِ کالج کے چندہ دیا، دل سے شکر ادا کرتا ہوں - لیکن فاضلات بنک کی (رقم) اب تک قریب پچیس ہزار روپے کے باقی ہے - اس کی ادائیگی کے لیے میں چاہتا ہوں کہ چند دوست مل کر بقدر اپنی حیثیت کے روپیہ بطور قرض بلا سود دیں، پانچ برس کی میعاد پر - اور میں اُن کو

دستاویز لکھ دوں گا اور بنک سے طمانیت کرا دوں گا کہ تاریخ معینہ پر بنک سے روپیہ مل جاوے گا - ہم کو ۱۱ روپیہ سینکڑہ کے حساب سے زر فاضلات سود دینا ہوتا ہے اور جس کی نہایت زیر باری ہوتی ہے - ہمارے پرامیسری نوٹ جس قدر بنک میں جمع ہیں ان کا سود ۱۰۵۲ روپے ۲ آنے سالانہ ملتا ہے جو اس قرضے کی ادائیگی کے لیے بنک میں جمع ہوتا رہے گا - پس پانچ برس کے اندر ۱۲۲۶۵روپے ۲ آنے صرف سود پرامیسری نوٹوں کے ہو جاویں گے - سر سالار جنگ مرحوم کی جاگیر میں سے جو روپیہ کالج کو ملتا تھا وہ چند روز سے رُک گیا تھا مگر اب اُس کے ملنے کا حکم ہو گیا ہے اور ۵۲۰۰ روپیہ ہمارا واجب الطلب ہے ، وہ یکمشت ملے گا -

جن دوستوں نے نقصان کے پورا کرنے کے لیے چندہ لکھا ہے منجملہ اس کے ۱۰۵۵ روپیہ وصول ہونا باقی ہے جو وصول ہو جاوے گا - ۱۵۰ روپیہ ماہواری ایک دوست واسطے پورا کرنے نقصان کالج کے دیتے ہیں جو پانچ برس کے عرصے میں ۹۰۰۰ روپے ہو جاویں گے - مجموع ان کل رقومات کا بتعداد ۲۸۹۱۹ روپے ۲ آنے ہوتا ہے - پس ہم بآسانی میعاد معین پر کل قرضہ ادا کر دیں گے بلکہ اس سے بھی پیشتر - پس آپ ایسی کوشش کر سکتے ہیں کہ حضور عالیہ بیگم صاحبہ ہم کو کچھ روپیہ قرض دیں یا آپ اپنے پاس سے اور اپنے احباب سے ہم کو کچھ روپیہ قرض دلا سکتے ہیں یا نہیں ؟ اس کا صاف جواب بلا کسی تکلف کے لکھ دیجیے گا - میں نے اور چند دوستوں کو بھی خطوط لکھے ہیں کیونکہ کسی ایک شخص سے پچیس ہزار روپیہ ملنا غیرممکن ہے - لیکن اگر دس بارہ دوست بقدر اپنے مقدور کے قرض دینا چاہیں تو جمع ہو جانا ممکن ہے -

اس قدر میں خط لکھ چکا تھا کہ آپ کا عنایت نامہ بذریعہ ڈاک میرے پاس پہنچا - اس کا جواب کل یا پرسوں میں آپ کو لکھوں گا -[۱]

اور میں ہر طرح سے جو تعلیم کا کام آپ اُٹھانا چاہتے ہیں ، دل و جان سے اس میں مدد دینے کو موجود ہوں - والسلام علیکم

علی گڑھ ، ۱۳ جولائی ۱۸۹۷ء خاکسار ، سید احمد

۱- افسوس ہے کہ یہ خط نہیں مل سکا -

٦٣

بنام شیخ عمر بخش

(رسالہ 'معارف' پانی پت ، بابت ستمبر ۱۹۰۱ع)[۱]

یہ صاحب ہوشیار پور (مشرق پنجاب) میں وکیل تھے ۔ انھوں نے سرسید سے کچھ علمی سوالات پوچھے تھے۔اپنے مفصلہ ذیل خط میں سرسید نے اُن باتوں کا جواب دیا ہے ۔

مخدومی !

یاجوج و ماجوج کا ذکر اور اُن کی نسبت پیشین گوئیاں کتاب حزقیل نبی میں ، جو منجملہ مجموعہ کتبِ عہدِ عتیق ہے ، ملاحظہ فرمائیے ۔ ذوالقرنین کے لفظ ہونے کی ضرورت نہیں ہے ۔ معہذا وہ ایک اشارہ دو حالتوں کا اُس شخص کی نسبت ہے جس نے دیوار بنائی ۔ یہ آپ نے کیونکر کہہ دیا کہ مشرکینِ عرب اس قصے سے واقف نہ تھے ؟

اول تو مشرکینِ عرب کی کتابیں کہاں ہیں اور مجوس کی کتابیں کہاں ہیں ؟ بعض لوگ ذوالقرنین سے کیقباد مراد لیتے ہیں ۔ بہرحال اس قصے کی بابت لوگوں میں ذکر ہونے کی نفی نہیں ہو سکتی ۔ سوال کنندہ کی تخصیص کرنی بے جا

۱۔ بعد میں یہ خط "سرسید کے خطوط" مرتبہ مولوی وحیدالدین سلیم اور خطوطِ سرسید ، مرتبہ سر راس مسعود میں بھی نقل ہو چکا ہے ۔

ہے - کسی شخص یا اشخاص نے پوچھا ہوگا - تفسیروں میں جو یہودیوں کو سوال کرنے والا قرار دیا گیا ہے ، اُس سے میں مخالف ہوں ، جیسا کہ رسالہ "ترقیم فی قصہ اصحاب الکہف والرقیم" میں میں نے بیان کیا ہے - قرآن مجید میں جو کچھ لکھا ہے اُس کے صدق کے ثبوت کے لیے ہم کو اس بات پر بحث کرنی کہ سائل یہود تھے یا کون ، ضرورت نہیں ہے - کیا عجب ہے یہود ہوں جن کی کتب میں یاجوج ماجوج کی نسبت بہت (کچھ) لکھا ہے - کیا عجب ہے کہ عیسائی ہوں کیونکہ اُن کے ہاں بھی مطابق عہد عتیق کے اُن کا ذکر و قصہ ہے - بعض لوگوں کے نزدیک مشاہدات یوحنا میں بھی اُن کا ذکر ہے - کیا عجب ہے کہ کفار عرب ہوں - غرض کہ سائل کے متعین کرنے کی نہ ہم کو ضرورت ہے نہ حاجت - صرف جواب کے صحیح کرنے کی ضرورت ہے - 'سرمور گزٹ' میں پورا رسالہ نہیں چھپا - دونوں رسالے یعنی "ترقیم فی قصہ اصحاب الکہف والرقیم" اور "ازالۃ الغین من قصہ ذی القرنین" علیحدہ پورے چھپ رہے ہیں - والسلام

علی گڑھ ، ۲ جولائی ۱۸۹۰ء[1] خاکسار ، سید احمد

۱- مکتوبات سرسید کے ۱۹۵۹ء کے پہلے ایڈیشن میں غلطی سے سنہ ۱۸۹۰ء چھپا ہے - صحیح ۱۸۹۰ء ہے -

۶۴

بنام مولوی عنایت اللہ دہلوی

لائق باپ کے لائق فرزند مولوی عنایت اللہ خلفِ خان بہادر شمس العلماء مولانا ذکاء اللہ ، دہلی کے کوچہ ٔ چیلان میں ۱۵ نومبر ۱۸۶۹ع کو پیدا ہوئے ۔ علی گڑھ کالج میں تعلیم پائی جہاں سرسید اُن سے نہایت ہی محبت و اُلفت کے ساتھ پیش آتے تھے اور یہ بھی انتہائی سعادت مندی کے ساتھ سرسید کا ادب و احترام کرتے تھے ۔ سرسید کے ساتھ جو عقیدت اُن کو تھی اُس میں مرتے دم تک فرق نہ آیا ۔ جتنے خطوط مختلف اوقات میں سرسید نے ان کو لکھے اُنھیں نہایت احتیاط کے ساتھ محفوظ رکھا اور سب کو با ترتیب رکھ کر نہایت نفیس چمڑے کی جلد اُن کی بندھوائی جس پر نفاست اور خوبصورتی کے ساتھ سونے کا کام کرایا اور اس مجموعے کو ہمیشہ اپنی جان کے برابر رکھا ۔ مولوی صاحب مرحوم مجھ راقم الحروف پر بہت زیادہ مہربان تھے ۔ اُن کی کتابیں مَیں ہی شائع کیا کرتا تھا ۔ چنانچہ اپنے انتقال سے قبل اس خیال سے کہ بعد میں یہ قیمتی یادگار برباد نہ ہو جائے ، بیمہ کرا کے ڈیرہ دون سے مولوی صاحب نے خاکسار کے پاس یہ مجموعہ پائی پٹ بھیج دیا اور لکھا کہ ''اب تک اس مجموعے کی حفاظت میں نے کی ،

اب تم کرو -'' مولوی عنایت کے نام سرسید کے یہ خطوط اسی مجموعے سے نقل کیے گئے ہیں[1] - اس کے بعد میں نے یہ مجموعہ نیشنل میوزیم کراچی کو دے دیا تاکہ وہاں محفوظ رہے -

مولوی عنایت اللہ ۱۹۲۱ء میں عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن کے صیغۂ دارالترجمہ کے ناظم مقرر ہوئے اور ۱۴ سال تک اس کام کو نہایت عمدگی اور خوبی کے ساتھ انجام دیتے رہے - اس عرصے میں تین سو کے قریب کتابیں اُنھوں نے دارالترجمہ کے لیے تیار کرائیں - بعد ازاں ملازمت سے سبکدوش ہو کر مستقل طور پر ڈیرہ دون میں سکونت اختیار کر لی جہاں ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو اُن کا انتقال ہوگیا اور دنیا ایک نہایت بلند پایہ انشا پرداز اور بہترین مترجم سے خالی ہو گئی - مولوی صاحب نے ۵۰ سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں جو اُن کے نام کو ہمیشہ زندہ رکھیں گی - تراجم میں ''دعوتِ اسلام'' اور تالیفات میں ''اندلس کا تاریخی جغرافیہ'' اُن کی مشہور کتابیں ہیں - سرسید کو ان سے جو بے انتہائی محبت تھی وہ ان خطوط سے ظاہر ہے جو درج کیے جا رہے ہیں -

(۱)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی عنایت اللہ!

تمھارا خط پہنچا - میں نے راجا صاحب[2] کو خط لکھا ہے - جواب آنے پر تم کو اطلاع دوں گا - مگر چند باتیں سمجھ لینی چاہییں: اول یہ کہ پہاڑ

۱- جون ۱۹۲۴ء میں جو ''خطوطِ سرسید'' مرتّبہ سر راس مسعود، نظامی پریس بدایوں میں چھپ کر شائع ہوئے تھے اُس میں مولوی عنایت اللہ کے نام کے تمام خط اسی قلمی مجموعے سے لیے گئے تھے -

۲- راجا جے کشن داس رئیس مراد آباد مراد ہیں جو سرسید کے نہایت گہرے دوستوں میں سے تھے -

ہر اگر پھرنا نہ ہو اور ایک جگہ بیٹھے رہو تو محض بے فائدہ ہے ۔ دوسرے تنہائی میں تم ضرور گھبراؤ گے ۔ تیسرے یہ کہ ایک بھنگی اور ایک سقّہ یا بھاڑیہ ، جب تک رہو ، مستقل نوکر رکھنا پڑے گا ۔ سب سے بہتر تھا کہ کسی ہوٹل میں رہنے کا بندوبست ہوتا ۔ اگر (اس سال) میرا جانا چاہئے ہوتا تو تم کو ہر طرح پر آسایش ہوتی ۔

مسٹر آرنلڈ الموڑا جاتے ہیں اور بہادر علی طالب علم اُن کے ساتھ جاوے گا ۔ مسٹر بک غالباً شملہ جاتے ہیں ۔ میں تمہارا خیال بھی شملے کی جانب متوجہ کرتا ہوں ۔ وہاں ہوٹلیں متعدد ہیں ، آرام کی ہیں ۔ ہوٹلوں کے سوا میر عبداللہ سررشتہ دار کے کسی مکان میں بہ آسائش ٹھہر سکتے ہو ۔ بک صاحب وغیرہ کے ہونے اور ملنے سے دل خوش رہے گا ۔ بہرحال راجا صاحب کو لکھا ہے اور سب باتیں تم کو جتلا دی ہیں ۔ پس جس کو تم پسند کرو اُس پر کاربند رہو ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۱۷ مئی ۱۸۹۰ء خاکسار ، سید احمد

دہلی کے گلی کوچے کی نسبت اور کوچہ چیلاں کی نسبت میری کوٹھی کی آب و ہوا بدرجہا بہتر ہوگی ۔ تم یہاں سے کیوں چلے گئے ؟ ایسا نہ ہو کہ دہلی میں بخار آ جاوے ۔ تم واپس چلے آؤ ۔ فقط

(۲)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی عنایت اللہ !

راجا صاحب کی تحریر مرسل ہے ۔ وہ کمرہ دینے کو موجود ہیں ۔ جب تمہارا دل چاہے چلے جاؤ ۔ راجا صاحب بھی جانے والے ہیں ۔ اُن کے سبب سے بہت باتوں میں آرام رہے گا اور شاید چند روز کو میں بھی جاؤں ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۱۹ مئی ۱۸۹۰ء خاکسار ، سید احمد

(۳)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی عنایت اللہ !

تمہارا خط پہنچا ۔ تمہاری صحت سے نہایت خوشی اور طانیت ہوئی ۔ تمہاری علالت سے مجھ کو نہایت رنج تھا ۔ اپنی والدہ صاحبہ سے میرا بہت بہت سلام کہنا اور یہ پیغام پہنچا دینا کہ بلاشبہ ماں سے زیادہ کسی کو عنایت اللہ سے محبت نہیں ہو سکتی ۔ مگر مجھ کو بھی عنایت اللہ سے کچھ کم محبت نہیں ہے ۔ صرف اتنا فرق ہے کہ تم کو صرف محبت ہی محبت ہے اور میری محبت میں کچھ عقل کا بھی میل ہے ۔ تمہاری محبت خالص ہے ۔ میری محبت میں ملاوٹ بھی ہے ۔ خیر خدا تم کو صحیح و تندرست رکھے ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۲۲ مارچ ۱۸۹۲ء　　　　خاکسار ، سید احمد

(۴)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی محمد عنایت اللہ !

تم کو کچھ یہ بھی خیال ہے کہ تمہاری صحت کا کسی اور کو بھی خیال و فکر رہتا ہے یا نہیں ؟ غدر (۱۸۵۷ء) کے بعد سے دلی کے رہنے والوں کی قلب ماہیت ہوگئی ہے اور بے مروتی چھا گئی ہے (اور) تم سب سے اول درجے کے بے مروت ہوگئے ہو ۔ یہ تو مجھے یقین ہے ، مگر تمہاری صحت کا ہمیشہ خیال رہتا ہے ۔ اپنی صحت سے مطلع کرو ۔ دہلی میں طوفان بیاری اُٹھا ، ہر وقت تمہارا خیال رہا ۔ ایک آدھ دفعہ کچھ لکھنا چاہا مگر یہ سمجھا گیا کہ بے فائدہ ہوگا ۔ بہرحال اپنی خیر و عافیت لکھو ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۲۶ اپریل ۱۸۹۲ء　　　　خاکسار ، سید احمد

(۵)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی محمد عنایت اللہ !

تمہارا خط اور نظم مولانا حالی پہنچی ۔ اس بات سے کہ تمہاری حالت اُس وقت سے کہ میں نے تم کو دیکھا تھا ، بہتر ہے ، نہایت خوشی ہوئی ۔ مجھے ہر وقت تمہارا خیال رہتا ہے اور تمہاری صحت و اقبال مندی کا دل سے دعاگو ۔

اپنے والد[1] سے کہہ دینا کہ ۱۷ جولائی کے اجلاس میں اُن کی اور مولوی نذیر احمد اور خان بہادر منشی الٰہی بخش صاحب کی تشریف آوری کی نہایت ضرورت ہے تاکہ کورم پورا ہو جاوے ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۲۵ جون ۱۸۹۲ع   خاکسار ، سید احمد

(۶)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی عنایت اللہ !

تمہاری علالت طبع کا جس قدر مجھ کو افسوس و رنج رہا ہے وہ بیان نہیں ہو سکتا ۔ اس وقت تمہارا خط آیا جس سے معلوم ہوا کہ اب فضل الٰہی سے صحت کلی ہے ۔ اُس سے نہایت خوشی ہوئی ۔ خدا تم کو صحیح اور تندرست رکھے اور اُس اعلیٰ درجہ ترقی پر دنیا میں پہنچاوے جس کے لیے تم میری رائے میں لائق ہو ۔ مجھ کو یاد نہیں آتا کہ مجھ سے اور نواب محسن الملک سے کبھی سوائے تمہاری لیاقت اور سعادت مندی اور نیکی کے کسی اور قسم کا ذکر کسی اور ارادے سے ہوا ہو ۔ شاید ایک دفعہ اُس تحریک کا ذکر ہوا تھا جو تمہارے لیے گورنمنٹ سے کی گئی تھی ۔ پس مہدی علی نے جو کچھ تمہارے والد کو لکھا ظاہراً تو بسبب تمہارے والد کی محبت اور تمہاری صحت کے خیال سے لکھا ہوگا ، اور کیا عجب ہے کہ کوئی اور بات بھی اُن کے ذہن میں ہو ۔

۱- یعنی مولانا ذکاء اللہ ۔

تمھارے والد کی آمدنی اس قابل نہیں ہے کہ وہ سب کا بوجھ اُٹھا سکیں - پس ضرور ہے کہ تم اپنے لیے کچھ فکر کرو - میں نے سنا ہے کہ جو اختیارات مولوی مہدی علی کے سلب ہوگئے تھے وہ پھر اُن کو واپس ہوگئے ہیں - اگر یہ بات سچ ہے تو حیدرآباد میں تمھارے لیے کوئی صورت مناسب نکل آنی کچھ مشکل نہیں ہے - اگر تم اس ارادے میں مستقل ہو اور سب سے زیادہ یہ کہ تمھاری والدہ صاحبہ اُس پر راضی ہیں تو میں اس باب میں اُن سے خط و کتابت کروں - اس کا جواب مستحکم بھیجو -

تم دہلی میں جا کر ایسے بیٹھ رہے کہ تبدیل آب و ہوا کے لیے بھی کہیں نہیں نکلے - تم میرے پاس علی گڑھ میں آؤ - میرے پاس ہفتہ دو ہفتے رہو - دہلی سے علی گڑھ کی آب و ہوا بہت اچھی ہے - تمھارا دل بہلے اور طبیعت درست ہو -

غالباً ابتدائے نومبر میں میں دہلی آؤں گا - بہتر ہوگا کہ تم بھی میرے ساتھ یہاں چلے آؤ - اس عرصے میں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ درحقیقت مہدی علی کا اب کیا حال ہے ، اور اُن سے خط و کتابت کا بھی بخوبی موقع ملے گا -

مولوی مشتاق حسین کے حیدرآباد سے چلے آنے کا نہایت افسوس ہے مگر اُنھوں نے رسّی کو ایسا تانا تھا کہ اُس کا ٹوٹ جانا ایک نہ ایک دن ضرور تھا - مگر نہایت افسوس کی بات ہے جو اُنھوں نے ایسا کیا تھا اور اپنے محسنوں کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ کیا تھا جو مناسب نہ تھا - بہرحال امور تقدیری کسی طرح رک نہیں سکتے - والسلام

علی گڑھ ، ۲۵ اکتوبر ۱۸۹۲ء   خاکسار ، سید احمد

(۲)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی عنایت اللہ !

تمھارا خط پہنچا - تمھاری صحت و تندرستی سے نہایت خوشی ہوئی - تم اپنی والدہ صاحبہ کو میری طرف سے بہت بہت سلام کے بعد یہ کہنا کہ عنایت اللہ بے شک تمھارا بیٹا ہے اور محبت مادری تم کو ہے مگر مجھ کو بھی

عنایت اللہ کے ساتھ کچھ کم محبت نہیں ہے ۔ میں کل شام کو بہ سبب ضرورت اجلاس کونسل لکھنؤ جاتا ہوں ۔ ۳۱ اکتوبر کو اجلاس ہے ۔ اُس سے فراغت کر کے یکم نومبر کو انشاء اللہ تعالٰی علی گڑھ واپس آؤں گا ۔ اگر اُس کے بعد میں وہاں آیا تو تم میرے ساتھ چلے آنا ورنہ میں خط لکھ کر تم کو بلا لوں گا اور تمھاری موجودگی میں مولوی مہدی علی سے خط و کتابت کروں گا ۔ دو ہفتے کم سے کم تم میرے پاس ٹھہرنا تاکہ میں تمھاری طبیعت کا اور تمھاری صحت کا بخوبی حال معلوم کر سکوں ۔ پھر ۱۵ نومبر کو میں الہ آباد جاؤں گا اور تم دہلی چلے آنا ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۲۹ اکتوبر ۱۸۹۲ع — خاکسار ، سید احمد

(۸)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی محمد عنایت اللہ !

اُمید ہے کہ تمھاری طبیعت سب طرح اچھی ہوگی ۔ تم نے جو بیرونی کی لائف لکھی تھی[۱] اور وہ پچھلے سال کانفرنس میں پیش نہیں ہو سکی تھی ، اس سال اُس کو پیش کر دو ۔ اُس کے پڑھنے کی ضرورت نہ ہوگی ، صرف تھوڑی سی گفتگو کے بعد پیش کر سکو گے ۔ بعض حالات دیکھنے کو انگریزی کتاب انڈیا بیرونی کی تم کو ضرورت تھی ، وہ میں نے رکھ لی ۔ پس اُس رسالے کے پیش کر دینے میں کچھ دقّت نہیں ہے ۔ والسلام

الہ آباد ، ۲ دسمبر ۱۸۹۲ع — خاکسار ، سید احمد

۱- یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جو اُردو میں ابو ریحان البیرونی کی سب سے پہلی سوانح عمری ہے مگر آج کل کہیں نہیں ملتا ۔

(۹)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی محمد عنایت اللہ !

تمہارا خط پہنچا ۔ اُس میں جو تم نے یہ فقرہ لکھا ہے کہ ''میں آج کل بہت مصروف رہتا ہوں'' اُس سے مجھے بہت زیادہ خوشی اس خیال سے ہوئی کہ تمہاری طبیعت بہت اچھی ہے اور اب ضرور تمہاری والدہ صاحبہ تمہارا بیاہ بھی کر دیں گی؎۱ اور تم کو حیدر آباد جانے کی اجازت بھی دیں گی ۔ لیکن جب بیاہ کا پیغام ہو تو کہہ دینا کہ ''پہلے دکھا دو ، بے دیکھے نہیں کر سکتا'' ۔ تمہاری صحت سے مجھے بے انتہا خوشی ہوئی ہے ۔ خدا تم کو صحیح اور تندرست رکھے ۔ آمین !

پچھلے اجلاس میں مَیں نے اپنی کیفیت میں ذکر کیا تھا کہ محمد عنایت اللہ بیرونی کی لائف پیش کریں گے ۔ مگر روئداد اجلاس میں اُس کے پیش کرنے کا ذکر نہیں ہے اور اس لیے اس اجلاس میں جو دہلی میں ہوگا اُس کو پیش کرنا اور تھوڑا سا اُس کا حال بیان کرنا نامناسب نہ ہوگا ۔ بہرحال خوش رہو اور جیتے رہو ۔ اپنے والد اور والدہ صاحبہ کو میرا سلام کہو ۔ والسلام

الہ آباد ، ۶ دسمبر ۱۸۹۲ع خاکسار ، سید احمد

(۱۰)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی محمد عنایت اللہ !

تمہارا خط پہنچا ۔ میں ۵ ، دسمبر کو یہاں سے روانہ ہو کر علی گڑھ پہنچوں گا ۔ دو دن وہاں رہ کر دہلی آ جاؤں گا ۔ میرے نزدیک مناسب ہے کہ ابو ریحان (بیرونی) کے وطن کی نسبت جو اختلاف مؤرخوں میں ہے اُس کے بیان کرنے کے بعد اپنی رائے ضرور یہ لکھ دو کہ میرے نزدیک اُس کا اصلی وطن 'نیرون'

۱۔ افسوس ہے کہ نہ والدہ ان کا بیاہ کر سکیں اور نہ بعد میں مولوی صاحب نے خود اپنی شادی کی ۔ چنانچہ ساری عمر یونہی تجرّد کی حالت میں گزار دی ۔

ہے اور صرف ایک نقطے کے اختلاف سے لوگوں نے ''بیرون'' لکھا ہے ۔ اس سے زیادہ کوئی عمدہ توجیہ اُس کے لقب ''بیرونی'' کے لیے نہیں ہو سکتی ۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ کامل طانیت سے یہ بات نہیں کہی جا سکتی لیکن جب کہ مؤرخوں کی رایوں میں اختلاف ہے تو تم کو بھی حق ہے کہ جو تمھاری رائے ہو اُس کو بیان کرو ۔ خوارزم اُس کی جاے ولادت قرار دینا یقینی غلط ہے ۔ تمھارے نام کے ساتھ مدرسۃ العلوم کا نام رہنا بلاشبہ تمھاری خوشی کا باعث ہوگا لیکن میری سمجھ میں تمھارے نام کے ساتھ کالج کا نام رہنا کالج کی عزت کا باعث ہے ۔ اگر کالج کے بچے ایسے ہوں جیسے کہ تم ہو تو کون شبہ کر سکتا ہے کہ کالج کو اُس سے فخر و اعزاز نہ ہوگا ۔ بس تم اپنے نام سے کالج کے نام کو علیحدہ مت کرو ۔ میں نے ٹائٹل پیج میں تمھارے نام کے ساتھ کالج کا نام بھی شامل کر دیا ہے ۔ اسی طرح ٹائٹل پیج چھپواؤ ۔ اور اگر میری زندگی ہے اور خدا نے چاہا تو قبل لفظ ''آف'' کے لفظ ''فیلو'' کا بھی تمھارے نام کے ساتھ بڑھایا جائے گا ۔ تم نے جو میری مبارک بادی کا شکر کیا اُس سے تو میں خوش ہوا لیکن تمھاری والدہ صاحبہ نے میری مبارک بادی کا کیوں نہیں شکر کیا ؟ اُن کو اور اپنے والد کو میرا بہت بہت سلام کہہ دو ۔ والسلام

الہ آباد ، ۱۲ دسمبر ۱۸۹۲ع — خاکسار ، سید احمد

(۱۱)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی محمد عنایت اللہ !

تمھارا خط اور رسالۂ مرسلہ پہنچا[1] ۔ میں نے اُس کو اول سے آخر تک دیکھا ۔ جس خوبی اور عمدگی سے تم نے اُس کو لکھا ہے وہ محتاج تعریف نہیں ۔ میرا دل نہایت خوش ہوا کہ خدا تعالیٰ نے تم کو تالیف کی بھی اس قدر لیاقت دی ہے جس پر میں اور تمھارے نامآور باپ دونوں رشک کرنے پر آمادہ ہیں ۔ بہرحال خدا کی اُس مہربانی کا جو تم پر ہے اور تمھاری اُس محنت کا ، جو تم نے اس کے لکھنے میں کی ، شکر گزار ہوں ۔

۱۔ ابوریحان البیرونی کی سوانح عمری کی طرف اشارہ ہے ۔

یہاں یہ انتظام قرار پایا ہے کہ ہم سب مع سید محمود کے یہاں سے ساتویں فروری کو روانہ علی گڑھ ہوں گے ۔ مجھے اُمید ہے کہ جب ہم وہاں پہنچ جاویں گے تو تم بھی علی گڑھ آؤ گے ۔ یہاں سب سے ملنا اور جو خیال کہ تم نے پہلے ظاہر کیا تھا ، اگر وہ بدستور قائم ہے اور تمھاری والدہ صاحبہ بھی اُس پر راضی ہیں تو اُس کی بابت بھی خط و کتابت مناسب ہوگی[1] ۔ والسلام

الہ آباد ، ۲۵ جنوری ۱۸۹۳ء — خاکسار ، سید احمد

(۱۲)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی محمد عنایت اللہ !

تمھارے جانے کے دو دن بعد مدرسے میں نہایت شان سے برادر بُڈ کا ڈنر ہوا ۔ نہایت عمدہ جلسہ تھا ۔ خوب اسپیچیں ہوئیں ۔ مسٹر ماریسن کی اسپیچ قریب ۶ صفحے قلمی ہے ۔ اس اسپیچ کا ترجمہ میں چاہتا ہوں تم مہربانی سے کر دو ۔ اگر تمھاری طبیعت خدا کے فضل سے اچھی ہو اور دل خوش ہو تو اُن کی اسپیچ تمھارے پاس بھیج دوں ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۸ مارچ ۱۸۹۳ء — خاکسار ، سید احمد

(۱۳)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی محمد عنایت اللہ !

مسٹر بک پرنسپل کالج نے تم کو چٹھی لکھی تھی اور اُنھوں نے مجھ سے کہا کہ شاید تم نے اُن کی تحریر و تجویز کو پسند کیا ہے ۔ میں بھی بہاولپور جانے سے تمھارا یہاں رہنا پسند کرتا ہوں ۔ لائبریرین کو بہت کم کام ہے مگر

۱- سرسید کی خواہش تھی کہ عنایت اللہ کو ریاست حیدر آباد میں کوئی اچھا سا عہدہ مل جائے ۔

چونکہ وہ کلارک آف کالج بھی تصّور ہوتا ہے اس لیے پرنسپل کو کچھ چھپیاں وغیرہ لکھوانی ہوتی ہیں تو وہ بھی لکھنی ہوتی ہیں - غرض کہ کام تمہاری طبیعت و حالت کے مناسب ہے - اُنھوں نے رپورٹ بھیجی ہے کہ لائبریرین کی تنخواہ ۵۰ روپے ہونی چاہیے - غالباً اس کی منظوری میں ٹرسٹی کچھ عذر نہ کریں گے - آج رضا علی کے نام گورنمنٹ کا تار آیا ہے اور اُس کو ایجنسی بنارس پر محکمۂ اپیون میں نامزد کیا ہے - غالباً دو تین دن میں اُس کو اپنے مقام پر جانے کا حکم آ جاوے گا - مناسب ہے کہ تم یہاں چلے آؤ - میرے یہاں رہو جب تک کہ تم اپنا مناسب بندوبست کرو - میری دانست میں تم یہاں آہستہ آہستہ وہ کام بھی کر سکتے ہو جس کا میں نے تم سے ذکر کیا تھا، اور اُس سے فائدہ حاصل ہوگا - زیادہ بات چیت زبانی ہو سکتی ہے - میرٹھ میں تمہارے والد سے ملاقات ہوگی - اُن سے سب باتیں کہوں گا - والسلام

علی گڑھ، ۱۱ مارچ ۱۸۹۳ء — خاکسار، سید احمد

(۱۳)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی محمد عنایت اللہ!

تمہارا خط پہنچا - ابھی سید محمود کے آنے کی کوئی تاریخ محقّق نہیں ہے - میں ۲۴ مارچ بروز جمعہ بوجہ اجلاس کونسل بریلی جاؤں گا اور وہاں سے الہ آباد اور سید محمود کو علی گڑھ لانے کی کوشش کروں گا - اگر وہ آئے تو اپریل کے شروع میں آویں گے - کمرہ خالی ہے، تم بروز شنبہ یہاں آ کر فروکش ہو اور بورڈنگ ہاؤس میں اپنے رہنے کا بہ طمانیت بندوبست کر لو - بورڈنگ ہاؤس میں اگر تم اپنا کھانا علیحدہ پکوا کر کھانا چاہو تو ایک مکان دروازۂ بورڈنگ ہاؤس کے سامنے باغ میں ہے، اُس میں بخوبی کھانا پک سکے گا - بہرحال جس طرح تم کو آرام اور آسائش ہو اُس میں ہم دل و جان سے کوشش کرنے کو موجود ہیں - مسٹر ماریسن کی اسپیچ بالفعل اخبار میں اور بعدہ علیحدہ پیمفلٹ میں چھاپی جاوے گی - والسلام

علی گڑھ، ۲۲ مارچ ۱۸۹۳ء — خاکسار، سید احمد

(۱۵)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی محمد عنایت اللہ بی - اے !

تمہارا خط پہنچا - تمہاری علالت طبع سے جس قدر مجھ کو رنج ہے ، بیان سے باہر ہے - خدا تم کو صحت کامل دیوے - میں نے آج ڈاکٹر رحیم خاں صاحب کو تمہاری نسبت خط لکھا ہے اور اُس میں بہت کچھ لکھ دیا ہے - اُمید ہے کہ وہ نہایت دلی توجہ سے تمہارا علاج کریں گے - والسلام

علی گڑھ ، ۲۳ اگست ۱۸۹۳ء — خاکسار ، سید احمد

(۱۶)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی محمد عنایت اللہ !

تمہارا خط پہنچا - تمہاری صحت سے نہایت خوشی ہوئی - کوئی دن نہیں ہوتا کہ تمہارا خیال اور تمہاری صحت کا ذکر نہ ہوتا ہو - خدا تم کو صحت کامل دیوے -

میری طبیعت بھی کسی قدر علیل ہوگئی تھی - اب اچھی ہے ، گو کہ بالکل چاق نہیں ہے - موسم روز بروز اچھا ہوتا جاتا ہے - تمہاری طبیعت درست ہو تو ایک دو روز کے لیے ملنے کو آنا چاہیے - کانفرنس کے اجلاسوں میں ضرور شریک ہونا - خدا تم کو صحیح و تندرست رکھے - والسلام

علی گڑھ ، ۲۶ اکتوبر ۱۸۹۳ء — خاکسار ، سید احمد

(۱۷)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی محمد عنایت اللہ !

کیا میں نے غلطی سے تم کو لکھ دیا ہے کہ تم شروع اپریل میں یہاں

آ جاؤ ؟ اگر ایسا لکھ دیا ہو تو میں نے غلطی سے لکھا ہے ۔ تم کو لازم ہے کہ شروع مارچ میں یہاں آ جاؤ ۔ 'تہذیب الاخلاق' یکم شوال سے جاری ہوگا ۔ پس ضرور ہے کہ تم شروع مارچ میں یہاں آ جاؤ[1] ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۲۱ فروری ۱۸۹۴ع — خاکسار ، سید احمد

(۱۸)

(قلمی مجموعے سے)

تم نے جو کوشش دلی میں رنگوں کے بنوانے کی کی ہے اُس کا شکر کرتا ہوں ۔ جس رنگ کا نمونہ اس کاغذ پر ہے وہ سبز رنگ کی ٹکیا کا ہے ۔ تمھارے پاس جو ٹکیاں موجود ہیں ان میں جو ٹکیا اس رنگ کی یا اس کے قریب قریب ہو ، وہ فی‌الفور بھیج دو تاکہ ڈائی گرام میں رنگ بھرنے کا کام ملتوی نہ ہو جاوے ۔ تم جو شروع مارچ میں یہاں آ جاؤ گے اُس سے مجھ کو نہایت خوشی ہے ۔

ایک نہایت چھوٹا سا مضمون کسی انگریزی کتاب سے تم بھی لکھو ۔ مضمون انگریزی کو اپنی زبان میں لکھو ۔

اپنے والد ماجد سے بھی کہو کہ ایک چھرٹا (سا) مضمون لکھ دیں ۔ مقصود یہ ہے کہ پہلے 'تہذیب الاخلاق' میں متعدد لکھنے والوں کے چھوٹے چھوٹے مضمون چھپیں ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۲۳ فروری ۱۸۹۴ع — خاکسار ، سید احمد

(۱۹)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی محمد عنایت اللہ !

تمھاری صحت کا ازحد ہم کو خیال لگا رہتا ہے اور ہر وقت ہمارا دل

۱۔ جب تیسری اور آخری مرتبہ سرسید نے 'تہذیب الاخلاق' جاری کیا تو اُس کا ایڈیٹر مولوی عنایت اللہ کو بنایا ۔ اسی غرض سے اُن کو دہلی سے بلایا تھا ۔

تمہاری صحت کے لیے خدا سے ملتجی رہتا ہے ۔ تمہارا خط معہ حالات ارسطو پہنچا ۔ نہایت خوشی ہوئی ۔ کیونکہ اُس سے معلوم ہوتا تھا کہ تمہاری طبیعت اچھی ہے ۔ ترجمہ و حالات ، جو تم نے لکھے ہیں ، نہایت عمدہ اور دلچسپ ہیں ۔ میں نہایت شکرگزاری اور احسان مندی سے اُس کو دونوں اخباروں[1] میں چھاپوں گا ۔ میری طبیعت اُن دنوں میں علیل ہو گئی تھی ، اب اچھی ہے ۔ تمہارے والدِ ماجد کی طبیعت کا حال چند روز سے دریافت نہیں ہوا ۔ پوسٹ کارڈ ملفوفہ اپنے والد کو دے دینا ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۱۷ فروری ۱۸۹۵ع   خاکسار ، سید احمد

(۲۰)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی عنایت اللہ !

تمہارا خط پہنچا ۔ تمہاری علالتِ مزاج کا درحقیقت مجھ کو نہایت رنج ہے ۔ جو خیالات کہ تم نے اپنے خط میں ظاہر کیے ہیں وہ لغو ہیں ۔ اگرچہ وہ فی نفسہ تمہاری ذاتی خوبیوں پر دلالت کرتے ہیں لیکن میں نے اُن کو لغو اس لیے کہا کہ میرا اور تمہارا جو واسطہ ہے اُس میں ایسے خیالات لغو ہیں ۔ میں تم کو مثل اپنے بچے کے سمجھتا ہوں ۔ پس ایسی حالت میں اس قسم کے خیالات لغو ہیں[2] ۔ جب تم کو آرام ہو یہاں آ جاؤ ۔ جب تک 'تہذیب الاخلاق' چلتا ہے اس کو چلنے دو ۔ میرا ذاتی کچھ نقصان نہیں ہے ۔ جب وہ نہ چلے گا اُس وقت دیکھا جاوے گا ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۳۱ جنوری ۱۸۹۵ع   خاکسار ، سید احمد

۱۔ یعنی 'علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ' اور 'تہذیب الاخلاق' میں ۔
۲۔ اس مختصر خط میں سرسید نے لفظ ''لغو'' کی خوب بھرمار کی ہے ۔ یہ بھی سرسید کی ایک مخصوص طرزِ تحریر تھی ۔

(۲۱)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی محمد عنایت اللہ !

نہایت عمدہ مضمون اور نہایت عمدہ اور بے مثل ترجمہ پہنچا ۔ بجنسہ و بتامہ تہذیب میں چھاپہ ہوگا ۔ تمہارا نہایت دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۱۴ جون ۱۸۹۵ع خاکسار ، سید احمد

(۲۲)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی محمد عنایت اللہ !

تمہارا خط پہنچا جس سے معلوم ہوا کہ ولایت جانے کا خیال تمہارے خیال میں جم گیا ہے اور اُس نے تمہاری طبیعت پر بہت کچھ اثر کیا ہے ۔ مگر تم نے اُس کے سب پہلو اور اُونچ نیچ پر کافی غور نہیں کیا ۔ تمہاری طبیعت کی پریشانی جو اُس خیال سے ہے (اُس کا) مجھ کو بہت افسوس ہے ، مگر تم اُن لوگوں سے ، جن کو تم اپنا دلی دوست سمجھتے ہو ، بخوبی مشورہ لو ، اُس کے بعد کوئی فیصلہ کرو ۔ یہ یقین جانو دس ہزار روپیہ ہرگز کافی نہ ہوگا ۔ تم سمندر میں غوطہ مارنا چاہتے ہو مگر بغیر اس کے کہ ہر امر پر بخوبی غور و فکر کرو ، غوطہ مارنا عقل کی بات نہ ہوگی ۔ تم ایک ہفتے کے لیے یہاں آؤ اور سید محمود سے اور مجھ سے بات چیت کرو ۔ بلاشبہ خالی پڑے رہنے سے تمہاری طبیعت گھبرا گئی ہے ۔ ہم نے تمہاری بہتری کے لیے تا بمقدور کوشش کی مگر تقدیر اُس کے موافق نہ تھی ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۳۱ جولائی ۱۸۹۵ع خاکسار ، سید احمد

(۲۳)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی محمد عنایت اللہ !

تمہارا خط پہنچا ۔ تمہارا خط پڑھ کر جس قدر رنج ہم کو ہوتا ہے ، بیان نہیں ہو سکتا ۔ خدا تم کو ہر طرح پر صحت کامل دے ۔ اس بات سے خوشی ہوئی کہ بالفعل جو ولایت جانے کا خیال تھا ، اُس کو تم نے ملتوی کر دیا ہے اور اس بات سے بھی طانیت ہوتی ہے کہ تم نے باقاعدہ علاج سول سرجن کا شروع کیا ہے ۔ انشاء اللہ تعالیٰ اُس سے فائدہ ہوگا ۔ ساتویں تاریخ لیفٹیننٹ گورنر آئیں گے اور آٹھویں تاریخ پانچ بجے کالج میں آئیں گے اور اُن کو ایڈریس دی جائے گی ۔ اور آخر اگست میں نواب وقار الامراء بہادر وزیر حیدرآباد تشریف لائیں گے ۔ معلوم نہیں کہ تمہارے والد آٹھویں تاریخ کے جلسۂ ایڈریس میں آئیں گے یا نہیں ۔ مگر اُن سے کہہ دینا کہ جب نواب وقارالامراء تشریف لائیں تو اُن کا آنا واجب ہوگا ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۶ اگست ۱۸۹۵ع　　　　خاکسار ، سید احمد

(۲۴)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی عنایت اللہ !

تمہارا خط مورخہ ۱۸ جولائی پہنچا ۔ مدت سے تمہارا کوئی خط نہیں آیا تھا اور میں ہمیشہ تمہارے خط کا منتظر رہتا تھا ۔ شکر خدا کا کہ مدت بعد تم کو خدا نے توفیق خط لکھنے کی دی ۔ تمہاری طبیعت کی طرف سے اور تمہارے ہمیشہ بیمار رہنے سے جس قدر مجھ کو رنج ہے ، شاید تمہارے ماں باپ کو بھی اس سے زیادہ نہ ہوگا ۔ مگر تقدیری امور میں کسی کو کوئی چارہ نہیں ہے ۔ نہ تمہارے ماں باپ کچھ کر سکتے ہیں اور نہ میں کچھ کر سکتا ہوں ۔ بہرحال ہر وقت یہ خواہش رہتی ہے کہ خدا تعالیٰ تم کو صحیح اور تندرست رکھے اس بات کے دریافت ہونے سے کہ مہوبا سے مراجعت کرتے وقت تم کو

بخار ہو گیا تھا ، افسوس ہوا ۔ مگر تم نے لکھا ہے کہ دو دن سے تخفیف ہے ، اُس سے طانیت ہوئی ۔

شام بہاری لال متوفی نے جو کاغذات اور رجسٹر دفتر انگریزی کے چرائے اور نیز چٹھیات دفتر کی چرا لیں ، اُس سے دفتر بالکل اُلٹ پلٹ ہوگیا اور نیز اُس نے دانستہ دفتر کو ایسی حالت میں ڈال رکھا تھا کہ جیسے ایک ردی کا ڈھیر ۔ بہرحال جس قدر دفتر موجود ہے اُس کی از سر نو ترتیب کرنی ضرور ہوئی ہے ۔ چنانچہ چٹھیات موجودہ کو بہ ترتیب درست کر لیا ہے ۔ اب صرف اُن کا نئے رجسٹروں میں چڑھانا ہے ۔ اس کام میں تمھاری بھی مدد چاہتا ہوں ، بشرطیکہ تمھاری طبیعت بہ صحت کامل ہو ۔ اور بحالت صحت تمھارا یہاں آنے کا ارادہ ہو تو دو ہفتے کے قریب تم کو کام کرنا ہوگا ۔ لیکن یہی شرط ہے کہ تمھاری صحت بالکل صحیح اور تندرست ہو ۔ پس جب تمھاری طبیعت درست ہو جائے تو چند روز کے لیے یہاں آنا ۔ ہم نے سمجھا تھا کہ بعد تشریف لانے مدارالمہام حیدرآباد کے اور مولوی سمیع اللہ خاں سے ملاقات کرا دینے کے اُن کے دل سے پچھلی سب باتیں محو ہو گئی ہوں گی ، لیکن خدا نے اُن کا ایسا کینہ ور دل بنایا ہے کہ اُس کا صاف ہونا غیر ممکن ہے ۔ افسوس ہے کہ انہوں نے اس ملاقات کے بعد پھر وہی راگ گانا شروع کیا اور وہی مخالفت اختیار کی جو روز اول تھی ۔ اور جو کہ اُن کی تحریر میں کالج کے انتظام پر اعتراض تھا ، اس لیے پرنسپل سے اس کا جواب طلب کرنا ضرور تھا ۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ پرنسپل صاحب نے نہایت تفصیل سے اس کا جواب دیا ہے ۔ مدرسے کا کام بدستور چلا جاتا ہے ، جو کچھ کہ مجھ کو افسوس ہے اس غبن کا ہے جو شام بہاری لال نے کیا ، جس کا کبھی خیال بھی نہ تھا ۔ بہرحال خدا نے بہت سی مشکلات سے کالج کی حمایت کی ہے ۔ اس مشکل کو بھی خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے حل کر دے گا ۔ خدا اُن سب لوگوں کے دلوں میں ، جو مدرسے کے حامی ہیں ، استقلال اور ہمت قائم رکھے اور تم کو خدا صحیح اور تندرست رکھے ۔ اپنے والد کو میرا بہت بہت سلام کہنا اور اُمید ہے کہ وہ ۲۶ جولائی کو یہاں تشریف لائیں گے اور اجلاس میں شریک ہوں گے ۔

والسلام

علی گڑھ ، ۱۸ جولائی ۱۸۹۶ع — خاکسار ، سید احمد

(۲۵)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی محمد عنایت اللہ !

تمہارا خط مورخہ یکم فروری مع پیکٹ رجسٹری شدہ ترجمہ تاریخ مسٹر آرنلڈ[۱] پہنچا ۔ میں اُس ترجمے کو نہایت غور سے دیکھوں گا اور جو حال ہوگا تم کو لکھوں گا ۔ آیتیں قرآن مجید کی ، جو تم کو نہیں ملیں ، وہ میں ڈھونڈ کر نکال لوں گا ۔ جس طرح تمہاری خواہش ہے ، میری بھی خواہش ہے کہ ترجمہ نہایت عمدہ ہو اور جو کچھ مجھ سے ہو سکے گا اس کی نسبت کوشش کروں گا ۔ اگرچہ میں یقین کرتا ہوں کہ تم مجھ سے زیادہ عمدہ اُردو لکھتے ہو ۔ تم تو دلی کے رہنے والے ہو اور میں علی گڑھ کا رہنے والا ۔ اور دلی چھوڑے ہوئے مجھ کو دو جگ سے (بھی) زیادہ ہوگئے ۔ مگر مجھ کو اس بات سے کہ تم مجھ سے زیادہ عمدہ اُردو لکھو ، بے انتہا خوشی ہوگی ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۲ فروری ۱۸۹۷ء — خاکسار ، سید احمد

اپنے والد کی خدمت میں میرا بہت بہت سلام کہہ دو ۔

(۲٦)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی محمد عنایت اللہ !

تمہارے مرسلہ ترجمے کو میں نے دو دفعہ پڑھا اور نہایت ہی دل خوش ہوا ۔ اگر تمہارے والد ماجد نے بھی یہ ترجمہ دیکھا ہے تو وہ بھی خوش ہوئے ہوں گے ۔ مگر تم کو یقین ہوگا کہ تمہاری لیاقت اور سعادت مندی سے میں تمہارے والد ماجد سے بھی زیادہ خوش ہونے والا ہوں ۔ شاید کہیں کہیں

۱- یہ ترجمہ مسٹر آرنلڈ کی کتاب Preaching of Islam کا تھا جو مولوی عنایت اللہ نے ''دعوتِ اسلام'' کے نام سے سرسید کی فرمائش پر کیا تھا ۔ آئندہ خطوط بھی اسی ترجمے کے بارے میں ہیں ۔

ایک آدھ لفظ گھٹانا بڑھانا ہوگا اور بعض جگہ میں مترجم کی طرف سے کچھ مختصر نوٹ لکھنا چاہتا ہوں ۔ اُمید ہے کہ تم منظور کرو گے ۔ دوسری تبدیلی میں یہ کرنی چاہتا ہوں کہ اُردو کے بیچ میں جو عربی قرآن کی آیتیں آ گئی ہیں اُن کو یعنی اصل آیتوں کو تو نوٹ میں لکھا جائے اور اُن کا نہایت فصیح اور بامحاورہ ترجمہ اُردو عبارت کے ساتھ لکھا جائے تاکہ اُردو پڑھنے والوں کو کچھ دقّت نہ رہے ۔ میں چار پانچ صفحے تمھارے ترجمے کے اسی طرح پر لکھ کر تمھارے پاس بھیجوں گا ۔ اگر تم پسند کرو گے تو تمام کتاب کو اسی طرح پر درست کر دوں گا ۔ ابھی میں تمھارے ترجمے کو اور پانچ چھ مرتبہ پڑھوں گا ، اور جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا ، اس کی خوبی اور عمدگی میں کوشش کروں گا ۔ تم نے یہ ایسا کام کیا ہے جس کی نظیر آج تک اُردو لٹریچر میں نہیں مل سکتی ۔ خدا تم کو زندہ اور صحیح اور تندرست رکھے ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۵ فروری ۱۸۹۷ع　　　　　　خاکسار ، سید احمد

(۲۷)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی محمد عنایت اللہ بی ۔ اے !

جو ایڈریس تہنیت ملکۂ معظمہ قیصر انڈیا کو بھیجی جائے گی ، اس کی پیشانی پر دلی کی جامع مسجد کا نقشہ نہایت عمدہ ہاتھ سے بنایا جائے گا ۔ مگر قبل اُس کے نقشوں کا دیکھنا منظور ہے کہ کون سا نقشہ عمدہ ہے ۔ اُمید ہے کہ وہاں کے مصوّروں کے پاس نقشہ جات مختلف طرح کے جامع مسجد کے ہوں گے ۔ آپ اُن سے وہ نقشہ جات لےکر بھیج دیجیے تاکہ اُن میں سے کوئی نقشہ پسند کیا جائے ۔ اور یہ بھی لکھیے کہ کون نہایت عمدہ مصوّر ہے جو اس نقشے کو بناوے گا ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۸ فروری ۱۸۹۷ع　　　　　　خاکسار ، سید احمد

(۲۸)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی محمد عنایت اللہ صاحب بی ۔ اے !

یہاں لیمو نہیں ملتے ۔ اُمید ہےکہ دلی میں ضرور ملتے ہوں گے ۔ آپ مہربانی سے سیر یا دو سیر لیمو بازار سے خرید کر اور ایک ٹوکری میں بند کر کے جس قدر جلد ہو سکے ، بھیج دیجیے ۔ بلٹی بھی اسی کے ساتھ بھیجیے گا تاکہ ٹوکری اور بلٹی ساتھ پہنچے ۔ لیمو منگانے کے سبب تم یا تمھارے والد تردد نہ کریں ۔ صرف تفریحِ طبع کے لیے منگائے گئے ہیں ۔ کسی بیماری کی وجہ سے نہیں منگائے ۔ اپنے والد ماجد کو میرا بہت بہت سلام کہنا ۔ مجھے اُمید ہے کہ سوسائٹی کا اخبار تمھارے والد کے پاس جاتا ہے ۔ اگر نہ جاتا ہو تو مجھے اطلاع دو تاکہ میں تاکید کر دوں کہ جایا کرے ۔ آج کے اخبار میں ایک آرٹیکل علومِ عربیہ پر چھپے گا ۔ اس کو تم بھی پڑھنا اور اپنے والد ماجد سے کہنا کہ اُن کی رائے اس آرٹیکل کی نسبت کیا ہے ؟ اُنھوں نے مدت سے کوئی مضمون اخبار کے لیے نہیں دیا ۔ اُن سے عرض کرو کہ کوئی چٹ پٹا مضمون عنایت کریں ۔

علی گڑھ ، ۱۷ اپریل ۱۸۹۷ء خاکسار ، سید احمد

(۲۹)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی محمد عنایت اللہ صاحب بی ۔ اے !

آپ کا عنایت نامہ پہنچا ۔ لیموؤں کی بلٹی ریل پر بھیج دی ہے ۔ یقین ہے کہ تھوڑی دیر میں آ جائیں گے ۔ مگر میں نے سنا ہے کہ دلی میں بھی لیمو بہت مہنگے ہیں ۔ معلوم نہیں کہ آپ کو دو سیر لیمو کس قیمت کو ملے ہیں ۔ بہرحال آپ نے تلاش کر کے خریدا اور روانہ کیا ، اس کا میں بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ عرق لیمو کی بالفعل ضرورت نہیں ہے ۔ اپنے والد ماجد کو میری طرف سے بہت بہت سلام کہہ دیجیے ۔ یقین ہے کہ اخبار پہنچ گیا ہوگا اور تم نے اُس آرٹیکل کو پڑھا ہوگا ۔ اگرچہ کچھ زیادہ عمدہ نہیں ہے مگر

مولوی مہدی علی صاحب اُس کو بہت پسند کرتے ہیں ۔ تمہاری صحت اور تندرستی کی میں ہمیشہ خدا سے التجا کرتا رہتا ہوں ۔

اس بات کے سننے سے کہ احمد علی بھی ڈپٹی کلکٹر مقرر ہو گیا ہے ، تم اور تمہارے والد بہت خوش ہوئے ہوں گے ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۱۹ اپریل ۱۸۹۷ع خاکسار ، سید احمد

(۳۰)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی محمد عنایت‌اللہ بی ۔ اے !

آپ کا خط مورخہ ۲۲ جون پہنچا ۔ آپ کے بخیر و عافیت دہلی پہنچنے سے اور وہاں سب طرح خیر و عافیت ہونے سے نہایت طمانیت ہوئی ۔ تم نے جو یہاں آنے کی تکلیف گوارا کی اور دو مہینے تک بہ سبب غیر حاضری خواجہ وجیہ‌الدین کے تمام کاموں کو انجام دیا اس کا میں نہایت شکر ادا کرتا ہوں ۔ تم سے مجھ کو اس سے زیادہ ہمدردی کی توقع ہے ۔ اس خط میں تمیں ملفوف کرتا ہوں تین نقشے اُس میڈل کے جو جوبلی کی یادگار میں بنائے جاویں گے ۔ ایک نقشہ جس میں کوئین کی تصویر ہے ، اس پر میں نے بجائے کنڈے کے کاغذ کتر کر ایک لمبا نشان بنا دیا ہے ۔ اس مطلب سے کہ تمغے میں فیتہ ڈال کر لٹکایا جاوے گا ، کنڈہ نہیں رہنے کا ۔ علاوہ اس کے دو نقشے ہیں ۔ ایک میں کوئین کی تصویر ہے جس پر کنڈا بنا ہوا ہے ۔ اس کنڈے کو تم مٹا دو اور اس پر ویسا ہی نقش بنا دو یا کسی سے بنوادو جیسا کہ کاغذ کترا ہوا جما ہوا ہے ۔ دوسرا نقشہ وہ ہے جس میں کھجور کا درخت ہے ۔ اس پر بھی ویسا ہی نقش بنا دو جیسا کاغذ کا کترا ہوا پہلے نقشے پر جما ہوا ہے ۔ مگر معلوم رہے کہ کاغذ جو میں نے کتر کر چپکایا ہے وہ نہایت بھدا ہے اور تمغے کے قد کی بہ نسبت کسی قدر بڑا بھی معلوم ہوتا ہے ۔ تم تمغے کے قد کے مناسب اس کی لمبان رکھنا اور نہایت خوبصورت اور سبک بنانا ۔ بہتر یہ ہے کہ نذیر حسین صاحب مصوّر سے بنوا دو ، اس لیے کہ یہ نقشے ڈائی بنانے کو جاویں گے اور جیسا نمونہ بھیجا

جاوے گا ویسی ہی ڈائی بناویں گے - ان کو جلد بنوا کر بھیج دو - والسلام

علی گڑھ ، ۲۵ جون ۱۸۹۷ع خاکسار ، سید احمد

(۳۱)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی محمد عنایت‌اللہ بی - اے !

میں منشی قادر علی خاں صاحب صوفی کا خط اور دو صفحے مطبوعہ ، جو بطور نمونہ اُنھوں نے بھیجے ہیں ، تمھارے پاس بھیجتا ہوں - بعدِ ملاحظہ اُن سب کو واپس کرو اور اپنی رائے لکھو کہ کون سی تقطیع پر کتاب کو چھپوانا تمھارے نزدیک مناسب ہے - میں تو سمجھتا ہوں کہ چھوٹی تقطیع کا جو نمونہ ہے ، اس پر چھپوانا مناسب ہوگا - آرنلڈ صاحب سے بھی اس باب میں رائے پوچھی ہے مگر ابھی اُنھوں نے کچھ جواب نہیں دیا - والسلام

علی گڑھ ، ۲۹ جون ۱۸۹۷ع خاکسار ، سید احمد

(۳۲)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی محمد عنایت اللہ بی - اے !

تمھارا خط مورخہ ۱۱ - اگست پہنچا - تمھاری خیر و عافیت سے طمانیت ہوئی - بے شک مسٹر آرنلڈ کی کتاب[۱] کا ترجمہ نہایت مشکل کام ہے اور تم نے اس پر بہت محنت کی ہے اور بقیہ بابوں کے ترجمے میں بھی نہایت محنت اُٹھانی پڑے گی مگر تمھاری سعی سے ایک نہایت عمدہ کام مسلمانوں کے لیے ہو گیا ہے - ان دنوں میں میری طبیعت اچھی نہیں رہی اور کوئی کام نہیں ہو سکا مگر

۱- یہ خط مسٹر آرنلڈ کی کتاب پریچنگ آف اسلام کے ترجمے کی طباعت کے متعلق ہے - یہ ترجمہ مولوی عنایت اللہ نے دعوتِ اسلام کے نام سے کیا تھا - کتاب بالآخر ۸/۲۶ × ۲۰ کی تقطیع پر چھپی مگر سرسید کے انتقال کے بعد -

اب کسی قدر اچھی ہے ، البتہ سست ہے ۔ اور میں پہلے باب کا ترجمہ چھپنے کو بھیج دوں گا اور شاید نجم الدین سے اس کی نقل لکھوانے کی ضرورت نہیں ہوئے کی ۔ اس بات میں پس و پیش کر رہا ہوں کہ قرآن مجید کی اصل آیتیں متن میں داخل رہیں یا نوٹ میں ۔ پہلے میری رائے تھی کہ نوٹ میں داخل رہیں مگر اب یہ خیال ہے کہ متن میں (ہی) رہنی چاہییں ۔

میرا خیال ہے کہ چار عہدے ٹرسٹیوں کے ، جو معمور ہونے سے باقی رہ گئے ہیں ، (اُن میں) تم کو بھی ٹرسٹی مقرر کیا جائے کیونکہ تم سے توقع ہے کہ ہمیشہ دوست اور خیرخواہ کالج کے رہو گے ۔ اس خیال کا جب ظہور ہونے کو ہوگا تو میں تم کو اطلاع دوں گا ۔ سر منڈوں والے نوٹ لکھنے میں مجھے ابھی تک تردد ہے ۔ میں نے اور کتابوں سے بھی کچھ تلاش کیا ہے مگر یہ بات کہ لائٹ بنانے کے وقت تلوار کا نشان دیا جاتا تھا یا کندھے پر رکھی جاتی تھی ، اب تک کسی کتاب میں نہیں ملا ۔ خیر جس طرح پر مناسب ہوگا اس نوٹ کو لکھ دوں گا ۔ اپنے والد ماجد کی خدمت میں میری طرف سے بہت بہت سلام کہنا اور التماس کرنا کہ ۲۲۔ اگست کے اجلاس میں اُن کا آنا اور شریک ہونا ضرور ہے ۔

علی گڑھ ، ۱۲ اگست ۱۸۹۷ع — خاکسار ، سید احمد

(۳۳)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی محمد عنایت‌اللہ بی ۔ اے !

ساتواں باب اپنے ترجمے کا ، جو تم نے کاتب سے صاف کرا کر بھیجا ہے ، نہایت ہی عمدہ ہے اور بے شک اسی خط سے کتاب صاف کر کے چھاپنے کو بھیجی جاوے ۔ باب اول میں تغیّر و تبدّل زیادہ ہوئی ہے ۔ نجم الدین کو تو اس قدر فرصت نہیں ہے کہ وہ اُس کو صاف کرے ۔ مع هذا اُس کا خط ایسا موٹا ہے کہ آپ کے مقررہ کاتب نے جو عبارت ایک صفحے پر لکھی ہے وہ دو صفحے پر لکھے گا ۔ آپ چند روز یعنی ایک ہفتے کے لیے بلکہ اُس سے بھی زیادہ (عرصے کے لیے) اُس کاتب کو میرے پاس بھیج دیجیے تاکہ میں صرف باب

اوّل اپنے سامنے اُس سے صاف کرا لوں - اُس کے بعد وہ واپس جاوے گا - باب اوّل جب تک میرے سامنے صاف نہیں ہوگا (اور) پھر درست نہ ہوگا ، مجھے اطمینان نہیں ہونے کا - جس کاغذ پر تم نے کتاب لکھی اور صاف کرائی ہے اُس قسم کا کاغذ یہاں نہیں ہے - اُسی کاتب کے ہاتھ کاغذ بھی بھیج دو - اگر تم بھی ایک ہفتے کے لیے یہاں آ جاؤ تو نہایت خوشی ہوگی ، کیونکہ چند باتیں تم سے صلاح کرنے کی ہوں گی - اگر تم نہ آئے تو میں اپنی عقل کے موافق کاتب سے لکھوا لوں گا - والسلام

علی گڑھ ، ۲۸ اگست ۱۸۹۷ء خاکسار ، سید احمد

مکرر یہ ہے کہ اگر کاتب کے بھیجنے میں دقّت ہو تو اُس کو نہ بھیجو - کاغذ اُس قسم کا بھیج دو - نجم الدین اُسی کو صاف کر دے گا مگر کاغذ جلد بھیج دو - والسلام

سید احمد

(۳۴)

عزیزی محمد عنایت‌اللہ بی - اے !

تمہارا خط مورخہ ۳۱- اگست پہنچا - تم نے جو کاغذ بھیجا تھا وہ پہنچا - ایسا کاغذ یہاں نہیں مل سکتا تھا - تمہارے ترجمے کے پہلے باب کی نجم‌الدین سے اُس پر نقل لکھوائی جاوےگی - دو دن سے وہ بیمار ہو گیا ہے - جب تم یہاں آؤگے مجھے نہایت خوشی ہوگی - الہاشمی کا عربی خط بنام الکندی ہمارے پاس کتاب میں چھپا ہوا موجود ہے - مولوی وحید الدین صاحب[۱] (سلیم) اُس کا ترجمہ کر دیں گے - انگریزی سے اُس کے ترجمے کی ضرورت نہیں - مولوی وحیدالدین صاحب پندرہ دن کی رخصت پر (اپنے وطن) جاتے ہیں - آ کر ترجمہ کر دیں گے - جس وقت پہلا باب نقل ہو گیا اُسی وقت چھپنے کو بھیج دیا جاوے گا -

میں ہمیشہ تمہاری صحت و سلامتی خدا سے چاہتا ہوں - جناب شمس‌العلماء

۱- مولوی سید وحیدالدین سلیم پانی پتی عربی و فارسی کے جیّد عالم ، اُردو کے زبردست ادیب ، اعلیٰ پائے کے شاعر اور سرسید کے لٹریری اسسٹنٹ تھے -

خانْ بہادر کی خدمت میں بہت بہت سلام - میں عنقریب کتابیں روانہ کروں گا -
والسلام

علی گڑھ ، ۲ ستمبر ۱۸۹۷ء   خاکسار ، سید احمد

(۳۵)

(قلمی مجموعے سے)

تمہارا خط مورخہ ۱۴ ستمبر پہنچا - اس بات کے دریافت ہونے سے کہ تمہارے والد ماجد کا بخار جاتا رہا ، نہایت خوشی ہوئی - خدا تعالیٰ اُن کو صحیح اور تندرست رکھے - ہماری قوم میں (وہ) صرف ایک ہی شخص بے نظیر ہیں - علاوہ بے نظیر ہونے کے اُن کی محبت اور دوستی اپنے ہر ایک نیازمندوں کے ساتھ بے نظیر و بے مثل ہے - میں عنقریب تمہارے پاس کچھ روپیہ بھیج دوں گا تاکہ کاتب کی تنخواہ وغیرہ میں دیا جائے - 'مسلم کرانیکل' اور 'پنجاب آبزرور' سے اشتہاروں کی چھپوائی دریافت کرنا بے فائدہ ہے کیونکہ وہ انگریزی اخبار ہیں - اُردو کتاب کے اشتہار سے کچھ فائدہ نہیں - 'پیسہ اخبار' اور 'اودھ اخبار' میں اپنی کتابوں کا اشتہار چھپوانا میں پسند نہیں کرتا - 'کل بالفعل پانسو کتابیں چھپوائی جاتی ہیں - اُن کو ہم کسی نہ کسی طرح فروخت کر لیں گے - قریب چالیس پچاس کے اس وقت خریدار موجود ہوگئے ہیں - مگر جب تک نقد روپیہ نہ آ جائے اُس وقت تک کوئی اعتبار نہیں - آج میں نے اشتہار تقسیم کیے ہیں اور اُمید ہے کہ روپیہ آ جاوے گا - حیدرآباد کے ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم کو میں خط لکھوں گا اور اُمید ہے کہ سو کتابیں وہاں ضرور خریدی جاویں گی - اور اور دوستوں سے بھی خط و کتابت کروں گا اور اشتہار بھیجوں گا - اپنے والد کی خدمت میں میرا بہت بہت سلام کہہ دو - والسلام

علی گڑھ ، ۱۶ ستمبر ۱۸۹۷ء   خاکسار ، سید احمد

(۳۶)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی محمد عنایت‌اللہ بی - اے!

تمہارا خط مورخہ ۱۳ ستمبر پہنچا - بمجرّد پہنچنے اس خط کے اپنے والد کی خیر و عافیت سے اطلاع دو - غالباً اُن کو بسبب نزلہ کے بخار ہوگیا ہوگا اور اب طبیعت اچھی ہوگی - مگر جب تک تمہارا خط نہ آوے گا، طبیعت متردد رہے گی - تمہارے ترجمے کا نصف بابِ دوم بھی درست کر کے آج چھپنے کو روانہ کر دیا ہے - نصفِ باقی بھی عنقریب روانہ کر دیا جاوے گا -

ترجمہ کتاب کی بابت، قیمتِ کاغذ، خواہ بابت اُجرتِ کاتب، خواہ بابت اخراجاتِ آمد و رفتِ علی گڑھ، جو خاص ترجمے کے واسطے آئے گئے ہو، جس قدر اخراجات ہوں اُن کی یادداشت لکھتے جاؤ تاکہ وہ تمام اخراجات معہ اُس خرچ کے، جو میرے دل میں ہے، وہ سب اخراجات چھاپہ کتاب میں داخل کیے جاویں - میں نے کتاب کی قیمت مقرر کر کے اشتہار دے دیا ہے - تمہارے پاس بھیجوں گا - میں چاہتا ہوں کہ قبل چھپنے کتاب کے روپیہ جمع ہو جائے - والسلام

علی گڑھ، ۱۴ ستمبر ۱۸۹۷ء   خاکسار، سید احمد

(۳۷)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی محمد عنایت‌اللہ بی - اے!

تمہارا خط مورخہ ۶- اکتوبر پہنچا جس میں بہت سے مطالب متعلق کتاب مسٹر آرنلڈ درج ہیں - جو کہ تم نے خود لکھا ہے کہ بعد ۱۸- اکتوبر کے تم یہاں آ جاؤ گے اس لیے کسی کے جواب لکھنے کی ضرورت نہیں - زبانی سب امور طے ہو جاویں گے - آنے کی تاریخ اور وقت سے اطلاع دو - والسلام

خاکسار، سید احمد

مکرر یہ کہ اپنے والدِ ماجد کی خدمت میں میرا بہت بہت سلام کہہ دو ۔

علی گڑھ ، ۷ اکتوبر ۱۸۹۷ع سید احمد

(۳۸)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی محمد عنایت‌اللہ بی ۔ اے !

تمہارا خط مورخہ ۲ نومبر ، جو کاغذوں میں بندھ گیا تھا ، آج میری نظر سے گزرا ۔ تمہاری علالتِ طبع کا مجھ کو نہایت افسوس ہوا ۔ اُمید کہ تم اپنی خیر و عافیتِ مزاج سے جلد مطلع کرو گے ۔ بلٹی جو کتابوں کی بھیجی ، وہ اس وقت میں نے ریل پر بھیج دی ہے ۔ اُمید ہے کہ کتابیں آ جاویں گی ۔ اپنے والدِ ماجد کو میری طرف سے بہت بہت سلام کہہ دو اور اپنی خیر و عافیتِ مزاج سے مطلع کرو ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۵ نومبر ۱۸۹۷ع خاکسار ، سید احمد

(۳۹)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی محمد عنایت‌اللہ بی ۔ اے

تمہارا خط مورخہ ۱۷ دسمبر میرے پاس پہنچا ۔ اس عرصے میں جو تمہاری طبیعت علیل ہو گئی تھی اُس کا نہایت افسوس ہے ۔ تمہاری صحت و سلامتی کی میں ہر وقت خدا سے تمنّا رکھتا ہوں ۔ مجھ کو معلوم ہوا کہ تیسرا اور چوتھا باب بھی لکھا جا چکا ہے اور منشی قادر علی خاں صاحب صوفی نے پانچواں اور چھٹا باب طلب کیا تھا ۔ چنانچہ میں نے باحتیاط بعد رجسٹری روانہ کر دیا ہے ۔ غرض کہ اُس کے چھپنے کا لگّا لگ گیا ہے ۔ خدا نے چاہا تو بخوبی جلد چھپ جاوے گی ۔ اپنے والدِ ماجد کو میری طرف سے بہت بہت سلام کہہ دو ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۱۸ دسمبر ۱۸۹۷ع خاکسار ، سید احمد

(۳۰)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی محمد عنایت اللہ صاحب بی - اے !

آپ کا خط مورخہ ۳ جنوری در بابِ ترجمہٗ خط الہاشمی پہنچا - خیال تھا کہ اس خط کے ترجمے کی کچھ جلدی نہیں ہے اور تم نے ایک خط میں یہاں آنے کو بھی لکھا تھا ، اس سبب سے اُس کے ترجمے میں تاخیر ہوئی - اب مولوی وحید الدین صاحب اُس کے ترجمے پر متوجہ ہوئے ہیں اور امید ہے کہ ہفتے عشرے میں اُس کا ترجمہ پورا ہو جاوے گا اور آپ کی خدمت میں بھیج دیا جاوے گا -[۱]

مسٹر آرنلڈ نے (بھی) ایک ترجمہ اُس تمام کتاب کا ، یعنی خطِ ہاشمی کا ، معہ اُس کے جواب کے ، جو پادریوں نے کرایا ہے ، میرے پاس بھیج دیا ہے - مگر وہ ترجمہ ایسا خراب اور ناقص ہے کہ تمہارے ترجمے کے ساتھ شامل نہیں ہو سکتا اور اس لیے جدید ترجمہ اُس خط کا ہونا ضرور ہے - پس عنقریب ترجمہ آپ کے پاس پہنچے گا -

مگر مشکل یہ ہے کہ الہاشمی نے جو خط لکھا ہے اور جو دلائل صحتِ مذہبِ اسلام کے لکھے ہیں وہ نہایت بودے اور نامعقول ہیں - میں حیران ہوں کہ اُس کی نسبت کیا کیا جائے - ہر چند میں غور کرتا ہوں کہ کچھ نوٹ اُس پر لکھے جاویں مگر اب تک سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کیا جائے - بہرحال جو کچھ رائے قرار پائے گی اُس سے میں آپ کو اطلاع دوں گا - اپنے والدِ ماجد کو بہت بہت سلام میری طرف سے کہہ دو اور یہ بھی کہو کہ جو ٹرسٹیوں کے سالانہ اجلاس کے کاغذ اُن کے پاس بھیجے گئے ہیں (تو) ووٹ کے کاغذ پر جلد تر اپنی رائے تحریر فرما کر بھیج دیجیے کیونکہ ووٹوں کے جلد آ جانے کی ضرورت ہے - والسلام

علی گڑھ ، ۷ جنوری ۱۸۹۷ع[۲] خاکسار ، سید احمد

۱- مولوی وحید الدین سلیم نے یہ ترجمہ کر دیا تھا اور مولوی عنایت اللہ نے اسے ''دعوتِ اسلام'' میں شامل کر دیا تھا -

۲- پہلے ایڈیشن میں تاریخ ۷ جنوری ۱۸۹۷ع غلط چھپ گئی تھی - صحیح تاریخ ۷ جنوری ۱۸۹۸ع ہے -

(۳۱)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی مجد عنایت اللہ صاحب بی - اے !

تمہارا خط مورخہ ۹ فروری پہنچا اور جو پیکٹ ترجمے کا تم نے بھیجا تھا وہ بھی پہنچا ، جس میں آرنلڈ صاحب کا دیباچہ اور ضمیمہ دوم و سوم کا ترجمہ ہے - تم نے بہت اچھا کیا کہ جس قدر حصے الہاشمی کے خط کے آرنلڈ صاحب نے اپنی کتاب میں لکھے ہیں ، اسی قدر کا ترجمہ رکھا ہے -

(اس کتاب پر) ایک دیباچہ مترجم کی طرف سے ہونا چاہیے - تم بصلاح اپنے والد ماجد کے مترجم کی طرف سے اس کا دیباچہ لکھو اور میرے پاس بھیج دو - میں بھی اس کو دیکھ لوں گا - میں نے سنا ہے کہ چھ باب تک کاپیاں تیار ہو گئی تھیں اور چھپنے کو (بھیج دی گئی) تھیں - غالباً چھپ گئی ہوں گی - مطبع والوں نے کچھ روپیہ پیشگی مانگا تھا ، وہ بھیجا نہیں گیا - مگر میں نے اُن کو تاکید لکھی ہے کہ کتاب کے جلد چھاپنے کا انتظام کریں - جس قدر چھپی ہے میرے پاس ابھی نہیں آئی - جس وقت آئی تمہارے پاس روانہ کروں گا -

میری طبیعت بھی جیسی چاہیے ویسی اچھی نہیں رہتی - اُمید ہے کہ خدا کی عنایت سے تم اور تمہارے والد ماجد اچھی طرح ہوں گے - والسلام

علی گڑھ ، ۱۱ فروری ۱۸۹۸ء — خاکسار ، سید احمد

(۳۲)

(قلمی مجموعے سے)

عزیزی مجد عنایت اللہ صاحب بی - اے !

آپ کا خط مورخہ ۱۳ فروری پہنچا - جو نسخہ آپ کے پاس خواجہ وجیہ الدین صاحب نے بھیجا ہے وہ نسخہ نہیں ہے بلکہ چار دواؤں کے نام ہیں - اُن کو علیحدہ علیحدہ چار شیشیوں میں ہونا چاہیے - پس آپ مہربانی سے اُن چاروں دواؤں کو چار شیشیوں میں خرید لیں اور میرے پاس بذریعہ ڈاک کے بھیج دیں اور اُن کی قیمت سے مجھ کو اطلاع دیں - والسلام

اپنے والد ماجد کو میرا بہت بہت سلام کہہ دو - والسلام

علی گڑھ ، ۱۵ فروری ۱۸۹۸ء — خاکسار ، سید احمد

٦۵

بنام مولانا عنایت رسول چریاکوٹی

مولانا عنایت رسول عباسی چریاکوٹی ، مولوی محمد فاروق کے بڑے بھائی اور قاضی علی اکبر کے فرزند تھے - اپنے زمانے کے مشاہیر علما میں ان کا شمار ہوتا تھا - علم معقول و منقول ، تفسیر ، حدیث ، فقہ ، منطق ، فلسفہ اور ریاضی کی تعلیم اُس وقت کے جیّد علما سے پائی - مختلف علوم و فنون میں کامل دستگاہ رکھتے تھے - عیسائیوں سے مباحثے کے شوق نے عبرانی کی طرف مائل کیا اور کلکتہ جا کر ایک یہودی فاضل سے عبرانی زبان حاصل کی اور توریت ، زبور اور انجیل کا عبرانی میں مطالعہ کیا - سرسید نے اپنی کتابوں اور مضامین میں جس قدر عبارتیں عبرانی میں لکھی ہیں ، سب میں مولانا عنایت رسول کی زبردست امداد اُن کے شاملِ حال رہی - ۱۸۲۸ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۰۲ء میں وفات پائی - اُن کی مشہور کتاب 'بشریٰ' ہے جس میں قدیم عبرانی صحافت سے حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے متعلق پیشگوئیاں نکال کر ایک جگہ جمع کر دی ہیں - یہ کتاب علی گڑھ میں ۱۹۳۸ء میں چھپی تھی -

(۱)

(رسالہ 'معارف' اعظم گڑھ، بابت ماہ فروری ۱۹۲۰ء)

علی گڑھ، ۱۸ جون ۱۸۹۵ء

جناب مولانا مخدوم مکرم من مولوی عنایت رسول صاحب!

آپ کا عنایت نامہ پہنچا جس میں کتاب 'بشریٰ' کی نقل روح کے بارے میں ہے اور اس کے اُوپر لفظ تتمہ لکھا ہوا ہے۔ میرے پاس آپ کے بھیجے ہوئے صرف دو کاغذات پہنچے۔ ایک تو وہ ہے جس میں آپ نے نسبت اعجاز قرآن کے بہت لمبا مضمون لکھا ہے اور مولوی مہدی علی کی تحریر پر کچھ تعریض کی ہے اور دوسرا یہ حال کا عنایت نامہ ہے روح کے معاملے میں جس پر لفظ 'تتمہ' درج ہے۔ اس کے سوا کوئی کاغذ آپ کا مرسلہ میرے پاس نہیں پہنچا۔ حال میں جو عنایت نامہ آیا ہے اور جس کے مضمون پر تتمہ لکھا ہوا ہے اس سے گمان ہوتا ہے کہ اس سے پہلے آپ نے اور بھی کوئی کاغذ بھیجا ہے جس کا یہ تتمہ ہے۔ مگر وہ کاغذ میرے پاس نہیں پہنچا۔ اگر وہ کاغذ ضائع ہوگیا ہو تو نہایت ہی افسوس ہے۔ امید کہ آپ مطلع فرمائیے کہ سوائے ان دو کاغذوں کے اور کوئی کاغذ آپ نے بھیجا تھا یا نہیں۔

بارش شروع ہوگئی ہے۔ اس موسم میں آپ کا ارادہ تشریف لانے کا ہے یا نہیں۔ اگر ہو تو مجھ کو اطلاع فرما ویں تاکہ میں ایک ملازم آپ (کے) پاس بھیج دوں تاکہ وہ آپ کو ساتھ لے کر یہاں آ جاوے[1]۔

خاکسار، سید احمد

(۲)

جناب مولانا مخدوم و مکرم من مولوی عنایت رسول صاحب!

آپ کا نوازش نامہ مورخہ ۸ اکتوبر ۱۸۹۵ء میرے پاس پہنچا۔ میرے افتخار کا باعث ہوا۔ اس بات کے دریافت ہونے سے کہ آپ کا مصمم ارادہ علی گڑھ تشریف لانے کا ہے، نہایت خوشی ہوئی۔ درحقیقت آپ سے ملازمت کیے

۱۔ یہ خط رسالہ 'فکر و نظر' علی گڑھ میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

ہوئے بہت عرصہ ہوا ہے - رات کے وقت آگ کمرے میں روشن رہنے کی آپ کچھ فکر نہ فرماویں - میرے پاس ایک بہت بڑی انگیٹھی تیار ہے - کوئلے بھی بہت کثرت سے ملتے ہیں - غرض کہ جس طرح آپ کو آرام ہوگا ، حتی القدور بذاتِ خود میں آپ کی خدمت ادا کروں گا -

واقعاتِ معراج کے اختلافات جو آپ نے لکھے ہیں ان کے تعین کی مجھ کو چنداں ضرورت نہیں تھی - صرف اس بات کے بیان کی ضرورت تھی کہ معراج زمانہ نبوت میں کے رات کو ہوئی - چنانچہ اس کو میں نے بیان کیا ہے -

آپ کے یہاں تشریف لانے سے ہر قسم کے فوائد ہوں گے - نہ صرف مجھ کو بلکہ اور چند دوستوں کو (بھی) جو آپ کی ملازمت کے مشتاق ہیں -

۲۵ اکتوبر کو کالج کھل جاوے گا اور امید ہے کہ اُس وقت تک مولوی شبلی صاحب بھی تشریف لے آئیں گے - اگر ایسی صورت ہو کہ آپ کا اور مولوی شبلی صاحب کا ساتھ آنا ہو تو شاید آپ کو راستے میں آرام ملے ، ورنہ آپ غازی پور سے مجھ کو اطلاع کیجیے گا - میں ایک آدمی غازی پور بھیج دوں گا کہ آپ کے ساتھ رہے گا اور راہ میں آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونے کی - والسلام

خدا تعالیٰ آپ کو زمانہ دراز تک زندہ اور سلامت رکھے -

۱۰ اکتوبر ۱۸۹۵ء خاکسار ، سید احمد

(۳)

جناب مولانا مخدوم و مکرمِ من مولوی عنایت رسول صاحب !

آپ کا نوازش نامہ پہنچا - ممنونِ عنایت ہوا - جو بت کے مقامِ لینوہ سے نکلے ہیں ان کا حال[1] . . . میں چھاپوں گا - طوفان کا حال اور ابتدائے کائنات (کا) حال اینٹوں پر (کندہ[2]) کیا ہوا برآمد ہوا ہے - طوفان کا حال آیندہ 'تہذیب الاخلاق' میں چھاپا ہوگا -

---

۱- اصل خط میں یہاں جگہ چھوٹی ہوئی ہے -

۲- 'کندہ' کا لفظ میں نے اپنی طرف سے لکھ دیا ہے - اصل خط میں جگہ چھوٹی ہوئی ہے -

اس وقت اُن (لوگوں) کا (حال) دریافت کرنا منظور ہے جن کو یہودی نبی یا پیغمبر مانتے تھے اور ان کا جن کو پیغمبر نہیں مانتے بلکہ ملوک مانتے ہیں ۔ اگرچہ آپ کو تکلیف ہوگی مگر از راہِ عنایت فہرست انبیاء و ملوک علیٰ مذہب الیہود تحریر فرما کر عنایت فرمائیے ۔ ہر نبی یا ملوک کے نام کے ساتھ توریت یا دیگر کتبِ عہدِ عتیق کا حوالہ بھی ہو جہاں اس نبی یا ملک کا نام آیا ہو ۔ اگر متعدد جگہ اس کا نام ہو تو صرف ایک مقام کا حوالہ کافی ہوگا ۔ والتسلیم

علی گڑھ ، ۲۱ نومبر ۱۸۹۵ع خاکسار ، سید احمد

(۴)

جناب مولانا مخدوم مکرمِ من مولوی عنایت رسول صاحب !

آپ کا نوازش نامہ مورخہ ۲۲ مئی از مقام اعظم گڑھ پہنچا ۔ آپ کی خیر و عافیت دریافت ہونے سے نہایت خوشی ہوئی ۔ حال یہ ہے کہ عالمِ مثال کی نسبت جو میں نے لکھا اُس سے میری مراد یہ نہیں ہے کہ عالمِ مثال ماننے والوں کا ، خواہ وہ حضراتِ صوفیہ ہوں یا فلاسفہ، یہ خیال ہے ۔ بلکہ میں عالمِ مثال کو نہیں مانتا اور بجز عالمِ خیال کے اور اُس کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتا ۔ پس میری رائے میں جس وجہ سے عالمِ مثال کے ماننے والوں کو عالمِ مثال کا خیال پیدا ہوا ہے وہ میں نے لکھا ہے ۔ نقشہٴ واقعاتِ عظیمہ جو آپ نے بھیجا ہے 'تہذیب الاخلاق' میں چھپ رہا ہے اور یکم محرّم کے پرچے میں شائع ہوگا ۔ جو رسالہ متعلق تحریف آپ نے لکھا ہے اُس کی نسبت آپ نے کچھ اشارہ نہیں کیا کہ وہ مثبت تحریف ہے یا منفی تحریف ۔ بہرحال جو کچھ آپ نے لکھا ہو وہ ضرور میرے پاس بھیج دیجیے گا ۔ شاید 'تہذیب الاخلاق' میں تو اُس کا چھاپنا مشکل ہوگا کیونکہ 'تہذیب الاخلاق' میں جو بحث ہوتی ہے وہ باہم مسلمانوں کے خیالات سے ہوتی ہے ۔ غیر مذہب کی نسبت اُس میں کچھ لکھا نہیں جاتا لیکن میں خواہش مند ہوں کہ آپ کی تصانیف جو آپ نے لکھ لکھ کر صندوق میں بند کر رکھی ہیں ، جہاں تک ممکن ہو شائع ہوں ۔ اور میں اُس

رسالے کو اور نیز آپ کی دیگر تصانیف کو علیحدہ بہ طور رسالوں کے چھپوانے کو موجود ہوں ۔ آپ تو علی گڑھ تشریف نہیں لاتے ، ناچار مجھ کو چریا کوٹ آنا پڑے گا اور پوٹ کی پوٹ آپ کی تصنیفات کی ، جو آپ نے باندھ باندھ کر رکھ چھوڑی ہے ، سب اٹھا لاؤں گا ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۲۶ مئی ۱۸۹۶ع　　　　خاکسار ، سید احمد

٦٦

بنام شیخ غلام حسین

(منقول از 'تاریخ آئینۂ گجرات' (قلمی) مؤلفہ شیخ کرامت اللہ صاحب ، گجرات)

شیخ غلام حسین صاحب گجرات کے رہنے والے ایک بہت معزز اور مخلص انسان تھے ۔ گجرات کے بڑے سوداگروں میں آپ کا شمار ہوتا تھا ۔ شہر کے آنریری مجسٹریٹ اور مقامی میونسپل کمیٹی کے پریزیڈنٹ تھے ۔ قومی کاموں اور مسلمانوں کی ہمدردی میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے ۔ اسی وجہ سے سرسید کے نہایت معتقد اور مداح تھے اور اُنھوں نے مختلف موقعوں پر سرسید کی نہایت فراخدلی سے مالی مدد کی ، اور گجرات سے بہت سا چندہ جمع کر کے کالج کے لیے سرسید کو بھیجا ۔ گجرات میں مسلمان بچوں کے لیے سب سے پہلا اسلامی سکول ان ہی کی کوشش سے جاری ہوا تھا ۔ نہایت مخیّر ، مہمان نواز ، نیک دل اور شریف النفس شخص تھے ۔ ۸ دسمبر ۱۸۹۹ء کو گجرات میں وفات پائی ۔

میں شیخ صاحب کے نام سرسید کے ان دو خطوں کے لیے محترمی شیخ کرامت اللہ صاحب (گجرات) کا نہایت ممنون ہوں ۔ میں نے ان خطوط کی نقلوں کے لیے شیخ صاحب کو گجرات خط لکھا تھا ۔ شیخ صاحب از راہِ نوازش خود لاہور تشریف

لائے اور ان خطوط کی نقلیں مجھے مرحمت فرمائیں ۔ شیخ غلام حسین صاحب مرحوم کے ورثا کے پاس یہ اصلی خطوط محفوظ ہیں ۔ شیخ کرامت اللہ صاحب نے ان خطوط کو اپنی کتاب ''تاریخ آئینۂ گجرات'' میں بھی درج کیا ہے جو ابھی تک چھپی نہیں ۔

(۱)

شیخ غلام حسین صاحب نے سرسید کی خدمت میں مسلمانانِ گجرات کی طرف سے ۱۸۸۸ع میں ایک خط لکھا تھا جس میں سرسید سے دریافت کیا تھا کہ ''ہمارے شہر کے ہندوؤں میں آج کل انڈین نیشنل کانگریس کا بڑا زور ہے اور یہاں کے ہندو ہم مسلمانوں کو بھی کانگریس میں شامل ہونے کی دعوت دے رہے ہیں ۔ آپ کا اس معاملے کے متعلق کیا خیال ہے؟'' سرسید نے اہالیانِ گجرات کے اس استفسار کا مندرجہ ذیل خط میں جواب دیا :

مکرمی شیخ صاحب !

سلام مسنون ۔ مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ گجرات کے مسلمان اب ہر معاملے میں میری رائے لینی ضروری خیال کرتے ہیں ۔ میں خداوند تعالیٰ کا شکرگزار ہوں کہ مسلمان مجھ پر اعتماد کرتے ہیں اور مجھے اس لائق جانتے ہیں کہ میں سیاسی طور پر اُن کی رہنمائی کروں ۔

ملک ہندوستان میں ہندوؤں کی تعداد بہت زیادہ ہے ۔ کانگریس بھی اُن ہی کی جماعت ہے ۔ اس جماعت کی کارگزاریوں کا فائدہ اُن کو ہی پہنچتا ہے ۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ اس میں مسلمانوں کی شرکت سراسر زیاں اور نقصان دہ ہے ۔ میں اپنی تقریر مطبوعہ ۲۸ دسمبر ۱۸۸۷ع کی ایک جلد انجمن اسلامیہ گجرات کی رہنمائی کے لیے ارسال کر رہا ہوں ۔ میں نے کتاب کے صفحہ ۹ پر ضروری نشان لگا دیا ہے ۔ اس کے پڑھنے کے بعد میری رائے کی پوری پوری وضاحت

ہو جائے گی[1] ۔

علی گڑھ — سید احمد

(۲)

گورنمنٹ ہند نے ۱۸۹۵ع میں حاجیوں کے جہازوں کے متعلق
ایک جدید قانون وضع کیا تھا ۔ اُس کی نسبت شیخ غلام حسین
صاحب نے اپنے ایک خط میں سرسید کی رائے دریافت کی تھی ۔
سرسید نے اس کا جو جواب دیا وہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے ۔

مخدومی و مکرمی شیخ غلام حسین صاحب !

آپ کا پوسٹ کارڈ پہنچا ۔ مجھ کو اس قدر فرصت نہیں ہے کہ میں حاجیوں کے (نئے) ایکٹ پر توجہ کروں ۔ اور جہاں تک میں نے سنا ہے اُس میں کوئی ایسا امر نہیں ہے جس پر اعتراض کیا جائے ۔ آپ (خود) اس پر غور کریں اور جو آپ کی رائے ہو وہ تحریر کریں ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۲۷ جون ۱۸۹۷ع — سید احمد

۱- خط پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے ، مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط سرسید نے جنوری یا فروری ۱۸۸۸ع میں لکھا ہوگا ۔

٦٧

بنام حاجی شیخ غلام علی

(اخبار سائنٹی فک سوسائٹی علی گڑھ ، ۲۶ مئی ۱۸۷۶ء)

حاجی شیخ غلام علی ہندوستان کے مشہور شہر بنارس کے ایک معزّز شخص اور وہاں کے رؤسا میں سے تھے - ۱۸۷۶ء میں جب سرسید بنارس میں مجسٹریٹ تھے تو وہاں مسلمانوں نے ایک مسجد بنانی چاہی ۔ سرسید نے سرکاری طور پر اُن کی بڑی مدد کی ۔ اُن کو گورنمنٹ سے مسجد کے لیے زمین دلوائی ، تعمیر کے لیے روپیہ دلوایا اور بڑی دلچسپی اور اخلاص کے ساتھ اس کام میں حصہ لیا ۔ جب مسجد قریباً تیار ہوگئی تو تجویز ہوئی کہ چونکہ یہ سرسید کی خاص کوشش سے بنی ہے لہٰذا اس کی پیشانی پر بطور اظہارِ شکرگزاری یہ شعر کندہ کرا دیا جائے :

در آوانِ سعید و از برائے طاعتِ یزدان
بنا گردید این مسجد ز سعیِ سید احمد خان

حاجی شیخ غلام علی رئیس اعظم بنارس نے مسلمانانِ شہر کی یہ خواہش لکھ کر بغرضِ منظوری سرسید کو بھیجی ، جس پر سرسید نے حاجی صاحب کو یہ خط لکھا ۔ اس خط سے یہ

صداقت نہایت واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ نام و نمود کی
خواہش سرسید میں بالکل نہ تھی ۔

شفیق و عنایت فرمائے حال بندہ جناب حاجی شیخ غلام علی صاحب سلامت !

بعد سلام مسنون الاسلام التماس یہ ہے کہ آپ کا عنایت نامہ پہنچا ۔ میں آپ کا اور اُن بزرگوں کا ، جنھوں نے میرا ناپاک نام اس پاک جگہ یعنی مسجد نو تعمیر پر کندہ ہونا تجویز کیا ہے ، شکر کرتا ہوں ۔ مگر ایسا کرنا نہایت نامناسب ہے اور میں اس کو کسی طرح پسند نہیں کرتا ۔ میرے نزدیک ایسا کرنا دین و دنیا دونوں میں کچھ بہتر نہیں ہے ۔ پس اُمید ہے کہ آپ اور جو صاحب اس کے باعث ہوں ، (وہ) اس ارادے کو بالکل چھوڑ دیں ۔ میں ایسا کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دینے کا ۔

(باقی) نسبت تعمیر سائبان و دکانیں و بقیہ عمارت متعلق مسجد کے جہاں تک مجھ سے ہو سکے ، بہ دل و جان کوشش کو موجود ہوں ۔ آج یا کل پانچ بجے (شام) آپ اور اَور صاحب وہاں تشریف لاویں ۔ میں بھی وہاں آؤں گا اور سب لوگوں کی صلاح سے جو مناسب ہوگا ، بندوبست کیا جائے گا ۔ والسلام

۱۶ مئی ۱۸۷۶ء — خاکسار ، سید احمد

٦٨

بنام حکیم غلام نجف خاں صاحب

(منقول از حیاتِ جاوید)

۱۸۶۹ع میں جب سرسید ولایت جانے لگے تو حکیم غلام نجف خاں مرحوم نے ایک خط انہیں لکھا جس میں اس قسم کی کوئی بات تھی کہ ولایت جا کر مذہب کو نہ چھوڑ دینا یا عیسائی نہ بن جانا ۔ اُنھوں نے ولایت پہنچ کر اس کا جو جواب بھیجا ، اُس کا صرف ایک ٹکڑا مولانا حالی نے ''حیاتِ جاوید'' میں درج کیا ہے اور وہی ذیل میں نقل کیا جاتا ہے ۔

حامد نے آپ کا عنایت نامہ مجھے دیا تھا ۔ میں نے خیال کیا تھا کہ جب ولایت سے پھر کر آؤں گا اور آپ سے انشاء اللہ تعالیٰ ملوں گا ، اُسی وقت جواب دوں گا ۔ حقیقت میں وہ عنایت نامہ محبت آمیز ہنسی کی بات تھی ، نہ جواب لکھنے کے لائق ۔ اگرچہ میں یقینی سمجھتا تھا کہ آپ کے خیالات وہی قدیم پرانے دقیانوسی ہندوستانیوں کے سے ہیں ۔ حال کے زمانے کی جو باتیں ہیں نہ وہ ذہن میں آتی ہیں اور نہ پسند ہوتی ہیں ۔ مگر خاص جس امر کی نسبت آپ نے مجھے لکھا ، اس کا نہایت تعجب ہے ۔ اس لیے کہ میری نسبت اس قسم کے خیالات کی البتہ جاہل ناواقف آدمی کو گنجائش ہو سکتی ہے یا دشمن و حاسد

جو کچھ چاہیں ، خیال کر سکتے ہیں ۔ مگر آپ کو اس قسم کا خیال کیوں ہوا ؟ شاید بمقتضائے محبت ایسا خیال ہوا ہو ، اس لیے کہ دوست کو ہمیشہ بڑے بڑے خیالات گزرتے ہیں ۔ جیسا کہ میں خود اپنی تحقیق سے ، نہ تقلید سے ، دینِ اسلام کو حق سمجھتا ہوں ، اُس قدر یقین آپ کے شہر کے بڑے بڑے لمبی ڈاڑھی والوں کو اور ہزار ہزار دانے کی تسبیح والوں کو اور جو مکہ مدینہ سے پیر و خلیفہ و مرشد کا جبہؓ و دستار لے کر آتے ہیں ، اُن کو بھی نہیں ہے ۔ والسلام

سید احمد

نوٹ : ''آثار الصنادید'' کے پہلے ایڈیشن مطبوعہ ۱۸۴۷ء عیسوی کے آخر میں سرسید نے دہلی کے مشاہیر کا تذکرہ کیا ہے ۔ اس میں حکیم غلام نجف خاں کے حالات بھی ہیں ۔ ان حالات کا خلاصہ چند سطروں میں یہاں بیان کیا جاتا ہے :

حکیم غلام نجف کے آبا و اجداد شاہانِ مغلیہ کے عہد میں بڑے بڑے مناصب پر فائز رہے ۔ اُن کے جدِّ امجد نواب محتشم خاں کو شہنشاہ جہانگیر نے مضافاتِ بدایوں (یو ۔ پی) میں چار ہزار بیگھہ اراضی مرحمت فرمائی اور وہاں انھوں نے ''شیخوپور'' کے نام سے ایک قصبے کی بنیاد رکھی ۔ اُن کی اولاد وہیں سکونت پذیر رہی اور جائداد کا انتظام کرتی رہی ۔ حکیم غلام نجف خاں پانچ برس کی عمر میں دہلی آئے اور پھر یہیں کے ہو رہے ۔ طب کا فن انھوں نے دہلی کے مشہور حکما حکیم صادق علی اور حاذق الملک حکیم احسن اللہ خاں سے حاصل کیا ۔ اللہ تعالیٰ نے ہاتھ میں شفا دی تھی ، اس لیے بہت ہی جلد شاہجہان آباد کے نہایت حاذق اور ناموَر اطبا میں اُن کا شمار ہونے لگا ۔ بہادر شاہ ظفر نے عضد الدولہ کا خطاب دیا اور ایسٹ انڈیا کمپنی نے بطور سرکاری طبیب اُن کو دہلی میں متعین کیا ۔ سرسید اور اُن کے بڑے بھائی سید محمد سے ان کے نہایت مخلصانہ روابط اور بڑے گہرے تعلقات تھے ۔

۶۹

بنام فتح علی شیخ احمد

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ، ۹ مارچ ۱۸۹۵ع)

یہ صاحب شہر بمبئی کے رئیس اور وہاں کی انجمن اسلام کے آنریری جنرل سیکرٹری تھے ۔ اُس وقت یہ دستور تھا کہ سرسید کی قائم کردہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کا سالانہ جلسہ ہر سال ہندوستان کے کسی مشہور شہر میں ہوا کرتا تھا ۔ اس سلسلے میں فتح علی شیخ احمد نے سرسید کو انجمن اسلام بمبئی کی طرف سے خط لکھا کہ ۱۸۹۶ع کا جلسہ بمبئی میں منعقد کیا جائے تاکہ اس علاقے کے لوگ بھی اس میں آسانی سے شامل ہو سکیں ۔ اس سلسلے میں سرسید نے دو خط فتح علی شیخ احمد کو لکھے جو ذیل میں درج کیے جاتے ہیں ۔ یہ دونوں خط علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے ۱۹ مارچ ۱۸۹۵ع کے شمارے میں شائع ہوئے ۔

(۱)

بخدمت صاحب سیکرٹری انجمن اسلام بمبئی !

میں آپ کی چٹھی غور کے واسطے منیجنگ کمیٹی کے روبرو پیش کروں گا ۔

اگر آپ براہِ مہربانی تشریف لا کر یہاں ۲۷ ماہِ حال کو کانفرنس میں شریک ہوں اور کارروائی کو (خود) ملاحظہ فرمائیں تو آپ اس بات کا اندازہ کر سکیں گے کہ آیا سالِ آئندہ میں بمبئی میں کانفرنس کا منعقد کرنا مصلحت ہوگا یا نہیں ؟

۲۱ دسمبر ۱۸۹۴ء خاکسار ، سید احمد

آنریری سیکرٹری محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس

(۲)

بخدمت صاحب سیکرٹری انجمن اسلام بمبئی !

ڈیر سر ! بجواب آپ کی چٹھی نمبر ۱۲۲ مورخہ ۱۳ ماہ حال ، میں آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ میں بالفعل چند روز کے واسطے پنجاب جانے والا ہوں اور وہاں سے واپس آ جانے کے بعد نہایت خوشی سے آپ کو بمبئی میں (محمڈن ایجوکیشنل) کانفرنس کے منعقد ہونے کی نسبت اطلاع دوں گا ۔

علی گڑھ ، ۱۸ فروری ۱۸۹۵ء آپ کا دوست ، سید احمد

آنریری سیکریری محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس

بنام سید فرزند احمد صفیر بلگرامی

سید فرزند احمد صفیر بلگرامی ، سید عبدالحی متخلص بہ احمد کے فرزند رشید اور فارسی و اُردو کے قادر الکلام شاعر تھے ۔ ۹ - اپریل ۱۸۳۴ء کو مارہرہ میں پیدا ہوئے ۔ شاعری کا شوق ورثے میں پایا تھا ۔ ابتدا میں اپنے پھوپھا سید محمد مہدی المتخلص بہ خبر سے اصلاح لیتے رہے ۔ پھر لکھنؤ جا کر شیخ امان علی سحر کے شاگرد ہوئے ۔ مرثیہ گوئی مرزا دبیر سے سیکھی ۔ ۱۸۶۳ء میں تلامذۂ غالب میں شامل ہوئے ۔ غالب کے انتقال کے بعد غلام حسین قدر بلگرامی کو اپنی غزل دکھانے لگے ۔ اس طرح ان کی شاعری تکمیل کو پہنچی ۔ غالباً یہ واحد شاعر ہیں جنھوں نے پے در پے سات تخلص اختیار کیے ۔ یعنی قلب ، آثم ، اثیم ، صبا ، نالاں ، احقر اور صفیر - ۱۱ مئی ۱۸۹۰ء کو پٹنہ میں انتقال کیا اور آرہ میں دفن ہوئے ۔ آبا و اجداد کا وطن بلگرام تھا اس لیے اپنے آپ کو بلگرامی لکھتے تھے ۔ بوستان خیال کی دس جلدیں ، تذکرۂ جلوۂ خضر ہر دو حصہ ، رشحات صفیر اور فارسی و اُردو کے آٹھ دیوان ان کی تصنیف ہیں ۔

میرے محترم دوست مالک رام صاحب نے ''تلامذۂ غالب''

میں صفیر کا مفصّل تذکرہ بڑی تحقیق سے لکھا ہے اور فوٹو بھی دیا ہے ۔ متذکرہ بالا حالات اسی تذکرے کی تلخیص ہیں ۔ صفیر کے نام سرسید کا جو خط ہے وہ اُن کی کتاب تذکرۂ جلوۂ خضر حصہ دوم صفحہ ۲۱۰ مطبوعہ آرہ ۱۸۸۵ع سے نقل کیا گیا ہے ۔ اور رسالہ نقوش لاہور بابت ماہ مئی وجون ۱۹۵۳ع میں بھی شائع ہو چکا ہے ۔

صفیر اپنے تذکرے جلوۂ خضر میں لکھتے ہیں کہ ''میں نے جناب سرسید احمد خان صاحب کو لفظ "تنکہ'' کی تحقیق کے متعلق ایک خط لکھا تھا اور کچھ ہند کی شاعری کے متعلق مشورہ چاہا تھا ۔ اُس کے جواب میں مجھے یہ خط سرسید نے لکھا تھا ۔''

مخدومی جناب سید فرزند احمد صفیر تخلص بلگرامی !

تسلیم ! عنایت نامہ پہنچا ۔ میں خیال کرتا ہوں کہ کوئی مقدمہ مہر کا ہے جس میں ''تنکہ'' کی تحقیقات منظور ہے (مگر) آپ مجھ کو اس تحقیق سے معاف فرمائیے (کیونکہ) مجھے کچھ علم نہیں ہے ۔ کتب تواریخ پر غور کرنے سے ہر شخص تحقیق کر سکتا ہے ۔

مجھے ان دنوں فرصت نہیں ورنہ ہندوستانی شاعری کے بارے میں لکھتا ۔ آیندہ دیکھا جائے گا ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۶ جون ۱۸۸۳ع — خاکسار ، سید احمد

۷۱

بنام مولوی شیخ فرید احمد امروہوی

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ایک صاحب مولوی ارشاد علی ، امروہہ ضلع مراد آباد (ہند) میں رہتے تھے ۔ مولوی فرید احمد ان ہی کے فرزند تھے جو ۱۸۷۱ء میں پیدا ہوئے اور عربی اور فارسی کی تعلیم پانے کے بعد لاہور چلے آئے ۔ یہاں انھوں نے بی ۔ اے کا امتحان پاس کیا اور سرکاری نوکر ہو گئے ۔ مولوی صاحب اسلامی اقدار کے حامل اور سچائی و ایثار کا پیکر تھے ۔ نادار طالب علموں کی امداد اور غریبوں کی اعانت ، یتیموں اور بیواؤں کی پرورش اُن کا شعار تھا ۔ رفاہِ عام کے کاموں میں بڑی دلچسپی سے حصہ لیتے تھے اور فراخ دلی سے چندہ دیتے تھے ۔ سرسید کے کاموں کے بڑے مداح تھے اور اکثر اُنھیں خط لکھ کر اُن سے کتابیں قیمتاً منگوایا کرتے تھے ۔ باوجود اس قدر فیاض اور مخیّر ہونے کے خوراک ، وضع ، پوشش اور معاشرت میں نہایت درجہ سادہ واقع ہوئے تھے ۔ بے حد شریف الطبع ، نیک طینت ، پاک باطن ، ہمدرد خلائق اور پرانے بزرگوں کی یادگار اور نمونہ تھے ۔ مولوی صاحب کے انتقال کی تاریخ معلوم نہیں ہو سکی ۔

ان کے نام سرسید کے چھ خط اس مجموعے میں شامل ہیں جو مولوی صاحب مرحوم کے پوتے خلیق احمد صاحب نظامی ریڈر شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پاس محفوظ ہیں ۔ اُن سے ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب نے لے کر رسالہ 'نقوش' لاہور اور 'فکر و نظر' علی گڑھ میں شائع کرائے ۔ دوسری طرف مشتاق حسین صاحب مرحوم نے جو مجموعہ مکتوبات سرسید کا مرتّب کیا ہے ، اُس میں بھی یہ خطوط موجود ہیں اور انھوں نے بھی لکھا ہے کہ مجھے یہ خط خلیق احمد صاحب نے عنایت کیے ۔ بہت ممکن ہے کہ خلیق احمد صاحب نے دونوں صاحبوں کو الگ الگ یہ خطوط اشاعت کے لیے دے ہوں ۔

(۱)

(رسالہ 'فکر و نظر' علی گڑھ ، جلد ۱ ، نمبر ۲ ، اپریل ۱۹۶۰ع ، ص ۱۵)

شفیق من !

میرے پاس سول سروس کے امتحان (کے) قواعد نہیں ہیں[1] ۔ ہمارے کالج میں ایک سال سے سول سروس کلاس[2] قائم ہوا[3] ہے ۔ بارہ تیرہ برس تک کی

۱- مولوی صاحب خود سول سروس کلاس میں داخل ہونا چاہتے تھے مگر داخل نہیں ہو سکے ۔ جس وقت انھوں نے سرسید کو خط لکھ کر اس کے متعلق دریافت کیا تھا اُس وقت اُن کی عمر ۱۵ برس کی تھی ۔

۲- ۱۸۸۵ع میں سرسید نے کالج میں ایک ایسی کلاس بھی قائم کی تھی کہ جو لڑکے ولایت جا کر سول سروس کا امتحان دینا چاہیں انھیں یہاں پہلے ایسی تعلیم دی جائے کہ لندن پہنچ کر ان کو اس کے متعلق تعلیم حاصل کرنے اور امتحان دینے میں آسانی ہو (اُس وقت سول سروس میں داخلے کی عمر ۲۱ سال تھی) ۔ اس کلاس کے ساتھ ہی سرسید نے ایک ایسا فنڈ بھی چندے سے قائم کیا تھا جس سے ضرورت مند طلبا کو ولایت میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے وظیفہ دیا جاتا تھا ۔

۳- لفظ کلاس مؤنث ہے مگر یہاں سرسید نے اسے مذکّر استعمال کیا ہے ۔

عمر کے لڑکے داخل ہو سکتے ہیں - (طالب علم میں) اقلیدس کی فرسٹ بک اور حساب اور انگریزی کی ابتدائی کتابیں پڑھنے کی لیاقت ہو (نی چاہیے) - ماہواری خرچ ایک طالب علم کا پچاس روپیہ ہوتا ہے - والسلام

خاکسار ، سید احمد　　　　علی گڑھ ، ۵ جون ۱۸۸۶ع

(۲)

(رسالہ 'فکر و نظر' علی گڑھ ، جلد ۱ ، نمبر ۲ ، اپریل ۱۹۶۰ع ، ص ۱۲۱)

مشفقی !

لاہور کانگریس کی تین جلدیں ہیں[1] اور دو روپے بارہ آنے کل کی قیمت - محصول ڈاک علیحدہ ہے - حال کی کانگریس[2] کی رپورٹ دو مہینے میں چھپ کر تیار ہوگی - والسلام

خاکسار ، سید احمد　　　　علی گڑھ ، ۷ جنوری ۱۸۹۰ع

(۳)

(رسالہ 'فکر و نظر' علی گڑھ ، جلد ۱ ، نمبر ۲ ، اپریل ۱۹۶۰ع ، ص ۱۲۱)

مشفقی !

قیمت لیکچر مولوی نذیر احمد معہ دیگر مضامین و نظم بابت مقام لاہور ۹ آنے ، قیمت لیکچر[3] مولوی نذیر احمد صاحب معہ دیگر مضامین بابت مقام علی گڑھ ۱۲ آنے - محصول بذمۂ خریدار ہے - والسلام

سید احمد　　　　علی گڑھ ، ۲۲ مارچ ۱۸۹۰ع

۱- محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس (جس کا پہلا نام محمڈن ایجوکیشنل کانگریس تھا) کے تیسرے سالانہ اجلاس کی رپورٹ مراد ہے جو ۱۸۸۸ع میں بمقام لاہور منعقد ہوا تھا -

۲- اس سے سرسید کی مراد محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اُس چوتھے سالانہ اجلاس کی رپورٹ سے ہے جو دسمبر ۱۸۸۹ع میں بمقام علی گڑھ منعقد ہوا تھا -

۳- اس خط میں مولوی نذیر احمد کے دو لیکچروں کا ذکر ہے - پہلا لیکچر مولوی صاحب نے ۱۸۸۸ع میں دیا تھا اور دوسرا ۱۸۸۹ع میں -

(۴)

(رسالہ 'فکر و نظر' علی گڑھ، جلد ۱، نمبر ۲، اپریل ۱۹۶۰ع، ص ۱۲۱)

مشفقی !

میں علی گڑھ سے باہر تھا - دونوں لیکچر مرسل ہیں - (۱) لیکچر مولوی نذیر احمد مقام لاہور[1] ۹ آنے - (۲) لیکچر مولوی نذیر احمد مقام علی گڑھ[2] ۱۰ آنے - محصول ڈیڑھ آنہ = ایک روپیہ ساڑھے چار آنے - ساڑھے تین آنے آپ کے باقی موجود ہیں - والسلام

علی گڑھ، ۱۶ اپریل ۱۸۹۰ع[3] خاکسار، سید احمد

(۵)

(رسالہ 'فکر و نظر' علی گڑھ، جلد ۱، نمبر ۲، اپریل ۱۹۶۰ع، ص ۱۲۳)

مخدومی !

آپ کے پوسٹ کارڈ مورخہ ۲ اگست کے جواب میں اطلاع دی جاتی ہے کہ (۱) مولوی نذیر احمد صاحب کے لیکچر یہاں فروخت کے لیے (اب) نہیں رہتے -

---

۱- یعنی لیکچر مسلمانوں کی تعلیمی حالت پر جو مولوی نذیر احمد نے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے تیسرے سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۸۸۸ع میں بمقام لاہور دیا تھا -

۲- یعنی وہ لیکچر جو مولوی نذیر احمد نے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے چوتھے سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۸۸۹ع میں بمقام علی گڑھ دیا تھا - اپنے پہلے خط میں سرسید نے اس لیکچر کی قیمت ۱۲ آنے لکھی ہے مگر یہاں ۱۰ آنے بتائی ہے -

۳- اصل خط میں سنہ درج نہیں مگر ڈاک خانے کی مُہر ۱۸۹۰ع کی پوسٹ کارڈ پر لگی ہوئی ہے -

(۲) سید محمود صاحب کے لیکچر کی قیمت ۱۲ آنے ہے[۱] -
(۳) 'تہذیب الاخلاق' ماہوار شائع ہوتا ہے - اس کی سالانہ قیمت ۶ روپے ہے اور خریدار کو کم سے کم ایک سال کی قیمت پیشگی یکمشت ادا کرنی ضرور ہے - بغیر اس کے پرچہ کسی صورت میں روانہ نہیں ہو سکتا - سالانہ زر چندہ وصول ہونے پر جو پرچے اس وقت تک شائع ہو چکے ہیں ، فوراً خریدار کے پاس بھیجے جاتے ہیں اور آئندہ کے پرچے ہر مہینے روانہ ہوتے رہیں گے -

'تہذیب الاخلاق' یکم شوال سے جاری[۲] ہوا ہے اور اس وقت تک پانچ پرچے اس کے شائع ہو چکے ہیں - والسلام

از علی گڑھ ، ۹ اگست ۱۸۹۴ع خاکسار ، سید احمد

(۶)

(رسالہ 'فکر و نظر' علی گڑھ ، جلد ۱ ، نمبر ۲ ، اپریل ۱۹۶۰ع ، ص ۱۲۹)

مخدومی !

کانفرنس کی ممبری کا چندہ پانچ روپے ہے اور قواعدِ کانفرنس بشمول

۱- یہاں سرسید کے فرزند آنریبل سید محمود کا لیکچر مراد ہے جو اُنھوں نے ہندوستان میں انگریزی تعلیم کی تاریخ پر ۱۸۹۳ع میں دیا تھا اور جس میں ہندوستان کی تعلیمی حالت کا جائزہ ۱۷۹۳ع سے ۱۸۹۳ع تک لیا گیا تھا -
۲- سرسید کا شہرۂ آفاق پرچہ تہذیب الاخلاق ، سرسید کی زندگی میں تین مرتبہ جاری ہوا :
(۱) پہلی مرتبہ ۱۲۸۷ ہجری میں جاری ہوا اور چھ سال تک نکلتا رہا - پھر بند ہو گیا -
(۲) دوسری مرتبہ ۱۲۹۶ ہجری میں جاری ہوا اور دو برس پانچ مہینے تک جاری رہا -
(۳) تیسری مرتبہ یکم شوال ۱۳۱۱ ہجری کو جاری ہوا اور تین برس جاری رہ کر بند ہو گیا - اس خط میں سرسید کی مراد پرچے کے تیسری مرتبہ جاری ہونے سے ہے -

روئیداد کانفرنس چھپی ہوئی ہیں[1] جس کی قیمت ایک روپیہ اور محصول دو آنے ہے لیکن نواب وقار الملک بہادر کے پاس وہ کتاب ہوگی[2] ۔ آپ ان سے لے کر دیکھیے یا مل کر پوچھ لیجیے ۔ والسلام

۱۹ دسمبر ۱۸۹۵ع — سید احمد

۱- ''قواعدِ کانفرنس'' کا لحاظ رکھتے ہوئے یہاں ''چھپے ہوئے ہیں'' چاہیے ۔ سرسید نے ''چھپی ہوئی ہیں'' لکھا ہے ۔

۲- اُس وقت مولوی شیخ فرید احمد اپنے وطن امروہہ میں تھے اور نواب وقارالملک بھی اُس وقت وہیں آئے ہوئے تھے ۔ اسی لیے سرسید نے اُن کا حوالہ دیا ہے ۔

۷۲

بنام مولوی فریدالدین

(از رسالہ 'فکر و نظر' علی گڑھ ، حصہ انگریزی ، ص ۱۶۴)

مخدومی !

نیازمندِ دیرینۂ شما ام گو زشتیٔ اعمالِ ما نظر التفات شما را از من در نوردیده باشد ۔

گو میدانم کہ لائق نظرِ التفاتِ شما نیستم ، چہ سزاوارگوشۂ چشم هم نیم ۔ غلط کردم و غلط گفتم کہ مستحق کرامت گناہگاراند ۔ نفرین شما گاہے ما را ملول نمی سازد ، چہ باور میدارم کہ ہمہ از حبِ ایمانی است و ہمہ دل سوزی بنظر دینداری ۔ خوشا حال کسیکہ ما را بسبب دین مغضوب دارد ، و خوشا حال کسیکہ کسے را بوجہ دین محبوب دارد ۔ اگر خیالم صحیح است و ماجرا ہمیں ، چرا در امرِ متفق علیہ از شما توقعِ اعانت و شرکت ندارم ۔ بروقتِ خوردن ہمہ سر انگشتها برابر می شوند ۔ چرا ما و شما در کارِ خیر متفق علیہ و یکدل نخواهیم شد ۔ نزاع میراثے درمیان نمی داریم، مال یکدیگرے نہ دزدیده ایم ، ریب بر ذمہ خودها نداریم۔ همیں نامہ سیاهیِ من احباب را رنجانیده است ۔ صبر کنید تا خداوند دران چہ می نماید ۔ مگر بتائید و بکارخیر متفق علیہ باما و یک جان و یک تن شوید ۔ بنائے مدرسۂ اسلامیہ کار من نیست ۔ ما را اُمید ہم نیست کہ در زندگیِ خود آنرا خواهم دید ۔ پس در حقیقت آں کار جملہ مسلمانان ست و امرِ فلاح جملہ برادران ۔ پس

اگر ازیں کار بسبب زشتیٔ اعمال من برکنار باشی ، صد ہزار افسوس است کہ بہ جہت یک تنِ ناپاک همہ برادران وہم کیشاں را گذاشتی ۔ ایں چند حروفِ درد آمیز بدین امید بجانب شما نوشتہ ام کہ آنجناب ہم بر روسیاھیِ من نظر نہ انداختہ بجہت برادرانِ خوش رو و خوش خوے خود بغرضِ تائید مدرسہ خالصاً للہ یک ماہ تنخواہِ خود بذریعہ هنڈوی مرحمت فرمایند و اجر آن بر خدا بگذارند ۔ دیگر میخواہم کہ بسعی بصدر انجمنے جناب در الہ آباد محلے بس مترگ از برادران اسلامی جمع شود و دران مجلس چند کلمات بخدمت عرض خواہم کرد ۔ همہ آن را بشنوند ۔ ہمیں قدر تمنا است و دیگر هیچ ۔ پس اگر درخواستِ ثانی منظور خواهد شد متعاقب دیگر امور متعلقہ بعرض خواهم رسانید ، اگرچہ یقین کلی دارم کہ ہر دو باجابت خواهند رسید ۔ والسلام علی سنّت الاسلام

از بنارس، ۲۴ جولائی ۱۸۷۲ع — نامہ سیاہ ، نیازمندِ شما ، سید احمد

۷۳

بنام مولوی فریدالدین نعمانی ردولوی

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ، ۳ اپریل ۱۸۹۷ء)

مولوی فریدالدین نے ایک صاحب منشی مظہرالحق نعانی کا مصنّفہ ایک رسالہ ، جس کا نام ''مظہرالحق'' تھا ، سرسید کو اظہار خیال کے لیے بھیجا - جس پر سرسید نے انھیں یہ خط لکھا -

مخدومی !

آپ کا مرسلہ رسالہ ''مظہرِ حق'' نہایت عالمانہ طور پر لکھا گیا ہے - میں تو ایک جاہل آدمی ہوں - اس پر کیا ریویو لکھ سکتا ہوں - میرے نزدیک مقلّدین[1] تو آپ کے اعتراض سے عہدہ برا نہیں ہو سکتے - البتہ غیر مقلّدین[2]

---

۱ ، ۲- مقلّدین اور غیر مقلّدین کی اصطلاح اُس وقت عام تھی - مقلّدین اہلِ سنت والجماعت کو کہتے تھے اور غیر مقلّدین اہلِ حدیث اصحاب کو - یہ رسالہ جس کی تائید سرسید نے اس خط میں کی ہے ، اہلِ حدیث حضرات کی طرف سے حنفیوں کے خلاف لکھا گیا تھا - سرسید کے وقت میں مسلمانوں کے درمیان فرقہ وارانہ جنگ و جدل اور مباحثہ و مجادلہ کا میدان بڑے زور و

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

کہہ سکتے ہیں کہ "من آمن باللہ و برسولہ و ما جاء بہ عند ظنہ او یقینہ فھو مسلم ۔ ولا نکفر اھل القبلۃ ولانبالی فی العقائد والاحکام الجزیۃ و عندنا ھذا ھوالحق ۔ والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ، والسلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین" ۔

علی گڑھ ، یکم اپریل ۱۸۹۷ع — خاکسار ، سید احمد

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

شور سے گرم تھا اور ایک دوسرے کے مقابلے میں نہایت شدید قلمی جنگ جاری تھی ۔ اُسی سلسلے میں یہ رسالہ بھی شائع ہوا تھا جس سے سرسید نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ پہلوتہی اختیار کی ہے ۔

۷۴

بنام صوفی قادر علی خاں

یہ صاحب منشی احمد خاں صوفی مالک مطبع مفید عام آگرہ کے فرزند تھے جن کے ہاں سرسید اپنی کتابیں اور کالج کا کام چھپوایا کرتے تھے ۔ ان کے والد کے انتقال کے بعد بھی سرسید نے یہ سلسلہ جاری رکھا اور انھی کے ہاں اپنا کام چھپواتے رہے ۔

(۱)

مخدومی مکرمی محمد قادر علی خاں صاحب صوفی !

میں علی گڑھ میں نہیں تھا ۔ کل آیا ہوں ۔ آپ کے والد ماجد کے انتقال سے ، جو تمام خوبیوں کے مجمع تھے ، نہایت رنج ہوا ہے ۔ خداوند تعالیٰ اُن پر رحمت کرے ۔ اگرچہ باپ کا ایسے لائق اور سعادت مند اولاد کو ، جیسے کہ آپ اور دیگر اخلاف ہیں ، دنیا میں چھوڑ جانا باپ کے لیے رحمت خدا ہے مگر باپ کا سایہ اولاد کے سر پر سے اُٹھ جانا نہایت دل دوز اور روحی صدمہ دینے والا ہے ، مگر بجز صبر کے کیا علاج ہے ۔ خدا آپ کو اور اُن کے تمام پس ماندوں کو صبر جمیل عطا فرماوے ۔

مجھ کو اُمید ہے کہ (آپ) مطبع مفید عام آگرہ کو ، جو آپ کے والد

مرحوم کی نہایت قابلِ قدر یادگار ہے ، اُسی نیک نامی اور اعلیٰ درجے کی خوبی و شان سے قائم رکھیں گے ۔ میں جس طرح آپ کے والدِ ماجد کی حیات میں آپ کے مطبع کی بہتری و ترقی کا خواہاں تھا ، ویسا ہی اب بھی ہوں ۔ والسلام

علی گڑھ ، یکم دسمبر ۱۸۹۱ع — خاکسار ، سید احمد

(۲)

مخدومی و مکرمی منشی قادر علی خاں صاحب صوفی !

ایک رسالہ 'تفسیر الجن' آپ کی خدمت میں روانہ کیا ہے ۔ اس رسالے کی پانچ سو کاپیاں چھاپنا ہوں گی ۔ نہایت خوش خط اور عمدہ کاغذ ہو ۔ یہ رسالہ میں نے نہایت محنت سے لکھا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ نہایت عمدہ چھاپا ہو ۔ جہاں جہاں عربی عبارت ہے وہ عربی خط میں تحریر کی جاوے ۔

میں سمجھتا ہوں کہ بالفعل آپ کے پاس کام زیادہ ہے ، اس لیے دیگر رسالہ جات روانہ نہیں کیے ۔ گو کہ ایک دوست کہتے ہیں ریاض الہند میں بھی ویسی عمدہ اور جلد چھپ جاوے گی مگر میں نے دوسری جگہ بھیجنا پسند نہیں کیا ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۲۰ اپریل ۱۸۹۲ع — خاکسار ، سید احمد

۷۵

بنام منشی کریم بخش

منیجر اسلامیہ پریس لاہور

(منقول از خطوطِ سرسید ، مرتّبہ راس مسعود)

ان صاحب نے سرسید کو لکھا تھا کہ روئداد سالانہ محدن ایجوکیشنل کانفرنس ، جو آپ آگرہ میں چھپواتے ہیں ، ہمارے ہاں چھپوا لیا کریں ۔ ہم آگرہ کی نسبت آپ سے بہت کم چھپائی لے لیا کریں گے ۔ سرسید نے اس خط کا جو جواب دیا اس سے اُن کی عالی ظرفی کا وصف نمایاں ہو جاتا ہے ۔ اور نیز سرسید کی وضع‌داری کی عادت پر بھی اس خط سے کافی روشنی پڑتی ہے ۔

مکرمی منشی صاحب !

نسبت چھاپہ روئداد محدن ایجوکیشنل کانفرنس جو آپ نے تحریر فرمایا ہے ، اُس کا بھی شکر ہے مگر جو معاملہ ایک شخص سے (قبل ازیں) ہے ، بغیر کسی وجہ کے (اُسے) توڑ دینا بھی (میں) انسانیت کے برخلاف سمجھتا ہوں ۔ (باق رہی) نرخ کی کمی بیشی (تو وہ) ایسی چیز نہیں ہے جو باعثِ فسخِ معاملہ ہو ۔ فرض کرو کہ جو نرخ (چھپائی کا) آپ نے مقرر کیا ہے (تو) اگر کوئی

شخص اُس سے (بھی) نرخ کم کرے تو (اس صورت میں آپ ہی فرمائیں کہ) مجھے کیا کرنا ہوگا ؟ (حقیقت یہ ہے کہ) جب تک مفید عام پریس آگرہ ، جو ہم سے قریب تر ہے ، عمدگی سے کام کرتا رہے (گا اُس وقت تک) میں اُس کو چھوڑنا اپنے کانشنس کے برخلاف سمجھتا ہوں ۔ لیکن خدا تعالیٰ سے آپ کے پریس کی ہر طرح ہر بہبود کا (بھی) خواہاں ہوں ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۱۰ جنوری ۱۸۹۱ع　　　　خاکسار ، سید احمد

٧٦

بنام نواب کلب علی خاں

والیِ ریاستِ رام پور

نواب کلب علی خاں ۱۹- اپریل ۱۸۳۵ء کو رام پور میں پیدا ہوئے - اپنے والد نواب یوسف علی خاں کے انتقال کے بعد ۲۱ اپریل ۱۸۶۵ء کو جمعہ کے دن تیس سال کی عمر میں تخت نشیں ہوئے، مگر مسند نشینی کی رسم باقاعدہ طور پر دسمبر ۱۸۶۵ء میں عمل میں آئی - ذی علم، صاحبِ ذوق، با مروت اور بااخلاق انسان تھے - علما و فضلا کی بڑی قدر کرتے تھے - مرزا غالب کو، جب تک وہ زندہ رہے، ایک سو روپیہ ماہوار وظیفہ بھیجتے رہے - شعر و شاعری کا خاص ذوق تھا - فارسی اُردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اور نواب تخلص کرتے تھے - فارسی شاعری میں مرزا محمد تقی خاں سپہر مؤلفِ ''ناسخ التواریخ'' کے اور اُردو کلام میں امیر مینائی کے شاگرد تھے - فارسی ادب کی تعلیم خلیفہ غیاث الدین مؤلفِ ''غیاث اللغات'' سے پائی اور علومِ حکمیہ مولوی فضل حق خیرآبادی سے حاصل کیے - غالب کو بھی ایک فارسی نثر اصلاح کے لیے بھیجی تھی - آپ کی بعض تصنیفات یہ ہیں :

اُردو کے چار دیوان اور فارسی کا ایک، تاریخ شاہانِ سلف اور انتخاب بوستانِ خیال ۔ آپ کے عہد کی مشہور یادگار اخبار 'دبدبۂ سکندری' ہے جس کا پہلا پرچہ ۱۵ اکتوبر ۱۸۶۶ع کو رام پور سے شائع ہوا ۔ ان کے نام سرسید کے کئی خط تھے مگر ہمیں صرف دو خط مل سکے ہیں ۔ دوسرا خط انگریزی میں ہے جس کا یہاں ترجمہ دیا جا رہا ہے ۔ باقی خطوط رضا لائبریری رام پور میں محفوظ ہیں ۔ نواب صاحب کی تاریخ وفات ۲۳ مارچ ۱۸۸۷ع ہے ۔

(۱)

(رسالہ 'فکر و نظر' علی گڑھ ، جلد ۲ ، نمبر ۳ ، بابت جولائی ۱۹۶۱ع ، ص ۱۰۵)

بحضور فیض ظہور بندگانعالی متعالی حضور عالی جناب نواب صاحب بہادر دام اقبالہم !

بعد ادائے آداب و تسلیمات عرض پرداز ہے ۔ حضور کی ملازمت[1] اور حضور نے جو فیاضی مدرسۃ العلوم مسلمانان کی نسبت فرمائی اُس کی اطلاع حضور عالی جناب لارڈ نارتھ بروک وایسرائے و گورنر جنرل آف انڈیا دام اقبالہم کو کی گئی تھی ۔ اُس کے جواب میں جو چٹھی آئی ہے (وہ) حضور کے ملاحظے کو بھیجتا ہوں ۔ بعد ملاحظہ واپس مرحمت ہو ۔ فقط

چھٹی مارچ (۱۸۷۳ع) کو جو اجلاس کمیٹی کا ہوا تھا اُس اجلاس میں کمیٹی نے حضور کے پیٹرن ہونے سے اعزاز حاصل کیا ہے ۔ اُس کی روئداد وغیرہ کاغذات حضور کی نذر کے لیے مرتب ہو رہے ہیں ۔ عنقریب روانۂ حضور ہوں گے ۔ زیادہ حد ادب ۔ خدا حضور کو ہمیشہ سلامت رکھے !

از مقام بنارس ، ۱۲ مارچ سنہ ۱۸۷۳ع عرضی

کمترین عقیدت منداں سید احمد

۱۔ عبارت کچھ بے ربط سی ہو گئی ہے لیکن بہرحال اصل میں اسی طرح لکھا ہوا ہے ۔

(۲)

(رسالہ 'فکر و نظر' ، علی گڑھ ، جلد ۲ ، نمبر ۳ ، بابت جولائی ۱۹۶۱ع ، ص ۱۰۶)

محمڈن اینگلو اورینٹل کالج فنڈ کمیٹی

زیر سرپرستی

فضیلت مآب نواب محمد کلب علی خان بہادر والیِ رام پور

بنارس - ۱۳ مارچ ۱۸۷۳ع

بشرفِ ملاحظہ

فضیلت مآب حاجی الحرمین شریفین نواب محمد کلب علی خان بہادر
فرزندِ دل پذیر دولتِ انگلشیہ رام پور

جنابِ والا !

مجھے فضیلت مآب کو یہ اطلاع دینے کا فخر حاصل ہو رہا ہے کہ عزت مآب عالی جناب نواب لفٹننٹ گورنر بہادر شمال مغربی صوبہ نے مہربانی فرما کر ایک قطعۂ اراضی (۷۶ ایکڑ) ہماری کمیٹی کو مدرسۃ العلوم کی عمارات اور ملحقہ باغ کی تعمیر کے لیے خاص علی گڑھ میں نہایت فرمانا منظور کر لیا ہے ۔ میں ہوں جناب فضیلت مآب کا نہایت ہی مخلص خادم ، سید احمد ، سیکرٹری

۷۷

بنام چارلس گبنس لندن

(عطیہ جناب عابد رضا بیدار صاحب ، نئی دہلی)

سرسید نے ۱۸۵۴ع میں اپنی مشہور کتاب ''آثار الصنادید'' کا دوسرا ایڈیشن دہلی میں شائع کیا اور اپنے ایک انگریز افسر چارلس گُبنس (Gubbins) کو ، جو ہندوستان سے چلا گیا تھا ، ہدیۃً لندن بھیجا ۔ یہ کتاب اُس کے کتب خانے میں محفوظ رہی مگر گردشِ لیل و نہار سے ایک وقت ایسا آیا کہ گُبنس کی تیسری چوتھی نسل میں اُس کی لائبریری کباڑیوں کے ہاتھوں کوڑیوں کے مول فروخت ہو گئی ۔ اُن کتابوں میں سے کچھ کتابیں انگلستان میں برٹش کونسل نے خریدیں اور اپنی ہندوستانی شاخ کو دہلی بھیج دیں ۔ ان کتابوں میں وہ ''آثار الصنادید'' بھی تھی جو سرسید نے ۱۸۵۴ع میں گُبنس کو بھیجی تھی ۔ اس کی جلد کے آخر میں سرسید کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے دو خط چپکے ہوئے تھے ۔ میرے محترم دوست ڈاکٹر عابد رضا صاحب بیدار نے وہاں سے ان خطوط کی نقلیں حاصل کیں ۔ جب مجھے اس کا پتا لگا تو میں نے انھیں لکھا کہ دونوں خطوں کی نقلیں مجھے ارسال فرما دیں ۔ انھوں نے بلاتامل فوراً مجھے اُن کی نقلیں بھیج دیں ،

جن کو میں موصوف کے نہایت شکریے کے ساتھ یہاں درج کر رہا ہوں ۔ یہ دونوں خطوط ماہ ستمبر ۱۹۶۷ع کے ماہنامہ ''آجکل'' دہلی میں بھی چھپ چکے ہیں ۔

(۱)

بندگان عالی متعالی دام اقبالہم

بعز بندگان عالی متعالی عرض می رساند:

جب کہ جناب ولایت کو تشریف فرما ہوئے تو فدوی نے ایک کتاب ''آثار الصنادید'' نئے چھاپے کی حضور کی نذر کو بھیجی تھی ۔ یقین ہے کہ پہنچی ہوگی ۔ اور مجھ کو خدا تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ حضور سب طرح بصحت و سلامتی ، خوش و خرم ہوں گے ۔

بڑا شکر خدا کا یہ ہے کہ اُس ناگہانی آفت میں ، جو ہندوستان میں ہوئی ، فدوی بہت نیک نام اور سرکار دولت مدار انگریزی کا طرف دار اور خیرخواہ رہا اور حکام انگریز کی عنایت اور مہربانی فدوی کے حال پر حد سے زیادہ ہے ۔ جو رپورٹ کہ فدوی کی خیرخواہی کی بابت جناب مسٹر الگزینڈر شیکسپئر صاحب بہادر کلکٹر و مجسٹریٹ بجنور واسطے ارسال گورنمنٹ کے تحریر فرمائے ہیں ، اُس کی نقل مع ایک کتاب تاریخ کے یعنی ''بجنور ریبلین'' جو بابت سرکشی ضلع بجنور فدوی نے بنائی ہے اور اب چھاپا ہوگی ، حضور میں بھیجوں گا[۱] ۔

تمام اضلاع روہیل‌کھنڈ عنایت الٰہی سے فتح ہوگئے اور فدوی ضلع بجنور میں بدستور اپنے عہدے پر قائم ہوا اور کام کرتا ہے ، مگر تمام مال و اسباب فدوی کا باغیوں نے لوٹ لیا ۔ کچھ فدوی کے پاس نہیں رہا ۔ مگر بڑی دولت خیرخواہی سرکار کی میرے پاس ہے ۔

مجھ کو امید ہے کہ جیسی عنایت اور پرورش ہندوستان میں حضور فدوی کے حال پر فرماتے تھے اُسی طرح ولایت میں بھی فدوی کا خیال حضور کے دل میں ہوگا ۔ اس لیے اپنے حال کی حضور میں اطلاع کی ۔

۱- یہ انگریزی رپورٹ بھی متذکرہ کتاب ''آثار الصنادید'' میں رکھی ہوئی دہلی چلی آئی اور وہاں محفوظ ہے ۔

امیدوار ہوں کہ حضور بھی اپنی صحت و سلامتی سے فدوی کو مطلع فرمائیں ۔ زیادہ حد ادب ، آفتاب دولت و اقبال تاباں باد !

مورخہ اکیسویں مئی ۱۸۵۸ع
فدوی سید احمد خاں
صدر امین مقام بجنور

(۲)

بندگان عالی متعالی دام اقبالہم

بعز بندگان عالی متعالی عرض می رساند :

پہلے اس سے فدوی نے ایک عرضی اور ایک پمفلٹ ''اسباب بغاوت ہند'' کا اور پھر ایک عرضی در جواب چٹھی حضور کے روانہ کی ، مگر تعجب ہے کہ اب تک کسی کی رسید نہیں آئی ، اس لیے نہایت تردد ہے ۔

امیدوار ہوں کہ خیر و عافیت مزاج سے اور جناب میم صاحبہ کی خیریت سے اور نونہال کاشانہ کے دولت و اقبال سے ، جو اب پیدا ہوا ہے ، مطلع ہوں ۔

فدوی نے اپنا رسالہ بغاوت ہندوستان کا ولایت میں بہت صاحبوں کے پاس اور پارلیمنٹ اور منسٹری میں بھیجا تھا ۔ مگر فدوی کو اُس کا حال کچھ نہ معلوم ہوا ۔ اگر حضور نے کچھ سنا ہو تو ضرور فدوی کو مطلع فرمائیں ۔

اب ہندوستان میں سب طرح کا امن ہے ۔ (صرف) چند باغی ، جو کوہستان نیپال میں باقی ہیں ، موسم سرما میں معدوم ہوں گے ۔

اس عرضی کے ساتھ ایک پمفلٹ شکریے کا ، جو مراد آباد میں ہوا ، روانہ کیا ہے ۔ ملاحظے سے گذرے گا ۔

امیدوار ہوں کہ فدوی کو ہمیشہ تابعدار اور متوسل خاص تصوّر فرما کر بدستور فدوی کے حال پر نظر عنایت و پرورش رکھیں (گے) ۔ زیادہ حد ادب ، آفتاب دولت و اقبال تاباں باد !

۱۲- اکتوبر ۱۸۵۹ع
فدوی سید احمد
صدر الصدور ، مراد آباد

۷۸

بنام سیٹھ لکھمین چند

(عطا کردۂ ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب)

جب سرسید نے سائنٹی فک سوسائٹی قائم کی تو اس کے لیے ایک عمارت بھی بنائی جانی تجویز ہوئی ۔ یہ عمارت علی گڑھ میں بنی اور بہت شاندار تھی ۔ اس عمارت کی تعمیر کے لیے سرسید نے جو چندہ رؤسا اور عمائدین سے جمع کیا ، یہ خط اسی سلسلے میں لکھا گیا تھا ۔ اور میں ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب کا نہایت ممنون ہوں کہ انھوں نے مجھے سرسید کے اس قدیم خط کی نقل علی گڑھ سے بھیجی ۔ اصل خط سرسید کے ہاتھ کا لکھا ہوا یونیورسٹی آرکائیوز آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں محفوظ ہے ۔

راؤ صاحب مہربانِ دوستاں سیٹھ لکھمین چند صاحب سلمہ !

بعد اظہار لوازمِ دوستی کے آپ کو واضح ہو کہ چند روز سے ہندوستانی رئیسوں نے باہم جمع ہو کر واسطے فائدۂ عام اور ترقی تعلیم و تربیتِ اہل ہند کے ایک مجلس مقرر کی ہے اور اس کا نام سین ٹیفک سوسیٹی رکھا ہے ۔ اور یہ ارادہ ہے کہ بذریعہ اس سوسیٹی کے اہل ہند کو یورپ کے علم و ہنر اور علوم و فنون کی کلوں کے تجربے سے واقف کیا جاوے اور قواعد ترقیِ دولت اُن

کو سکھائے جاویں - ان تمام امور کے انجام کے لیے تعمیر ہونا ایک مکان کا ضرور تھا - چنانچہ بہت سے رئیس اور صاحبانِ عالی شان اس سوسیٹی میں بطور ممبر شریک ہیں - اس ضلع کے اور قرب و جوار کے رئیسوں نے اُس مکان کی تعمیر کے لیے چندہ جمع کیا ہے اور تعمیرِ مکان قریب الاختتام ہے - مگر جس قدر چندہ ہوا ہے اس میں واسطے پورا ہونے تعمیر مکان کے تخمیناً دو ڈیڑھ ہزار روپے کے کمی ہے ، اس لیے آپ کو بھی اس تمام حال سے اطلاع دی گئی کہ اگر آپ بھی اس سوسیٹی میں بطور ممبر شریک ہوں اور نیز واسطے پورا ہو جانے تعمیر مکان کے کچھ روپیہ بطور چندے کے دیویں تو ہندوستانیوں کی بہبودی اور آپ کی نام آوری کا باعث ہوگا[1] - فقط

مرقوم ۲۹ جولائی ۱۸۶۵ء　　　　سید احمد

۱- یہ خط بعد میں رسالہ ''فکر و نظر'' کے حصہٴ انگریزی کے صفحہ ۶۷ و ۶۸ پر بھی شائع ہو چکا ہے -

۷۹

بنام نواب محسن الملک مولوی مہدی علی خاں

یہ وہ خطوط ہیں جو سرسید نے روانگیِ ولایت سے واپسیِ ہندوستان تک (از یکم اپریل ۱۸۶۹ع تا ۲- اکتوبر ۱۸۷۰ع) اپنے عزیز دوست نواب محسن الملک مولوی مہدی علی خاں کو لکھے اور جن کے ایک ایک فقرے سے سچی محبت، خلوص اور یک جہتی ٹپکی پڑتی ہے - اور جن کو دیکھ کر ماننا پڑتا ہے کہ در حقیقت دوستی، محبت اور الفت اُن لوگوں پر ختم ہوگئی تھی - ان خطوط سے سرسید کے سفرِ ولایت اور وہاں اُن کی مشغولیتوں کی کیفیت بھی منصّل معلوم ہوتی ہے - نیز ولایت میں ''خطباتِ احمدیہ'' کی تصنیف میں اُن کو جو جو دقتیں اور تکالیف اٹھانی پڑیں اُن کا بھی پورا اندازہ ہوتا ہے -

نواب صاحب ۹ دسمبر ۱۸۳۷ع کو بہ مقام اٹاوہ پیدا ہوئے اور ۱۶- اکتوبر ۱۹۰۷ع کو بمقام سنجولی (شملہ) وفات پائی اور ۱۸- اکتوبر کو علی گڑھ کالج میں سرسید کے مزار کے احاطے کے اندر سید زین العابدین اور سرسید کی قبر کے درمیان دفن ہوئے - آپ حیدر آباد دکن میں نظام کے پولیٹیکل سیکرٹری تھے اور محسن الملک کا خطاب وہیں سے پایا تھا - سرسید کے بعد

علی گڑھ کالج کے سیکرٹری مقرر ہوئے اور بقیہ عمر کالج کی خدمت میں گذار دی ۔ آپ سرسید کے سب سے بڑے رفیق ، ہمدرد اور مددگار تھے ۔ ''آیاتِ بیّنات'' آپ کی مشہور کتاب ہے ۔

(۱)[۱]

جناب مخدومی مکرمی سلامت !

بعد سلامِ مسنون التماس آنکہ جس رنج و محبت سے آپ نے مجھ کو اور میں نے آپ کو رخصت کیا ، ہمارا آپ کا دل جانتا ہے ۔ اب خدا سے دعا ہے کہ انشاءاللہ تعالیٰ مع الخیر والعافیت پھر ہم سب تم سب سے ملیں گے ۔ میرا مفصّل حال اخبار سوسائٹی سے معلوم ہوگا ۔ میں بفضلِ الٰہی مع الخیر قریب عدن پہنچتا ہوں ۔ چند گھنٹے قبل عدن کے پہنچنے کے ڈاک بند لے لی جاتی ہے ۔ اس سبب سے یہ خط ڈاک میں ڈال دیا ۔ چند گھنٹے بعد عدن پہنچ کر ، انشاءاللہ تعالیٰ ۔ مجھ کو علاوہ فرقتِ احباب کے یہ رنج بڑا ہے کہ میرے پیچھے لوگ عقل کے دشمن سائنٹفک سوسائٹی کی بڑی مخالفت کریں گے اور کوئی درجہ سعی و کوشش کا واسطے شکست دینے سائنٹفک سوسائٹی کے باقی نہ رکھیں گے ۔ پس میں چاہتا ہوں کہ آپ سوسائٹی کی طرف زیادہ متوجہ ہوں اور اس کو سنبھال لیں اور ممبروں کے بڑھانے میں زیادہ کوشش فرماویں ۔ مرزا پور کے لوگوں نے اگر چندہ نہیں دیا تو ان کو ممبر بنائیے ۔ بہرحال سوسائٹی کے معاملے میں حد سے زیادہ خیال و کوشش فرماویں ۔ بخدمت حافظ جی صاحب سلام ۔ زیادہ بجز یادِ شما ، یادِ شما ، یادِ شما چہ نویسم ۔ والسلام

جہاز بڑودہ ، قریبِ عدن ، ۱۶- اپریل ۱۸۶۱ع[۲] خاکسار ، سید احمد

۱- ان خطوط میں سے شروع کے ۲۶ خط وہ ہیں جو سرسید نے محسن الملک کو لندن سے لکھے اور جو ''خطوطِ سرسید'' مرتبہ راس مسعود سے لیے گئے ہیں ۔
۲- یہ خط ''خطوطِ سرسید'' مرتبہ راس مسعود سے نقل کیا گیا ہے ۔ اس میں ۱۸۶۱ع ہی لکھا ہے مگر یہ غلط ہے ۔ سرسید یکم اپریل ۱۸۶۹ع کو

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

(۲)

جناب مخدوم و مکرم محب ِ من سلامت !

بعد ِ سلام ِ مسنون الاسلام التماس این کہ آپ کا عنایت نامہ مورخہ بلا تاریخ پہنچا ۔ جس قدر مجھ کو خوشی آپ کے عنایت نامے کے پہنچنے سے ہوئی ہے ، بیان نہیں ہو سکتا ۔ یہ مقولہ کہ الخط نصف الملاقات غلط ، بلکہ پوری ملاقات کا لطف ہوتا ہے ۔ مفارقت میں اس کی قدر معلوم ہوتی ہے ۔ میں برابر اپنے حالات لکھ کر بھیجتا رہتا ہوں۔ اخبار میں چھپنے دیجیے۔ بعد معاودت انشاءاللہ تعالیٰ نظرثانی کر کر رسالہ ٔ سفر مرتّب کر کر چھاپوں گا ۔ میں حتی الامکان نہایت منصّل حالات لکھتا ہوں اور جو جو مراتب آپ نے لکھے ہیں وہ آخر کو بالتفصیل لکھوں گا ۔ بعد آنے کے معلوم ہوا کہ سفر چنداں سخت نہیں ہے ۔ نہایت آرام کا سہل ہے اور کوئی چیز مذہبی ایسی نہیں ہے کہ مسلمان اُس کو اپنی خاطرخواہ نہ کر سکے ۔ یہاں تک کہ ایک شیعہ ، جو مشرک کو نجس حقیقی جانتا ہے ، وہ بھی اپنے مذہب کے موافق رہ سکتا ہے مگر کسی قدر اہتمام و تردد سے ۔ ذبیحہ مسلمان کا دستیاب ہو سکتا ہے ۔ غرضیکہ کوئی بات مشکل نہیں ہے ۔ بعضے امور بلا تکلف اور بعض امور بہ تکلف انجام پا سکتے ہیں ۔ میں چاہتا ہوں کہ حالات ِ سفر جو اخبار میں چھپتے ہیں آپ اُن کو بطور کتاب یکجا نقل کرواتے جاویں ، اور جس امر کی نسبت زیادہ تفصیل کی حاجت ہو مجھ کو لکھ کر دریافت فرما لیں اور اُس کو اُس میں اضافہ کر دیں ، تاکہ آپ کی اصلاح سے کتاب بھی درست ہو جاوے اور سب چیز کو حاوی بھی ہو ۔ اور میرے آنے تک کتاب مرتّب طیار ہوگی اور صرف چھپنا شروع ہوگا ۔ میں بعض بعض عمدہ مکانات کے نقشے بھی لاؤں گا اور وہ بھی کتاب میں چھپوائے جاویں گے ۔ بہرحال بعد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٔ گزشتہ)

بنارس سے انگلینڈ کے سفر پر روانہ ہوئے تھے ۔ (دیکھو حیات جاوید مطبوعہ اکادمی پنجاب ، ص ۲۰۳) اس لیے یہ خط ۱۸۶۱ع کا کسی طرح بھی نہیں ہو سکتا ۔ اس کی صحیح تاریخ ۱۶- اپریل ۱۸۶۹ع ہے اور ''سرسید کے خطوط'' شائع کردہ مولوی وحید الدین سلیم ، مطبوعہ ۱۹۰۳ع کے ص ۵ پر یہی تاریخ لکھی ہے ۔

نظرثانی یہ کتاب حاوی تمام چیز کو ہوگی[1] - دو ہندو واسطے امتحان سول سروس کے بمبئی سے اور آئے ہیں - افسوس ہے مسلمان پیچھے رہے جاتے ہیں - چار بنگالی اب کی دفعہ سول سروس میں پاس ہوئے ہیں - محمود مدرسہ قانونی میں داخل ہو گیا ہے - مجھ سے اور یہاں کے اراکین سے روز بروز ملاقات ہوتی جاتی ہے - بلکہ اس قدر ملاقات کا موقع اور جگہ ہے کہ شاید میں اُن سب سے نہ مل سکوں گا - جس اخلاق سے یہاں کے امرا اور اراکین ملتے ہیں اُس کا بیان، بیان سے باہر ہے - کچھ میرے ہی ساتھ یہ اخلاق نہیں ہے بلکہ حقیقت میں وہ لوگ با اخلاق اور سادہ مزاج اور بے غرور ہیں - میں ہردم اپنے ملک کی بھلائی کے خیال میں ہوں اور عنقریب کچھ کچھ انشاءاللہ تعالیٰ مشتہر کرنا شروع کرتا ہوں - وزیرِ ہند میرے آنے کے دو تین دن بعد باہر چلے گئے ہیں - اول اُن سے ملاقات خاص ہو لے، تب کچھ تحریک بہتری ہندوستان شروع ہوگی - قبل اس کے ایک عریضہ مع اشتہار کتاب کے روانہ خدمتِ عالی کیا ہے - ملاحظے سے گزرا ہوگا اور امید ہے کہ زرِ مطلوبہ روانہ فرمایا ہوگا - مجھ کو نہایت افسوس ہے کہ بعض احباب نالائق مثل مولوی زین العابدین نے میرا ارادہ در باب تحریر جواب کتاب میور صاحب، جو نسبت آنحضرت صلعم کے لکھی ہے، سست کر دیا[2] اور بر وقت روانگی سامان اور چندہ کرنے نہیں دیا - یہاں اُس کے جواب کا اس قدر سامان ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا - خصوصاً وہ عالم انگریزی جس نے وہ کتاب لکھی ہے، جس کا پہلے میں نے ذکر کیا، ایسا عمدہ شخص اس کے جواب کے لائق ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا - کتب خانہ انڈیا آفس میں نے

۱- افسوس یہ سفرنامہ مکمل طور پر اور شاندار طریقے سے، جیسا سرسید نے لکھا ہے، شائع نہیں ہو سکا - صرف مختصر سے حالات سرسید نے لندن سے واپس آنے کے بعد سفر نامہ مسافرانِ لندن کے نام سے 'تہذیب الاخلاق' میں چھاپے تھے، جن کو میں نے بہت سے اضافوں کے ساتھ کتابی صورت میں مدون کیا تھا اور مجلس ترقی ادب نے اُسے شائع کر دیا تھا -

۲- سر ولیم میور لفٹننٹ گورنر یو - پی نے ''لائف آف محمد'' کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم پر بہت سے اعتراض کیے تھے - یہاں اُسی کتاب کی طرف اشارہ ہے - اس کا جواب سرسید نے لکھا جو انگریزی اور اردو میں شائع ہوا -

دیکھا ، ہوش جاتے رہے ۔ کتب خانہ نہیں ہے ، کتابوں کا شہر ہے ۔ مجھے وہاں جانے کی اور پڑھنے کی ، جو چاہوں ، اور نقل کی سب کی اجازت ہو گئی ۔ ابھی کتب خانہ برٹش میوزیم نہیں دیکھا ۔ سنا ہے کہ وہ اس سے بھی بہت بڑا ہے ۔ بہرحال میں کچھ نہ کچھ نسبت جواب کتاب ولیم میور صاحب کے ضرور کروں گا ۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ہمیشہ عنایت نامہ بھیجتے رہیں ۔ اس کے پہنچنے سے جس قدر خوشی اور روحانی فرحت ہوتی ہے ، بیان نہیں ہو سکتی ۔ حافظ جی صاحب کی خدمت میں میرا بہت بہت سلام پہنچے ۔ میرے ہمراہی سب بخیریت ہیں ۔ آپ کو تسلیم عرض کرتے ہیں ۔ محمود کہتا ہے کہ میرا سلام بہت لکھو ، میں خود جدا عریضہ لکھوں گا ۔ دو تصویریں مرسل خدمت ہیں ۔ میں خود حاضر نہیں ہو سکا اس لیے میری تصویریں آپ کی قدم بوسی کو پہنچتی ہیں ۔ والسلام

لندن ، ۴ جون ۱۸۶۹ء ، بروز جمعہ — خاکسار ، سید احمد

(۳)

جناب مخدوم و مکرّم معظم سلامت !

بعد سلام مسنون الاسلام عرض یہ ہے کہ سب سے اوّل آپ کو یہ خوش خبر سناتا ہوں ، حضور ملکہ معظمہ نے مجھ کو بخطاب کمپینین آف دی سٹار آف انڈیا معزز و ممتاز فرمایا اور تمغائے سٹار آف انڈیا مرحمت ہوگا ۔ اب میں احباب کی دعا سے سید احمد خان بہادر سی ۔ ایس ۔ آئی ہو گیا (ہوں) ۔ مجھ کو یقین ہے کہ اس امر سے آپ سب سے زیادہ خوش ہوں گے ۔ اس لیے کہ باقی احباب کو ذرا عقل کم ہے ۔ یہاں کے تمام معزز انگریز دوستوں نے اس قدر مبارکبادی اس درجے کی دی ہے اور ایسا معزز خیال کیا ہے کہ بیان سے باہر ہے ۔ لارڈ لارنس گورنر جنرل بہادر نے میرے لیے جلسہ منعقد کیا اور بڑے بڑے رؤسا و مدبّران کو ملاقات کے لیے بلایا ہے ۔ ۲۳ تاریخ وہ جلسہ ہوگا ۔ وہی شخص جس کی کتاب کا اشتہار میں نے پہلے روانہ کیا ہے ، وہ ایک اور کتاب لکھنی چاہتا ہے جس میں وہ اُن اعتراضوں کا بالتخصیص جواب لکھے گا جو معراج اور شق صدر کی نسبت لوگوں نے کیے ہیں ۔ اُس کی تحریر میں وہ مجھ سے بھی مدد چاہتا ہے ۔ اس لیے آپ کی خدمت میں التماس ہے کہ بمجرّد پہنچنے عریضہ ہذا کے کتب مفصّلہ ذیل میں سے مقامات مندرجہ ذیل بہت خوش خط

نقل کروا کر بھیج دیجیے ۔ (مگر) خدا کے واسطے اپنے ہاتھ سے نہ لکھیے گا[۱] ۔ یقین ہے کہ حافظ جی صاحب یہ تکلیف گوارا کریں گے ۔ اگر کوئی لفظ غریب ہو (تو) ضبط اعراب بھی اُس کا فرما دیجیے اور مشکل لفظ کا حل یا ترجمہ ، تاکہ یہاں لغت میں دیکھنے کی حاجت نہ پڑے ۔

۱ نمبر—صحاح ستّہ اور مؤطاے امام مالک میں سے کل حدیثیں متعلق شق صدر اور معراج نقل فرما دیجیے ۔ بالکل پوری نقل ہو ۔ مع کامل سند یعنی اسماء راویوں کے ۔ کچھ اختصار یا خلاصہ نہ کیا جاوے ۔ فقط

۲ نمبر—تفسیر کبیر میں سے آیات مفصّلہ ذیل کی بجنسہ تفسیر :

سبحان الذی اسری بعبدہ.....الیٰ..... انہ ھوالسمیع البصیر۔

سورۂ نجم از اوّل الیٰ آیت لقد رأیٰ من آیات ربہ الکبریٰ ۔

۳ نمبر—تفسیر آیہ وما جعلنا الرؤیا التی اریناک (الخ) ۔

۴ نمبر—علاوہ اس کے اگر کوئی بات آپ مناسب سمجھیں (تو) ارقام فرماویں ۔

ان دونوں مسئلوں کے جواب میں جو کچھ اُس کی یعنی مصنف انگریزی کی رائے ہے وہ ہمارے فائدے سے خالی نہیں ۔ فرض کرو کہ کوئی بات وہ ایسی لکھےجو ہمارے مذہب کے برخلاف ہو (تو) ہمارا کیا ۔ (ہم کہہ سکتے ہیں کہ) وہ انگریز نے لکھی ہے ۔ مگر جس قدر کہ وہ تعریف و تائید اور صحت ان واقعات کی و صداقت اور صحیح بیان کرنا پیغمبر صادق صلعم کا انگریزی روش پر بیان کرے گا وہ ہمارے (لیے) نہایت مفید ہوگا اور مسلمانانِ انگریزی خواں کو بہت فائدہ دے گا ۔ اُن کے کان میں کچھ اچھے اچھے خیال ہمارے مذہب کی جانب سے جاویں گے ۔ اب تو انگریزی میں (مسلمانوں کے متعلق) بجز برائی کے اور کچھ نہیں ہے ۔ والسلام

لندن ، ۱۲ جون ۱۸۶۹ء خاکسار ، سید احمد

از برخورداران تسلیم و مرزا خداداد بیگ سلام پذیرا باد

بخاری میں شرح صدر دو جگہ ہے : کتاب المعراج میں اور کتاب الصلوۃ

۱۔ محسن الملک کا خط بہت شکستہ تھا اور بڑی مشکل سے پڑھا جاتا تھا اس لیے سرسید نے یہ فقرہ لکھا ۔

میں ۔ دونوں جگہ سے نقل کیجیے گا ۔ کتاب المعراج کے اخیر میں ایک حدیث ہے جس میں یہ لفظ ہیں :

هذا رؤیا عین رأت عین رسول الله صلعم

اُس حدیث کو بھی نقل کیجیے گا[1] ۔ فقط

(۴)

جناب مخدوم و مکرم من !

آپ کا عنایت نامہ مورخہ بلا تاریخ پایا : ع

اے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کردی

جس قدر دل کو مسرت آپ کے خط سے ہوئی ہے ، بیان نہیں کر سکتا ۔ اگر یوسف زلیخا کو یا لیلیٰ مجنوں کو ملتی تو (اُنھیں) شاید اسی قدر خوشی ہوتی ۔ جس محبت سے (آپ نے خط) لکھا تھا وہ اثر اُن لفظوں میں موجود تھا اور آنکھ سے برابر دل میں پہنچتا تھا ۔ جس محبت سے آپ نے اشعار لکھے تھے اُن کو پڑھ کر میں ایسا محو محبت ہوا کہ گویا یہ سمجھتا تھا کہ وہ شعر میں نے آپ کے حق میں لکھے ہیں اور اس کیفیت سے وحدت وجود کے مسئلے کا عقدہ حل ہوتا تھا :

میان احمد و مہدی نہ ہیچ است حجاب

تو خود حجاب خودی احمد از میاں برخیز

یہ بے تصنّع آپ سے کہتا ہوں کہ آپ کے خط شکستہ رقم نے اور بھی زیادہ لطف دیا ۔ دو تین دفعہ پڑھنا پڑا ۔ ایک دفعہ کے پڑھنے میں جو لفظ رہ گیا تھا ، دوسری دفعہ میں نکلا اور بہت زیادہ مزا دیا ۔ اسی وقت میرے دل میں مرزا مرحوم کا یہ شعر گذرا : ع

ز لکنت میطپد نبض رگ لعل گہربارش

شہید انتظار جلوۂ خویش است گفتارش

پہلے خط بھیج چکا ہوں ، ستار آف انڈیا کی خوش خبری سنا چکا ہوں ۔ میں انڈیا آفس میں صاحب سکرٹر (سیکرٹری) وزیر ہند کے پاس گیا تھا ۔ اُنھوں نے

۱۔ اس فقرے سے ظاہر ہے کہ کتب احادیث پر سرسید کی نظر کتنی گہری تھی ۔

مجھ کو کونسل کے کاغذات میں میری کتاب "اسبابِ بغاوتِ ہند" معہ تمام و کمال انگریزی ترجمے کے دکھلائی ۔ اُسے دیکھ کر میرا دل بہت خوش ہوا[۱]۔ جو کچھ رائیں اُس کی بدولت قرار پائیں ، اُن کا بیان بے فائدہ ہے ۔ اہلِ ہند ناقدردان ، دوست کش اور اپنے خیرخواہ کے دشمن ہیں مگر میں خوش ہوں کہ میرے ہم وطنوں کی بھلائی ہوئی ۔ اب میں ایک اور کتاب انتظامِ گورنمنٹ انڈیا پر لکھ رہا ہوں ۔ انڈیا کونسل کے بعض ممبروں نے فرمایا کہ ہم ایک دن فرصت کا مقرر کر کے ہندوستان کے باب میں گفتگو کریں گے ۔ کچھ تھوڑی سی گفتگو نسبت انتظامِ پنجاب اور فائدہ میونسپل کمیٹی پر ہوئی ۔ اگر وہ کتاب میری چھپی اور مجھ میں اُس کے چھاپنے اور انگریزی عبارت کی اصلاح میں جو خرچ ہوگا ، اس کے خرچ کا مقدور ہوا تو آپ دیکھیں گے کہ میں کیا لکھ رہا ہوں اور اُس کتاب سے کس قدر فائدہ ہوگا اور کیسا صاف صاف لکھ رہا ہوں ۔ بغیر چھاپا ہونے کے اس کی شہرت اور تمام لوگوں کی توجہ اور ہر جگہ اُس پر بحث و گفتگو نہیں ہو سکتی اور بغیر اُس کے کچھ فائدہ نہیں ۔ آپ کے نزدیک جو باتیں قابل گفتگو زبانی کے ہوں یا قابلِ اندراجِ کتاب (ہوں) اُن کو جلد اور بہت جلد ارقام فرمائیے[۲]۔ جس دن کہ جناب ڈچس آرگائل یعنی اہلِ خانہ

۱- وزیرِ ہند کے سیکرٹری سے رسالہ "اسبابِ بغاوتِ ہند" کے متعلق جو گفتگو سرسید کی ہوئی ، اُسے اُنھوں نے مولانا الطاف حسین حالی سے زبانی اس طرح بیان کیا :

"ولایت میں سر جان کے فارن سیکرٹری سے پرائیویٹ ملاقات ہوئی تو اُن کی میز پر ایک دفتر کاغذات کا رکھا تھا ۔ اُنھوں نے ہنس کر مجھ سے کہا کہ " تم جانتے ہو یہ کیا چیز ہے ؟ یہ تمھارا رسالہ 'اسبابِ بغاوتِ ہند' اصل اور اس کا انگریزی ترجمہ ہے ۔ اور اس کے ساتھ وہ تمام مباحثات بھی ہیں جو اس رسالے پر پارلیمنٹ میں ہوئے ۔ مگر چونکہ وہ تمام مباحثے کانفیڈنشل (بصیغۂ راز) تھے اُس لیے وہ نہ چھپے اور نہ اُن کا ولایت کے کسی اخبار میں تذکرہ ہوا ۔"

(حوالے کے لیے ملاحظہ ہو حیات جاوید ، شایع کردہ اکادمی پنجاب ، لاہور ، ص ۳۸۶) ۔

۲- ممکن ہے سرسید نے اس کتاب کے کچھ ابتدائی اوراق ولایت میں لکھے ہوں ،

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

وزیر ہند نے دعوت میں مجھے بلایا ہے ، اُس رات وہاں مسٹر پالک صاحب سے ملاقات ہوئی تھی ۔ اُنھوں نے اپنا پتا لکھ دیا ۔ دوسرے دن میں وہاں گیا ۔ وہ گھر پر نہ تھے ۔ ملاقات نہیں ہوئی ۔ آپ کو معلوم ہے کہ کرائے کی بگّی میں کیا خرچ پڑتا ہے ؟ دس روپے روز ۔ میں نے کہا مرے ۔ اس لیے دوبارہ نہیں گیا ۔ پھر کسی دن جاؤں گا ۔ اس وقت میرے پاس تیس چٹھیاں ملاقات کی اور دس پندرہ ٹکٹ رکھے ہیں اور یہ سب امرا اور لارڈ اور سر ہیں ۔ صرف خرچ سواری کے ڈر کے مارے کہیں نہیں گیا اور نہ خیال کر سکتا ہوں کہ کیونکر سب سے ملوں گا ۔ جو لوگ کہ میرے گھر پر آ جاتے ہیں ، لاچار اُن کے ہاں ، یا جس کے پاس نہایت ضرور جانا چاہیے ، وہاں جاتا ہوں ۔ سو اب تک سوائے ایک دفعہ کے دوسری دفعہ کی نوبت نہیں پہنچی ۔ ایک آدمی ڈیڑھ سو روپے مہینے میں یہاں بخوبی بآرام گذر کر سکتا ہے ۔ الّا جب کہ آنا جانا چاہے اور لوگوں سے ملے اور عزت کے ساتھ جانا آنا چاہے تو صرف سواری کا خرچ چار سو روپے ماہواری پڑے گا ۔ کبھی ایک گھوڑا اور کبھی دو گھوڑے کی بگی نصیب ہوگی ۔ بعضے ایسے موقعے ہوتے ہیں کہ وہاں ضرور دو گھوڑوں پر جانا چاہیے ۔ شبِ گذشتہ کو صرف محمود کی ایک انگریز نے دعوت کی تھی ۔ دو گھنٹے اُن کو وہاں لگے اور ایسی سڑیل گاڑی یکّہ میں گئے تھے جیسے بنارس میں دو دو تین تین آنے کرائے کے یکّے ہوتے ہیں ۔ ۷ شلنگ یعنی سات روپے آٹھ آنے خرچ ہوئے ۔ اب موافق یہاں کی رسم کے دوسرے یا تیسرے دن صاحبِ خانہ سے ضرور ملنے جانا چاہیے ۔ اسی قدر پھر خرچ ہوگا ۔ صرف ایک دوست کے ہاں بلا تکلف جانے میں سات روپے خرچ ہوئے ۔ پس مجھ کو خرچ کی بڑی فکر ہے اور نہایت اندیشہ ہے کہ کیا ہوگا ۔ اس لیے حد سے زیادہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

مگر یہ کتاب چھپی نہیں ۔ نہ اس کا ناتمام مسوّدہ سرسید کے کاغذات میں دستیاب ہوا ۔ 'تہذیب الاخلاق' اور 'علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ' میں کبھی اس کا تذکرہ آیا ۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سر ولیم میور کی کتاب "لائف آف محمد" کا جواب لکھنے میں سرسید ولایت میں اس قدر زیادہ مشغول اور منہمک رہے کہ اس کتاب کی تدوین اور تکمیل کی طرف توجہ نہ دے سکے اور نہ اس کا مسوّدہ محفوظ رہا ۔

تنگی سے خرچ کرتا ہوں ۔ تصویریں تمام بادشاہوں کی اور سلطان روم کے جلسے کی سب ہیں ۔ نہایت عمدہ کتاب ، جس میں قرینے قرینے سے سب تصویریں تمام بادشاہان روے زمین کی حسب خواہش لگی ہوں اور کتاب الہم فرمائشی حسب خاطرخواہ تیار ہو تو سو ڈیڑھ سو روپیہ خرچ ہوگا ۔ میں نے تو (ناداری کے باعث) قسم کھائی ہے ۔ (لیکن) اگر آپ کو شوق ہو تو زر عنایت ہو ۔ بندہ سب طرح تیار کرا کر بھیج دے گا ۔ (میں نے) حماقت سے اُس فرنگی کی کتاب چھپوا لی ہے ۔ پچاس روپے تو خود چندے میں دیے اور اگر اور لوگوں کے پاس سے چندہ نہ آیا تو کئی سو روپے کا دھبّہ لگے گا ۔ کیونکہ جن احباب کو لکھا ہے اُن میں بعضے ایسے بھی ہیں جن سے اُس کی تعمیل کی توقع نہیں ہے ۔ اور وہ کتاب قریب نصف کے چھپ چکی ہے ۔ دو ہفتے میں تمام ہو جاوے گی اور چھاپہ خانے کا بل میرے نام پر پہنچے گا ۔ مولوی امداد العلی صاحب کا نہایت شکرگزار ہوا کہ بخیر یاد کیا ۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ تمام اہل ہند اور خصوص مسلمان بخیر یاد کریں بلکہ اپنا غلام سمجھیں ۔ التزام تقلید غیر کو شرک فی صفۃ النبوۃ کہنے سے توبہ کرتا ہوں ۔ توبہ توبہ مگر دل سے نہیں : ع

زیں توبہء ناصواب توبہ

محمود سے میں نے کہا کہ تمھاری طرف سے کچھ لکھ دوں ؟ اُس نے کہا کہ آپ کچھ نہ لکھیے ، میں خود خط لکھوں گا ۔ جناب مولوی معین‌الدین صاحب کا سلام پہنچنے سے مجھے سٹار آف انڈیا کی خوشی سے کچھ کم خوشی نہیں ہوئی ۔ میرا بہت بہت سلام مسنون عجز و نیاز مشحون دست بستہ عرض کر دیجیے گا ۔ والسلام

لندن ، ۱۸ جون ۱۸۶۹ء   خاکسار ، محبت گزین شما ، سید احمد

دیکھو نالائق زین‌العابدین نے اب تک کوئی خط نہیں لکھا ۔ یہ پرچہ چاک کر کے اُس نالائق کے پاس بھیج دینا ۔ بخدمت حافظ جی صاحب سلام ۔ جو تکلیف کہ پہلے خط میں (اُنھیں) دی ہے (اُمید ہے) وہ معاف فرماویں گے ۔

(۵)

قبلہ گویم یا خدا یا کعبہ یا پیغمبرش
اصطلاح عشق بسیار است و من دیوانہ ام

قبلہ میرے ، مخدوم میرے ، محب محبوب میرے (اب تو صاف لکھ دوں جو ہو سو ہو) سلامت !

آپ کا عنایت نامہ پایا اور عجیب کیفیت میں مبتلا کیا ـ کبھی اپنے کو دیوانہ سمجھتا ہوں ، کبھی تم کو دیوانہ جانتا ہوں ـ جو کچھ آپ نے لکھا ہے کبھی اُس پر بزور یقین لاتا ہوں ، پھر شک میں پڑ جاتا ہوں ـ اگر آپ لندن میں آئیں تو مجھ کو ، اور بالخصوص محمود کو ، جو خوشی ہو اُس کا اندازہ غیر ممکن ہے ـ مگر میں تو ان سب باتوں کو اب تک واہیات سمجھتا ہوں ـ آپ کا عنایت نامہ پہنچنے کے بعد میں مسٹر پالک صاحب کے گھر گیا ـ اتفاق سے وہ نہیں ملے ـ اور آج ڈاک ہندوستان کی روانہ ہونے والی تھی اس لیے یہ خط لکھنا ضرور پڑا ورنہ ایک ہفتہ اور تاخیر ہو جاتی ـ دس ہزار روپے قرض ملنا نہایت مشکل ہے ـ میں نہایت تکلیف ابھی اُٹھا چکا ہوں ـ باوجودیکہ جائیداد رہن کی اور پانچ ہزار روپے کا سود بحساب ۱۲ فی صدی اور پانچ ہزار کا سود بحساب ۸ فی صدی دیتا ہوں ـ جس شخص نے قرضہ دینے کا آپ سے اقرار کیا (اُس نے) واہیات اقرار (کیا) ہے ـ اُس کا وعدہ وفا کرنا میری دانست میں ناممکن ہے ـ پس جبکہ جڑ ایسی بودی ہے تو اُس پر عارت بنانے کا خیال محض لغو و بے فائدہ ہے ـ فقط

گورنمنٹ قرضہ لینے کو منع نہیں کرے گی اور نہ اجازت لینے کی ضرورت ہے کیونکہ اس میں مشکل پڑ جائے گی ـ درخواست رخصت میں صرف اس قدر لکھنا بطور اطلاع کے کافی ہوگا کہ بعد آ جانے منظوری رخصت اور تیار ہو جانے کے سفر ولایت کو "میں فلاں شخص سے اس قدر روپیہ قرض لوں گا ـ " کیونکہ بعد حصولِ رخصت اور ہر وقت چھوڑنے کام کے اُس ضلع سے قرض لینا "میں خلاف قانون نہیں سمجھتا ـ یہ صورت اُس وقت ہے جبکہ دہندۂ قرض ہمارے علاقے کا ساکن ہو ورنہ اُس کی بھی کچھ ضرورت نہیں ـ

یہاں تک میں خط لکھ چکا تھا کہ جناب لارڈ لارنس بہادر گورنر جنرل و

وائسرائے ہندوستان میرے ملنے کو تشریف لائے ۔ اب جو وہ تشریف لے گئے تو پھر خط لکھنا شروع کیا ۔

ہر سال لڑکے اسکالرشپ لے کر جائیں گے ۔ اپنے چچا زاد بھائی پر تاکید کرو کہ پڑھنے پر محنت کرے اور بنارس کالج میں بھیج دو ۔ آخر سال میں انٹرنس کا امتحان ہوگا ، اُس میں پاس ہو جائے ۔ اگرچہ اسکالرشپ ہونے کو امتحان کی ضرورت نہیں مگر سر ولیم میور صاحب کی رائے ہے ۔ جو باتیں آپ نے لکھی ہیں ، بجز دس ہزار روپیہ قرض لینے کے اور کوئی مشکل نہیں ہے ۔ اگر حقیقت میں تم چاہو تو بخوبی آ سکتے ہو اور کچھ بہت روپیہ درکار نہیں ہے ۔ دو ہزار روپیہ خرچ آمد و رفت اور دو سو روپیہ ماہواری خرچ قیام اینجا نہایت کافی ہے ۔ پانچ ہزار روپے میں ایک برس بخوبی سیر کر سکتے ہو ، اور اگر پڑھو تو اس عرصے میں نہایت قابل انگریزی میں ہو جاؤ گے ۔ میں نے انگریزی کا شوق نہیں کیا اور نہ ارادہ ۔ ''مواعظ احمدیہ فی اسرار ملۃ محمدیہ'' لکھ رہا ہوں ۔[1] انگریزی میں ترجمہ ہو رہا ہے ۔ خدا پورا کرے ۔ اُس کے مضمون دیکھ کر تعجب تو آپ بھی کریں گے لیکن اور بہت سے کافر مسلمان کافر بتائیں گے ۔

نہ کافرم نہ مسلمان نہ دل بدست نہ دینم
خدائے بر دل من دارد آگہی کہ چنینم

افسوس کہ یہاں کوئی مددگار نہیں ۔

میں نے یہاں بڑی غل مچائی ہے کہ ہندوستانی افسروں کو ، جو ولایت آنا چاہیں ، رخصت بلا وضع تنخواہ ملنی چاہیے ۔ اکثر ممبران انڈیا کونسل کان بھی میری فریاد پر رکھتے ہیں ۔ چنانچہ میں نے اپنی درخواست پیش کی ہے ۔ نقل اُس کی آپ کے ملاحظے کو بھیجتا ہوں[2] ۔ اگر یہ ہوگیا تو بلاشبہ آپ کو رخصت

۱۔ سر ولیم میور کی کتاب ''لائف آف محمد'' کا جواب جب سرسید نے لندن میں لکھنا شروع کیا تو اُس وقت اُس جواب کا نام ''مواعظ احمدیہ فی اسرار ملت محمدیہ'' رکھا مگر بعد میں بدل کر ''خطبات احمدیہ'' رکھ دیا ۔

۲۔ سرسید کی اس درخواست کا مسودہ نہیں مل سکا ورنہ شائع کیا جاتا ۔

پوری تنخواہ پر مل سکے گی ۔ اس وقت ڈاک کا وقت تنگ ہوتا ہے ۔ آئندہ ڈاک میں اور حال لکھوں گا ۔ والسلام

لندن ، ۹ جولائی ۱۸۶۹ع ، روز جمعہ　　　　　　خاکسار ، سید احمد

(۹)

مخدوم و مکرم بندہ سلامت !

بعد سلام مسنون التماس یہ ہے کہ جس کتاب کے چھاپے ہونے کا اشتہار میں نے بھیجا تھا وہ تمام ہو گئی ۔ ہفتہ یا دو ہفتے کے بعد اس کے نسخے آپ کے پاس روانہ کروں گا ۔ آپ دیکھیں گے کہ مصنّف نے کیسا انصاف اور کیسا سچ اختیار کیا ہے ۔ گو بعض خیالات اُس کے ہمارے خیالات کے مواقق نہ ہوں ۔ وہ مسلمان نہیں ہے ، انگریز ہے ۔ جب آپ اُس کی کتاب دیکھیں گے تو جانیں گے کہ وہ انگریز ہزاروں مسلمانوں سے بہتر ہے ۔ اب ایک اور بات ضروری ہے جو لکھتا ہوں ۔ انگریزوں نے مسلمان بادشاہوں اور مسلمان حکومتوں کی تاریخیں نہایت ناانصافی اور تعصّب سے لکھی ہیں اور کوئی برائی نہیں ہے جو مسلمانوں کی طرف منسوب نہ کی ہو ۔ ہماری قوم کے جوان لڑکے انگریزی میں اُنھی کتابوں کو پڑھتے اور دیکھتے ہیں جس سے بڑا نقص پیدا ہوتا ہے ۔ اور جو بات کہ از راہِ ناانصافی اور تعصّب کے مسلمانوں کی نسبت لکھی گئی ہے ، اس کو وہ سچ اور واقعی سمجھتے ہیں ۔ اس لیے ایسی قسم کی انگریزی کتابوں کا پیدا ہونا جن میں مسلمانوں کا حال نہایت سچائی اور انصاف سے لکھا گیا ہو ، نہایت مفید بلکہ نہایت ضروری ہے ۔

دو بہت بڑے واقعے دنیا میں ہوئے ہیں جن سے مسلمانوں کو نہایت بڑا تعلق ہے ۔

ایک واقعہ فتحِ اُندلس کا ہے جس میں سات سو برس تک مسلمانوں کی انگریزوں پر یعنی عیسائیوں پر حکومت رہی اور جو انصاف اور تعلیم و تربیت مسلمانوں نے اُس قوم کی کی ، عجیب اور قابلِ فخر ہے ۔

دوسرا واقعہ کروسیڈ کا ہے ، یعنی آٹھ لڑائیاں جو مسلمانوں اور تمام عیسائی قوموں سے بیت المقدس پر ہوئیں ۔ میں نے اس عالم صاحب سے کہا ہے کہ ان دونوں واقعوں کی دو مختصر تاریخیں وہ لکھ دیں اور اُن کی رائے میں

جو سچ اور انصاف ہو اور جس کا قصور اُس میں اُن کی منصفانہ رائے میں ہو ، سب لکھیں ۔ اور جو کہ وہ عالم صاحب نہایت منصف اور بہت بڑا عالم ہے اور جرمن ، فرنچ ، لیٹن ، گریک زبان جانتا ہے اور سب مصنّفوں کی کتابیں پڑھ کر رائے قائم کرتا ہے ، صرف انگریزی کتابوں پر اس کو بھروسا نہیں ہے ، اس لیے اُمید ہے کہ جیسی بلا تعصّب اُس نے یہ کتاب لکھی ہے ، ویسی ہی وہ بھی لکھے گا ۔ ان دونوں کتابوں کے چھپنے اور تیار ہونے میں آٹھ سو روپیہ تخمیناً خرچ ہوگا ۔ فی کتاب چار سو روپیہ ۔ پس میں چاہتا ہوں کہ آپ وہاں کے احباب سے آٹھ سو روپے چندہ کر کر میرے پاس بھیج دیں ۔ چندہ جمع کرنے میں شہرت نہیں چاہیے اور صرف احبابِ مخلصین سے چندہ جمع ہو ۔ مثلاً آپ ، میر ظہور حسین ، زین العابدین ، مرزا رحمت اللہ اور اَور احباب سے ملاقات کریں اور زبانی بات چیت کریں اور جو جس کی توفیق ہو اُس سے لے کر جمع کریں ۔ نہایت افسوس اور رنج کی بات ہے کہ میں احباب کا نام لکھتا ہوں اور اس میں مولوی سمیع اللہ خاں کا نام نہیں لکھتا ۔ اور جو کہ اب وہ اپنے تئیں اتقا میں جنید و شبلی اور ابی حنیعہ[1] سے مقدم اور اَور لوگوں کو یا فاسق گنہگار یا کافر مرتد سمجھتے ہیں ، اور دانائی اور دوراندیشی میں بھی اپنے برابر کسی کو نہیں جانتے اور ایک حقارت کی نگاہ سے ہر ایک کو دیکھتے ہیں ، اس لیے میں نہیں چاہتا کہ آپ اُن سے کچھ تذکرہ اس کا کریں ۔ اور حقیقت میں وہ شریک نہیں ہونے کے اور نہ دیں گے ۔ آئندہ آپ کو اختیار ہے ۔

ایک عجیب بات سنیے کہ جو کتاب چھپ چکی ہے اُس میں مصنّف نے لکھا ہے کہ جو الزام جلا دینے کتب خانۂ مصر کا نسبت حضرت عمرؓ کے لگایا جاتا ہے ، غلط ہے ۔ اور یونانی اور رومی تاریخوں سے ثابت کیا ہے کہ وہ کتب خانہ جولیس سیزر کے وقت میں جلا (بے وقوف شیخی پسند بعض ناواقف مسلمان مؤرخوں نے اسی واقعے کو ، مسلمانوں نے جب مصر فتح کی ، اُس کے ساتھ لگا دیا) ۔ اس امر کا ایسا مستحکم ثبوت دیا ہے کہ وہ کتب خانہ جولیس سیزر

۱- یہاں سرسید سے سہو ہوا ہے ۔ اصل نام ''ابی حنیفہ'' ہے ۔

نے جلایا جس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہو سکتا ۔ ''مواعظِ احمدیہ[۱]'' کا ایک وعظ تیار ہو گیا ۔ انگریزی میں ترجمہ ہو گیا ۔ اب انگریزی میں چھاپہ شروع ہوگا ۔ اُردو کتاب کے چھاپے میں یہاں بہت لاگت لگتی ہے ۔ بعد چھاپہ چند نسخے آپ کے پاس بھیجوں گا (تا دانم کہ مخدومم چہ می گوید) ۔ خدایا مخدومم مہدی اگر مرا کافر و مرتد داند باک نیست ، زیرا کہ این معاملہ مرا با تست نہ با مخدوم من مہدی لیکن محبت من ازو و محبت او از من کم مگردان ۔ او خدا ! دانندۂ رازہاے پوشیدۂ درون سینہ ہا ! تو میدانی کہ من با تو و با دین حقۂ اسلام دادۂ تو چہ می کنم و چہ اعتقاد دارم ۔ پس اگر مرا محبوب من مہدی لا مذہب یا کافر گوید یا سمیع اللہ و امداد العلی مرتد دالد ، مرا چہ باک ۔ تو بر من مہربان باش ۔ دشمن چہ کند چو مہربان باشد دوست ۔ والسلام

لندن ، ۲۳ جولائی ۱۸۶۹ع — خاکسار ، سید احمد

(۷)

جناب مخدوم و مکرمِ من سلامت !

بعد سلامِ مسنون عجز و نیاز مشحون عرض یہ ہے کہ آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۲۸ جون پہنچا ۔ عجب اتفاق ہے کہ میرا نیاز نامہ مورخہ ۴ جون آپ کے پاس پہنچا اور جو عریضہ مع اشتہار کتاب اُس سے پہلے روانہ کیا تھا وہ نہیں پہنچا ۔ غالباً پہلا عریضہ سوتھمپٹن[۲] کی راہ گیا جو نہایت پھیر کا رستہ ہے ۔ مگر اُمید ہے بعد اس کے پہنچ گیا ہوگا ۔ ایک انگریز نے جس کا نام مسٹر جان ڈیون پوٹ ہے ، حمایتِ اسلام میں ایک عجیب و غریب کتاب لکھی ہے ۔ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال لکھا ہے اور جس قدر اتہام اور الزام انگریزوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور قرآن پر اور مذہب اسلام پر

۱۔ یہ اشارہ سرسید کی مشہور کتاب ''خطبات احمدیہ'' کی طرف ہے ۔ تالیف کرتے وقت اس کا نام سرسید نے مواعظِ احمدیہ تجویز کیا تھا ۔ بعد میں خطبات احمدیہ زیادہ موزوں نام معلوم ہوا ۔

۲۔ South Thompton انگلستان کی ایک بندرگاہ کا نام ہے ۔

لگائے ہیں ، اُن کا جواب دیا ہے ۔ چونکہ یہ کتاب بالکل انگریزوں کے مخالف تھی (اس لیے) اُس کا چھاپا ہونا اور فروخت ہونا مشکل تھا ۔ میں نے کل لاگت چھاپے کی دینی قبول کی اور احباب سے پچاس پچاس روپے اُس کی لاگت ادا کرنے کو طلب کیے ، اور بعوض اس کے بارہ بارہ کتابیں دی جاویں گی ۔ اُسی (کی) بابت پچاس روپے آپ سے بھی طلب کیے تھے ۔ پس اگر وہ خط نہ پہنچا ہو تو اب فی الفور پچاس روپے بھیج دو ۔ وہ کتاب تیار ہو گئی ، چھپ چکی ۔ آئندہ میل میں روانہ کروں گا ۔ تصویر مسٹر ڈیون پورٹ کی بھیجتا ہوں ۔ نہایت تعظیم و ادب اور محبت رکھنے کے لائق آدمی ہے ۔ فقط ۔ جن لفظوں میں میں نے غیر ذبح کی ہوئی مرغی کھانے کا ذکر لکھا اور جس سے آپ کو افسوس ہوا ، اُس کا عذر کرتا ہوں اور معافی چاہتا ہوں ہاتھ جوڑ کر ۔ ہندوستانی نہ شرعی طور پر توبہ کرتا ہوں ۔ افسوس کہ مجھ کو ایسے لفظ لکھنے نہ آئے جن سے آپ کو افسوس نہ ہوتا ۔ برائے خدا معاف کیجیے ۔ جب میں وہ لفظ لکھ رہا تھا (تو) تم میرے دل میں اور میری آنکھوں کے سامنے تھے ۔ یہ میں جانتا تھا کہ تم ناپسند کرو گے ۔ بھائی کیا تم یہ بات پسند کرتے ہو کہ میں برا کروں اور اُس کو اس لیے چھپاؤں کہ لوگ برا نہ کہیں ۔ ہم کو اپنے خدا سے معاملہ ہے جس کے ہاتھوں سے ایسے تنگ آئے ہیں کہ کچھ بیان نہیں ہو سکتا ۔ جو کام کرتے ہیں وہ دیکھتا ہے ، جو بات کہتے ہیں وہ سن لیتا ہے ، جو دل میں لاتے ہیں (وہ) جان لیتا ہے ۔ ایسے پیچھے چمٹا ہے کہ نہ جہاز میں چھوڑے ، نہ زمین پر چھوڑے ۔ نہ رات کو الگ ہو ، نہ دن کو الگ ہو ۔ نہ غیر ذبح مرغی کھاتے وقت پیچھا چھوڑے ۔ پس جب میں نے نہایت سچے دل اور درست اعتقاد سے ایسے دوست اور سچے رفیق خدا سے شرم نہ کی تو پھر بھائی مہدی علی سے کیا ڈر کرتا ۔ میں اُس کو قرآن مجید سے جائز سمجھتا ہوں ، نہ روایت شاذہ سے ۔ بہرحال میں اس میں گفتگو نہیں کرتا ۔ شاید میں غلطی پر ہوں ۔ صرف معافی چاہتا ہوں ۔ اور آپ سے نہایت سچے دل سے التجا کرتا ہوں کہ بعض آقاؤں کے نہایت بد خصلت اور بدکردار غلام ہوتے ہیں ۔ وہ آقا اپنے غلام پر ناراض تو ہوتے ہیں مگر اُس غلام کو غلام سمجھے جاتے ہیں ۔ اسی طرح گو آپ میری حرکات ناشائستہ سے ناراض ہوں مگر مجھ کو اپنا غلام سمجھتے رہیں ۔ بر من منگر بر کرم خویش نگر ۔ یہ الفاظ میں نے نہیں لکھے ۔ میرے دل نے لکھے ہیں ۔ فقط والسلام

والی مصر کے ساتھ بعض علمائے مصر بھی تھے - سب انگریزوں کے ساتھ غیر ذبح کیے ہوئے جانور چٹ کرتے تھے -

میں دو دفعہ پالک صاحب کے پاس گیا - اُن سے ملاقات نہیں ہوئی - چار پانچ روز ہوئے کہ وہ از راہِ عنایت میرے مکان پر مجھ سے ملنے آئے - بہت عنایت سے ملے اور بہت دیر تک بیٹھے رہے - میں نے عرضی پیش کی اور بہت کچھ کہا ، اور جو امداد کا وعدہ انھوں نے کیا تھا وہ یاد دلایا - اُنھوں نے بہت غور سے سنا اور غور و فکر کرتے رہے ، اور کہا کہ ہمارے پاس بھی اُن کی انگریزی چٹھی آئی ہے - میں نے صاحب کلکٹر مرزا پور کے نام چٹھی لکھنے کو کہا - بعد تمام گفتگو کے یہ جواب دیا کہ ہم لکھیں گے اور مہدی علی کو بھی خود لکھیں گے - اب وہ متصل میں چلے گئے - دو مہینے بعد آویں گے - اور وعدہ کر گئے ہیں (کہ) "بعد آنے کے تم سے بہت دفعہ ملوں گا اور بہت بات چیت کروں گا -" پس اگر انھوں نے اس عرصے میں کچھ نہ کیا تو جب وہ واپس آویں گے (تو) پھر ذکر کروں گا - میں آپ کے لیے تصویرات جمع کر رہا ہوں اور نہایت سلیقے سے عمدہ البم میں لگاؤں گا - اور مکانات کی تصاویر بھی لیتا جاتا ہوں - آپ اس قدر عذراتِ مغایرانہ در بابِ ادائے قیمت کیوں لکھتے ہیں ؟ میں نے خود تم سے قیمت طلب کی ہے - میں تم کو اپنے بھائی کے برابر سمجھتا ہوں - تم سے روپیہ لینے یا منگانے میں بر وقتِ ضرورت یا بحالتِ لاچاری کچھ شرم نہیں ہے - بلاشبہ مجھ کو خرچ کی نہایت تنگی ہے - اُن تصویروں میں جو خرچ ہوگا تم کو دینا ہوگا بلکہ سو ڈیڑھ سو روپیہ اُس کام کے لیے پیشگی بھیج دو تو اور بھی بہتر ہے - مگر میں نے (تصویریں) جمع کرنی شروع کر دی ہیں - فقط

کتب خانۂ انڈیا آفس کی کوئی چھپی ہوئی فہرست نہیں ہے - کتب خانۂ ایشیاٹک سوسائٹی میں عربی فارسی نہایت قلیل و محدود کتابیں ہیں - کتب خانہ برٹش میوزیم ایک نہایت بڑا جنگل کتابوں کا ہے - کشّی الاریان صرف فہرست کی ہیں - اُس میں سے تفسیر یاقوت التاویل کا حال دریافت کر کر آئندہ میل میں لکھوں گا - فقط

میور صاحب کی کتاب کے جواب کا سامان نہیں ہوئے کا - اب اُس کی توقع نہیں - ایک انگریزی خواں اور ایک طالب علم جو مقاماتِ نشان دادہ کو کتب میں تلاش و نقل کر سکتا ، (اگر) میرے ساتھ ہوتا تو ایک برس میں اُس کا جواب

لکھ لیتا لیکن اب نہیں ہو سکتا - مگر میں اس کے مختلف مقامات پر چھوٹے چھوٹے رسالے لکھ رہا ہوں اور اُنھی کا نام ''مواعظ احمدیہ'' رکھا ہے - پہلا وعظ تیار ہوگیا - اُس کا مضمون یہ ہے کہ مسلمانوں کی کتابوں میں معتبر و غیر معتبر اور صحیح و غلط روایتیں شامل ہیں اور وہ اس قابل نہیں ہیں کہ اُن کی ہر ایک بات کو اصلی مذہب سمجھا جاوے - پس جن لوگوں نے ہماری کتابوں کی روایتیں چُن کر ہمارے مذہب پر یا جناب پیغمبر خدا صلعم کی نسبت الزام و اتہام دیا ہے ، وہ حماقت ہے - کیونکہ اول یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ روایت صحیح و معتبر بھی ہے یا نہیں - مگر اس کا طرز نگارش سیدھا صاف نہیں ہے - پیچ دار شمشیر برہنہ ہے - اُس کے مصنّف کے دل میں بجز مذہب اسلام کی محبت کے اور کسی کی محبت نہیں ہے - اُس نے اس طرح یہ وعظ لکھا ہے جیسے کہ مولوی اسماعیل صاحب نے محبت توحید میں ''تقویۃ الایمان'' لکھی ہے - ایک مقام پر لکھا ہے کہ ''ائمہ مجتہدین کے مسائل اجتہادی اور قیاسی اصلی مذہب مسلمانوں کا نہیں ہے - وہ صرف ایک قانون داں کی رائے ہے - اگر ہزار ابوحنیفہ و شافعی کے مسائل اور اجتہادات غلط ہوں تو مذہب اسلام کی نورانیت میں کچھ فرق نہیں آتا - پس کسی مجتہد کی رائے پر اعتراض کر کر مذہب اسلام کو غلط قرار دینا بجز حماقت کے اور کچھ نہیں -'' باقی حالات ڈاک آئندہ میں لکھوں گا - حافظ جی صاحب کی خدمت میں بہت بہت سلام کر کے کہنا کہ اگر آپ بھی میری غیر مذبوحہ مرغی سے ناراض ہوئے ہوں تو للہ معاف فرمائیے گا - والسلام

لندن ، روز جمعہ ۶ اگست ۱۸۶۹ع　　　　خاکسار ، سید احمد

آج دربار ہے اور میں سٹار آف انڈیا لینے جاتا ہوں - فقط

برخوردار حامد تسلیمات عرض کرتا ہے - مرزا خدا داد بیگ سلام مسنون عرض کرتے ہیں -

(۸)

مخدوم من و محبوب من سلامت !

تسلیم ! نہ صرف تسلیم بلکہ دل و جان سے تسلیم - نامۂ محبت مورخہ ۱۸ جولائی یافتم - مسرتے کہ بآں پزیرفتم پایانی ندارد - اے وقت تو خوش کہ

وقت ما خوش کردی ۔ اشعار آبدار آن محبت نامہ بجانم خلید و روانم چنید مگر این اتحاد روحانی و جسمانی را باید نگریست کہ احمد و مہدی در یک بحر و مضمون گنجیدہ اند :

مشتاق جمال تست این احمد شیدا ہم

در مصرع اول کہ خطاب بمن فرمودہ اند، اگر بجائے لفظ دیدارت، احوالت بودے نہایت مناسب حال من بودے :

آنی کہ باحوالت خلقے است تماشائی

و ھذا ھوالحق ''آنم کہ باحوالم خلقے است تماشائی'' اگر غم است ہمیں قدر است کہ نمیدانم کہ خدائے من تماشائے کدام احوال من میکند اللّٰہ ھو الغفور الرحیم :

گناہ من ار نیامدی در شمار
ترا نام کے بودے آمرزگار

اے خدائے من ! اے رحیم و غفور من ! اے محبوب و مطلوب من ! خلق را بگذار ، ہرچہ خواہند تماشائے من کنند ۔ تو مرا لیک تماشا کن :

نمیگویم دریں گلشن گل و باغ و بہار از من
بہار از یار و گل از یار و باغ از یار و یار از من

آہ ! چہ گفتم و کجا رفتم ۔ خدائے من از من جدا نیست ۔ مرا گذاشتن نمیتواند ۔ پس چرا پریشان شوم و چرا اندیشہا کنم ۔ حمد و ثنائے او سرایم کہ عین حمد و ثنائے خود است ۔ منصور اناالحق گفت ، پایہ بلند داشت ۔ من صرف الحق میگویم ۔ اے خدا از من بشنو و مستجاب کن ۔ آمین ! فقط

ان دنوں میں ذرا قدرے دل کو شورش ہے ۔ ولیم میور صاحب نے جو کتاب آنحضرتؐ کے حال میں لکھی ہے اُس کو میں دیکھ رہا ہوں ۔ اُس نے دل کو جلا دیا اور اُس کی ناانصافیاں اور تعصّبات دیکھ کر دل کباب ہوگیا ۔ اور مصمّم ارادہ کیا کہ آنحضرت صلعم کے سِیَر میں جیسا کہ پہلے سے ارادہ تھا ، کتاب لکھ دی جاوے ۔ اگر تمام روپیہ خرچ ہو جاوے اور میں فقیر بھیک مانگنے کے لائق ہو جاؤں تو بلا سے ۔ قیامت میں یہ تو کہہ کر پکارا جاوے گا کہ ''اس فقیر مسکین احمد کو ، جو اپنے دادا محمد صلعم کے نام پر فقیر ہو کر مرگیا ، حاضر کرو ۔'' مارا (این) تمغہ شاہنشاہی بس است ۔

میں نے فرانس اور جرمن سے اور مصر سے کتب ِسیَر منگانی شروع کر دیں ۔ چٹھیات روانہ ہو گئیں ۔ سیرت ہشامی[1] مطبوعہ اور چند کتابیں لیٹن کی خرید لیں ۔ ایک آدمی مقرر کر لیا جو لیٹن کا ترجمہ کر کے مضمون بتلا سکے ۔ تین مقدمات لکھنے شروع کر دیے ۔ اول جغرافیۂ عرب ، دوم انسابِ عرب ، سوم ثبوت آنحضرتؐ کی نسل کا حضرت ابراہیمؑ تک ۔ سب سے مشکل کام جغرافیہ ہے اور تمام چیزوں کے متعلق اسلام و سِیَر کے ثبوت کی بنیاد ہے ۔ خیر اب دعا کرو خدا مدد کرے اور انجام کو پہنچاوے : ع

ہرچہ بادا باد من کشتی در آب انداختم

ایک نہایت عمدہ ثبوت نسل ابراہیمؑ سے ہونے کا یہ ہے کہ بنی ہاشم اور دیگر اقوام عرب میں ، جو اولادِ حضرت ابراہیمؑ سے ہیں ، رسمِ ختنہ جاری تھی ۔ آپ تلاش کریں کہ کسی کتاب میں یا حدیث و سِیَر و تفسیر میں کوئی ایسی قوم بھی عرب میں پائی جاتی ہے جس میں رسمِ ختنہ نہ ہو ؟ عرب میں سوائے اولادِ حضرت ابراہیمؑ کے اَور قومیں بھی آباد تھیں ۔ اگر یہ بھی ثابت ہو جاوے کہ اُن قوموں میں رسمِ ختنہ نہ تھی تو نہایت عمدہ بات ہے ۔ نقول مقامات جو سابق میں طلب کی ہیں ، یقین ہے کہ اب تک روانہ ہو چکی ہوں گی ، بشرطیکہ حافظ جی صاحب نے مہربانی کی ہوگی ۔ میرا سلام اور بہت بہت سلام اُن سے کہیے ۔ اس بات کے دریافت ہونے سے کہ صاحب کمشنر بہادر نے آپ کے خلعت کی بھی رپورٹ کی ، حد سے زیادہ خوشی ہوئی ، خدا مبارک کرے ۔ اس کی منظوری سے انشاء اللہ تعالیٰ جلد خوشی حاصل ہوگی ۔ بھائی مہدی ! تم 'پائیر' اخبار الہ آباد میں سے ایک آرٹیکل کا ترجمہ سنو ۔ وہ لکھتا ہے کہ آج کل ہندوستان میں خاندان مسلمانوں کے روز بروز گھٹتے جاتے ہیں ۔ چنانچہ صرف بنگالہ میں تمام سلطنت کے ملازمین میں چند مسلمان ہیں ۔ وہ بھی ضعیف ہیں ۔ جلد پنشن لیں گے ، اور اُن کی جگہ یقینی کوئی مسلمان نہیں ہونے کا ۔ اور آئندہ بجز چپراسی اور دفتری کے کوئی مسلمان معزز عہدے پر نہیں ہوگا ۔ دیکھو جو میں کہتا تھا اور جس کا غم کرتا تھا اب سب لوگ وہی کہتے ہیں ۔ یہ آرٹیکل بہت بڑا ہے اور کہیں سے دستیاب ہو تو منگا کر بالکل سنو ۔ بہرحال جو عزت

۱- سیرۃ ابن ہشام مراد ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حالات میں نہایت معتبر کتاب ہے ۔

تم کو خدا نے دی وہ تمام قوم کی عزت ہے اور مجھ کو دُہری خوشی ہے ۔ ایک قومی ، دوسری خاص محبت و محبوبیت کی ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ با اقبال رکھے ۔ حامد کچھ دل پڑھنے پر نہیں لگاتا ۔ بہرحال گھر میں پڑھتا ہے ۔ سو روپے مہینے کا آدمی نوکر ہے جو تین گھنٹے آ کر حامد کو اور لیٹن محمود کو پڑھا جاتا ہے ۔ مگر حامد کا دل نہیں لگتا ۔ دربار ملکہ معظمہ کی حاضری کے لیے مجھ سے کہا گیا مگر میں نے بعض مصلحت کی نظر سے کہا ہے کہ پھر کسی دربار میں حاضر ہوں گا ۔ ہمیشہ دربار ہوتے ہیں ۔ یہاں کے امرا سے دوستانہ ملاقات نہایت بے تکلف ہوتی ہے اور کھانے پر جانا ہوتا ہے ۔ ہمیشہ محمود میرے ساتھ ہوتا ہے اور وہ ذریعۂ گفتگو اکثر ہوتا ہے ۔ وزیر ہند سے ایک دفعہ معہ حامد و محمود ملاقات ہوئی تھی اور دو دفعہ صرف میں تنہا ملا ۔ میں نے انگریزی میں ان کی سب باتوں کا جواب دیا ۔ سب سمجھا اور سب جواب صحیح دیے ، مگر نہایت بد و خراب انگریزی میں ۔ یہاں کے اکثر امرا اور ممبران پارلیمنٹ ہندوستان کے خیرخواہ ہیں مگر جو کہ حالات سے بخوبی واقف نہیں ہیں اس لیے بعضے تو کچھ جانتے ہیں اور بعضوں کی رائے کی نہایت غلطی ہوتی ہے ۔ حال کی پارلیمنٹ میں جو بل متضمّن مزید اقتدار گورنر جنرل ہندوستان پاس ہوا ہے ، درحقیقت ممبران پارلیمنٹ نے نہایت نیک نیتی سے اور ہندوستان کا فائدہ سمجھ کر پاس کیا ہے ، مگر ایسی غلطی رائے کی ہے جس کا بیان نہیں ہو سکتا ۔ حقیقت میں ہندوستان غلام ہو گیا اور یہ بل نہایت مضر ہندوستان کے لیے ہے ۔ اگر انگلستان میں یہ قانون جاری ہوتا تو کل رعیت اس کی منسوخی کی درخواست کرتی ۔ میونسپل کے قانون سے میں مختلف الرائے نہیں ہوں ۔ صرف یہ چاہتا ہوں کہ حکام انگریزی اُس روپے کو بیجا صرف نہ کریں ۔ ٹیکس کے باب میں کچھ گفتگو نہیں ہو سکتی ۔ درحقیقت آمد و خرچ پورا نہیں ہے ۔ وہ کتاب تیار ہو گئی ، آج کی ڈاک میں دو جلدیں میر ظہور حسین صاحب کے پاس بھیجی ہیں ۔ اس لیے کہ الہ آباد کے بعض عقل مند صاحب فرماتے ہیں کہ یہ بات جھوٹ ہے ۔ اگلی ڈاک میں آپ کے پاس دو جلدیں روانہ کروں گا اور باقی کتابیں جہاز میں پھیر کے رستے سے روانہ کروں گا تاکہ محصول کم خرچ ہو ۔ والسلام

لندن ، ۲۰ اگست ۱۸۶۹ع ، روز جمعہ — خاکسار ، سید احمد

چھجو آداب و تسلیمات عرض کرتا ہے اور اس وقت میرے سر پر کھڑا ہے اور آپ کی تصویر مانگتا ہے ۔ اُس نے بھی ایک البم بنائی ہے ۔ فقط

(ترجمہ خط نمبر ۸)

مخدومِ من و محبوبِ من سلامت !

تسلیم ! نہ صرف تسلیم بلکہ دل و جان سے تسلیم ۔ محبت نامہ مورخہ ۱۸ جولائی ملا ۔ بے انتہا خوشی حاصل ہوئی : ع

اے وقتِ تو خوش کہ وقتِ ما خوش کر دی

(اے وہ شخص جس نے ہمیں خوش وقت کیا وہ خوش رہے)

اُس محبت نامے کے اشعار میرے دل میں کھب گئے اور روح میں پیوست ہو گئے ۔ مگر اُس جسمانی اور روحانی اتحاد کو دیکھنا چاہیے کہ احمد اور مہدی ایک بحر اور ایک ہی مضمون میں سما گئے : ع

مشتاقِ جمالِ تست ایں احمدِ شیدا ہم

ترجمہ : یہ احمدِ شیدا بھی تیرے جمال کا مشتاق ہے ۔

پہلے مصرع میں کہ مجھ سے خطاب فرمایا ہے ، وہاں اگر لفظ "دیدارت" کی بجائے "احوالت" ہوتا تو میرے حال کے نہایت مناسب ہوتا : ع

آنی کہ باحوالت خلقے است تماشائی

ترجمہ : 'تو وہ ہے کہ تیرے احوال کی ایک دنیا تماشائی ہے ۔

اور یہ سچ ہے "آنم کہ باحوالم خلقے ست تماشائی"

ترجمہ : میں وہ ہوں کہ جس کے حال کی ایک دنیا تماشائی ہے ۔

اگر غم ہے تو صرف اتنا ہے ، میں نہیں جانتا کہ میرا خدا میرے کون سے حال کو دیکھتا ہے ۔ انہ ھو الغفور الرحیم ۔

گناہِ من ار نیامدی در شمار
ترا نام کے بودے آمرزگار

ترجمہ : میرے گناہوں کا شمار 'تو اگر کرتا تو کب بخشش کرنے والا کہلا سکتا تھا ۔

اے میرے خدا ! اے میرے غفور و رحیم ! اے میرے محبوب و مطلوب ! دنیا کو چھوڑ ۔ وہ لوگ جو چاہیں میرے ساتھ سلوک کریں ، 'تو میرے ساتھ

اچھا برتاؤ کر :

نمی گویم دریں گلشن گل و باغ و بہار از من
بہار از یار و گل از یار و باغ از یار و یار از من

ترجمہ : میں یہ نہیں کہتا کہ اس گلشنِ دنیا میں گل اور باغ اور بہار مجھ سے ہے ، بلکہ بہار دوست سے ہے ، پھول دوست کا ہے اور باغ دوست کا ہے لیکن دوست میرا ہے ۔

آہ ! میں کیا کہہ گیا اور کہاں چلا گیا ۔ میرا خدا مجھ سے جدا نہیں ہے ۔ وہ مجھ کو نہیں چھوڑ سکتا ۔ پھر میں کیوں پریشان ہوں اور کیوں فکر میں مبتلا ہوں ۔ اس کی حمد و ثنا کروں کہ وہ خود میری ہی مدح سرائی ہے ۔ منصور نے 'اناالحق' کہا ۔ اس کا مرتبہ بلند تھا ۔ میں صرف 'الحق' کہتا ہوں ۔ اے وہ خدا جو میری سنتا ہے ، اسے قبول کر ۔ آمین ! فقط

(۹)

جناب مخدوم و مکرمِ بندہ سلامت !

بعد سلام مسنون عرض یہ ہے کہ دو قطعہ عنایت نامہ مورخہ ۳ اگست و ۵ اگست معہ ہنڈوی پچاس روپیہ کے پہنچے اور ممنونِ عنایت کیا ۔ اپنے سفر کی بابت جو آپ نے مجھ سے رائے پوچھی ہے درحقیقت آپ کی رائے بالکل صحیح ہے ۔ اگر آپ یہاں تشریف لائے تو کچھ فائدہ ، جو معاوضہ اس قدر زیرباری قرضے کا ہو ، نہیں ہونے کا ۔ میں ہرگز صلاح نہیں دیتا کہ آپ اس قدر زیرباری قرضہ اُٹھاویں اور برس روز کے لیے یہاں تشریف لائیں ۔ یہ اس قدر بڑا شہر ہے اور ایک ایسا کارخانہ ہے کہ کوئی کسی کو نہیں پوچھتا ۔ میرے واسطے جو کچھ یہاں ہوا آپ اس کو تعجبات اور امور اتفاقیہ سے سمجھیے ۔ صاف صاف بات یہ ہے کہ یورپ صرف دو آدمیوں کے کام کا ہے ؛ اول اُن کے جو جوان نوعمر ہیں اور علوم و فنون جدیدہ کی تربیت چاہتے ہیں اور یورپ کی زبان سے واقف ہیں ۔ دوسرے اُن لوگوں کے لیے جو صرف سیر کے خواہاں ہیں یا اپنے ملک اور اپنے ملک کے لوگوں کی ترقی میں کوشش کرنا چاہتے ہیں ۔ سیر کا تو مختصر یہ حال ہے کہ یہاں وہ چیزیں اور وہ کارخانے اور وہ صنائع اور وہ

عمارات اور ایسے عجائبات ہیں کہ لا عین رأت ولا اذن سمعت[1] ۔ امکان نہیں کہ جن لوگوں نے اس کو نہیں دیکھا اُن کے سامنے وہ بیان ہو سکیں اور وہ سمجھ سکیں ۔ جس وقت انسان یورپ کی سرحد میں پہنچتا ہے ، حقیقت میں اُس کو ایک نیا عالم معلوم ہوتا ہے اور اُس کو یقین ہو جاتا ہے کہ ہندوستان میں جا کر جو انگریز ہم کو مثل جانور کے جانتے ہیں ، درحقیقت ہم ہندوستانی ایسے ہی ہیں ۔ عقل مند اور عبرت اور نصیحت پکڑنے والا آدمی تمام حالات اور رسم و رواج یورپ دیکھ کر یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ کون سی رسمیں اور عادتیں ہندوستان کی اور خصوص مسلمانوں کی اچھی ہیں اور کون سی خراب اور قابل تبدیل ہیں ۔ اصول ایمانیہ اسلامیہ پر جس قدر یقین یورپ کے آنے سے اور یہاں کے حالات اور علوم اور علما کی رائیں دریافت کرنے سے ہوتا ہے ، بلا تشبیہ لعوذ باللہ ویسا یقین حج سے نہیں ہوتا ۔ زیادہ تعجب یہ دیکھ کر ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ جو ہو رہا ہے ، صرف بڑے اور آپس میں لوگوں نے کیا ہے ۔ گورنمنٹ سے کچھ علاقہ نہیں ہے ، اور یہ دیکھ کر آدمی یقین کر سکتا ہے کہ ہندوستان میں اگر بہت سے آدمی متوجہ ہوں اور علوم و فنون و سویلزیشن پر کوشش کریں تو وہ بلا اعانت گورنمنٹ بہت کچھ کر سکتے ہیں ۔ اور ان خیالات سے اور حال دیکھنے سے عقل مند اور بیدار آدمی کو اپنے ملک کی ترقی اور بھلائی اور قومی خیرخواہی زیادہ بڑھتی ہے ۔ جس شخص کے پاس روپیہ ہو اس کو صرف اس قدر کافی ہے کہ یورپ آوے اور تین چار مہینے موسم گرما میں ، جب کہ یہاں سب کچھ جاری ہوتا ہے ، ہر ایک چیز کی سیر کرے اور چلا جاوے اور اپنے ملک میں اُس بھلائی کو پھیلاوے ۔ مگر میں ہرگز رائے نہیں دیتا کہ اس امر کے حاصل کرنے کو قرض سے اپنا گلا بندھاوے ۔ پس میں آپ کو ہرگز رائے نہیں دیتا کہ قرض لے کر آپ یہاں تشریف لاویں ۔ اور بالفرض اگر آویں بھی تو چھ مہینے سے زیادہ کے لیے آنا محض لغو و حماقت ہے ۔ میرے حال پر خیال نہ کیجیے ، میرا حال جدا تھا اور چند خیالات مجھ کو تھے ۔ میں نے جائیداد بیچی اور دس ہزار کا قرض کیا ۔

عاقل و عیاش آدمی کے لیے جو خوشی اور نعمت یہاں متصوّر ہے ، خدا

۱۔ یعنی نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا ۔

معلوم بہشت میں بھی ہوگی یا نہیں ۔ میرے ایک بڑے معزز دوست نے ایک بہت بڑے جلسے میں جہاں نہایت تکلف کی پوشاک پہنے ہوئے کئی سو مرد و میم و لیڈی نہایت خوبصورت و خوش کلام اور قابل جمع تھیں ، پوچھا کہ ''کہو لندن بہشت ہے اور حوروں کا ہونا سچ ہے یا نہیں ؟'' ۔ پس مختصر حال و نتیجہ سفر یورپ کا یہ ہے ۔ مگر ہماری قسمت میں وہی جلنا ہے ۔ یہاں کا حال دیکھ دیکھ کر اپنے ملک اور اپنی قوم کی حماقت اور بے جا تعصّب اور تنزّلِ موجودہ اور ذلّتِ آئندہ کے خیال سے رنج و غم زیادہ بڑھ گیا ہے ۔ اور کوئی تدبیر اپنے ہم وطنوں کے ہوشیار کرنے کی نہیں معلوم ہوتی ۔ مذہب جس کو وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے خوب اختیار کیا ہے ، اس میں بھی وہی حماقت اور نالائقی اور گمراہی ہے جو اور تمام کاموں میں ہے ۔ پس کوئی کیا کرے ۔ بد اقبالی ، بدنصیبی کا کچھ علاج نہیں ۔ فقط

میں روز و شب تحریر کتاب ''سیرِ مصطفوی'' [1] صلعم میں مصروف ہوں ۔ سب کام چھوڑ دیا ہے ۔ لکھتے لکھتے کمر درد کرنے لگتی ہے ۔ ادھر فکر ترتیب مضامین کتاب ، اُدھر فکر جواب اعتراضات ۔ ادھر فکر تنقیح و تصحیح روایات صحیح میں مبتلا رہتا ہوں اور کسی شخص کے مددگار نہ ہونے سے یہ کام اور بھی سخت ہوگیا ہے ، اُدھر جب حساب دیکھتا ہوں تو جان نکل جاتی ہے کہ الٰہی ! لکھنا اور چھپوانا تو شروع کر دیا ، روپیہ کہاں سے آوے گا ۔ مسلمان البتہ آستینیں چڑھا کر اس باب میں تو لڑنے کو تیار ہوں گے کہ انگریزوں کے ساتھ کھانا مت کھاؤ ، مگر جب کہو کہ مذہبی تائید میں کچھ روپیہ خرچ کرو تو جان بچاویں گے ۔

دوسرا باب جس میں عرب کا جغرافیہ اور وہاں کی قوموں کا اور حضرت اسماعیل[ع] کے وہاں آ کر آباد ہونے کا ذکر ہے چھپ رہا ہے ۔ عرب میں سے ایک کتبہ نکلا ہے جو یہاں کے برٹش میوزیم میں موجود ہے ۔ وہ کتبہ آنحضرت صلعم سے بہت پہلے کا ہے اور اس سے حضرت ہود[ع] کا عرب میں پیغمبر ہونا اور قومِ عاد کے مکانات کا وجود بخوبی ثابت ہوتا ہے ۔ چنانچہ وہ کتبہ بعینہ اُسی خط میں مع ترجمہ میری کتاب میں مندرج ہوگا ۔

میری دانست میں نہایت خیرخواہی اسلام کی اور سب سے زیادہ ضرورت

۱۔ ''خطباتِ احمدیہ'' مراد ہے ۔

اس بات کی تھی کہ یہ کتاب انگریزی زبان میں چھاپی جاوے ، اس لیے انگریزی چھاپنا شروع کر دیا اور اُردو ابھی ملتوی ہے[1] - علاوہ اس کے انگریزی عبارت لکھنے والے عمدہ اور کم قیمت پر یعنی بہ نسبت ہندوستان کے کم قیمت پر ملے ہیں - ہندوستان میں ممکن نہ تھا (کہ ایسی آسانی سے یہ کتاب انگریزی میں لکھی جاتی) - جو شخص کہ میری کتاب انگریزی میں لکھتا ہے اُس کی لیاقت کا کوئی انگریز ہندوستان میں نہیں ہے - پس ایسا شخص ہندوستان میں کہاں ملتا - اگر میری یہ کتاب تیار ہوگئی جس میں دس باب ہیں تو میں لندن میں آنا دس حج کے برابر اور باعث اپنی نجات کا سمجھوں گا - خدا قبول کرے - آمین !

اس معاملے میں سوائے تمھارے میں اور کسی کو کچھ نہیں لکھتا ، اس لیے کہ جو میرے دلی دوست ہیں اُن کو خدا نے عقل نہیں دی - اور حقیقت یہ ہے کہ جب تک دل سے شوق نہ ہو ، صرف خاطر سے کچھ کرنا فائدہ مند نہیں ہوتا - بہرحال مجھ کو اعانت کی نہایت ضرورت ہے :

۱- اول تو انتخاب و تحریر مقامات کتب و تحقیق بعض مسائل کی جو میں آپ کو لکھوں ، آپ اُس کو بخوبی انجام دیں گے - اس میں کچھ تامل نہیں - مگر اس قدر دیر نہ ہو جیسے کہ اب تک کی ہے - اس وقت تک حدیثیں معراج و شق صدر کی نہیں پہنچیں -

۲- دوسری بلا شبہ روپے کی ضرورت ہے - کم سے کم دو ڈھائی ہزار روپیہ خرچ ہوگا - آپ وہاں احباب مخلصین سے چندہ کیجیے - صورت چندے کی یہ ہو کہ جو جس کا مقدور ہے دے اور بعد تیار ہو چکنے کتاب کے جس قدر روپیہ اُس نے دیا ہے اُسی قدر قیمت کی کتابیں اُس کو دے دی جاویں - اس چندہ کرنے میں یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ کل ڈھائی ہزار کا چندہ ہو کیونکہ جس قدر ہو وہی غنیمت ہے اور اُسی قدر بوجھ ہلکا ہوگا - میرا ارادہ ہے (کہ) میں میر ظہور حسین ، مرزا رحمت اللہ بیگ ، مولوی زین العابدین ،

۱- انگریزی کتاب تو لندن ہی میں ۱۸۷۰ع میں چھپ گئی تھی مگر اُردو کتاب ''خطبات الاحمدیہ فی العرب و سیرۃ المحمدیہ'' کے نام سے ۱۸۸۷ع میں علی گڑھ سے شائع ہوئی -

تراب علی ، محمد احمد ، مہدی علی وغیرہ آدمیوں کو خط لکھوں
کہ مجھے ضرورت ہے ، سو سو روپیہ بھیج دو ۔ سوائے اس کے اور
کچھ نہ لکھوں ۔ یقین ہے کہ یہ لوگ بھیجیں گے ۔ پس جس قدر
مدد ہوگی وہی غنیمت ہے ۔ فقط

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ کسی مہاجن سے کچھ روپیہ قرض لیا
جاوے اور اس کتاب کی تیاری میں لگایا جاوے ۔ بعد تیاری کے
کچھ شبہ نہیں ہے کہ یہ کتاب بہت بکے گی اور انگریز بہت
لیں گے ۔ آج تک مسلمان کی لکھی ہوئی کوئی کتاب آنحضرت صلعم
کے حال کی انگریزی میں نہیں ہے ۔ پس اُس کی قیمت سے اُس کا
روپیہ دیا جاوے ۔ اگر نقصان ہو تو میں اور وہ لوگ جو اس میں
شریک ہوں ادا کریں ۔ فقط

چند بڑے قابل انگریز ، جو مسلمان ہوگئے ہیں ، اُن کی لکھی ہوئی کتابیں
نہایت تلاش سے ہم پہنچاتی ہیں اور دس گنی قیمت دے کر خریدی ہیں ۔ اُن میں
ایک کتاب ہاتھ آئی ہے جس میں اُس انگریز نے نہایت خوبی سے ''یاتی من
بعدی اسمہ احمد'' کے فقرے کو ثابت کیا ہے کہ ویسی دلیلیں کسی مسلمان
مولوی کے خیال میں بھی نہیں گزر سکتیں ۔ علاوہ اس کے میں کیا بتاؤں کہ
میں نے کیا کیا ہے ؟ اگر تم یہاں ہوتے تو شاید بھولے نہ سماتے ۔ بلا تصنّع
میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ مولوی امداد العلی صاحب کی نسبت سٹار آف
انڈیا تجویز ہونے سے بے انتہا خوشی ہوئی ۔ (میری) عین آرزو مسلمانوں کی ترق
اور عزت کی ہے ۔ خواہ اس کو کوئی میرے ضد سے حاصل کرے ، خواہ میرے
حسد سے ، خواہ میرے ذلیل کرنے کو ۔ چشم ِ ما روشن دل ِ ما شاد ۔ اُن کا یہ
فرمانا کہ ''سید احمد نے انگریزوں کا جھوٹا کھاکر سٹار آف انڈیا لیا اور
انھوں نے مونچھوں پر تاؤ دے کر'' نہیں نہیں بھول گیا ، اُن کی مونچھیں نہیں
ہیں ، داڑھی پر ہاتھ پھیرکر ، میرے سر اور آنکھوں پر ۔ خدا کرے ایک اُن کو
اور ہزار مسلمانوں کو یہ دن نصیب ہو ۔ حافظ جی صاحب کی خدمت میں بہت
بہت سلام اور جب انتخاب احادیث پہنچے گا ، جب شکر بھی کروں گا ۔ جناب
مولوی معین الدین صاحب کی خدمت میں السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ۔
السلام علینا و علیٰ عباد اللہ الصالحین و علی الذین آمنوا بما اُنزل علیٰ محمد

صلی اللہ علیہ و سلم و آمنوا بجمیع آیات اللہ و کلماتہ و آمنوا علی کلامہ تعالیٰ و طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم ۔ والسلام

لندن ، ۱۰ ستمبر ۱۸۶۹ء خاکسار ، سید احمد

(۱۰)

جناب مخدوم و مکرمِ من !

تسلیم ۔ پلندہ نقول مقامات کا پہنچا ۔ ممنونِ عنایت کیا ۔ میرے دل نے اور میری آنکھوں نے حافظ جی صاحب کا بہت بہت شکر کیا ۔ ایسا خوش خط تھا کہ آنکھوں کو روشنی ہوتی تھی ۔ مگر اس قدر خوش خط لکھنے کی تکلیف اُٹھانی کچھ ضرور نہ تھی ۔ بہرحال دل و جان سے شکریہ ۔ اگر وہاں ہوتا تو ہاتھوں کو آنکھوں سے لگا لیتا ۔ فقط

میری یہ رائے ہے کہ سو سو روپیہ احباب مخلصین سے چندہ لیا جاوے ۔ پختہ تیس آدمی جمع ہونے چاہئیں ۔ اس میں جس قدر ہو جاویں ہو جاویں ، مگر تین ہزار روپے سے کم خرچ نہیں ہونے کا ۔ تین آدمیوں کو خط لکھے ہیں ۔ محمد احمد ، مرزا عباس بیگ صاحب ، نواب ضیاء الدین خان صاحب ۔ مگر پہلے شخص سے شریک ہونے کی بہت کم توقع ہے ۔ آپ تو رعیتِ خاص ہیں ۔ پس آپ کو لکھتا ہوں کہ سو روپیہ بھیج دو ۔ بذریعہ ہنڈوی درشنی نقد بلا بٹہ و نقصان ۔ مولوی زین العابدین کو بھی خط لکھا ہے ۔ سو روپے نقد مانگے ہیں ۔ تعطیلِ دسہرہ میں آپ ضرور اُن سے ملیں اور اُن سے میرا خط لے کر ضرور پڑھیں ۔ اور لوگوں کو بھی یعنی مرزا رحمت اللہ بیگ اور میر ظہور حسین اور میر تراب علی کو بھی لکھوں گا ۔ مجھ کو بعض دفعہ خیال ہوتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ سمجھیں کہ اس شخص نے دق کر دیا ہے ۔ اس سے پیچھا چھڑانا مشکل ہوگیا ہے ۔ ایسا نہ ہو کہ یارِ شاطر سے بار خاطر ہو جاؤں ۔ بہرحال خدا کے واسطے کرتا ہوں ، کچھ اپنا ذاتی معاملہ نہیں کہ جس میں یارِ شاطر یا بار خاطر ہونے کا خیال کروں ۔ مرزا رحمت اللہ بیگ صاحب نے نہ خط کا جواب لکھا ، نہ سابق کے پچاس روپے اب تک بھیجے ۔ اس کا سبب اب تک نہیں معلوم ہوا ۔ اور سب جگہ سے جس جس کو لکھا تھا آ گئے ۔ فقط

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کل معجزات منتخب کرکر ایک فہرست

معہ مختصر حال کے بتائیے ۔ اُن میں سے جس قدر کہ غیر ثابت ہیں اُن کے اُوپر تو لفظ 'غیر ثابت' لکھ دیجیے اور جس قدر کہ آپ کے نزدیک ثابت ہیں اُن کا ثبوت لکھیے ۔ اور جن کتابوں پر استدلال کیجیے ان کی عبارت کی نقل کیجیے ۔ اور جن لوگوں نے اس کے برخلاف رائے دی ہو اُس کا رد بتائیے ۔ اور ایسی وجوہات بھی لکھیے جو غیر مذہب والوں پر حجّت ہوں ۔ اور یہ سب چیزیں میرے پاس بھیج دیجیے ۔ میں تو یہ سب کچھ لکھوں گا مگر دیکھوں تو سہی کہ یہ حضرات ، جو تقلید کی غلامی کر رہے ہیں ، وہ کیا کرتے ہیں ۔ بہرحال آپ ہر طرح ہر اس وقت میں میری مدد کیجیے ۔ جو بات جو مضمون میں آپ کو لکھوں اُس کو آپ سمجھیے کہ نہایت ضروری ہے اور نہایت تاکید سے لکھا ہے اور اُس کا جلد اور نہایت جلد انجام دینا نہایت ضرور ہے ۔ کیونکہ جو بات میں آپ کو لکھ بھیجتا ہوں اُس سے بے فکر ہو جاتا ہوں کہ وہ ضرور انجام ہو جاوے گی ۔ آپ بھی اپنے مخلصین احباب ؛ جو چندے میں شریک ہوں ، پیدا کیجیے ۔ اپنے ماموں صاحب کو لکھیے ۔ شرط صرف اس قدر کہ سو روپے کی قیمت کی کتابیں اُن کو دے دی جاویں گی ۔ روپیہ ہر روز صرف ہوتا جاتا ہے ۔ کتنے کھدوائے ہیں ۔ نقشہ جات جو استدلالات کتاب میں داخل ہوں گے بنوائے ہیں ۔ صرف پنسل سے اُس نقشے کی بنوائی ، جس میں سفر موسیٰ اور وادی الطحیٰ اور بیابان فاران کا بیان ہے ، ۴۸ روپے دیے ہیں اور اب وہ چھپنے کو جاتا ہے ۔ عنقریب اُس شخص کا بل آنے والا ہے جو انگریزی عبارت لکھتا ہے ۔ پس روپیہ بھیجنے میں اور شریکوں کے فراہم کرنے میں ذرہ بھی توقف نہ کیجیے ۔ والسلام

لندن ، ۱۷ ستمبر ۱۸۶۹ء　　　　خاکسار ، سید احمد

(۱۱)

جناب عالی !

آپ کا عنایت نامہ مورخہ بلا تاریخ پہنچا ۔ تیسری ستمبر کو میں نے بہت بڑا خط لکھا تھا ؛ بڑے مضمون اور مطالب اس میں تھے ۔ افسوس کہ اُس تاریخ کا میل جو جہاز لے کر چلا تھا وہ عدن کے قریب ڈوب گیا ۔

میں نے بہت صاف صاف رائے آپ کو لکھی ہے در باب سفر ولایت ۔ یقین

ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ پہنچے گی - اب میرا حال سنیے ؛ مواعظ احمدیہ[1] کے لکھنے میں شب و روز مصروف ہوں - اس کے سوا اور کچھ خیال نہیں - جانا آنا ، ملنا جلنا سب بند ہے - آنحضرت صلعم کی بارہ برس کی عمر تک کا حال لکھ چکا اور سر ولیم میور صاحب اور اور مصنفوں نے یہاں تک کے حال پر جو کچھ لکھا ہے سب کے ایک ایک حرف کا جواب لکھا ہے - مگر ایسا جواب نہیں ہے جیسا کہ تمھارے ہاں کے "ملا" مشرکین فی صفات النبوۃ دیتے ہیں - نہایت محققانہ جواب ہیں - اور یہ شرط ہے کہ کسی شخص کے آگے ڈال دو ، کیسا ہی بیدین کیوں نہ ہو ، اگر وہ کہے کہ ہاں نہایت سچ اور انصاف کا جواب ہے ، تو تو میرا نام ورنہ میرا نام ہی نہیں - اپنی تحریر کو آپ بھی دیکھتا ہوں اور ایسا خوش ہوتا ہوں کہ بیان سے باہر ہے -

دوسرا خطبہ جغرافیہ عرب کا قریب الاختتام ہے - نہایت عمدہ طور سے ثابت ہوا ہے کہ فاران وہی میدان اور پہاڑ ہیں جہاں کعبہ واقع ہے - معلوم نہیں کہ آپ فاران کے لفظ سے واقف ہیں یا نہیں ، کیونکہ یہ بہت بڑا رکن مباحثے کا ہے - جس قدر لکھا ہے وہ انگریزی ہو گیا اور چھپ رہا ہے - اس وقت میرے سامنے دوسرے خطبے کے ۲۳ ورق چھپے ہوئے رکھے ہوئے ہیں - پہلا خطبہ جو تیار رکھا ہے ، ایک نسخہ اُس کا آپ کے پاس بھیجتا ہوں اور جب دوسرا ختم ہو جائے گا اُس وقت وہ بھی بھیجوں گا اور علیٰ ہذا القیاس - مگر اس بات کی احتیاط رہے کہ اس کتاب کی تصنیف کی شہرت نہ ہو - اور جب تک کہ کتاب پوری نہ ہو لے اور چھپ نہ لے اُس وقت تک کسی کو نہ معلوم ہو کہ ولیم میور صاحب کی کتاب کا جواب لکھا جاتا ہے - پس اغیار سے اس کو مخفی رکھنا چاہیے کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ قبل اتمام کتاب جناب سر ولیم میور صاحب کو اس کا حال معلوم ہو - بعد اتمام انشاء اللہ تعالیٰ میں خود اپنے ہاتھ سے نذر دوں گا - اب بجز روپے کے اور کسی چیز کی فکر نہیں - میں چاہتا ہوں کہ آپ اس خط کے پہنچنے کے بعد میر ظہور حسین صاحب کے پاس جائیے اور میری یہ درخواست ہے کہ دونوں صاحب مل کر کسی مہاجن سے میرے لیے ہزار روپیہ قرض لیجیے - سود اور روپیہ میں ادا کروں گا - مگر چونکہ میں یہاں ہوں اس لیے کچھ بندوبست نہیں کر سکتا - ہزار روپیہ بھیجنے

۱- یعنی خطبات احمدیہ -

کے لیے دلی لکھا ہے - اور میں نے لکھا ہے کہ کتابیں اور میرا اسباب یہاں تک کہ ظروف مسی تک فروخت کر کر ہزار روپیہ بھیج دو - اگر ہزار روپیہ آپ دونوں صاحب قرض لے کر مجھے بھیج دیں اور ہزار روپیہ یقینی دہلی سے آوے اور پانچ چھ سو روپیہ چندے کے ذریعے سے وصول ہو جاوے تو کتاب بخوبی چھپ جاوے گی - میں نے میر ظہور حسین صاحب سے سو روپے چندے کے طلب کیے ہیں - گو وہ کہتے ہیں کہ تنگ ہوں مگر ضرور بھیجیں گے - وہ میری بات سے کبھی انکار نہیں کرنے کے - اور سو روپے آپ اپنے چندے کے بھیج دیجیے- اور اس خط کا جواب بلا توقف بھیجیے گا کہ ہزار روپے قرض کی تدبیر ہو سکی یا نہیں - کیونکہ اگر تدبیر نہ ہو سکے تو مجھے جلد اطلاع کرنی چاہیے تاکہ میں اور فکر کروں - اگر یہ کتاب بعد چھپنے کے خاک میں ملا دی جاوے گی ، تب بھی ہزار روپے جو قرض لیے جاتے ہیں وصول ہو جاویں گے - کیا کہیے ، اس کتاب کے پیچھے خواب و خور حرام ہو گیا ہے - خدا مدد کرے - ایک سوداگر صرف اسی خطبے کے ڈیڑھ سو نسخے خریدتا تھا - میں نے متفرق بیچنے سے انکار کیا - اُس نے بہت سی کتابیں دی ہیں مستعار واسطے لکھنے کتاب کے - اس شرط پر کہ یہ کتاب سوائے اس کے اور کسی کے ہاتھ یورپ بھر میں نہ دوں - پس مجھ کو کچھ شک نہیں ہے کہ جس قدر روپیہ لگے گا اُس سے بہت زیادہ قیمت سے وصول ہوگا - صرف اس وقت روپیہ لگانے کی دقّت ہے - اگر ہندوستان سے روپیہ آنے کی مایوسی ہو جاوے تو میں خود یہاں کسی بنک سے روپیہ قرض لوں گا - انشاء اللہ تعالیٰ کتاب ضرور پوری کروں گا -

مرزا رحمت اللہ بیگ صاحب کا کوئی خط نہیں آیا - نہ چندہ سابق کا اُنھوں نے روپیہ بھیجا - اُن کا حال لکھو کہ وہ کیسے ہیں - اب زیادہ لکھنے کی فرصت نہیں - والسلام

لندن ، یکم اکتوبر ۱۸۶۹ع خاکسار ، سید احمد

بنگالیوں کا اپیل دائر ہے - ابھی حکمِ آخر نہیں ہوا - محکمہ بند ہے ، نومبر میں کھلے گا - فقط

(۱۲)

مخدوم و مکرمِ من !

السلام علیکم و رحمة اللہ و برکاتہ - آپ کا عنایت نامہ مورخہ بلا تاریخ پہنچا اور دل کو باغ باغ و خوش کیا - افسوس کہ جس مجلس میں مرزا صاحب اور مولوی زین العابدین آپ کی خدمت میں جمع تھے ، میں وہاں نہ تھا - میرے نیازنامے ، جو آپ کے نام ہیں ، اُنھوں نے در حقیقت مولوی زین العابدین کو واسوخت کا مزہ دیا ہوگا - جس قدر آپ نے مولوی زین العابدین کی محبت کا میری نسبت ذکر لکھا ہے ، در حقیقت وہ بہت کم ہے - اُس کافر غارت کنِ ایمان کو ، جیسا وہ ہے ، میں ہی خوب جانتا ہوں - اب آپ کو میری طبیعت کا حال بخوبی معلوم ہوگیا ہے - میں رشتے و ناتے کی ، سچی محبت اور دوستی کے آگے ، کچھ بھی حقیقت نہیں سمجھتا - مولوی سمیع اللہ خاں کو میں اپنے چھوٹے حقیقی بھائی سے کم نہیں سمجھتا تھا اور اب بھی بہ لحاظ اُن کی صحت و سندرستی و خوشی و آرام و دینی و دنیاوی عیش کے ایسا ہی سمجھتا ہوں اور ایسا ہی جانتا ہوں - آپ یقین جانیے کہ جس قدر مجھ کو اپنے بھائی کے مرنے کا رنج ہوا تھا ، اُسی قدر یا اس کے قریب مولوی سمیع اللہ خاں کی طرف سے ، جو میرے دل میں رنج و ملال آیا ہے ، اُس کا مجھ کو رنج ہوا ہے - وہ بچے ہیں ، اُنھوں نے دنیا نہیں دیکھی - دوستی و محبت کے معاملات و برتاؤ سے محض ناواقف ہیں - کسی رنڈی پر وہ عاشق نہیں ہوئے ، کسی لونڈے پر وہ عاشق نہیں ہوئے - اُن کو مزہ محبت اور دوستی کا مطلق معلوم نہیں ہے - سچ یہ ہے کہ جس نے ایک گھڑی بھی عشق نہیں برتا ، نہ وہ خدا کی دوستی کا مزہ جانتا ہے ، نہ انسان کی دوستی کا اور نہ محبت کے لائق ہے - اُن کی ناتجربہ کاری ہے جو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ میں کسی کے کہنے سننے سے اُن کی طرف سے رنجیدہ ہوا ہوں - میں تو اس شخص کو کافر و بے ایمان سمجھتا ہوں جو دوست کی نسبت یہ خیال کرے کہ اُس نے خلاف دوستی و محبت کے کوئی بات کی یا کہی - میں تو دوست کی گالی دینے اور برا کہنے کو بھی دوستی پر حمل کرتا ہوں اور در حقیقت دوستی ہی کے سبب سے وہ بات ہوئی ہے - مگر جب کہ حقیقت میں خلاف محبت اور دوستی کے کوئی بات ہو تو پھر شیشۂ محبت جو نہایت نازک ہے ، کسی طرح ثابت نہیں رہ سکتا - آپ خیال کیجیے کہ محبت اور دوستی ایسی سخت اور مضبوط چیز ہے کہ

کسی طرح نہیں ٹوٹ سکتی اور کوئی اس کو نہیں توڑ سکتا ۔ مگر وہ نازک بھی ایسی ہے کہ باریک شیشے اور حباب کو بھی اس سے نسبت نہیں ہے ۔ وہ ھتوڑوں اور ہزاروں صدموں سے بھی نہیں ٹوٹتی اور ایک ادنیٰ سی خلافِ محبت بات کرنے سے ٹوٹ جاتی ہے ۔ اور جوں جوں محبت زیادہ بڑھتی ہے اُس کی نزاکت زیادہ ہوتی جاتی ہے ۔ مولوی سمیع اللہ خاں کو اب بھی میں اپنے بھائی سے کم نہیں سمجھتا مگر جو ملال کہ میرے دل میں ہوا وہ اب تک کم نہیں ہوا ۔ پھوٹ جاوے وہ آنکھ جو کسی کو دیکھے اُس نگاہ سے جو اُس کے دل میں نہیں ہے ، گل جاوے وہ زبان جو وہ کہے جو اُس کے دل میں نہیں ہے ، ٹوٹ جاوے وہ ہاتھ جو وہ لکھے جو اُس کے دل میں نہیں ہے ۔ پس آپ نے جو لکھا ہے کہ میں مولوی سمیع اللہ خاں کو ضرور خط شرکتِ چندہ کے لیے لکھوں تو میں کیا لکھوں ۔ آپ یہ خیال نہ فرمائیے کہ جو آپ نے لکھا اُس سے میں نے انکار کیا ۔ میری تو وہ مثل ہے کہ دوست کو جان و ایمان دونوں دیتا ہوں ۔ لیکن دل کا یہ حال لکھا ہے ۔ اس کے جواب میں جو حکم ہوگا بجا لاؤں گا ۔

میں نہیں سمجھتا کہ ہمارے برادر شفیق جناب حاجی مولوی شاہ محمد علیم اللہ عرف احمد جان برادر بزرگ مولوی سمیع اللہ خاں کو مجھ سے کیا رنج پہنچا ہے ۔ شاید یہ رنج ہو کہ میں نے اُن کے چھوٹے بھائی سے برادرانہ محبت کی تھی ۔ یا یہ سبب ہے کہ اُنھوں نے حج کر لیا ، ششاہی[1] کے روزے رکھ لیے ، شاہ عبدالغنی صاحب کے مرید ہو کر خلیفہ ہوگئے (اور) آپ کی نمازوں اور روزوں اور حج اور زہد و تقویٰ کا خدا پر اتنا احسان ہوا کہ بار احسان سے خدا کی پشت دوتا ہوگئی ۔ اُس نے عشرۂ مبشرہ میں ایک عدد زیادہ کر دیا ۔ مگر میں ایسے خدا کو جس پر لوگ اُس کی عبادت کا احسان کریں اور اُس کی پیٹھ احسان کے بوجھ سے خم ہو جاوے ، ایک کوڑی کو بھی نہیں خریدتا ۔ مولوی سمیع اللہ خاں اپنے بھائی کی محبت نہ توڑ سکے مگر میری محبت توڑنی منظور کی ۔ پس وہ شیشۂ نازک کیونکر قائم رہ سکتا ہے ۔ خیر خدا اُن کو اور ہم سب کو معاف کرے ۔ فقط

آپ نے جو جو انتخاب ''احیاء العلوم'' کے بھیجے اُس کا شکر کرتا ہوں ،

۱۔ وہ چھ روزے جو رمضان کے بعد ماہِ شوال میں رکھے جاتے ہیں ۔

خدا جزائے خیر دے - اور خدا کرے تمھاری نیکیوں اور نمازوں کے بوجھ سے تمھارے خدا کی پشت خم نہ ہو - آمین ! میں باقی انتخابات کا ، جن کے بھیجنے کا وعدہ ہے ، منتظر ہوں - میں نہایت خوشی سے آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ دو باب میری کتاب کے اور ختم ہوگئے - ایک بشارات آں حضرت صلعم میں توریت و انجیل سے اور ایک حقیقتِ معراج و شقِ صدر میں - مگر جب دیکھیے گا کہ کیا لکھا ہے تو معلوم کیجیے گا -

میں نے جن جن احباب کو چندے کی شرکت کے لیے خط لکھے تھے اُن میں سے بعض نے انکار لکھ بھیجا اور بعض نے جواب نہیں بھیجا - نہ جواب آنے کی توقع ہے - صرف ایک شخص نے سو روپے بھیج دیے ہیں - اب صرف چھ جگہ سے آنے کی توقع ہے - مہدی علی ، زین العابدین ، مرزا رحمت اللہ ، ظہور حسین ، تراب علی ، محمد احمد - پس کل سات سو روپے جمع ہوں گے - کتاب میں ہرگز تین ہزار سے کم خرچ نہیں ہوگا - دیکھیے انجام کیا ہوتا ہے - بغیر قرض لیے کام نہیں چلنے کا - ایک ارادہ ہے کہ جلد اول چھاپ کر فروخت کرنی شروع کی جاوے - جس قدر آوے دوسری جلد میں صرف ہو - بہرحال خدا مالک ہے -

مسٹر ڈیون پوٹ کی کتاب کا ترجمہ کر ڈالا - جب تک میں نہ آؤں اس کے چھاپنے کی کچھ فکر مت کرو - نہایت مشکل سے میں نے ایک اور کتاب مسٹر ہگنز کی تلاش کی ہے - وہ صرف ایک دفعہ چند نسخے چھاپے ہوئے تھے - وہ کتاب ایسی عمدہ ہے کہ مسٹر ڈیون پوٹ کی کتاب اس کے آگے آفتاب و ستارہ کی نسبت رکھتی ہے - میں نے جو ہزار روپیہ قرض لینے کی نسبت لکھا تھا اُس کی بابت کیا صلاح ہوئی ؟ مگر مرزا پور سے ہرگز قرض لینا منظور نہیں ہے - الہ آباد کے بنک سے تم اور میر ظہور حسین شریک ہو کر قرض لو - معجزات کا انتخاب اور اہلِ کلام نے جو تعریف معجزے کی بیان کی ہے اور جو بحث اُس پر کی ہے اور منکرینِ معجزات کا جو رد لکھا ہے ، اُس کا انتخاب جلد بھیجو - اس لیے کہ بالفعل میں نسبت نسب آنحضرت صلعم کے لکھ رہا ہوں - پھر نسبت روایات کے لکھوں گا - پھر نسبت قرآن کے - پھر نسبت رسومِ جاہلیت کے اور یہ سب باب ایک سہینہ ڈیڑھ مہینہ میں ختم ہو جاویں گے - پھر بحث معجزات شروع ہوگی - آپ نے اپنے چندے کا روپیہ یقین ہے روانہ کر دیا ہوگا اور مرزا رحمت اللہ اور زین العابدین نے بھی بھیجا ہوگا - میر ظہور حسین کے پاس سے

کچھ جواب نہیں آیا - عنقریب چھاپے والے کا بل آنے والا ہے - فقط

مجھ کو مطلق یاد نہیں ہے کہ وہ کون سا خط ہے اور اُس میں کیا مضمون ہے جس کو پڑھ کر میاں احمد جان صاحب روئے - اُمید ہے کہ آپ مطلع فرماویں (گے) تاکہ میں اس بات کو اپنے معجزات کی کتاب میں لکھ لوں - والسلام علیکم و قلبی لدیکم -

لندن ، ۲۶ نومبر ۱۸۶۹ء   خاکسار ، تابعدار شما ، بندۂ شما ، سید احمد

(۱۳)

جناب مخدوم و مکرم بندہ سلامت !

بعد سلام مسنون الاسلام التماس یہ ہے کہ آپ کا عنایت نامہ محمود کے نام پر آیا - اُس کے دیکھنے سے نہایت تردد ہوا - آپ نے اس خط میں کوتاہ قلمی کو ایسا کام فرمایا ہے کہ بیان سے باہر ہے - کچھ مفصّل حال نہیں لکھا کہ کیسا قاتل ؟ کیسی پناہ دہی ؟ کیسی رپٹ ؟ یہ بات کیا تھی ؟ اور واقعہ کیا ہوا ؟ آپ نے کیسی کس پر نالش کی ہے ؟ بہرحال مفصّل تمام حال سے مطلع فرمائیے کہ رفع تردد ہو - یہاں ہم سب اچھی طرح ہیں اور اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں اور دوستوں کی خیر و عافیت کے منتظر ہیں - فقط

'نجم الاخبار' کا مضمون جو سوسئیٹی کے اخبار میں مندرج ہوا تھا ، میں نے دیکھا اور حیران ہوگیا کہ کون شخص میرا خریدار پیدا ہوا - مجھ کو تو اپنے ہم وطنوں اور بالتخصیص ہم مذہبوں سے بجز لعنت اور پھٹ پھٹ اور جوتی و پیزار کے اور کسی چیز کی توقع نہیں ہے اور میں اُس کے سننے اور کھانے میں خوش ہوں - نہ میرا دل رنجیدہ ہوتا ہے ، نہ میں اُن کو برا جانتا ہوں - پھر خلاف توقع یہ کیونکر ظہور میں آیا ؟ منشی نجم الدین میرے دوست ہیں اور وہ مجھ کو غالباً اس قدر لعنت کا مستحق نہیں سمجھتے جس قدر کہ اور لوگ سمجھتے ہیں - مگر وہ آرٹیکل اُن کا لکھا ہوا نہیں معلوم ہوتا ہے - غالباً جب آپ دہلی گئے ہوں گے تو وہاں منشی ذکاء اللہ صاحب سے ملاقات ہوئی ہوگی اور آپ کی تقریر و خوش بیانی نے منشی ذکاء اللہ صاحب کے دل کو تحریک دی ہوگی اور اُنھوں نے وہ آرٹیکل لکھا ہوگا - بہت سے الفاظ اور طرز تقریر سے اُنھی کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے - بہرحال خدا بھلا کرے - فقط

اب اُس کتاب کا حال سنیے جو تصنیف ہو رہی ہے ، جس کا نام آپ تجویز کر دیجیے - انگریزی میں اس کا نام ہے ''سیریز ایسیز آن دی لیف آف محمد'' اور عربی میں اس کا نام میں رکھنا چاہتا ہوں ''خطبات احمدیہ علیٰ سیرۃ محمدیہ''۔ میں نہیں جانتا کہ ناموں پر الف لام لانا جائز و صحیح ہے یا غلط - یعنی اگر بجائے نام مذکورہ بالا کے یہ نام رکھا جاوے تو دل کو اچھا معلوم ہوتا ہے : ''خطبات الاحمدیہ علی السیرۃ المحمدیہ'' - اور یہ نام بھی ہو سکتا ہے ''خطبات احمدیہ علی سیرۃ سیدنا محمد رسول اللہ'' ''خطبات الاحمدیہ علی العرب و السیرۃ المحمدیہ''[۱]۔ یہ اخیر کا نام اگر بموجب قواعد نحویہ کے صحیح ہو تو مجھے سب سے زیادہ پسند ہے - بہر حال آپ تجویز کر کر جلد بھیج دیں کیونکہ اس خط کا جواب آنے تک اُس کی پہلی جلد انشاء اللہ تعالیٰ ضرور چھپ جاوے گی - مگر خیال رہے کہ نام میں لفظ خطبات کا ضرور ہو ، اس لیے کہ میں نے ہر ایک حصے کو بلفظ خطبہ تعبیر کیا ہے - پہلی جلد میں بارہ (۱۲) خطبے ہیں جو سب مرتّب ہو چکے (اور) برابر چھپ رہے ہیں -

خطبۂ اول : جغرافیہ عرب کا مخلوط تاریخ عرب سے - جس میں کمال تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ فاران مکہ کے پہاڑ ہیں - جہاں سے پیغمبر ہونے کی توریت میں بشارت تھی -

خطبۂ دوئم : رسم و رواج و عادات عربوں کے زمانۂ جاہلیت میں - جس میں دکھایا گیا ہے کہ اسلام نے کس قدر اُن کو آراستہ کیا -

خطبۂ سوئم : عرب میں کس قدر مذاہب قبل اسلام کے جاری تھے اور اُن میں سے اسلام کس سے مناسبت رکھتا ہے - اور اُس مناسبت سے اسلام کا بھی خدا کی طرف سے ہونا ثابت ہوتا ہے یا صرف ایک بنایا ہوا مذہب - فقط

خطبۂ چہارم : یہودی اور عیسائی مذہب کو اسلام سے فائدہ ہوا یا نقصان ہوا -

خطبۂ پنجم : اوپر بیان حالت کتب اسلامی کے -

۱- اسی آخری نام سے کتاب چھپی -

خطبۂ ششم : مذہبی روایتوں اور اُن کے اعتبار و عدم اعتبار کا حال ۔
خطبۂ ہفتم : قرآن مجید پر ۔ اس میں نہایت عمدہ عمدہ بحثیں ہیں ۔
خطبۂ ہشتم : تاریخ مکہ و تاریخ بزرگانِ آنحضرت صلعم ۔
خطبۂ نہم : نسب نامۂ آنحضرتؐ اور جواب اُن تمام بحثوں کا جو آنحضرتؐ کے نسب نامے کی نسبت کی ہیں ۔
خطبۂ دہم : بیانِ بشارات آنحضرت صلعم از توریت و زبور ۔
خطبۂ یازدہم : حقیقتِ شق صدر و معراج[1] ۔
خطبۂ دوازدہم : حالات آنحضرت صلعم پیدائش سے بارہ برس کی عمر تک کے ۔

اس ایک جلد کے چھپنے اور تیار ہونے میں چودہ پندرہ سو روپے کے خرچ کا تخمینہ ہے ۔ مگر اب تک کسی نے زرِ چندہ نہیں بھیجا ، سوائے ایک شخص کے ۔ میر ظہور حسین صاحب کا خط تک نہیں آیا ۔ معلوم نہیں کہ کیا سبب ہے ۔ والسلام

لندن ، ۱۷ دسمبر ۱۸۶۹ء خاکسار ، سید احمد

(۱۴)

جناب مخدوم و مکرمِ بندہ سلامت !

بعد سلام مسنون الاسلام التماس یہ ہے کہ چند ہفتے سے برابر آپ کے خط کا انتظار ہے ۔ آپ نے جو محمود کے نام خط لکھا تھا اُس میں مہمل و مجمل طور سے ایک آدھ بات تردد میں ڈالنے والی لکھ دی تھی ۔ اُس کے بعد سے پھر کوئی خط نہیں آیا اور اس لیے بے انتہا تردد ہے ۔ یقین کہ اب کی ڈاک میں ضرور آپ کا خط آوے ۔ مگر آپ خط لکھنے میں ، گو دو حرف خیریت کے ہوں ، دریغ و توقف نہ فرمایا کیجیے ۔

میں نے جو ایک خط علی گڑھ اخبار میں لکھا ، میں سنتا ہوں کہ اُس سے بہت ناراضی پیدا ہوئی اور لوگ نہایت برا بھلا کہتے ہیں ۔ لاچاری ہے ، میری قسمت میں ہی یہ ہے ۔

۱- پہلے خطوط میں سرسید نے لکھا ہے کہ کتاب دس خطبوں پر مشتمل ہوگی مگر جب سرسید لکھنے بیٹھے تو بجائے دس کے بارہ خطبے ہو گئے ۔

میں اپنا حال آپ کو کیا لکھوں۔ سکتہ سا ہو گیا ہے دن رات کی محنت و مشقت سے اور اُس طرح طرح کی تکلیف سے جو میرا دل ہی خوب جانتا ہے۔ جلد اول خطبات الاحمدیہ کی تصنیف تمام ہوئی اور اسی مہینے میں چھاپہ بھی تمام ہو جاوے گا۔ اب جو اندازہ اس کے یعنی ایک جلد کے چھاپے کی لاگت کا کیا گیا تو ڈھائی ہزار روپے سے زیادہ کا معلوم ہوتا ہے۔ ہوش جاتے رہے ہیں اور جان میں جان نہیں ہے۔ میر تراب علی نے نہایت مدد کی ہے۔ تین سو روپیہ اس کے چندے کی بابت بھیجا ہے۔ میر ظہور حسین صاحب نے ۱۵۰ روپیہ بھیجا ہے۔ مرزا رحمت اللہ بیگ صاحب نے اپنا چندہ سو روپے کا بھیج دیا۔ اگرچہ میں نے بھی تاکید کی ہے مگر آپ بھی تاکید کیجیے۔ زین العابدین سے سو روپیہ منگا کر بھجوا دیجیے۔ وہاں اس کو ہنڈوی لندن ملنے کی دقت ہوئی ہوگی۔ مگر اب وقت زیادہ توقف کا نہیں رہا۔ قرضہ ہزار روپیہ لینے کی نسبت معلوم نہیں کہ کیا ہوا۔ بہرحال اب اپنا ذاتی چندہ سو روپے کا جلد روانہ فرمائیے۔

اس خط کو لکھ رہا تھا کہ ہندوستان کے اخبار پہنچے۔ اور 'شعلۂ طور' کانپور بھی پہنچا۔ نہایت لطف دیا۔ آپ بھی اُس کو پڑھ کر خوش ہوئے ہوں گے۔

دوسری جلد کے چھاپہ شروع کرنے کی بابت نہایت تردد ہے۔ بہرحال اس خط کا جواب آنے تک، جو آخر فروری میں آ جائے گا، اُس کا چھاپہ شروع نہیں ہو سکتا[1]۔ پس جو آپ کی رائے اس باب میں ہو وہ بھی ارقام فرمائیے۔ یہاں کے ایک کاغذ میں میری کتاب کا ذکر چھپا ہے۔ اس کو میں نے کاٹ کر سوسیٹی کے اخبار میں چھپنے کے لیے بھیج دیا ہے۔ وہ چھپے گا اور مفصّل حال جلد اول کا معلوم ہوگا۔ اگرچہ میں بالاجمال آپ کو پہلے بھی لکھ چکا ہوں۔ بہرحال آپ خط تو لکھیے جس سے تردد رفع ہو۔ والسلام

لندن، ۱۰ جنوری ۱۸۷۰ع   خاکسار، سید احمد

۱۔ اس کتاب کی دوسری جلد نہ لکھی گئی، نہ چھپی۔

(۱۵)

مخدوم و مکرم من !

جس قدر آپ کی تاخیر تحریر سے مجھ کو رنج و تردد ہوا ہے ، بیان سے باہر ہے - جب سے آپ کا خط محمود کے نام آیا تھا ، جس میں نہایت اجمال سے چند کلمات متردداتہ مندرج تھے ، اُس وقت سے ہر دم تردد و رنج سے خالی نہ تھا - الحمد للہ کہ آپ کا عنایت نامہ ۱۸ دسمبر پہنچا - اور اگرچہ تردد بالکلیہ رفع نہیں ہوا مگر کسی قدر رفع ہو گیا ہے - اُمید کہ آئندہ خطوط سے انشاء اللہ تعالیٰ بالکل رفع ہو جاوے گا - میں متعدد خط آپ کے نام بھیجے ہیں اور آئندہ سے ہر ہفتے بلاناغہ بھیجتا رہوں گا - غلام کو تعمیل حکم میں ذرہ فرق کرنے کا مقدور نہیں ہے (جیسا کہ ایک عرضی سے ، جو اخبار میں چھپے گی ، ظاہر ہوگا) - کتاب جو چھپ رہی ہے ، میں یقین کرتا ہوں کہ اُس کی بدولت مجھے لندن میں بسبب تنگی خرچ نہایت تکلیف اور محتاجی اور قرض داری اُٹھانی پڑے گی ، تن بتقدیر - انگریزی مصنفوں اور جناب میور صاحب نے ایسا کچھ لکھا ہے کہ ممکن نہیں ہے کہ اُن کی چاروں جلدوں کا جواب چار جلد سے کم میں آوے - جلد اول میری کتاب کی بالکل جواب ہے اُن کی پہلی جلد کا اور اَور مضنفوں کا جنھوں نے اس قدر مضمون پر لکھا ہے - میرے ہم قوم اُس محنت کی ، جو میں نے اس کتاب کی تصنیف میں کی ہے ، قدر نہیں کرنے کے - بلکہ نہایت الزام دیں گے اور کافر مرتد بتلاویں گے کیونکہ میں پابند تقلید نہیں رہا ہوں اور شاید دو یا تین مسئلوں میں جمہور سے اختلاف کیا ہے اور چند علماء کی رائے سے اتفاق کیا ہے - پس ہمارے شفیق تمام چیز کو چھوڑ کر انھی مسئلوں کی بدولت فتویٰ کفر دیں گے -

خطبہٴ بشارات کا پروف آپ کے پاس بھیجتا ہوں - اُس کو پڑھو اور انصاف کرو کہ میں نے کیا لکھا ہے - اور میں فخر سے کہتا ہوں کہ جناب حضرت مولوی امداد العلی بھی ایسا نہ لکھ سکیں گے -

بھائی جان ! سنو ، اب یہ وقت نہیں رہا کہ میں اپنی مکنونات ضمیر کو مخفی رکھوں - میں صاف کہتا ہوں کہ اگر لوگ تقلید نہ چھوڑیں گے اور خاص اُس روشنی کو ، جو قرآن و حدیث سے صحیح حاصل ہوتی ہے ، نہ تلاش کریں گے اور حال کے علوم سے مذہب کا مقابلہ نہ کر سکیں گے ، تو مذہب اسلام

ہندوستان سے معدوم ہو جاوے گا ۔ اسی خیر خواہی نے مجھ کو بر انگیختہ کیا ہے جو میں ہر قسم کی تحقیقات کرتا ہوں اور تقلید کی پرواہ نہیں کرتا ، ورنہ آپ کو خوب معلوم ہے کہ میرے نزدیک مسلمان رہنے کے لیے اور بہشت میں داخل ہونے کے لیے ائمہ کبار درکنار ، مولوی حبو کی بھی تقلید کافی ہے ، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ لینا ہی ایک ایسی طہارت ہے کہ کوئی نجاست باقی نہیں رہتی ۔ پس میں چاہتا ہوں کہ بدلائل و مباحثہ مجھ کو قائل کر دیا جائے کہ میری یہ رائے صحیح ہے یا غلط ؟ اور میں دشمن اسلام ہوں یا مثل ابوبکرؓ و عمرؓ کے دوست اسلام ہوں ؟ آیا میں جو اسلام کو ابوحنیفہ و شافعی سے زیادہ دوست رکھتا ہوں اور یقین کرتا ہوں کہ ابوحنیفہ و شافعی تو درکنار ، ابوبکرؓ و عمرؓ بھی بالفرض اگر کچھ غلطی کریں تو بھی اسلام میں کچھ نقص نہیں ہو سکتا ، اور میرا یہ اعتقاد ہے کہ اگر تمام عالم کافر ہو جاوے یا تمام عالم فرشتہ ہو جاوے تو خدا کی خدائی میں کچھ نقصان یا زیادتی نہیں ہوتی ۔ اسی طرح اسلام کے مسائل کا حال ہے کہ اگر تمام مجتہدین صواب پر ہوں یا خطا پر ، اصل اسلام کی جو روشنی ہے اُس میں کچھ نقص نہیں ہے ۔ بس یہ اعتقاد میرا صحیح ہے یا غلط ۔ اگرچہ بعض احباب کے سامنے اسی مضمون کو مختلف پیرایے میں بیان کیا ہے ۔ الا" آج تک عام لوگوں کے سامنے نہیں کہا تھا ۔ آج میں نے ایک عرضداشت بخدمت اہل وطن لکھی ہے اور واسطے چھپنے کے بھیج دی ہے ۔ اُس کے شروع میں یہ مضمون بھی لکھ دیا ہے ۔ میں چاہتا ہوں کہ جو آپ کی رائے ہو اُس کی نسبت آپ بھی لکھ کر اخبار میں بہ ثبت اپنے نام کے چھپوا دیجیے ، خواہ آپ کی رائے مطابق ہو میری رائے سے یا مخالف ۔ فقط

لوگوں نے جو اخباروں میں مجھ کو برا بھلا لکھا اُس سے آپ کو غصہ آ گیا ۔ معلوم نہیں کہ آپ نے آرٹیکل میں کیا لکھا ہوگا ؟ مگر مجھ کو کہاں تک بچاؤ گے ؟ میں تو ہدف تیر ہائے ملامت ہو گیا ہوں اور روز بروز ہوتا جاؤں گا ۔ شاید بعد میرے کوئی زمانہ آوے جب لوگ میری دلسوزی کی قدر کریں ۔ میرے خطوط کا مضمون جو آپ نے اپنے آرٹیکل میں لکھ دیا ، آپ مالک ہیں جو چاہیں سو کریں ۔ اگر میرا بس ہوتا تو ایسا نہ کرنے دیتا ۔ بہر حال جو تمھاری خوشی ہے وہ میری مرضی ہے ۔ میں نے عرضی میں اپنے دل کا حال اپنے دوستوں کے ساتھ لکھ دیا ہے اور برادران عزیز کا بھی ۔

اب کہ ہر ہفتے خط لکھوں گا اس لیے اسی کو طول دینا ضرور نہیں ۔ آئندہ ہفتے میں لکھوں گا ۔ محمود چار شخصوں کا ذکر کیا کرتا ہے ۔ محمد احمد کا ، آپ کا ، مرزا رحمت اللہ کا ۔ اور ذکر یہ ہوتا ہے کہ میں جا کر ان تینوں سے کہوں گا ''بالکل طریقہ زندگی بدل دیں اور نہایت صفائی اور عمدگی سے رہنا اختیار کریں'' ۔ اور میر ظہور حسین کا ذکر وکالت کے باب میں ہوتا ہے ۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ دن مفارقت کے بخیریت گزرتے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ ہم سب بخیر و خوبی ملیں گے اور جو کچھ دل چاہتا ہے ، سب کچھ انشاء اللہ تعالیٰ ہوگا ۔ والسلام

لندن ، ۲۱ جنوری ۱۸۷۰ع خاکسار ، سید احمد

(۱۶)

مخدومی و مکرمی سلامت !

بعد سلام مسنون التماس یہ ہے کہ گذشتہ ڈاک میں عریضہ روانہ کر چکا ہوں ۔ اب بموجب حکم آپ کے ہر ڈاک میں عریضہ بھیجا کروں گا ۔ آپ کا کوئی عنایت نامہ اس ڈاک میں نہیں آیا ۔ یہ اچھی بات نہیں ہے ۔ آپ بھی ہمیشہ لکھا کیجیے ۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ بسبب بعض خیالات کے تردد رہتا ہے اور جس ڈاک میں آپ کا خط نہیں آتا ، مایوسی سے رنج ہوتا ہے ۔

حجر اسود کی نسبت جو حدیثیں ہیں کہ وہ بہشت کا یاقوت ہے اور قیامت میں اس کی دو آنکھیں ہوں گی وغیرہ ، اُس کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے ، جلد مطلع فرمائیے ۔ میں تو ان احادیث کو ضعیف اور بے سند جانتا ہوں ۔ وہ پتھر ابوقبیس پہاڑ میں کا ہے اور بموجب یہودی رسم کے قدیم زمانے میں نصب کیا گیا تھا ۔ کچھ عجب نہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے نصب کیا ہو ۔ بڑا اعتراض یہ ہے کہ حجر اسود کو بوسہ دینے اور کعبہ کی طرف بطور سمت قبلہ سجدہ کرنے اور بت پرستی میں کچھ فرق نہیں ہے ۔ اس کا جواب تحقیق میں نے لکھا ہے اور فرق بتایا ہے ۔ آپ کیا جواب دیتے ہیں اور عالموں نے کیا جواب دیا ہے ؟ اس کا جواب جلد ارقام فرمائیے ورنہ وہ خطبہ جو مکہ معظمہ پر ہے چھپ جاوے گا ۔ باقی خیریت ہے ۔ والسلام

لندن ، ۲۸ جنوری ۱۸۷۰ع خاکسار ، سید احمد

(۱۷)

جناب مولانا مکرم من سلامت !

بعد سلام مسنون التماس یہ ہے کہ آپ کی تقریر دل سوز و رقّت خیز و درد انگیز بابت مدرسہؑ عربی دہلی مقرر کردۂ جناب مولوی محمد سمیع اللہ خان صاحب پر ، جو اخبار سوسیٹی میں چھپی ، میں نے دیکھی ۔ حقیقت میں نہایت پُر اثر ہے اور صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دل سے نکلی ہے ، کیونکہ سیدھی دل میں بیٹھتی ہے ۔ آپ نے خوب اہلِ دہلی کو نالائق و ناشائستہ مثل حیوان کے بتایا ۔ یہ اپنی اپنی قسمت ہے کہ ہم تو ذرہ سی بات کہیں تو فضیحت ہو اور تم دشنام کے قریب تک کے لفظ کہو اور کوئی کچھ نہ کہے ۔ اور سب جناب مولوی صاحب ! جناب مولوی صاحب ! کہہ کر ہاتھ چومیں ۔ میں جانتا تھا کہ مولوی سمیع اللہ خاں صاحب قریب سو روپیہ ماہواری کے اپنے پاس سے دیتے ہوں گے ۔ افسوس کہ کل چندہ ہزار سے بھی کم تھا ۔ اور اگر فرضی جمع خرچ کی رقم اس میں شامل ہے تو کچھ بھی نہیں ۔ افسوس کہ آپ نے اپنی تقریر میں یہ نہ فرمایا کہ خود بانی نے ، جو فضل الٰہی سے تمام اعزۂ موجودۂ دہلی سے مقتدر ہیں ، کس قدر روپیہ دیا ۔ اُس وقت البتہ آپ کی لعنت ملامت محتاجانِ دہلی پر ، جو نانِ شبینہ کو محتاج ہیں ، درست و بجا ہوتی ۔ میں سوسیٹی کے لیے سب سے بھیک مانگتا ہوں ، مگر دس ہزار کئی سو روپیہ مجھ فقیر نے اپنے پاس سے دیا ہے ۔ پس ایسی حالت میں اگر میں بھائی مہدی علی سے سو روپے دینے کو کہوں تو کچھ مضائقہ نہیں ہے ۔ جانِ من ! جنابِ من ! ایسے ایسے مدرسوں سے کچھ فائدہ نہیں ہے ۔ افسوس کہ مسلمان ہندوستان کے ڈوبے جاتے ہیں اور کوئی اُن کا نکالنے والا نہیں ۔ ہائے افسوس ! امرت تھوکتے ہیں اور زہر اُگلتے ہیں ۔ ہائے افسوس ! ہاتھ پکڑنے والے کا ہاتھ جھٹک دیتے ہیں اور مگر کے منہ میں ہاتھ دیتے ہیں ۔ اے بھائی مہدی ! فکر کرو اور یقین جان لو کہ مسلمانوں کے ہونٹوں تک پانی آ گیا ہے ۔ اب ڈوبنے میں بہت ہی کم فاصلہ باقی ہے ۔ اگر تم یہاں آتے تو دیکھتے کہ تربیت کس طرح ہوتی ہے ، اور تعلیمِ اولاد کا کیا قاعدہ ہے اور علم کیوں کر آتا ہے اور کس طرح پر کوئی قوم عزت حاصل کرتی ہے ۔ انشاء اللہ تعالیٰ میں یہاں سے واپس آ کر سب کچھ کہوں گا اور کروں گا ۔ مگر مجھ کافر ، مردود ، گردن مروڑی

مرغی کھانے والے ، کفر کی کتابیں چھاپنے والے کی کون سنے گا - میں اپنی کتاب کا دیباچہ بھی آج لکھ چکا - الحمد للہ علٰی احسانہ - والسلام

لندن ، ۱۱ فروری ۱۸۷۰ء　　　　　　خاکسار ، سید احمد

(۱۸)

جناب مخدوم من سلامت !

بعد سلام مسنون التماس اینکہ شکر خدا کا کہ ہزاروں انتظار کے بعد آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۹ فروری پہنچا - آپ کی صحت و سلامتی اور خوشنودیٔ مزاج اور مصئونی جمیع آفات سے شکر خدا کیا - اللہ تعالٰی ہمیشہ با عزت و اقبال رکھے - آمین ! او خدا ! تو اُن کا بھی خدا ہے جو حلال کی ہوئی مرغی کھاتے ہیں اور اُن کا بھی خدا ہے جو گردن مروڑی ہوئی مرغی کھاتے ہیں - مجھ مری مرغی کھانے والے کی بھی دعا قبول کر - آمین !

آپ کو دربار میں گھوڑی ملنا مبارک ہو - آپ نے خوب تماشے سفر کلکتہ تا دہلی میں دیکھے ہوں گے - نہایت خوب کیا جو آپ نے یہ جلسے دیکھے - قصۂ عاد و ثمود کو میں نے اپنی کتاب میں نہایت مختصر کر دیا ہے - مخالفین اُن قصوں سے انکار کرتے ہیں اور قصۂ باغ ارم پر ہنستے ہیں اور سدِّ سکندری کے قصے کو جھوٹ کہتے ہیں - پس آپ لوگ بڑے مولوی کہلاتے ہیں ، اس کا ثبوت دیویں - میں نے حضرات علما مسلمین کی تاریخیں الٹ ڈالیں - جو بزرگوار ہیں وہ اس قصے کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیتیں نقل کر دیتے ہیں اور اس کے ساتھ اور جھوٹ طوفان کہانیاں ملا دیتے ہیں - بابا ! قرآن مجید کو وہ لوگ ، جن کے جواب دینے کو اُس کا ثبوت درکار ہے ، قبول نہیں کرتے ، بلکہ خود اُسی پر اعتراض کرتے ہیں - اور جو قصہ اس میں بیان ہے اُسی کو تو وہ غلط بتاتے ہیں ، پھر وہی چیز اُن پر دلیل نہیں ہو سکتی - میں نے لکھا ہے کہ باغِ ارم ، عمارات ذات عاد غلط محض ہے - اور "ارم ذات العماد التی لم یخلق مثلہا فی البلاد" سے ایک محل یا چوکھنبہ یا ہزار کھنبہ سمجھنا غلط ہے - وہ صرف ایک قوم کا ذکر ہے جو اولادِ ارم سے تھی - اور جو کہ وہ دراز قد تھی ، جیسے کہ بعض قوم کے آدمی دراز قد ہوتے ہیں ، صرف ان کو تشبیہاً ذات العماد کہا ہے - جیسا کہ ایک جگہ تشبیہاً فرمایا ہے "کانھم اعجاز

لخل خاوید" حال یہ ہے کہ میں خدا کا اور اُس کے رسول کا اور اُن کے کلام کا دوست ہوں۔ "مُلا" مولویوں کا دوست نہیں ہوں جو مثل یہودیوں اور عیسائیوں کے اُن کو ارباباً من دون اللہ سمجھوں۔ اور جو کچھ میں نے لکھا ہے اس کو تاریخ سے اور غیر مذہب کی کتابوں سے ثابت کیا ہے۔ پس اب میں ایک برس کی مہلت دیتا ہوں کہ اُن قصوں کو جس طرح پر کہ ہمارے مولوی صاحبان فرماتے ہیں اور ممبروں[1] پر بیٹھ کر وعظ میں لوگوں کو پھسلاتے ہیں یا جس طرح کہ ہمارے مورخین باعلم اُن کو لکھتے ہیں، اُس کا ثبوت دیویں۔ یا وہ یہی بتا دیں کہ باغِ ارم اور سدِّ سکندر کس ملک میں اور کس جگہ تھی اور اب بھی اُن ستونوں میں سے کوئی ستون مل سکتا ہے؟ افسوس! صد افسوس!! ہمارے ہاں کے مولویوں نے ایسے صاف اور روشن مذہب کو ایسی لغو و مہمل کہانیوں میں ڈال دیا ہے اور جب کوئی چاہتا ہے کہ اُس کی تحقیقات کرے اور اُس پر غور کیا جائے تو اُس کو کافر، لامذہب، مرتد، عیسائی، حرام خور، مری مرغی کھانے والا بتاتے ہیں۔

آیت "یاتی من بعدی اسمہ احمد" کا نہایت عمدہ بیان مسٹر بگنز نے اپنی کتاب میں لکھا ہے اور بخوبی بجنسہ اُس آیت کا موجود ہونا انجیل یوحنا میں ثابت کیا ہے، اور وہ وہی مشہور لفظ فارقلیط کا ہے۔ مگر جس طرح پر کہ اُس کو مسٹر بگنز نے ثابت کیا ہے اُس کو پڑھ کر مسلمان متعصّب مولویوں کو غیرت کرنی چاہیے کہ جو کام اُن کے کرنے کا تھا اُس کو ایک غیر مذہب کے منصف شخص نے کیا۔ میں نے اس میں کچھ اضافہ نہیں کیا، بعینہٖ مسٹر بگنز کی تحریر نقل کر دی ہے۔ مگر ایک اور عمدہ بات میں نے یہ ثابت کی ہے کہ نام آنحضرت کا محمدؐ توریت میں موجود ہے۔ چنانچہ عبری توریت میں وہ لفظ اور نشان شمائل آنحضرت کے بجنسہ نکالے ہیں مگر افسوس ہے کہ اس پر بھی میں کافر ہوں اور یاران باد فروش واعظ گو مسلمان۔ کیا انھوں نے خدا کو بھی اپنا ہی سا نابینا مقرر کیا ہے؟

چند ہفتے ہوئے کہ باب بشارات بتمامہ میں آپ کے پاس بھیج چکا ہوں، اس کو ضرور سنیے۔ یہ سب بحث اس میں مندرج ہے۔ اور یاران زمانہ سے ایک فتویٰ پوچھیے کہ آنحضرت صلعم کی بشارات کے اثبات میں ایک شخص نے

۱۔ اس لفظ کا موجودہ املا "منبروں" ہے۔

اس قدر محنت و جاں کاہی کی ہے، وہ شخص کافر ہے یا مسلمان ؟ أنظر ربی۔ أنظر ربی! اسمع یا محمدؐ! اسمع یا محمدؐ! ماتقول أمتک لذریتک التی یقول علیٰ اسمک۔ بابی و أمی یا رسول اللہ۔ اللہم اھدنا و اھدھم۔ اللہم اغفرلنا و اغفرھم، برحمتک یا ارحم الراحمین۔

میں جو خط لکھتا ہوں خاص تمھارے پڑھنے کے لیے لکھتا ہوں۔ مجھے ایسے لفظوں میں لکھنا نہیں آتا جو اندھوں کے دکھانے کے لائق ہو۔ میں یقین کرتا ہوں کہ جس قدر لوگ مجھ کو برا کہتے ہیں، اگر خدا مجھے اُس پر صبر کامل عطا کرے تو میرے لیے ایک نہایت عمدہ زادِ راہ دوسری دنیا کے لیے ہے جہاں ہمیشہ رہنا ہے۔ ایسا کس کا نصیب جس کو نہایت عمدہ زادِ راہ وہاں کے لیے ہاتھ آوے۔ حج کریں حاجی صاحب، حدیث پڑھیں مولوی صاحب اور سب کا نتیجہ ہم کو ملے۔ اس سے زیادہ کیا خوب بات ہوگی۔

جو جو نصیحتیں آپ نے مجھ کو ارقام فرمائی ہیں، میں اُن کا دل سے شکر گزار ہوں اور دل سے اقرار کرتا ہوں کہ اُس پر عمل کروں گا۔ اور اس عریضے کی تاریخ آپ یاد رکھیے گا۔ اس کے بعد سے میری کوئی تحریر نہ دیکھیے گا۔

میں اپنی تحریرِ سابق کو ذرہ بھی سخت نہیں سمجھتا۔ کیا میں نے اس میں کسی کو گالیاں دی ہیں ؟ کیا مینڈک کی کہانی کا یہ مقصود ہے جو انھوں نے نکالا ہے ؟ یا صرف وہ مشہور کہانی ہمیشہ اس مثل کی جگہ استعمال ہوتی ہے کہ جس کسی نے ایک چیز نہیں دیکھی وہ اُس پر یقین نہیں کر سکتا۔ صرف یہ لفظ کہ وہ مثل حیوان کے ہیں، سخت ہے۔ گو حقیقت میں نہیں ہے۔ خدا اُن کو سمجھاوے۔ اُن اندھوں سے کہو کہ ذرا انگلش مین کلکتے کے اخبار کو پڑھا کریں کہ وہ کیا کچھ حضرات ہندوستانیوں کی نسبت لکھا کرتا ہے اور انگلستان کے اخبار اس کو نقل کر کر کیا باتیں لکھتے ہیں۔ حقیقت میں کمال بے عزتی کی بات ہے کہ ایسی باتیں، جو حقیقت میں سچ ہیں، ہم دیکھیں اور زندہ رہیں۔ زیادہ تر مجھ کو مسلمانوں پر رنج و افسوس ہے۔ یہاں کے کتب خانوں میں بعض قدیم انگریزی کتابیں میں نے دیکھیں جن میں مسلمانوں کے چال چلن، اُن کی سچائی، ایمان داری کی تعریفیں اور مثالیں لکھی ہیں۔ (مگر) زمانۂ حال میں جو کچھ اُن کے اوصاف چھپتے ہیں، اُن کو دیکھ کر غیرت مند آدمی کو منہ دکھانے کی جگہ نہیں رہتی۔

تمہارے محمود کی یہ رائے ہے کہ جو صفت لفظ جنٹل مین کی ہے ، بہت کم رئیس ہندوستانی ہوں گے جن پر صادق آتی ہو۔ ایک خط اُس کے پاس نہایت شریف خاندان کے شخص کا آیا۔ اُس میں لکھا ہے کہ میں نے کئی خط رجسٹری کرا کر بھیجے ہیں۔ اُس نے کہا کہ ایسا جھوٹ لکھنا کیا جنٹلمین کا کام ہے ؟ جب اُن کو اس بات کی بھی شرم نہیں آئی کہ جس کو میں لکھتا ہوں وہ جھوٹ سمجھے گا تو وہ کیونکر جنٹلمین گنے جا سکتے ہیں۔ غرضیکہ ہم لوگوں نے ایسی بد عادتیں اختیار کر لی ہیں جس سے شیطان کو بھی شرم آتی ہے۔ اور اصل یہ ہے کہ غیرت نہیں رہی اور جھوٹی شیخی میں مرتے ہیں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ میرے برا کہنے سے آپ کو نہایت رنج ہوتا ہوگا اور اسی جوش میں آپ نے کچھ لکھا ہوگا جو اب تک میں نے نہیں دیکھا مگر آپ کیوں نہیں صبر کرتے ؟ اور آئندہ سے آپ کی نصیحت پر عمل کرنے کا میں نے اقرار کر لیا ہے۔ پچھلے گناہوں سے توبہ! توبہ! توبہ! مگر صرف آپ کے حکم سے۔ میں انشاء اللہ عنقریب آنے والا ہوں۔

مسٹر ڈیون پوٹ کی کتاب کا چھپنا میرے آنے تک ملتوی رکھیے۔ میں خدا معلوم آپ سے کیا کیا کہنے کو ہوں اور کیا کیا کرنے کو۔ بعد سب گفتگو کے جیسا مناسب ہوگا کیا جاوے گا۔ اس قدر جلدی کیا ضرور ہے (اخبار میں لفظ حاشیہ کے غلط چھاپ دیے ہیں۔ لم لایجوز کا لم یجوز چھاپا ہے)۔ میں بڑا خوش ہوا کہ میں ادیب ہو گیا۔ واہ! واہ! میں ایسا ہی ادیب ہوں کہ حریری و متنبّی میرے سامنے مات ہیں (جھوٹی شیخی پر لعنت۔ ایسی جھوٹی خوشی پر تف)۔ میں ہمیشہ سیدھی طرح اُردو میں خط لکھتا ہوں مگر جب کاغذ ایسا ہوتا ہے جس کی پیشانی پر پھول یا نقش بنے ہوتے ہیں یا کچھ چھپا ہوتا ہے اور وہ خط لکھنے کو موجود ہوتا ہے تو لاچار باتباع وضع کاغذ اسی طرف سے لکھا جاتا ہے۔ اب آپ کا جو حکم ہوا ہے اس کی تعمیل کروں گا اور کبھی اس قسم کے کاغذ پر عریضہ نہ لکھا کروں گا۔

میں انشاء اللہ تعالیٰ ضرور نصف آخر ماہ اگست میں یہاں سے روانہ ہوں گا۔ اور ایک ہفتہ مصر میں رہوں گا اور وہاں کے مسلمانوں کا حال دیکھوں گا اور آخر ستمبر میں انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی زیارت بمقام الہ آباد حاصل کروں گا۔

محمود کو جو آپ سے عقیدت و محبت ہوگئی ہے ، بیان سے باہر ہے۔ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ آپ کا تذکرہ نہایت جوش و محبت سے نہ کرتا ہو۔ اُس کو

حد سے زیادہ خاص مسلمانوں کے ابتر حال کا رنج ہے اور تمام خیالات ، جو قریب مالیخولیا کے ہیں ، پکاتا ہے اور اُن کے ساتھ یہ بھی کہتا جاتا ہے کہ بس مولوی مہدی علی میرا ساتھ دیں گے اور میں اور وہ مل کر یہ کام کر لیں گے ۔ وہ اپنے میں اور آپ میں کچھ فرق نہیں کرتا ہے ۔ بعض دفعہ کہتا ہے کہ ہم یوں کریں گے اور حقیقت میں اس لفظ ''ہم'' سے مولوی مہدی علی مراد ہوتے ہیں ۔ اُس کو مذہب اسلام اور اس کی خوبیوں اور اُس کے مسائل کی سچائی پر ایسا استقلال اور یقین کامل ہو گیا ہے کہ بیان سے باہر ہے ۔ میں نے اپنی کتاب میں جہاں ذکر حجر اسود (کا) لکھا ہے وہاں یہ بات لکھی ہے کہ جو حدیثیں نسبت حجر اسود کے وارد ہیں کہ وہ بہشت کا پتھر ہے اور چناں و چنیں ، وہ ضعیف ہیں ، سند کامل نہیں رکھتیں ۔ وہ دو گھنٹے تک بیوقوفی سے لڑا کہ نہیں یہی سچ ہے اور اسی پر مجھے یقین کامل ہے ۔ میں نے کہا بابا تو اپنا یقین اپنے پاس رکھ ۔ تو میری رائے میں کیوں دخل کرتا ہے ۔'' کہا کہ نہیں ، جو مجھے دل سے یقین ہے وہی سچ ہے ۔ غرضیکہ ایسی بیوقوفی کی باتیں کرتا ہے ۔ جب کہ میں نے اُس کی تحقیقات بیان کی اور اصلیت لکھی اور بیان کیا کہ وہ کیا چیز ہے اور اصلیت اُس کی کیا ہے تو اُس سب کو پسند کیا ، مگر کہا کہ وہ بھی سچ ہے اور یہ بھی لکھ دو کہ حقیقت میں فرشتے بہشت سے لے کر آئے تھے ۔ تماشا یہ ہوا کہ جب نوبت تحریر اس اعتراض کی پہنچی کہ حجر اسود کا بوسہ دینا اور کعبے کے گرد پھرنا کیوں بت پرستی نہیں ؟ اور مہادیو کے گرد پھرنا اور ڈنڈوت کرنی کیوں بت پرستی ہے ؟ چنانچہ عیسائیوں کا اعتراض کہ آنحضرت صلعم کامل طور سے بت پرستی موقوف نہ کر سکے تو جھٹ پٹ بول اٹھا کہ خدا کا حکم ۔ میں نے کہا کہ ہندو بھی کہتے ہیں کہ خدا کا حکم ہے ۔ جب نہایت دق ہو لیا اور کچھ جواب نہ بن پڑا تو جو جواب میں نے لکھا ہے وہ سنایا ۔ اُس کو سن کر اُس کا خون بڑھ گیا کہ اسلام پر سے یہ اعتراض خوب اُٹھایا گیا ۔ حدیث غرانیق کے بیان میں اور حدیث الشیخ و الشیخة میں تمیں نے آپ کے ہاں کے علما کو نہایت سخت و سست لکھا ہے اور امام فخر الدین وغیرہ کو اپنے ساتھ کر لیا ہے ۔ اگر اُس زمانے میں ؔمیں ہوتا اور خلیفہ یا قاضی ہوتا تو ضرور اُن مولوی صاحبان کو ، جنھوں نے اتہام ان دونوں حدیثوں کا آنحضرت صلعم پر لگایا ہے ، تعزیر کرتا ۔ میں نے اپنی کتاب کے دیباچے میں اُن انگریزوں کی تصنیف کا حال ، جنھوں

نے آنحضرتؐ پر اعتراض کیے ہیں، لکھا ہے۔ اور اُن انگریزوں کا، جنھوں نے نہایت انصاف سے مذہب اسلام کی حمایت کی ہے، شکر کیا ہے اور اُن کے اقوال اور رائیں بھی جابجا نقل کی ہیں۔ منجملہ اُن کے دو شخصوں کی راؤں کے دو پرچے اس عریضے میں ملفوف کرتا ہوں۔ اُن کے ترجمے صحیح صحیح لکھیے اور دیکھیے کہ کیا چیز ہیں۔ اور میرے حق میں دعائے خیر کیجیے کہ میں نے کس کس محنت سے کیا کیا چیزیں پیدا کی ہیں۔ ہزاروں باتیں کہنے کو ہیں، کہاں تک لکھتا جاؤں۔

حافظ کریم بخش صاحب کی عنایت و محبت دلی کا حد سے زیادہ شکرگزار ہوں۔ میں اپنے ساتھ محبت کرنے والوں کا، خواہ وہ فقیر ہو یا بیچارہ غریب حافظ، بندۂ درم ناخریدہ ہوں۔ میرا بہت بہت سلام اُن کو پہنچے۔

حامد بہت تسلیمات آپ کو اور سلام نیاز حافظ جی کو عرض کرتا ہے۔ محمود نے کہا کہ میری طرف سے کچھ مت لکھو۔ میں آپ لکھوں گا۔ چھجو بہت تسلیمات عرض کرتا ہے۔ آپ کے عنایت آمیز لفظ سن کر بھولا نہیں سماتا۔ الٰہی خاں خانساماں کو سلام پہنچے۔

بعالی خدمت جناب مولوی معین الدین صاحب بعد سلام مسنون عرض یہ ہے کہ قصۂ عاد و ثمود و باغ ارم و سدِّ سکندر کا ثبوت کتابوں سے ڈھونڈ کر رکھیے گا مگر ایسا ثبوت جو غیر مذہب والوں پر حجّت ہو۔ اور یہ بھی ارقام فرمائیے کہ پہلے تو ہم صرف کریلے تھے اور اب نیم چڑھے ہوگئے۔ اب بھی ہمارے ساتھ کھائیے گا یا نہیں؟ والسلام

لندن، ۱۶ مارچ ۱۸۷۰ء خاکسار، سید احمد

جو صدمہ ادائے لاگت کتاب کا مجھ پر ہے، بیان نہیں ہو سکتا۔ مگر آپ کے عنایت نامے سے، جس میں ہر طرح کی تقویت ہے، جان آ گئی۔ خدا انجام بخیر کرے۔ نواب ٹونک کے پاس سے اگر ہزار روپیہ ملے تو کیا کہنا ہے۔ خدا ایسا ہی کرے۔ مگر جب تک آ نہیں جاتے، تسلی نہیں ہو سکتی۔ زیادہ اس باب میں لکھنا فضول ہے۔

(۱۹)

جناب مخدوم و مکرمِ من !

آج کی ڈاک میں بھی کوئی عنایت نامہ آپ کا نہیں آیا ۔ سات دن تک اُمید بندھی رہتی ہے ، جب نہیں آتا تو نہایت مایوسی ہوتی ہے ۔

میں چاہتا ہوں کہ میرے ہندوستان پہنچنے سے پہلے آپ ایک ایسوسی ایشن خاص مسلمانوں کی بہتری و اصلاح کے لیے قائم کر رکھیں ۔ اپنی طرف سے آپ ایک التماس واسطے تقرر مجلسِ مذکورہ کے چھاپ کر لوگوں کو تقسیم کریں اور ممبر جمع کر کر ایسوسی ایشن بنائیں تاکہ مجھ بدنام کا نام اس میں نہ آنے پاوے ، اور کسی کو احتمال بھی نہ ہو کہ کچھ میری شرکت اس میں ہے ۔ ایک مسودہ التماس کا ، جو آپ کی طرف سے تقسیم ہونا چاہیے ، سرسری طور پر لکھ کر بھیجتا ہوں ۔ اس کے پڑھنے سے میرے خیالات آپ کو بخوبی واضح ہو جاویں گے ۔ آپ اس کو اپنے طور پر اور اپنی عبارت میں بعد تغیر و تبدّل جس طرح چاہیں مرتّب کر کے چھاپیں ۔ کارروائی سوسئیٹی کی میرے آنے کے بعد شروع ہو ۔ آپ غور فرماویں کہ ایسی سوسئیٹی یا ایسوسی ایشن کا بنانا نہایت ضرور ہے ۔ اس پر آپ ضرور متوجہ ہوں ۔ اس ایسوسی ایشن کا کوئی عمدہ سا نام تجویز فرمائیے ۔ میں نے جو نام رکھا ہے نہایت بُرا ہے ۔ آپ کوئی تجویز کریں ۔ میرے خیال میں متصلّہ ذیل نام آتے ہیں : "مجلس الفلاح فی معاشرت‌المسلمین" ، "مجلس‌المومنین فی اصلاح معاشرت‌المسلمین" ، "مجلسِ تہذیبِ اخلاقِ مومنین" مگر ان میں سے کوئی نام بھی عمدہ نہیں ہے ۔ بہرحال آپ جو نام تجویز کریں اُس کو ایک پرچہ کاغذ پر نہایت خوشخط عربی خط میں جناب حافظ جی صاحب سے لکھوا کر میرے پاس بھیج دیں کہ میں اُس نام کی نہایت خوب صورت آہنی پٹری یہاں سے بنواتا لاؤں گا کہ جو ماہواری‌رسالہ ایسوسی ایشن سے نکلا کرے گا اُس پر وہ نام بذریعہ اُس پٹری کے ، جو نہایت خوب صورت ہوگا ، چھپا کرے گا ۔ یہاں سب خوبصورتی اُس پٹری کی ہو جاوے گی ۔ الاّ حرف جیسے لکھے آویں گے بعینہ ویسے ہی بنیں گے ۔ اس لیے حرف نہایت خوشخط ہوں ، اور بہت بُرکار قلم سے نہ لکھا جاوے ، بلکہ متوسط قلم سے ہو ۔ اور اُس کا قلم اس سے زیادہ موٹا نہ ہو جیسا کہ یہ لفظ بطور نمونے کے لکھتا ہوں ۔

ا ب ج

چندہ اور رسوم داخلہ، جو میں نے تجویز کی ہے، اس میں کچھ زیادتی کمی نہ فرمائیے گا کیونکہ وہ نہایت مناسب ہے۔

میں نہیں جانتا کہ آپ کی رائے میں ایسوسی ایشن کا مقرر کرنا اچھی بات ہے یا نہیں مگر میں تو اس کو نہایت مفید سمجھتا ہوں۔ اس کے لیے چنداں خرچ کی بھی (ضرورت) درکار نہ ہوگی۔ قواعد اس کے اور تمام بندوبست اُس کی کارروائی کا وہاں پہنچ کر میں آپ کی خدمت میں عرض کروں گا۔ مگر آپ اُس کا اشتہار میرے آنے سے پہلے دے دیجیے اور ممبر جمع کر لیجیے۔ جہاں تک ممکن ہو مختصر نام تجویز کیا جائے۔ اور جب پرچہ کاغذ پر نام عربی خط میں لکھا جاوے تو خیال رکھنا چاہیے کہ اُس کی سطر اس لکیر سے، جو میں نیچے کھینچتا ہوں، زیادہ لمبی نہ ہو جاوے، بلکہ اس سے اگر کچھ کم ہو تو مضائقہ نہیں، ورنہ پٹری کے بننے اور اُس کی خوبصورتی میں دقت پڑے گی۔ اگر اُس قلم سے، جس کا نمونہ میں نے بتایا ہے، نہ آ سکے تو قدرے قلم اور باریک کر لیا جاوے۔ مگر سطر اس سے بڑی نہ ہونے پائے۔ فقط

بخدمت جناب حافظ جی صاحب سلام مسنون بصد نیاز پہنچے۔ والسلام

لندن، ۲۲ اپریل ۱۸۷۰ء — خاکسار، سید احمد

(۲۰)

جناب مخدوم و مکرّم من!

دیکھیے اب کی میل میں بھی آپ کا کوئی عنایت نامہ آتا ہے یا نہیں۔ کئی روز ہوئے کہ میں نے آپ کو واسطے مقرر کرنے ایک ایسوسی ایشن کے خط لکھا تھا۔ میری رائے میں مناسب ہے کہ ابھی اس کی تدبیر ملتوی رکھی جاوے۔ کیونکہ اس میں بہت سے امور ایسے ہیں کہ (بغیر) زبانی گفتگو و جواب و سوال و صلاح و مشورہ کے طے نہیں ہو سکتے۔ فقط

میرے پاس 'شعلۂ طور' کانپور پہنچا۔ آپ نے دیکھا کہ دشمنوں اور حاسدوں بد طینتوں کا کچھ علاج نہیں۔ آپ نے جو گفتگو عم نواب صاحب ٹونک

سے میری نسبت کی وہ کیسی صفائی اور نیک دلی کی تھی ۔ اعانتِ کتاب کی جو آپ نے اُن سے درخواست کی وہ صرف ایک اپنی نیکی سے کی ۔ اب اُس تمام مجلس کا نام "چندۂ دستگیری مسافرِ لندن" رکھا گیا ہے ۔ جو مضمون کہ اس میں لکھا گیا وہ آپ نے پڑھا ہوگا اور اُمید ہے کہ اور بہت کچھ لکھا جاوے گا ۔ اگرچہ ایسی باتوں سے کبھی دل کو ملال ہوتا ہے جو مقتضاے بشریّت ہے مگر فی الفور رفع ہو جاتا ہے اور دل کو صرف دو خیالوں سے تسلی ہوتی ہے ۔ اوّل تو اس خیال سے کہ آج تک کوئی نیکی چاہنے والا ایسا نہیں ہوا جس کے مقابل کوئی نہ کوئی دشمن مخالف نہ کھڑا ہوا ہو ۔ آدمؑ ، نوحؑ ، ابراہیمؑ ، موسیٰؑ ، عیسیٰؑ ، محمد رسول اللہ ، خلفاے اربعہؓ ، محی الدین جیلانیؒ ، مجدد الف ثانی ، محمد اسماعیلؒ دہلوی و علیٰ ہذا القیاس ۔ پس میں تو اُن کی جوتیوں کے برابر بھی نہیں ہوں ۔ میری مخالفت پر کمر باندھنی کچھ بری بات نہیں ہے ۔ دوسرے اس خیال سے کہ میں دیکھتا ہوں کہ جوں جوں مخالفوں نے نیکی کا مقابلہ کیا ہے ، ووں ووں نیکی بڑھتی گئی ہے ۔ پس اگر میرا کاروبار اور میری نیّت سچّی اور نیک ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس میں کچھ نقصان نہیں ہونے کا ۔ اور اگر وہ نیک نہیں ہے اور میں غلطی سے اس کو نیک خیال کر رہا ہوں تو بلا شبہ ٹوٹ جاوے گا اور مخالف ، جو ایسی صورت میں ضرور ہے کہ نیکی پر ہوں گے ، کامیاب ہوں گے ۔ اور ایسی حالت میں مجھ کو بھی اُن کی کامیابی پر خوشی کرنی ہوگی ۔ نہ اپنی تدبیر کے ٹوٹنے اور اپنے دھوکے میں پڑے ہونے کا رنج ۔

جس روپے کے دینے کا نواب صاحب ٹونک کے چچا نے وعدہ کیا ہے اُس کے ملنے کی مجھ کو ہرگز توقع نہیں ہے ، یقینی نہیں ملنے کا ۔ مگر ہمارے شفیق جناب مولوی سید امدادالعلی خان بہادر کو عمدہ مضمون چندۂ دستگیری مسافرِ لندن مل گیا ۔ فقط

دیکھو دشمنی آدمی کو ایسا اندھا کر دیتی ہے ۔ اُسی اخبار میں تاریخِ ہندوستان کے مضمون کو نقل کر کر بشدّ و مدّ لکھا ہے کہ جس شخص نے یہ ترجمہ خود لکھا ہو وہ کیسا جہنّمی ہے ، حالانکہ خود اسی عبارت کو لکھتے ہیں ۔ پھر مجھ میں اور اُن میں کیا فرق ہے ؟ صرف اتنا کہ میں نے انگریزی سے نقل کیا اور اُنھوں نے اُردو سے ۔ ایک اور مجھے خبر ملی ہے جس کا مجھ کو کمال رنج اور فکر ہے کہ بابو شیوا پرشاد صاحب کی تحریک سے عموماً

ہندو لوگوں کے دل میں جوش آیا ہے کہ زبان اُردو و خط فارسی کو ، جو مسلمانوں کی نشانی ہے ، مٹا دیا جائے ۔ میں نے سنا ہے کہ اُنھوں نے سین ٹیفک سوسئیٹی کے ہندو ممبروں سے تحریک کی ہے کہ بجائے اخبار اُردو ہندی ہو[1]، ترجمۂ کتب بھی ہندی میں ہو ۔ یہ ایک ایسی تدبیر ہے کہ ہندو مسلمان میں کسی طرح اتفاق نہیں رہ سکتا ۔ مسلمان ہرگز ہندی پر متفق نہ ہوں گے اور اگر ہندو مستعد ہوئے اور ہندی پر اصرار کیا تو وہ اُردو پر متفق نہ ہوں گے اور نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ ہندو علیحدہ (اور) مسلمان علیحدہ ہو جاویں گے ۔ یہاں تک تو کچھ اندیشہ نہیں بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اگر مسلمان ہندو سے علیحدہ ہو کر اپنا کاروبار کریں گے تو مسلمان کو زیادہ فائدہ ہوگا اور ہندو نقصان میں رہیں گے ۔ الّا اس میں صرف دو امر کا خیال ہے ۔ ایک خاص اپنی طبیعت کے سبب سے کہ میں 'کل اہلِ ہند ، کیا ہندو کیا مسلمان ، سب کی بھلائی چاہتا ہوں ۔ دوسرے بڑا خوف اس بات کا ہے کہ مسلمانوں پر نہایت بد اقبالی اور ادبار چھایا ہے ۔ وہ جھوٹے اور لغو تعصّب میں مبتلا ہیں اور وہ مطلق اپنے نقصان کو نہیں سمجھتے ۔ اس پر حسد اور کینہ اُن میں بہ نسبت ہندوؤں کے اور جھوٹی شیخی بہت زیادہ ہے اور کسی قدر مفلس بھی ہیں ۔ ان وجوہات سے وہ ہرگز اس قابل نہیں ہونے کے جو اپنی بھلائی کے لیے کچھ کر سکیں ۔ اگر سلطان محمود (والیِ ٹرکی) ان تعصّبات کو نہ چھوڑتا اور سلطان عبدالحمید اُس طریقے کو ، جسے سلطان محمود نے اختیار کیا تھا ، ترق نہ دیتا تو روسیوں کے حملے کے سبب ترکوں کا اور مسلمانوں کا دنیا پر نام و نشان نہیں رہتا ۔ اور خدا جانے جزیرۂ عرب میں کیا ہوتا ؟ اس کے بعد حال کے سلطان عبدالعزیز نے ، جو اس سے بھی زیادہ بے تعصّب طریقہ اختیار کیا ہے ، اگر ایسا نہ کرتا تو سلطنتِ روم جس تاریکی اور تباہی کی حالت میں پڑی تھی ، ممکن نہ تھا کہ اب تک غرق نہ ہو جاتی ۔ ان تینوں بادشاہوں کو یورپ کا طریقہ اختیار کرنے میں اُن جاہل متعصّب ترکوں کے الزام سے اور بے وقوف ناسمجھ مولویوں اور قاضیوں کی لعنت ملامت سے بچنا نہایت مشکل تھا ۔ مگر جو علماء کہ عقل مند اور بے تعصّب تھے اُنھوں نے اُن کی تمام چیزوں کو ، جن کو سلطان چاہتا تھا اور جن کے بغیر درحقیقت ترق مسلمان کی غیر ممکن تھی ، جائز و درست اور عین مطابقِ شرع بتلایا ، اور خود

۱- یعنی اخبار بجائے اُردو کے ہندی ہو ۔

سلطان نے اور تمام لوگوں نے ان کو اختیار کیا - پس یہ سبب ہے جو آج آپ قسطنطنیہ کا نام سنتے ہیں - یہ تمام حالات میں نے جمع کیے ہیں - سب آپ کو دکھلاؤں گا - بہرحال تعصّب خود برخلافِ شریعت ہے - ہندوستان کے مسلمان اس میں گرفتار ہیں - خدا کی "مہربانی[1]" اُن کی طرف رجوع ہے - وہ اب مثل یہود کے ذلیل و خوار ہونے والے ہیں - پھر اس کا علاج کیا ہے - خدا کے ساتھ لڑائی غیرممکن ہے - دنیا میں جو کتابیں تصنیف ہوتی ہیں اور ہر روز چھپتی ہیں اور بکتی ہیں ، اُن میں جو حالات مسلمانوں کے لکھے جاتے ہیں ان کو دیکھ کر مر جانے کو دل چاہتا ہے - بہت سی باتیں اُن میں بلا شبہ سچ ہیں - درحقیقت ہم نے ایسا طریقہ اختیار کیا ہے جس سے اسلام کو بدنامی ہے - پس اس بےوقوفی سے کہ کانپور میں بیٹھے جھوٹی شیخی مارا کریں ، کیا ہوتا ہے - میرے صرف ایک لفظ لکھنے سے کہ "حیوان ہیں" نالائقوں کو اس قدر طیش کھانے کا بہانہ ہاتھ لگ گیا ہے اور انگریزی اخباروں اور تاریخوں میں جو "اوصاف" چھپ رہے ہیں اُن سے کسی کم بخت کو غیرت نہیں آتی - فقط

سلطان عبدالمجید کی ایک اسپیچ میرے ہاتھ آئی ہے جس کو رشید پاشا اُس کے وزیر نے تمام علما اور قضاۃ اور مفتیوں اور اماموں اور سرداروں کو جمع کرکے پڑھا تھا ، وہ قابل دیکھنے کے ہے - میں ساتھ لاؤں گا - فقط

ڈاک ہندوستان کی آ گئی - آپ کا کوئی عنایت نامہ نہیں آیا - لاچار اسی عریضے کو بند کرکر روانہ کرتا ہوں - بعالی خدمت حافظ جی صاحب سلام مسنون پہنچے - والسلام

لندن ، ۲۹ اپریل ۱۸۷۰ع خاکسار ، سید احمد

بعد تحریر اس عریضے کے سوسیٹی کا اخبار میرے پاس آیا جس میں میری عرضداشت کا جواب آپ کی طرف سے چھپا ہے - اُس کی نسبت اگلے میل میں کچھ لکھوں گا - مگر یہ تو مجھے بتاؤ کہ جو باتیں ہم اپنے دل سے کرتے ہیں وہ تم تک کون پہنچا دیتا ہے ، یا خود تم چور ہو کہ میرا دل چرا لے جاتے ہو - یا خود میرا دل ہو کہ میری سب باتیں تم ہی سے ہوتی ہیں - میں کافر ہوں اگر یہ چاہتا ہوں کہ میری رائے و تدبیر مانی جاوے - میں صرف یہ چاہتا ہوں

۱- یہ فقرہ طنزیہ ہے -

کہ قوم کی بھلائی پر لوگ متوجہ ہوں ، اور یہ دکھاتا ہوں کہ تعصّب بہت بڑا مانع (ترقی کا) ہے ۔

عریضۂ سابق میں در باب تقرر ایسوسی ایشن کے لکھا تھا اور اس عریضے میں منع لکھا ۔ اب بعد معائنہ اخبار مذکور کے یہ لکھتا ہوں کہ ان دونوں باتوں میں سے آپ کسی کو نہ مانیں بلکہ جو آپ کا دل چاہے اور آپ کی رائے میں مناسب ہو اس کے مطابق کام کریں ۔ اگر بالتخصیص مسلمانوں کی تربیت کے لیے جداگانہ مدرسہ مقرر ہو جاوے تو ایک رحمت ہمارے لیے ہے ۔ کوئی رات نہیں جاتی کہ ایسے مدرسے کے تقرر کی باتیں اور تجویزیں یہاں نہیں ہوتیں ۔ مگر بغیر دس لاکھ روپیہ نقد ہوئے ممکن نہیں ہے ۔ والسلام

سید احمد

(۲۱)

جناب مخدومی و مکرمی مدظلّہ العالی !

بعد تسلیم و سلام مسنون التماس یہ ہے کہ آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۳ مئی پہنچا ۔ دل و جان و روح رواں کو تقویت بخشی ۔ خدا آپ کو سلامت رکھے ۔ قبل اس کے کہ آپ کی تحریر کا جواب شروع کروں ، ایک امر نہایت ضروری لکھتا ہوں ۔ فی الفور بلا تامل ساعتے اس کی تعمیل فرمائیے ۔ اور وہ کام یہ ہے کہ یہاں ایک نہایت معزز و عالی درجہ ایک صاحب ہیں جن کا حال میں آپ سے زبانی کہوں گا اور وہ میرے بڑے دوست ہیں ۔ اُنھوں نے بسبب کسی ضرورت کے مجھ پر فرمائش تفسیر عزیزی کی کی ہے ۔ اور مجھے یقین ہے کہ اصل تفسیر عزیزی فارسی اول کا سوا سیپارہ اور آخر کے دو سیپارے یعنی اس کے دونوں ٹکڑے لکھنؤ یا میرٹھ و دہلی میں چھاپا ہوئے ہیں ۔ پس جونسا چھاپہ نہایت عمدہ ہو ، فی الفور خرید فرما کر میرے پاس روانہ کرو کہ میرے یہاں ہونے تک پہنچ جاوے ۔ یہ خط آپ کو شروع جولائی میں پہنچے گا ۔ اگر آپ فی الفور روانہ فرماویں گے تو شروع اگست میں قبل میری روانگی کے یہاں پہنچ جاوے گا ۔ یقینی مرزا پور میں کوئی دوکان کتاب فروش کی نہ ہوگی ۔ آپ فی الفور ایک خاص آدمی لکھنؤ روانہ کر کر وہ کتاب خرید کر منگوائیے اور باحتیاط تمام

لفافۂ سوم جامہ سرکشادہ میں بذریعہ بک پوسٹ روانہ فرمائیے ۔ تاکید اکید تصور فرمائیے گا ۔ فقط

ہمشیرۂ حامد و محمود کے انتقال کا جو صدمہ ہم پر ہوا وہ بیان سے باہر ہے ۔ رضینا برضاء اللہ ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔ فقط

لندن کے احباب اور علماء اور اشخاص نامی جس محبت و اخلاق و عنایت سے مجھ سے ملے اور صرف اپنے اخلاق سے مجھ غریب نالائق کی جس قدر خاطر کی اُس کا میں نے کبھی ذکر نہیں لکھا ۔ اگر وہ لکھا جاتا تو مبالغے پر محمول ہوتا اور حاسد شاید آتش حسد میں اس قدر برافروختہ ہوتے کہ بغیر آتش حسد کے اور کچھ نہ رہتا ۔

تبدیل وضع کے باب میں جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہ سب بجا ہے ، بشرطیکہ میرا جادو ، توبہ توبہ میرا معجزہ ، نعوذ باللہ میری کرامت ، لاحول ولا قوۃ الا باللہ میری حماقت تم میں اثر نہ کرے گی ۔ ذرا صبر کرو ۔ تین مہینے خیر سے گزر جاویں ۔ جب الہ آباد کے اسٹیشن پر گلے ملوگے اور چھاتی سے چھاتی لگے گی اُس وقت پوچھیں گے کہ جانِ من ! معاف کیجیے بے خودی میں یہ لفظ نکل گیا ، قبلہ' من ! اب کیا ارشاد ہوتا ہے ؟

حقیقت میں ۳۰ اپریل کے اخبار میں جو مضمون چھپا ہے وہ الہام یا القاے غیبی ہے ۔ نہایت عمدہ ہے ۔ اگر میں یہودی ہوتا تو بجائے عزیز ابن اللہ کے مہدی ابن اللہ کہتا ۔ توبہ استغفراللہ ، خدا معاف کرے :

قبلہ گویم یا خدا یا کعبہ یا پیغمبرش
اصطلاح شوق بسیار است من دیوانہ ام

میرے تئیں جس قدر طعنے دوگے میری جان خوش ہوگی ۔ آپ خفا ہوں یا نہ ہوں ، میں سچ اپنے دل کا حال لکھتا ہوں کہ اگر خدا مجھ کو ہدایت نہ کرتا اور تقلید کی گمراہی سے نہ نکالتا اور میں خود تحقیقات حقیقت اسلام پر متوجہ نہ ہوتا تو یقینی مذہب کو چھوڑ دیتا ۔ فرض کرو کہ تقلید چھوڑنے میں میں کسی مسئلے یا عقیدے میں غلطی میں پڑوں ، چنداں نقصان نہیں ۔ مسلمان تو رہوں گا ۔ کیا آپ کے نزدیک جناب امام اعظم علیہ الرحمۃ نے کسی مسئلے میں غلطی نہیں کی ؟ قیامت کے دن جب خدا تعالیٰ مسلمان تیلی ، جولاہوں ، ناخواندہ یا کم علم مسلمانوں کو سزا دینے لگے گا تو بندہ سامنے ہوکر عرض کرے گا کہ جناب باری

انصاف فرمائیے کہ ان بیچاروں کا کیا قصور ہے ؟ یہ تو حضور خود بدولت ہی کی تقصیر معلوم ہوتی ہے کہ ان کو ایسا مذہب دیا تھا جس کے سمجھنے اور حل کرنے میں جناب قبلہ و کعبہ مولوی سید مہدی علی صاحب جگر گوشہ رسول مقبول علیہ الصلوۃ والسلام بھی اپنے تئیں لائق نہیں سمجھتے تھے - پھر یہ بے چارے غریب کیا کرتے -

جناب ! مذہب اسلام تو آفتاب سے بھی زیادہ روشن اور سب کی آنکھوں کے سامنے ہے - وہ کوئی معمہ یا ہدرچاچ کا شعر نہیں ہے جس کے حل کرنے کو مولوی امام بخش صہبائی اور میر حسین معائی درکار ہوں - خدا تو فرماتا ہے ''هوالذی بعث فی الامیین رسولاً منهم یتلوا علیهم آیاته'' ذرا مہربانی و عنایت سے قرآن کھول کر ملاحظہ فرمائیے - اس میں یہی لفظ ہیں یا بجائے اُن کے یہ الفاظ ہیں ''هوالذی بعث فی الفلسفیین رسولاً الخ'' - بہرحال ملنے کے بعد جوکچھو گے مانیں گے (بلکہ) جو بات مانئے کی نہ ہوگی وہ بھی مان لیں گے -

مولوی معین الدین صاحب کے دوبارہ ارتداد سے نہایت افسوس ہوا - اُن سے فرمائیے کہ جناب مولوی صاحب گوز پر گوز اور وضو پر وضو اچھا نہیں ہے - بہرحال (وہ) بہت بڑے عالم ربانی ہیں - اُن کی خفگی برداشت کرنی چاہیے اور مجھ شیطان کا بہت بہت سلام عرض کیجیے اور فرما دیجیے کہ حضرت ہوشیار رہیے ، کبھی ایسی ٹکاری دی ہوگی کہ یاد کرو گے - جناب مولوی سید امداد العلی صاحب کی عنایت و شفقت جو مجھ پر ہے ، اُس کا حال معلوم ہوا - خدا اُن کو خوش رکھے اور وہ درجہ ، جو خدائی سے بھی بالا ہو ، عطا فرماوے -

الحق ولی را ولی می شناسد ، شادم کہ من ہم ولی ہستم - سبحان اللہ بہ خدائے خود راضی نبودم حالا بر ولایت خود راضی شدہ ام -

میری کتاب ''خطبات احمدیہ'' ایک مسلمان عالم متبحّر نے پڑھی جو قسطنطنیہ سے یہاں آیا ہے - جو الفاظ کہ اُس نے کہے اور مجھے لکھے اور جس طرح میرے ہاتھ چومے ، اُس کی لذت میں جانتا ہوں - اُس کے چند مقام ایسے ہیں جن کو دیکھ کر نامسلمانان ہند فتویٰ کفر دیں گے - کتاب کے اخراجات کا صدمہ اور عین اسی صدمے میں صدمہ غم انتقال ہمشیرۂ حامد و محمود کا لاحق ہوا ، جیسا کچھ مصیبت کا وقت مجھ پرگزرا ، واقعہ کربلا سے کم نہ تھا : ع

ایں ہم اندر عاشقی بالائے غم ہائے دگر

آپ نے جو الفاظ اپنی محبت و اُلفت سے لکھے ہیں اُن کا بہت بہت شکر کرتا ہوں اور بے تکلف لکھتا ہوں کہ اب کچھ حاجت نہیں رہی - تین ہزار روپیہ قرض لیا گیا، سب بیباق ہو گیا - اب آپ نہ کچھ قرض لیجیے نہ اپنی تنخواہ بھیجیے - اگر نواب ٹونک سے درحقیقت روپیہ ملے تو وہ بھیج دیجیے گا - اُس کے سوا اور کچھ نہ بھیجیے گا - اگرچہ یقینی وہ نہیں ملنے کا - کل جو اخبار لندن میں چھپے ہیں، اُن میں آپ کی گفتگو کا بالکل اور نواب ٹونک کے ہزار روپے دینے کا ذکر چھپا ہے - افسوس ہے کہ ہزار روپے کا اس قدر چرچا ہو گیا اور جناب مولوی سید امداد العلی صاحب نے مضمون چندۂ دستگیری مسافر لندن بھی لکھ دیا - اور جو جو کچھ انھوں نے متعدد جلسوں میں اُس کی ہنسی اُڑائی، جس کی صحیح خبر مجھے پہنچی، اُس کا بے فائدہ مجھے رنج ہوا - اور آپ یقین جان لیجیے گا کہ وہاں سے ایک کوڑی نہیں ملے گی - یہ آپ کی غلطی تھی جو آپ نے اُس پر یقین کیا -

مرزا خداداد بیگ امتحان میں ناقص نکلے اور بہت نیچا اُن کا نمبر رہا، اور آئندہ بھی مجھے توقع نہیں ہے -

جس وقت میں آپ کے الفاظ چھجو کو سناتا ہوں، خوشی کے مارے حلق سے آواز نہیں نکلتی اور آپ کو ہزاروں دعا دیتا ہے - اور کہتا ہے کہ خدا وہ دن کرے کہ ملازمت ہو - بخدمت عالی جناب حافظ جی صاحب سلام بعد عجز و انکسار پہنچے - میں نے اُن کو دربار مہدی میں اپنا وکیل مقرر کر رکھا ہے کہ ہر دم میری شفاعت کرتے رہیں اور میری نالائق حرکتوں کی معافی چاہتے رہیں - والسلام

از لندن، ۱۰ مئی ۱۸۷۰ع خاکسار، سید احمد

(۲۲)

بخدمت شریف خلیفۂ ظاہری و مرشدِ حقیقی و معنوی مولانا مرشدنا مولوی سید مہدی علی صاحب مخدوم و مکرمِ من سلامت !

جو حادثۂ جانکاہ قضا و قدر سے دہلی میں گذرا اور غالباً جس کی خبر آپ نے مجھ سے پہلے ہندوستان میں سنی ہوگی، اور جو غم اُس حادثے کا مجھ پر

اور حامد اور محمود پر ہوا ، اُس کا آپ خیال کر سکتے ہیں[1] اور فطرتی جو حال میری طبیعت کا ان دنوں میں ہے وہ بھی آپ تصوّر کر سکتے ہیں ، مگر بہرحال شکر خدا ہے ۔ فقط

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۲۶ اپریل معہ ہنڈوی تعداد بیس پونڈ یعنی دو سو روپیہ کے پہنچا اور آپ کا شکر کیا اور دعا کی کہ خدا اس کی جزا دے ۔ ان دنوں میں کہ طبیعت ایسی رنجیدہ ہے ، کتاب کے خرچ کے نہ سرانجام ہونے کا دوسرا رنج ہے ۔ بہ مجبوری یہاں روپیہ قرض لینا پڑا ۔ چنانچہ تین ہزار روپے قرض لینے کی گفتگو ہو رہی ہے ، خدا راست لاوے ۔ آئندہ ڈاک میں فہرست لاگت کتاب کی بھیجوں گا جس سے معلوم ہوگا کہ کس قدر روپیہ خرچ ہوا ۔ آپ نے اور تمام دوستوں نے جس قدر مدد کی وہ نہایت ہی عمدہ اور بہت ہی غنیمت تھی ، ورنہ زہر کھا کر مر جانے کے سوا اور کچھ چارہ نہ ہوتا ۔ مگر اُس نالائق پاگل[2] زین العابدین نے اب تک اپنا چندہ بھی نہیں بھیجا ۔ آپ اُس کو نہایت تاکید کیجیے ۔ اس وقت میرے پاس دس روپے بھی کہیں سے آ جاتے ہیں تو ہزار روپے کے برابر معلوم ہوتے ہیں ۔ آپ اپنے پاس سے اور اپنے ذاتی روپے سے ، اُس سے زیادہ جو کہ آپ کر چکے ، ہرگز ہرگز مدد نہ کیجیے گا ۔ اور آپ نے جو لکھا ہے کہ میری تنخواہ ملنے والی ہے وہ میں بھیج دوں گا ، ہرگز ہرگز مت بھیجنا ۔ میں اس قدر تکلیف اور اس قدر خرچ میں جو آپ کی طاقت سے باہر ہے آپ کو ڈالنا ہرگز گوارا نہیں کرتا اور نہ اس طرح پر پڑنا چاہیے ۔ علاوہ اس کے صرف یہی کام نہیں ہے ۔ ہم کو اور بہت (سے) کام کرنے ہیں ۔ لیکن کسی کو چندے میں شریک کرنے یا کتاب کا خریدار بہم پہنچانے میں کوشش کرنی چاہیے ۔ اگرچہ میں سمجھتا ہوں کہ اب یہ کوشش بھی چنداں مفید نہ ہوگی ۔ بقول شخصے تا تریاق از عراق آوردہ شود ، مارگزیدہ مردہ شود ۔ اب مجھ کو اور میرے حال کو خدا پر چھوڑ دو ۔ فقط

۱۔ سرسید کی دختر اور حامد محمود کی بہن کی طرف اشارہ ہے جن کا انتقال اُن ہی ایام میں دہلی میں ہوا تھا ۔

۲۔ یہ اور اسی قسم کے الفاظ اُن لوگوں کے حصے میں آتے تھے جن سے سرسید کو غایت درجے کی محبت ہوتی تھی اور جن کے ساتھ نہایت بے تکلفی کا برتاؤ ہوتا تھا ۔

کتاب جلد بندی سے تیار ہوگئی اور کتب فروش کی دوکان میں فروخت کو رکھی گئی ۔ خدا کرے کہ کچھ بک جاویں اور اس بےانتہا مصیبت سے مجھے کسی قدر سبکدوشی ہو ۔ اگر ممکن ہوا تو اسی ڈاک میں ورنہ آئندہ ڈاک میں ایک جلد آپ کے پاس اور ایک ایک ہر ایک اہلِ چندہ کے نام روانہ کروں گا ۔

راجا صاحب کا میں نے خط دیکھا ۔ جو کچھ انھوں نے لکھا ہے ، بالکل سچ ہے ۔ آپ کا جو غصہ کسی قدر فرو ہوا ، میں اس سے بہت خوش ہوا ۔ کیسا برا یہ خیال تھا کہ بسبب کسی ابتری ، خواہ اصلی یا غیراصلی بد انتظامی کے سبب ، آپ سوسیٹی سے علیحدہ ہو جاتے ۔ خیر بہرحال جو گذرا خدا نے خیر کی ۔ مگر تعجب ہے کہ آپ کو بابو شیوا پرشاد صاحب کے مسلمانوں کی نسبت چند ہی کلمات ، جو کچھ زیادہ سخت نہ تھے ، لکھنے ایسے برے معلوم ہوئے ۔ مگر جو اُن کی یعنی مسلمانوں کی نیک نامی یعنی بدنامی اور خوبی یعنی بدی ہر روز تمام انگلستان کے اخباروں میں چھپتی رہتی ہے اور کوئی نالائقی اور پاجی پن کی حرکت ایسی نہیں ہے کہ جو مسلمانوں کی نسبت نہیں لکھی جاتی ، اور غیر مسلموں نے جو اپنے سفرناموں میں مسلمانوں کی نالائقیوں کا حال لکھا ہے ، اُس سے آپ کو کیوں رنج نہیں ہوا ؟ صرف اس کا سبب یہ ہے کہ اُن حالات سے آپ کو اطلاع نہیں ہوتی ۔ میری رائے میں آپ بابو شیوا پرشاد کا جواب ، جس کے چھاپنے سے راجا جےکشن داس بہادر نے انکار کیا ، کسی اخبار میں مت چھپوائیے ۔ اس باب میں میں نے بہت کچھ خیال کیا ہے اور آپ سے بہت کچھ کہنا اور صلاح کرنی ہے ۔ اس کے بعد جیسا مناسب ہوگا کیا جاوے گا ۔

ایک اخبار خاص مسلمانوں کے فائدے کے لیے جاری کرنا میں نے تجویز کر لیا ہے ۔ اور ''تہذیب الاخلاق'' اُس کا نام فارسی (میں) اور انگریزی میں ''محمڈن سوشل رفارمر'' رکھ لیا ہے ۔ اُس کا سرنامہ بہت خوب صورت یہاں کھدوا لیا ہے ۔ کاغذ بھی ایک برس کے لائق یہاں خرید لیا ہے ۔ اور یہ سب چیزیں یہاں سے بذریعہ جہاز بادبانی روانہ کر دیں کہ میرے وہاں پہنچنے تک پہنچ جاویں گی ۔ خرچ ماہواری اجراے اُس اخبار کا سو روپیہ ہوگا ۔ ہم بیس دوست پانچ پانچ روپیہ مہینہ کر کر دیں گے اور اخبار مفت میں بانٹیں گے اور

بقیمت بھی بیچیں گے ۔ اُس اخبار میں بجز اس کے کہ خاص مسلمانوں کی دینی اور دنیاوی بھلائی کے آرٹیکل ہوں گے اور کچھ نہیں ہونے کا ۔ اُس میں تمیں اور آپ دو شخص آرٹیکل لکھنے والے ہوں گے اور اگر صلاح ہوگی تو منشی ذکاء اللہ کو اور منشی نجم الدین صاحب ڈپٹی انسپکٹر کو بھی آرٹیکل لکھنے میں شریک کریں گے ۔ غرضکہ میں چاہتا ہوں کہ میرے وہاں پہنچنے تک آپ کچھ نہ کریں ۔ انشاء اللہ تعالیٰ میں عنقریب وہاں پہنچتا ہوں ۔ فقط

میری روانگی کا زمانہ بالکل مقرر ہوگیا اور سیکرٹری آف اسٹیٹ کو اطلاع دے دی گئی اور منظوری ہوگئی ۔ اب میں انشاء اللہ تعالیٰ معہ حامد یہاں سے حسبِ مندرجہ ذیل روانہ ہوں گا ۔

۲۸ اگست ۱۸۷۰ع کو انشاء اللہ تعالیٰ میں لندن چھوڑوں گا ۔ ایک ہفتہ مصر میں رہوں گا اور انشاء اللہ تعالیٰ مع الخیر ۲ اکتوبر ۱۸۷۰ع کو بمبئی میں پہنچوں گا اور چوتھی پانچویں کو انشاء اللہ تعالیٰ الہ آباد میں آپ کے جمالِ مبارک دیکھوں گا اور آپ کے قدموں کو ہاتھ لگاؤں گا ۔ اُن دنوں میں تعطیل دسہرے کی ہوگی ۔ ۲۶ اکتوبر تک ۔ اگرچہ دہلی جانے کو مطلق دل نہیں چاہتا اور گھر میں گھسنے کے خیال سے دل پھٹتا ہے مگر بہ مجبوری بہن اور بھتیجوں کے سبب ایک دن کے لیے جانا پڑے گا ۔ باقی ایامِ تعطیل علی گڑھ میں اور کچھ مرزا پور میں بسر کروں گا ۔ اُمید ہے کہ تم مجھ کو اگر اپنے پاس نہ بیٹھنے دو گے تو اپنی جوتیوں کے پاس بیٹھنے دو گے ۔ اگر اپنے ساتھ بٹھلا کر نہ کھانے دو گے تو کتّے کی طرح دوسری رکابی میں آگے رکھ دو گے ورنہ اور لوگ تو مجھ کافر کو روٹی پانی دینا ہی کفر سمجھنے لگے ہوں گے ۔ ہزار ہزار شکر ہے کہ میرا خدا ایسا نہ ہوا جس کی روز لاکھوں تقصیریں کرتا ہوں اور (وہ) روٹی دیتا ہے ۔ اور کیا عجب ہے بقول شخصے کہ قیامت کو بھی اپنی مہربانی سے اپنے دائیں ہاتھ پاس بٹھا لے ۔ لیکن اگر وہ بھی میرے بھائی بندوں یا میرے ہم مذہب مسلمانوں کا سا ہوتا تو میں کیا کرتا ۔ اس وقت تو مولوی مہدی علی صاحب کا بھی سہارا نہ رہتا ۔ واہ وا کیا میری قسمت ہے ۔ میرے خدا نے کیا اچھا خدا مجھ کو دیا ہے ۔ الحمد للہ علیٰ ذالک

آپ کا فرمان میری عرضی کے جواب میں جس قدر چھپا میں نے اُس کو متعدد دفعہ پڑھا اور مزہ اُٹھایا ۔ آئندہ جو کچھ اور چھپے گا اُس کو بھی

دل لگا کر پڑھوں گا اور خوب سمجھوں گا اور اپنی سعادت جانوں گا۔ الا" جس قدر میں تمہارے ہاں کے مولویوں سے ناراض ہوں، ایسا کسی سے ناراض نہیں ۔ زندہ مولویوں اور بالتخصیص واعظوں کا تو جانی دشمن ہوں ۔ اور گذشتہ مولویوں سے سوائے چند کے رنجیدہ ہوں ۔ کسی کو سوائے چند کے لکھنے اور کتاب تصنیف کرنے اور کسی بات کے تحقیق کرنے کا مطلق سلیقہ نہ تھا ۔ صرف جنگل میں سے بھلی اور بری ، سوکھی اور گیلی لکڑیاں چننے والے تھے ۔ خدا اُن پر رحم کرے اور اُن کی تقلید کرنے والے اندھوں کو خدا ہدایت کرے ۔ اگرچہ تم خفا ہو گے ، ہو لو ، مگر میں سچ کہتا ہوں کہ جس قدر نقصان اسلام کو تقلید نے پہنچایا ہے ، اتنا کسی چیز نے نہیں پہنچایا ۔ سچے اسلام کے حق میں تقلید سنکھیا سے بھی زہرِ قاتل ہے ۔ بلاشبہ ہم نے علما کو مثل یہود و نصاریٰ کے ارباباً من دون اللہ سمجھ لیا ہے ۔ خدا اس گناہ سے سب مسلمانوں کو بچاوے ۔ آمین ۔ اور میرے دوستوں کو اور مولوی مہدی علی میرے پیارے دوست کو سب سے پہلے ۔ آمین ! ثم آمین ! ثم آمین !

تم سے اس قدر باتیں کرنے کو دل چاہتا ہے کہ اگر ہفتہ بھر برابر لکھے جاؤں تو بھی پوری نہ ہوں گی ۔ اس لیے اس عریضے کو بخدمت جناب حافظ جی صاحب سلامِ مسنون ، عجز و نیاز مشحون لکھنے پر ختم کرتا ہوں ۔ والسلام

روز جمعہ ، ۲۷ مئی ۱۸۷۰ء — آپ کا تابعدار غلام ، سید احمد

(۲۳)

مرشدنا و مولانا !

میں نے آپ کے فرمانِ عالی شان کا ایک حصہ جو ۲۹ اپریل کے اخبار میں چھپا ، متعدد دفعہ پڑھا ۔ سبحان اللہ ! سبحان اللہ ! سبحان اللہ ! واہ وا ! واہ وا ! واہ وا ! کیا خوب اور کیا عمدہ ہے ۔ جس پر میں بالکل ایمان رکھتا ہوں اور آئندہ بقیہ مضمون پڑھنے کا نہایت مشتاق ہوں ۔

آپ اس بات کے سننے سے خوش ہوں گے کہ جناب راجا جے کشن داس بہادر اور بابو شیوا پرشاد صاحب کو بھی خطاب و تمغائے سٹار آف انڈیا مرحمت ہوا ۔ یقین ہے کہ اس عریضے کے پہنچنے سے پہلے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا ۔

جو کچھ کہ آپ کو لکھنا ہے اب سب ملاقات پر منحصر رکھتا ہوں اور بالتخصیص اس لیے کہ آج کل طبیعت نہایت پژمردہ و افسردہ ہے ۔ والسلام

لندن ، ۳ جون ۱۸۷۰ع خاکسار ، سید احمد

حافظ جی صاحب کو سلام۔ مسنون پہنچے ۔

(۲۴)

جناب مخدومی و مکرمی !

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۶ مئی پہنچا ۔ دل و جان کو تقویت دی ۔ میں کچھ بیان نہیں کر سکتا کہ ان دنوں میں کوئی وقت رنج سے خالی نہیں ہوتا ۔ آپ کا عنایت نامہ کس قدر تسکین بخش ہوتا ہے ۔ اگر غم غلط ہوتا ہے تو صرف آپ کے عنایت نامے سے اور اُمید ہے کہ ہندوستان میں آپ کے جمال مبارک سے غم غلط ہوگا ۔

میں نے حسب ضابطہ انڈیا آفس میں اطلاع کر دی کہ میں ۲۸ اگست کو لندن سے روانہ ہوں گا اور تین چار روز فرانس میں رہوں گا ۔ ۲ ستمبر کے جہاز میں مارسیلز سے سوار ہوں گا ۔ ۹ کو اسکندریہ پہنچوں گا اور وہاں مصر میں دونوں جگہ صرف ایک ہفتہ قیام کروں گا ۔ اور ۱۶ ستمبر کو سویز سے پھر جہاز پر سوار ہوں گا اور انشاء اللہ تعالیٰ ۲ اکتوبر کو بمبئی میں اور چوتھی پانچویں کو الہ آباد پہنچ کر آپ کے دیدار فرحت آثار سے مشرّف ہوں گا ۔ اور یہ شعر :

باز آمدم کہ سجدۂ ایں خاک پا کنم
گر ساعتے قضا شدہ باشد ادا کنم

پڑھ کر آپ کے قدموں کو مثل نعلین بوسہ دوں گا ۔ اگرچہ آپ کے قدم میرے ناپاک لبوں سے ناپاک ہو جاویں گے مگر اُمید ہے کہ آپ مرحمت سے دھو لیں گے[۱] ۔ خنزیر خود ناپاک ہے مگر جس پاک چیز کو وہ مس کرے ، دھونے سے پھر پاک ہو سکتی ہے ۔ افسوس میں نے غلطی کی جو اپنے تئیں خنزیر

۱۔ اس خط کے مضمون میں اس موقع پر اختلاف ہے ۔ میں نے یہاں تک کی عبارت رسالہ 'معارف' میں شائع شدہ خطوط سے نقل کی ہے ۔

سے تشبیہ دی - وہ تو مجھ سے بہت اعلیٰ ہے - خدا نے اُس کو یاد کیا ہے ، مجھے تو سوائے مہدی علی کے اور کوئی یاد بھی نہیں کرتا - راست بگو چہ تو خدائے من ہستی ؟ کافر شوم اگر باور نکنم -

آپ کی تحریرات جو اخبار میں چھاپہ ہوئیں اُن سے میرا دل اس قدر خوش ہوا ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا - جو جو مقام مجھ کو اس میں ملے ہیں اُس سے میرا دل عجیب طرز پر خوش ہوتا ہے - جیسے کوئی سوداگر یہ دیکھے کہ ایک نہایت بیش بہا و بے نظیر ہاتھی اُس کی اوگی میں آن پھنسے اور وہ یقین کرے کہ اب وہ نکلنے والا نہیں - جناب قبلہ و کعبۂ من ! جب آپ نے یہ قبول کر لیا کہ اسلام اور عقل و نیچر میں مخالفت نہیں تو کام پورا ہوگیا - اب ہم آپ کی بہادری دیکھیں گے کہ کیونکر تقلید کو تھامے رہتے ہو اور اُس کو لازم ٹھہراتے ہو - پہلی ہی بسم اللہ میں آپ نے تقلید ترک کی کہ ایک لفظ جدید لازم کا نکالا - یہ کیا سبب ہوا کہ ان الفاظ فرض ، واجب ، سنّت ، مستحب میں سے کوئی لفظ کیوں نہ اختیار کیا ؟ کیا کوئی نص صریح یا غیر صریح اس کے لیے نہ تھی ؟ کیا کہیں حدیث میں اس کا ذکر نہ تھا ؟ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو - میں نے آپ سے عرائض سابق میں اقرار کیا ہے کہ میں کچھ نہیں لکھنے کا جب تک ہم سے نہ ملوں - چنانچہ اس تاریخ سے کچھ نہیں لکھا - یہ عذر بدتر از گناہ اُس سے پہلے کا بھیجا ہوا تھا -

ایک کام تمہاری مرضی بغیر کیا ہے - آج ہی اُس کا پروف آیا ہے - بجنسہ آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں اور چھاپہ ہو جانے کے بعد کل کاپیاں آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا - چاہیں آپ تقسیم کریں چاہیں جلا دیں -

مولوی امداد العلی صاحب نے جو کچھ آپ کو لکھا اُس سے کیا ہوتا ہے - دونوں کی صورت ملا لو اور پوچھو کہ چاند کا سا مکھڑا کس کا ہے ؟ پھر چاند پر کا تھوکا منہ پر آتا ہے - مگر مجھ کو اپنی شامت اعمال پر افسوس ہے کہ مجھ روسیاہ کی محبت سے میرے دوست بھی لعنت ملامت سنتے ہیں - خدا اس کا بدلا اُس دنیا میں دے -

میری کتاب کی بابت جو ممتاز علی خاں صاحب نے سو روپے چندے کے دیے اُس کی جس قدر مجھے خوشی ہوئی ہے ، بیان سے باہر ہے - یقینی اُن کا حج مقبول ہوا جو خدا نے اُن کے دل کو میرے پر نرم کیا - منشی محمد صدیق صاحب

کے چندے سے بھی خوشی ہے مگر نہ ایسی - اس لیے کہ وہ یار شاطر اور دوست شفیق ہیں - اُن کے باپ کو میں اپنا مخدوم و بزرگ سمجھتا ہوں - مگر معلوم نہیں کہ کیوں اُن کا دل مجھ سے برگشتہ ہوگیا تھا - اُمید ہے کہ حال کی ڈاک میں وہ روپیہ میرے پاس پہنچے گا - مجھ پر جو سختی اس کتاب کے اخراجات کے سبب گذری ، اُس کو میرا دل جانتا ہے اور جو سختی آگے گزرنے والی ہے ، اس میں خدا ہی مددگار ہے -

محمود کی نسبت جو آپ نے اپنی محبت سے لکھا ہے ، خدا سے اُمید ہے کہ وہ ویسا ہی ہوگا - اس کے عقائد مذہبِ اسلام پر نہایت پختہ و روشن ہیں - اُس کے دل کو اسلام کے حق ہونے پر جیسا یقین ہے ویسا کسی چیز پر نہیں - مگر طبیعت نہایت کھلی ہوئی اور صاف اور آزاد ہے - جن جھمیلوں میں آپ پھنسا رہنا چاہتے ہیں اُن میں پھنسے رہنے کی توقع نہ رکھیے -

بخدمت جناب حافظ کریم بخش صاحب سلام مسنون عجز و نیاز مشحون پذیرا ہو - گو میں شفاعت کا قائل ہوں یا نہ ہوں مگر آپ میری شفاعت جناب مہدی کے دربار میں فرماتے ہیں - والسلام

از مقام لندن ، ۱۷ جون ۱۸۷۰ع   خاکسار ، آپ کا غلام ، سید احمد

(۲۵)

جناب مخدومی و مکرمی سلامت !

ایک ہی وقت میں آپ کے دو عنایت نامے مورخہ ۲۱ جون و ۲۲ جون معہ دو قطعہ ہنڈویات تعدادی تین تین سو روپے کے پہنچے - اگرچہ مجھ کو اس خیال سے کہ دو سو روپے جو آپ نے اپنے پاس سے بھیج دیے ، بلا شبہ اس کے سبب تنگی اخراجات ہوئی ہوگی ، رنج ہوا مگر میں آپ سے اُس خوشی اور تقویت کو بیان نہیں کر سکتا جو اس روپے کے آنے سے ہوئی - اس وقت یہ روپیہ ایسا غنیمت ہوا کہ میرا دل ہی جانتا ہے - حقیقت میں جنابِ منشی ممتاز علی[1] خاں صاحب کے چندہ دینے سے میرا دل بے انتہا خوش ہوا - جو تکلیف کہ میں نے

۱- یہ مولوی سید ممتاز علی نہیں ، کوئی اور صاحب ہیں - وہ تو اُس وقت ۹ برس کے بچے تھے -

اس کتاب[۱] کے تصنیف کرنے میں اُٹھائی اور جو کچھ آئندہ اس کے سبب اُٹھانی پڑے ، جیسا کہ بعض دفعہ خیال ہوتا ہے ، اُس سب کا بدلہ میں نے پا لیا ۔ اگر اس کتاب کی تالیف میں درحقیقت میں نے کچھ ثواب کمایا ہو ، اور ثواب عبادتِ بدنی کا منتقل بھی ہوتا ہو ، تو میں نے کل ثواب بتامہ منشی ممتاز علی خاں صاحب کو بخش دیا ۔

برائے خدا تم اپنے پاس سے کچھ مت بھیجو ۔ میرے ایجنٹ نے وعدہ کر لیا ہے کہ تمام اخراجات جہاز وہ دے کر ہندوستان پہنچا دے گا ۔ پس اپنی ذاتِ خاص پر تکلیف گوارا کرنے کی اب ضرورت نہیں رہی ہے ۔ اگر ضرورت ہوتی تو میں بلاشبہ تم کو لکھتا کہ اپنا گھر بیچ کر بھیج دو ۔ میں اپنے روپے میں اور تمھارے روپے میں کچھ فرق نہیں سمجھتا ۔ میں نے ہر ایک صاحب کے نام جن کا چندہ آپ نے بھیجا عرائضِ شکریہ لکھ بھیجے اور ایک ایک کتاب بھی روانہ کر دی ۔ آپ نے جو کچھ میرے مردار مرغی کھانے کی نسبت اخبار میں لکھا ، آپ یقین کیجیے کہ اس نے عجب لطف مجھ کو دیا ہے ۔ پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ کبھی دولتِ عشقِ مجازی بھی تم کو نصیب ہوئی ہے یا نہیں ؟ کیونکہ بغیر اس کے آدمی میں اور مٹی میں کوئی فرق نہیں ہے ۔ اور جو مزا آپ کے الفاظ نے دیا ہے اُس کی مثال بیان کرتا ہوں ۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ عاشق اور معشوق میں آپس میں خفگی ہو جاتی ہے اور جوشِ محبت زیادہ ہوتا ہے اور ایک دوسرے کو ٹیڑھی ٹیڑھی باتیں سناتا ہے ۔ وہ لفظ تو بظاہر ٹیڑھے ہوتے ہیں مگر اُن سب سے جوش محبت اور نہایت مزے دار اُلفت ٹپکتی ہے ۔ زہے نصیب اُس کے جو کسی سے سچی محبت رکھتا ہو اور ایسے مزیدار لفظ سنے ۔ اب جو آپ نے دروازہ بند کر کر کچھ کہنے کا وعدہ کیا ہے اس وعدے ہی میں جو لطف آیا ہے وہ بیان نہیں ہو سکتا ۔ خدا بخیر و عافیت وہ دن لاوے ۔

جو کچھ غصہ آپ کو مجھ حرام خور پر در باب گردن مروڑی مرغی (کھانے) کا ہے وہ میری گردن پر ۔ مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ علمائے ترکستان نے بلا کسی تامل کے اس کو جائز کیا ہے ۔ تمام ترک جن کے خاک پا

۱۔ ''خطباتِ احمدیہ'' مراد ہے ۔

ہونے کی بھی ہم کو لیاقت نہیں ہے ، سب بے تامل کے اُس کو کھاتے ہیں ۔ ایک بہت بڑے دین دار عالم نے جو ترکستان سے آیا تھا اور ایسا سخت مذہب میں ہے کہ باوجود میرے اصرار کے فوٹوگراف تصویر کھنچوانے سے انکار کیا ، در باب گردن مروڑی ہوئی مرغی کے مجھ سے کہا کہ ''ھذا قصور النصاریٰ لاباس لنا فی اکلہ قد احلّ اللہ لنا طعام اھل کتاب ۔'' علاوہ اس کے جو شخص احتیاطاً اس کا مرتکب نہ ہو ، نہایت عمدہ بات ہے ۔ مگر اس کو مسئلہ شرعی ٹھہرانا اور اس کے مرتکبین کو آکلِ حرام قرار دینا نہایت مضر اور اسلام کے پاؤں پر بدستِ خود تیشہ زدن ہے ۔ اس فقرے کے معنے آپ کی سمجھ میں نہیں آنے کے ۔ انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب خدمتِ عالی میں حاضر ہوکر اس کی تفسیر عرض کروں گا ۔

بہ تعمیلِ حکمِ عالی جو عریضہ سابق میں بخدمت مولوی سمیع اللہ خان صاحب میں نے لکھا تھا ، غالباً آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا ۔ آپ نے جو اپنے عنایت نامے میں لکھا ہے کہ دو سو روپیہ اور آنے کی توقع ہے اگر وہ آویں تو یہاں روانہ کرنا ضروری نہیں ، بلکہ دو سو روپے جو آپ نے پیشگی بھیج دیے ہیں اس میں مجرا ہو جاویں ۔

۲۰ اگست کو میرا ایجنٹ اطلاع دے گا کہ کس قدر کتابیں فروخت ہوئیں ۔ آن کی قیمت بعد منہائی اخراجات روانگی کتب بہ ہندوستان میرے پاس آ جاوے گی ، مگر ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ کتابیں بارہ پندرہ سے اب تک زیادہ فروخت نہیں ہوئیں ۔ اُمید تھی کہ فرانس اور جرمنی میں یہ کتابیں فروخت ہوں گی ۔ اتفاقات قسمت سے انھی دنوں میں ان دونوں ملکوں میں لڑائی شروع ہوگئی ہے ۔

بہت کچھ باتیں لکھنے کو دل چاہتا ہے مگر اب سب ملاقات پر منحصر کرتا ہوں ۔

حسابِ چھاپہٴ کتاب ملفوف عریضہٴ ہذا مرسلِ خدمتِ عالی ہے ۔ اُس کے ملاحظے سے معلوم ہوگا کہ کل آمدنی اس وقت تک ۱۶۹۱ روپے ہوئی اور خرچ ہوا ۳۹۴۸ روپے ۔ فاضل خرچ ہوا ۲۲۵۷ روپے ۔ جو روپیہ قرض لیا گیا تھا اس میں سے زرِ فاضل ادا ہوا ۔ الّا زادِ راہ واسطے مراجعتِ ہندوستان کے باقی نہ

رہا ـ اور اب جب تک کہ اور قرض نہ لیا جاوے ، مراجعت متعسّر[1] ہے ـ پس یہ ترددات ایسے جانکاہ ہیں کہ بیان نہیں ہو سکتا ـ دو سو روپے جو آپ کے پاس بابت چندہ جناب منشی ممتاز علی خاں و منشی محمد صدیق صاحب کے جمع ہیں ، اُن کا اور سو روپیہ چندہ مولوی زین العابدین کے آنے کا ہردم چوں گوش روزہ دار بر 'اللہ اکبر' است منتظر رہتا ہوں ـ خیر خدا ہر حال میں مددگار ہے ـ آئندہ عریضے میں جوکچھ اس مصیبت کا حال ہوگا عرض کروں گا ـ

کتابیں مطبوعہ صندوقوں میں بند ہو رہی ہیں واسطے روانگی ہندوستان کے ـ اُن کے محصول وغیرہ میں بھی دو سو روپیہ سے کم خرچ نہیں ہونے کا ـ اب زیادہ حال ترددات کا لکھنا آپ کو رنج و تردد میں ڈالنا ہے ـ

بخدمت جناب حافظ جی صاحب میرا سلام مسنون کہیے اور واسطے حل مشکلات کے استمداد دعا اُن سے چاہیے ـ مگر مشکل یہ ہے کہ آپ کا محمود کہتا ہے کہ ایسے امور سے اور دعا سے کوئی تعلق نہیں ہے ـ دعا سے صرف روحانی فوائد و مدارج حاصل ہوتے ہیں ، نہ دنیوی ـ اور دعا سے زیادہ اور اکثر فائدہ اُس شخص کو ہوتا ہے جو دعا مانگتا ہے اور خدا سے التجا کرتا ہے ـ نہ دوسرے شخص کو ـ مجھ سے کہنے لگا کہ ورزش کا زور اُس شخص میں آتا ہے جو ورزش کرتا ہے ، نہ دوسرے میں ـ میں نے کہا "تو تو سخت بد مذہب وہابی ہوگیا ہے ـ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ میری تعلیم اُس کو نہیں ہے ـ خود اُن ہی حضرت کی طبیعت کی پیداوار ہے ـ دیکھیے آگے کیا کیا گل کھلاتے ہیں ـ وہ کہتا ہے کہ بالکل حقیقت اور اصلیت اور سچائی مذہب اسلام کی مجھ پر کھل گئی ہے اور اب وہ نبوت اور وحی سے لےکر ادنیٰ ادنیٰ مسائل اسلام کی حقیقت بیان کرتے ہیں ـ آج رات کو اُس نے کہا کہ میں تو لندن میں آکر سچا اور پکا اور تصدیقِ قلبی سے مسلمان ہوا ہوں ـ والسلام

چھجو دست بستہ آداب عرض کرتا ہے ـ وہ محمود کے ساتھ رہے گا اور اس کے ساتھ کیمبرج جاوے گا ـ محمود کو اپنی پڑھائی اور اخراجات پورے کرنے کو علاوہ اس روپے کے ، جو سرکار سے ملتا ہے ، تین ہزار روپیہ اور درکار ہوگا ـ سو انشاء اللہ تعالیٰ ہندوستان پہنچ کر اس کے بھیجنے کی بہ قسطِ ماہواری یا یک مشت بفروختِ کدامی مکان تجویز کروں گا ـ بعالی خدمت جناب

۱ـ 'متعسّر' کے معنی دشوار ، مشکل اور محال کے ہیں ـ

حبل المتین من و شفیع من بدرگاہ حضرت مہدی یعنی جناب حافظ جی صاحب سلام مسنون قبول باد ۔ والسلام

مقام لندن ، ۲۸ جون ۱۸۷۰ع خاکسار ، سید احمد

(۲۶)

جناب مخدومی و مکرمی سلامت !

آج کی ڈاک میں آپ کا کوئی نوازش نامہ نہیں آیا ہے ، مگر بقیہ فرمان عالی متعلق تقلید اخبار میں پڑھ کر بے انتہا خوشی ہوئی اور حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزۂ احیاے اموات پر یقین کامل ہوا ۔ کیونکہ لاش تقلید میں جس طرح آپ نے باعجاز مسیحائی جان ڈالی ہے وہ معجزۂ احیاے اموات سے کم نہیں ۔ مگر چند سوالات جو اس میں باقی ہیں اور جن کے سبب میں نہایت شبہ میں ہوں کہ اس لاش میں جان آئی یا نہیں ، وہ انشاء اللہ تعالیٰ بروقت حصول ملازمت زبانی عرض کروں گا ۔ جو کہ اب میں بالکل پا بہ رکاب بیٹھا ہوں اور ترددات بے شمار دل پر ہیں ، اس سبب سے جو کچھ دل میں ہے وہ لکھ نہیں سکتا ۔
والسلام

از مقام لندن ، ۸ جولائی ۱۸۷۰ع خاکسار ، سید احمد

خطوط متعلق تفسیر القرآن

سرسید نے جب اپنی تفسیر القرآن شائع کی تو اس کی ایک جلد نواب محسن الملک کو بھی حیدرآباد بھیجی ۔ اس کے مطالعے کے دوران میں تفسیر کے مضامین کے متعلق کچھ خط و کتابت سرسید اور محسن الملک کے درمیان ہوئی تھی ۔ ہم اس خط و کتابت میں سے صرف سرسید کے خطوط یہاں درج کرتے ہیں ۔ یہ پانچ خط ہیں ۔ ان میں سے شروع کے دو خط رسالہ ''مکاتیب الخلان'' مرتبہ مقبول احمد عثمانی اور ''تحریر فی اصول التفسیر'' سے لیے گئے ہیں ۔ باقی ۳ خطوط کے مآخذ اُن خطوط کے ساتھ لکھ دیے گئے ہیں ۔

(۲۷)

مکرمی مہدی !

. . . میں نہایت خوش ہوں کہ آپ نے میری تفسیر کو دیکھنا شروع کیا ہے - مجھے نہایت خوشی ہے کہ آپ اس کو مخالفانہ اور غیر معتقدانہ طور پر دیکھیں اور اُس کی ایک بات پر بھی یقین نہ کریں - سب کو غلط سمجھیں مگر اس کو دیکھیں اور غور سے پڑھیں -

آپ نے اس خط میں لکھا ہے کہ ''اکثر جگہ تفسیر کو تفسیر القول بمالا یرضی بہ قائلہ تصور کرتا ہوں'' یقینی آپ کے پاس خدا کی بھیجی ہوئی وحی تو آتی نہیں جس سے آپ کو ثابت ہوا ہو کہ اس قول سے مرضیٔ قائل یعنی خدا کی یہ نہیں ہے - پس ضرور ہے کہ کوئی اور ذریعہ آپ کے پاس ہے جس کی وجہ سے آپ نے تفسیر کے مقامات کو ما لا یرضی بہ قائلہ قرار دیا ہے -

میں نے بہت سوچا کہ وہ ذریعہ آپ کے پاس کیا ہے ؟ اور وہ ذریعے دو معلوم ہوئے :

۱- اول بچپن کی تربیت - بچپن سے باتوں کو سنتے سنتے اُن کا نقش کالحجر دل میں ہو جاتا ہے جس کا مٹانا بہت ہی زبردست دل اور نہایت ہی قوتِ ایمانیہ کا اور بہت ہی غور و فکر کا کام ہے -

۲- دوسرا ذریعہ جو پہلے ذریعے کا شعبہ ہے مگر اُس پہلے کو نہایت قوی اور مضبوط کرنے والا ہے ، وہ علما کے اقوال اور تفاسیر کی مندرجہ رطب و یابس روایتیں اور قصے ہیں - گو آپ نے اس خط میں ایک فقرہ لکھا ہے کہ ''میرے نزدیک یہ ساری خرابیاں غلط مذہبی خیالات اور تقلید سے پیدا ہوئی ہیں اور مسلمانوں کو اسی کم بخت تقلید نے اندھا ، بہرا ، گونگا بنا دیا ہے'' - مگر افسوس ہے کہ تم یہ خیال نہیں کرتے کہ خود تمہارا بھی یہی حال ہے - آبائی خیالات کو اور خصوصاً ایسے خیالات کو جو مذہبی روایتوں پر مبنی ہیں ، چھوڑنا نہایت مشکل ہے - آپ یہ دعویٰ نہ کریں کہ میں آبائی مذہب کو چھوڑ کر شیعہ سے سُنی ہوگیا ہوں - اول تو بہت سے اسباب آپ کے گرد ایسے جمع تھے کہ جن کے سبب سے شیعہ مذہب نے بخوبی جڑ دل میں نہیں پکڑی

تھی ۔ علاوہ اس کے یہ تبدّل صرف جزئیات میں تھا جو قابلِ اعتنا نہیں ہے ۔ مگر جن امور کو آپ تفسیر القول بما لا یرضی بہ قائلہ قرار دیتے ہیں اُن کی جڑ بہت گہری اور مضبوط دل میں بیٹھی ہوئی ہے ۔ اس کا اُکھڑنا اور اُس کی جگہ دوسری بات کا بیٹھنا ، گو کہ یہ دوسری بات کیسی ہی سچ و صحیح ہو، بہت زیادہ دشوار اور بہت زیادہ مشکل ہے ۔ غرضیکہ آپ کے پاس کوئی دلیل اس بات کی نہیں کہ آپ تفسیر کو تفسیر القول بما لا یرضی بہ قائلہ سے تعبیر کریں ۔ ہاں اس کو غلط سمجھیں ، اُس کو تسلیم نہ کریں ، یہ دوسری بات ہے ۔ مگر ما لا یرضی بہ قائلہ نہیں کہہ سکتے ۔

آپ نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ ''افسوس ہے کہ آپ نے اُن مسائل کو جنھیں آج کل یورپ کے وہ تعلیم یافتہ لوگ ، جو مذہب کے پورے پابند اور معتقد نہیں ہیں ، صحیح اور یقینی اور غیر قابل الاعتراض سمجھتے ہیں ، مان لیا ہے ۔ اور قرآن کی آیتوں کو ، جن میں اُن مسائل کا ذکر ہے ، ایسا ماول کر دیا ہے کہ وہ تاویل ایسے درجے کو پہنچ گئی ہے کہ اُس پر تاویل کا لفظ بھی صادق نہیں ہو سکتا ۔''

تمھارے اس فقرے سے میں خوش بھی ہوا اور متعجب بھی ہوا ۔ خوش تو اس لیے ہوا کہ تم نے اس پر تاویل کا صادق آنا نہیں مانا کیونکہ میں قرآن مجید میں تاویل کو مطابق اُس کے مفہومِ عام کے کفر سمجھتا ہوں ۔

متعجب اس لیے ہوا کہ تم نے اس فقرے میں یہ قید کیوں لگائی ہے کہ ''جو مذہب کے پورے پابند اور معتقد نہیں ہیں ۔'' کیا اگر کوئی لامذہب ، یعنی غیر معتقد کسی مذہب کا مذاہبِ موجودہ میں سے ، یہ بات کہے کہ دو اور دو چار ہوتے ہیں تو کیا اس کے لامذہب ہونے سے یہ بات غلط ہو جاوے گی ؟ اگر کوئی نہایت پابندِ مذہب کہے کہ دو اور دو پانچ ہوتے ہیں تو کیا اُس کے پابندِ مذہب ہونے سے یہ بات صحیح ہو جاوے گی ؟ حاشا و کلا ۔

ہاں ایک بات آپ نے بہت صحیح لکھی ہے کہ اگر آپ میری تفسیر کے کسی مقام کو خلافِ سیاقِ کلام (اگرچہ مجھ کو نہایت شبہ ہے کہ تم اس بات کو سمجھے بھی ہو کہ قرآن مجید کا سیاقِ کلام کیا ہے اور کس طور پر ہے) اور خلافِ الفاظِ قرآن اور خلافِ محاورۂ عربِ جاہلیت ثابت کر دو تو میں اُسی

وقت اپنی غلطی کا مقر ہو جاؤں گا ـ مگر مجاز و حقیقت میں یا استعارہ و کنایہ یا خطابیات میں بحث مت کرنا ـ کیونکہ جیسا تم کو کسی لفظ کے حقیقی یا لغوی معنی لینے کا حق (حاصل) ہے ویسا ہی مجھ کو اُس کے مجازی معنی لینے یا استعارہ اور کنایہ یا از قسم خطابیات قرار دینے کا حق ہے ـ اور اس کے لیے ایک عام مثال دینی کافی ہے ، جیسے کہ علماء نے نسبت خدا کے ید اور وجہ اور استویٰ علی العرش اور ہبوط کے مذاہب مختلفہ اختیار کیے ہیں ، اور میں خیال کرتا ہوں کہ شاید تم بھی ان کے حقیقی اور لغوی معنی نہیں لیتے اور اس کے لیے کوئی وجہ رکھتے ہو ، اسی طرح میں بھی ایسا کرنے کے لیے قطعی اور یقینی وجہ رکھتا ہوں ـ پس اس پر بحث بحث نہ ہوگی بلکہ مکابرہ[1] ہوگا ـ

جانِ من ! حقیقت یہ ہے کہ تم نے خدا کی عظمت کا ، جس عظمت کے وہ لائق ہے ، اور قرآن مجید کی صداقت کا ، جس صداقت کے وہ لائق ہے ، اور مذہب اسلام کی عزت اور سچائی کا ، جس عزت اور سچائی کے وہ لائق ہے ، اپنے دل پر نقش کالحجر نہیں کیا ہے ـ اس لیے تمھاری رائے یا تمھارا دل اور تمھارا ایمان ڈاواں ڈول ہے ـ اگر تم خیالات کو دل سے محو کر کے یہ سچا اور دلی یقین کر لو کہ خدا سچا ہے اور قرآن اُس کا کلام (ہے) اور بالکل سچا ہے تو تم کو اس قسم کے شبہات ہرگز پیدا نہ ہوں ـ

پس سمجھو کہ تفسیر لکھنے میں میرے اصول کیا ہیں ؟ اُن کے بالاستیعاب بیان کرنے کے لیے تو ایک رسالہ مستقل چاہیے مگر میں چند کو جو مقدم ہیں ، بتلاتا ہوں ـ

۱- پہلا اصول یہ ہے کہ خدا سچا ہے اور قرآن مجید اُس کا کلام (ہے) اور بالکل سچ اور صحیح ہے ـ کوئی علم یعنی سچ اُس کو جھٹلا نہیں سکتا بلکہ اُس کی سچائی پر زیادہ روشنی ڈالتا ہے ـ

۲- دوسرا اصول یہ ہے کہ اب ہمارے سامنے دو چیزیں موجود ہیں ـ (۱) ورک آف گاڈ یعنی خدا کے کام (۲) ورڈ آف گاڈ یعنی خدا کا کلام یعنی قرآن مجید ـ اور ورک آف گاڈ اور ورڈ آف گاڈ کبھی مختلف نہیں ہو سکتا ـ اگر مختلف ہو تو ورک آف گاڈ تو موجود ہے

۱- مکابرہ = لڑائی جھگڑا ، فضول گفتگو ـ لفظی معنی بڑائی جتانا ـ

جس سے انکار نہیں ہو سکتا اور اس لیے ورڈ آف گاڈ ، جس کو کہا جاتا ہے ، اُس کا جھوٹا ہونا لازم آتا ہے ، نعوذ باللہ منہا ، اس لیے ضرور ہے کہ دونوں متحد ہوں ۔

۳- تیسرا اصول ورک آف گاڈ یعنی قانون قدرت ایک عملی عہد خدا کا ہے ۔ اور وعدہ اور وعید یہ قولی معاہدہ ہے اور ان دونوں میں سے کوئی بھی خلاف نہیں ہو سکتا ۔ لیکن اس سے یہ سمجھنا کہ اس کی تسلیم سے خدا کی قدرت مطلق میں نقصان آتا ہے ، جیسا کہ میں سمجھتا ہوں کہ تمہارا خیال ہے ، محض غلط اور وہم اور ناسمجھی ہے ۔ اس راز کے سمجھانے کو چند سطریں کافی نہیں ۔

۴- چوتھا اصول ۔ خواہ یہ تسلیم کرو کہ انسان مذہب یعنی خدا کی عبادت کے لیے پیدا ہوا ہے ، خواہ یہ کہو کہ مذہب انسان کے لیے بنایا گیا ہے ، دونوں حالتوں میں ضرور ہے کہ انسان میں بہ نسبت دیگر حیوانات کے کوئی ایسی چیز ہو کہ وہ اُس بار کے اُٹھانے کا مکلّف ہو ۔ اور انسان میں وہ شے کیا ہے ؟ عقل ہے ۔ اس لیے ضرور ہے کہ جو مذہب اس کو دیا جائے وہ عقل انسانی کے مافوق نہ ہو ۔ مجھ کو افسوس ہے کہ تم ہرگز نہیں سمجھتے کہ عقل انسانی اور عقل شخصی میں کیا فرق ہے ؟ اگر وہ عقل انسانی کے مافوق ہے تو انسان اُس کا نہیں ہو سکتا ۔ بلکہ اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کہ بیل یا گدھے کو امر و نہی کا مکلّف قرار دیا جائے یا جون پور کا قاضی بنا دیا جائے ۔

مذہب اسلام اور خدا کا کلام ان تمام نقصانوں سے پاک ہے ۔ وہ بتاتا ہے کہ تم سمجھ لو اور سمجھ کر یقین کر لو کہ جو کچھ خدا بتاتا ہے اور کہتا ہے وہ سچ ہے ۔ اس سے زیادہ سچائی کیا ہو سکتی ہے جو بانی اسلام (علیہ الصلوۃ والسلام) کی زبان سے کہہ دینے کو خدا نے فرمایا ہے ''انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الٰھکم الٰہ واحد ۔ انما انا بشیر و نذیر'' ۔ جان من! مذہب اسلام اور خدا کے کلام کو دیو و پری کے قصے مت بناؤ ، ورنہ جو فوقیت اسلام کو دوسرے مذاہب باطلہ سے ہے وہ ساقط ہو جاتی ہے اور انسان عقل انسانی کی رو سے قابل یقین نہیں رہتا ۔

جاہل ایک بات کو ، جو عقلِ انسانی کے مافوق ہے ، مان سکتا ہے ، اس وجہ پر کہ فلاں بزرگ نے کہی ہے ، اور اُس کا ایمان مضبوط رہتا ہے ،کیونکہ وہ اس کے سوا اور کچھ نہیں جانتا ، مگر جس کو خدا نے عقلِ انسانی یا اس کا کوئی حصہ عطا کیا ہے ، وہ ایسی بات پر ، جو مافوقِ عقلِ انسانی ہے ، یقین نہیں کر سکتا ۔

میں نے بہت سے عالموں کو یہ بات کہتے سنا ہے ، اور شاید تم پر بھی گزرا ہوگا ، کہ "فلاں بات دل میں تو نہیں بیٹھتی یا سمجھ میں تو نہیں آتی مگر قرآن یا حدیث میں آئی ہے ، مان لینی چاہیے" ۔ اس طرح مان لینے پر یقین اور ایمانِ کامل کا اطلاق نہیں ہو سکتا ، گو کہ نجات کے لیے کافی ہو ۔

اب تمہارے دل میں بہت سے شبہات پیدا ہوں گے اور تم خیال کرو گے کہ مذہب اسلام اور قرآن مجید میں تو بہت باتیں مافوقِ عقلِ انسانی ہیں ۔ مگر یہ تمہاری سمجھ کا قصور ہے ۔ قرآن مجید اس نقصان سے پاک ہے ۔

تم نے بہت مدت تک نوکری کی ۔ اب اُس کو چھوڑ دو ۔ علی گڑھ میں چلے آؤ ۔ یہاں رہو ۔ چند مدت کی گفتگو اور سمجھانے اور بتانے کے بعد تم کو ثابت ہو جاوے گا کہ اسلام میں اور قرآن مجید میں کوئی بات مافوقِ عقلِ انسانی نہیں ہے ۔ والسلام

الہ آباد ، ۱۷ اگست ۱۸۹۲ء خاکسار ، سید احمد

(۲۸)

مکرمی مہدی !

آپ کا نہایت طولانی خط ، نہایت دلچسپ ، فصیح و زبردست دلکش ، مملو از قوتِ ایمانی و ممزوج از فطرتِ ربانی پہنچا ۔ خوبیِ تحریر و فصاحتِ بیان جیسا کہ آپ کا خاصہ تسلیم کیا گیا ہے ، آپ کی ہر تحریر میں پایا جاتا ہے ۔ خواہ وہ میرے نام کا خط ہو ، خواہ لکچر اشاعتِ اسلام پر ، خواہ کوئی اور لکچر ۔ مگر معاف کیجیے اتنا ضرور کہوں گا کہ ذرا سی کسر تعمّق نظر میں رہ جاتی ہے ۔ و عندی هذا دآبکم ۔

بات یہ ہے کہ میں خود یہ چاہتا ہوں کہ کوئی دوست اور صاحبِ سمجھ ایسا ہو جو میری تفسیر پر متوجہ ہو اور اس کی غلطیوں سے مجھے آگاہ کرے ۔

اور شاید آپ کو یقین ہوگا کہ اگر وہ آگاہی آپ سے مجھ کو حاصل ہو تو اس سے زیادہ خوشی مجھے اور کوئی نہیں ہو سکتی ۔ مگر جس طرح ہر آپ نے یہ خط لکھا ہے یا آئندہ نسبت کسی مقام تفسیر کے کچھ لکھیں وہ کچھ مفید نہیں ہو سکتا کیونکہ جو دأب آپ کا میرے خیال میں ہے وہ مجھ کو اُس طرف لے جاوے گا کہ پوری غور نہیں کی اور اصل بات نہیں سمجھی ۔

فروع ہمیشہ متفرّع ہوتے ہیں کسی اصول پر اور اس لیے فروع میں بحث مفید نہیں ہوتی ، جب تک کہ وہ اصل جس پر فرع متفرع ہے ، صحیح یا غلط نہ قرار پاوے ۔ اگر وہ اصل صحیح ٹھہرے تو ضرور ہے کہ فروع اُس کے تابع قرار دے جاویں اور صحت اصل وہی دلیل قاطع اور برہان قطعی اُس امر کی صحت کی ہوگی جو بات کہ بہ لحاظ تابع ہونے اس فرع کے اپنی اصل سے قرار دی گئی ہے ۔

مثلاً امام شافعی کے نزدیک حرمت مصاہرت بدون ازدواج شرعی کے نہیں ہو سکتی ۔ اب اس پر یہ امر متفرع ہے کہ اگر کسی کے باپ کی کسی عورت سے آشنائی ہو اور کتنی ہی مدت رہی ہو ، بیٹا اُس سے نکاح کر سکتا ہے ۔ یا خود کسی شخص نے کسی عورت سے آشنائی رکھی ہو ، پھر اس کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے ۔ اس فرع کے بہت عیوب اور خرابیاں بیان ہو سکتی ہیں لیکن جب تک وہ اصل غلط نہ ٹھہرے ، فرع کے عیوب اور نقصان بیان کرنے سے کوئی نقصان لازم نہیں آتا ۔ بلکہ صحت اصل دلیل قاطع صحت فرع کی ہے ، وہ بحال خود باقی رہتی ہے جب تک کہ وہ اصل باطل نہ ہو ۔

مشکل یہ ہے کہ ہم میں اور تم میں یہ امر طے نہیں ہوئے کہ اصول تفسیر کیا ہیں ؟ یا کیا ہونے چاہئیں ؟ جب وہ اصول قرار پا جاویں اُس وقت کسی خاص آیت پر بحث ہو سکتی ہے ۔ اور بغیر اس کے یہ کہہ دینا کہ یہ تفسیر نہ محاورۂ عرب کے مطابق ہے ، نہ سیاق کلام کے موافق ، بلکہ جو اسلام کا منشا اور قرآن کا مقصود اور پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہدایت کی اصل غرض ہے اُن سب کے خلاف ہے ، کچھ موثر نہیں ۔ اس طرح اُوٹ پٹانگ بات کہہ دینے سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا ۔

میں چاہتا ہوں کہ مجھ سے اور آپ سے مکاتبات ہوں ۔ صرف متعلق تفسیر اور وہ بطور رسالے کے جمع کیے جاویں اور اُس کا نام ''مکاتبات الخلان فی اصول التفسیر و علوم القرآن'' رکھا جاوے ۔ شروع ان مکاتبات کی اس طرح پر ہو کہ

میں آپ کی خدمت میں ہر ایک اصولِ تفسیر کو وقتاً فوقتاً بھیجوں ۔ اگر وہ اصول آپ کے نزدیک صحیح ہو تو اس پر لکھ دیں کہ یہ اصول صحیح ہے ۔ پس وہ ہم میں اور آپ میں اصولِ مسلّمہ ہوگا ۔ خواہ وہ اصول ہم دونوں نے بہ لحاظ مذہب آبائی تسلیم کیا ہو ، خواہ از روئے تحقیق کے (ہم نے اُسے اختیار کیا ہو) ، اور جس اصول کو آپ غلط تصور کریں اُس کی تردید کریں ۔ بعد تحریرات تین امر اُس کی نسبت ہوں گے ۔ (۱) یا تو آپ اس کو تسلیم کر لیں گے تو وہ اصول مسلّمہ فریقین ہو جاوے گا (۲) یا آپ کی تردید کو میں تسلیم کر لوں گا تو اس پر کوئی تفریع معانی قرآن میں نہ کی جاوے گی ۔ (۳) یا ہم دونوں میں اختلاف باقی رہے گا ۔ اس صورت میں وہ اصول آپ کے مقابلے میں حجت نہ ہوگا ۔

جب یہ سب اصول اس طرح پر طے ہو جاویں اُس وقت میں آپ کو اجازت دوں گا کہ اب میری تفسیر کے جس مقام کو آپ غلط سمجھیں اُس پر (اعتراض) تحریر فرماویں ۔ مگر جب تک اس طرح پر اول اصول نہ قرار پا لیں ، اعتراضات و تحریرات و جواب و سوال محض بے سود معلوم ہوتے ہیں اور اوقاتِ عزیز کا ضائع ہوتا ہے ۔ اگر اس طرح ایک رسالہ اصولِ تفسیر کی تحقیق میں ہماری اور آپ کی تحریرات کا جمع ہو جاوے تو کچھ شبہ نہیں کہ نہایت ہی مفید اور بکار آمد ہوگا ۔ پس اگر آپ اس بات کو منظور کریں تو میں آپ کی خدمت میں ان اصولوں کو وقتاً فوقتاً بھیجنا شروع کروں ۔ بعد اس کے نسبت تفسیر کے جو تحریر ہو وہ ہو ۔

اخیر خط میں جو آپ نے لکھا ہے کہ نئے خیالات کی روشنی سے میں بتاؤں گا کہ نہ خدا ہے ، نہ ورک آف گاڈ اور نہ ورڈ آف گاڈ ، بلکہ انسان ایک بندر ترقی یافتہ ہے جو فنا ہو جاوے گا ، یہ مباحث تفسیر کی بحث سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے ۔ جب کہ آپ تفسیر کی صحت و عدم صحت سے بحث کرتے ہیں تو قرآن کا تسلیم کرنا لازم آتا ہے اور اس کو تسلیم کر کے اُس کے معنی کی صحت یا عدمِ صحت پر بحث رہ جاتی ہے ۔ اگر خدا پر بحث کی جاوے تو وہ جداگانہ بحث ہے ۔ پس آپ کا یہ خط اُس حد سے جس پر آپ نے پہلا خط لکھا ہے اور جس کا جواب میں نے لکھا ، خارج ہے ۔ اور جب اس طرح خارج از مبحث کلام ہوتا ہے تو اس کی نسبت تحریرات فضول معلوم ہوتی ہیں ۔ والسلام

از الہ آباد ، ۸ اکتوبر ۱۸۹۲ء — خاکسار ، سید احمد

اس[1] خط کا جواب غالباً بسبب کثرتِ کام کے میرے پاس نہیں آیا - میرا ارادہ تھا کہ جب میری تفسیر پوری ہو جاوے گی اور اول سے آخر تک قرآن بنظر غایر تمام ہو جاوے گا ، اُس وقت میں دیباچہ تفسیر کا لکھوں گا اور اس میں وہ تمام اصول بیان کروں گا جو تفسیر لکھنے میں میں نے اختیار کیے ہیں - مگر جو کہ اُس کو زمانۂ دراز درکار تھا اس لیے میں نے خیال کیا کہ مقدم اصولوں کو ، جو میں نے تفسیر کے لکھنے میں اختیار کیے ہیں ، لکھ دوں اور باقی اصول اُس وقت پر منحصر رکھوں جب کہ تفسیر تمام ہو جاوے اور خدا کی مرضی اُن کے لکھنے پر ہو - پس یہ چند مقدم اصول ہیں جن پر میری تفسیر مبنی ہے اور جو ایک رسالے کی صورت میں لکھے گئے ہیں - اور اسی لیے میں نے اس کا نام بھی ''تحریر فی اصول التفسیر'' رکھا ہے - اب میں اُن اصولوں کو شروع کرتا ہوں - و بہ نستعین و ھو نعم المولٰی و نعم النصیر :

۱- الاصل الاول :

یہ بات مسلّم ہے کہ ایک خدا خالق کائنات موجود ہے - و ھو احد صمد لم یلد و لم یولد - واجب الوجود - حی لا یموت - ازلی و ابدی - و ھو علۃ العلل لجمیع المخلوقات علٰی ما کانت و علٰی ماتکون -

۲- الاصل الثانی :

یہ بھی مسلّم ہے کہ اُس نے انسانوں کی ہدایت کے لیے انبیا مبعوث کیے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم رسولِ برحق و خاتم المرسلین ہیں -

۳- الاصل الثالث :

یہ بھی مسلّم ہے کہ قرآن مجید ، کلامِ الٰہی ہے - نزل علی قلب محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم او یوحی الیہ و انہ علیہ الصلٰوۃ والسلام

۱- حوالے کے لیے ملاحظہ ہو سرسید کا رسالہ ''تحریر فی اصول التفسیر'' مطبوعہ ۱۸۹۲ع از صفحہ ۳۱ تا صفحہ ۶۲ -

ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ ۔

۴۔ الاصل الرابع :

یہ بھی مسلّم ہے کہ قرآن مجید بلفظہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر نازل ہوا ہے یا وحی کیا گیا ہے ۔ خواہ یہ تسلیم کیا جاوے کہ جبریل[۴] فرشتہ نے آنحضرتؐ تک پہنچایا ہے ، جیسا کہ مذہب عام علمائے اسلام کا ہے یا ملکۂ نبوت نے ، جو روح الامین سے تعبیر کیا گیا ہے ، آنحضرتؐ کے قلب پر القاء کیا ہے ، جیسا کہ میرا خاص مذہب ہے کماقلت ۔

ز جبریل امین قرآن بہ پیغامے نمیخواہم
ہمہ گفتار معشوق ست قرآنے کہ من دارم

اور ان دونوں صورتوں کا نتیجہ متحد ہے اس لیے اس پر کوئی بحث ضرور نہیں ہے ۔

مگر میں اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ صرف مضمون القاء کیا گیا تھا اور الفاظ قرآن آنحضرت صلعم کے ہیں جن سے آنحضرت نے اپنی زبان میں ، جو عربی تھی ، اُس مضمون کو بیان کیا ہے ۔ والعجب ثم العجب علیٰ ما قال الامام حجۃ الاسلام بل حجۃ اللہ فی الانام الشاہ ولی اللہ الدھلوی فی کتابہ ''التفھیمات الالٰھیۃ'' حیث قال فمن ذلک (ای من التدلیات) القرآن العظیم و ذلک ان الفاظ القرآن انما ھی من اللغۃ العربیۃ التی یعرفھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ویتخیلھا و المعانی فایضۃ من الغیب تعدیما لہ صلی اللہ علیہ وسلم تدلیا الی الخلق فھم صارکلاما الٰھیا انما صار لان اردۃ الخیر بالناس امدت فی خیالہ علیہ السلام فھی التی جمعت الالفاظ و نظمھا ثم امد فی ھذا النظم نالبس لبیاسا محاکیا للجبروت فصار بذلک تدلیا الٰھیا و سمی کلام اللہ (تفھیمات الٰھیہ ، صفحہ ۵۸۱) اللھم الا ان یقال ھذا بیان تدلیات و ھو رحمۃ اللہ علیہ اذرج القرآن من حیث القاء المعانی تحت التدلیات ۔

مگر یہ قول شاہ صاحب کا عقل اور نفس الامر دونوں کے مخالف ہے ۔ خود قرآن مجید میں ہے کہ و انہ لتنزیل رب العالمین نزل بہ روح الامین

علی قلبک لتکون من المنذرین بلسان عربی مبین (سورۃ شعرا آیت ۱۹۲ - ۱۹۳) - دوسری جگہ فرمایا ہے : انا انزلناہ قرآناً عربیاً لعلکم تعقلون (سورۃ یوسف آیت ۳) - اس سے ظاہر ہے کہ نزول قرآن قلب آنحضرت ؐ پر عربی زبان میں ہوا تھا ، نہ یہ کہ صرف معنی القا ہوئے تھے اور الفاظ ، جن سے وہ معنی تعبیر کیے گئے ہیں ، آنحضرت ؐ کے تھے -

نفس الامر کے اس لیے برخلاف ہے کہ خود ہم اپنے نفس پر غور کرو کہ کوئی مضمون دل میں مجرّد عن الالفاظ آ ہی نہیں سکتا اور نہ القا ہو سکتا ہے - تخیّل یا تصور کسی مضمون کا مستلزم اُن الفاظ کے تخیّل یا تصور کا ہے جن کا وہ مضمون مدلول ہے - مضمون کا الفاظ سے مجرّد ہونا محالاتِ عقلی سے ہے اور اس لیے قرآن مجید بلفظہ آنحضرت ؐ کے قلب پر القا ہوا تھا اور وہی الفاظ اور اُسی نظم سے ، جس طرح القا ہوئے تھے ، آنحضرت ؐ نے لوگوں کو پڑھ سنایا -

۵- الاصل الخامس :

قرآن مجید بالکل سچ ہے ، کوئی بات اُس میں غلط یا خلافِ واقعہ مندرج نہیں ہے - خود قرآن میں ہے و انہ لکتاب عزیز لایاتیہ الباطل من بین یدیہ و لا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید - (سورہ فصلت الم سجدہ ، آیت ۴۲) - اور حکایتاً کسی قول کا نقل کرنا صرف بغرضِ بیان یا بغرضِ تردید یا لوگوں کے اعتقادات کو جو منافی مقصد قرآن کے نہیں ہیں بلا بحث اُن کی اصلیت اور واقعیت کے تسلیم کر کے اُن پر استدلال کرنا یا بطور حجتِ الزامی کے پیش کرنا یا امور ظاہر الوقوع کو اُن کی ظاہری حالت پر بلا اُن کی اصلی لِمّیت پر بحث کے بیان کرنا یا کلامِ غیر مقصود بالذات کا اثنائے کلام میں آنا قرآن مجید کی صداقت کے منافی نہیں ہے -

۶- الاصل السادس :

صفات ثبوتی اور سلبی ذات باری کے جس قدر قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں ، سب سچ اور درست ہیں مگر اُن صفات کی ماہیت کا من حیث ھی ھی جاننا مافوق عقلِ انسانی ہے ، اس لیے وہ صفات جس کیفیت یا جس حیثیت سے ہمارے

ذہن میں ہیں اور جن کو ہم نے ممکنات سے اخذ کیا ہے ، بعینہ و بحیثیتہ ذات باری پر ، جو واجب الوجود ہے ، منسوب نہیں کر سکتے اور صرف یہ کہتے ہیں کہ اُن صفات کے جو معنی مصدری ہیں ، وہ ذاتِ باری میں موجود ہیں : یعنی علم ، ایجاد ، قدرت ، حیات ، الیٰ غیر ذلک ، اور نیز اُن صفات کا ذاتِ واجب الوجود یا علة العلل میں ہونا ضروری سمجھتے ہیں ۔

۷۔ الاصل السابع :

صفاتِ باری تعالیٰ عین ذات ہیں اور وہ مثل ذات کے ازلی و ابدی ہیں اور مقتضائے ذات ظہور صفات ہے ۔ بای وجہ کان و بای شان یکون ۔ علمائے متکلمین کا یہ مذہب ہے کہ صفاتِ باری نہ عینِ ذات ہیں اور نہ غیرِ ذات ۔ مگر فلاسفہ الٰہیین عین ذات سمجھتے ہیں اور اس لیے اُن کا ظہور مقتضائے ذات قرار دیتے ہیں مگر یہ سب نزاع لفظی ہے اور نتیجہ واحد ہے ۔ ہاں اس میں شبہ نہیں کہ متکلمین نے جو امر اختیار کیا ہے اُس کے لیے حجت ساطع اور برہان قاطع نہیں ہے ۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''تفہیماتِ الٰہیہ'' میں فرماتے ہیں کہ ''ان لنزاع الفلاسفة و المتکلمین فی ان اللہ تعالیٰ خالق بالاختیار او بالایجاب لیس فی معارک المعنی فی شئے ۔ لما کان الارادة عند الفلاسفة عین الذات کان الابداع ایجاباً ۔

۸۔ الاصل الثامن :

تمام صفاتِ باری نامحدود اور مطلق عن القیود ہیں ۔ یفعل ما یشاء و یحکم ما یرید ۔ پس وہ ان وعدوں کے کرنے کا مختار تھا جن کو اُس نے کیا ہے اور اُس قانونِ فطرت کے قائم کرنے کا بھی مختار تھا جس پر اُس نے کسی کائنات کو بنایا ہو یا اس موجودہ کائنات کو بنایا ہے یا آئندہ اور کسی صورت میں بناوے ۔ مگر اس وعدے اور قانونِ فطرت میں ، جب تک کہ وہ قانون فطرت قائم ہے ، تخلّف محال ہے ۔ اور اگر ہو تو ذاتِ باری کی صفاتِ کاملہ میں نقصان لازم آتا ہے ۔ ان وعدوں کا کرنا اور قانونِ فطرت پر کائنات قائم کرنا اُس کی قدرتِ کاملہ کا ثبوت ہے ۔ اور اُن کے ایفا سے جس کا خود اُس نے اپنے

اختیار سے وعدہ کیا ہے اُس کی قدرت کے مطلق عن القیود اور نامحدود ہونے کی معارض نہیں ہو سکتا ۔

قال اللہ تعالیٰ : وعد اللہ الذین امنوا وعملوا الصالحات لھم مغفرۃ و اجر عظیم ۔ و الذین کفروا و کذبوا بآیاتنا اولئک اصحاب الجحیم ۔ (آیت ۱۲ و ۱۳ ، سورۃ المائدہ ۵) ۔

وعد اللہ المنافقین و المنافقات و الکفار نار جھنم خالدین فیھا ۔ (آیت ۶۹ سورہ التوبہ ۹) ۔

وعد اللہ المومنین و المومنات جنّات تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا (آیت ۷۲ سورہ التوبہ ۹) ۔

جنّات عدن التی وعد الرحمٰن عبادہ بالغیب انہ کان وعدہ ماتیا (آیت ۶۱ سورہ مریم ۱۹) ۔

و قالوا لن تمسنا النار الا ایاماً معدودات قل اتخذتم عند اللہ عھدا فلن یخلف اللہ عھدہ ام تقولون علی اللہ ما لا تعلمون ۔ (آیت ۸۰ البقرہ ۲) ۔

ونادیٰ اصحاب الجنّۃ اصحاب النار ان قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا فھل وجدتم ما وعد ربکم حقا قالوا نعم (آیت ۴۴ الاعراف ۷) ۔

و لولا کلمۃ سبقت من ربک لقضی بینھم (آیت ۴۵ فصلت ۴۱ حم السجدہ) ۔

ان اللہ لا یخلف المیعاد (آیت ۹ ال عمران ۳) ۔

کان وعدہ مفعولا (آیت ۱۸ مزمل ۷۳) ۔

فاصبر ان وعد اللہ حق (آیت ۵۵ و ۷۷ ۔ سورۃ المومن ۴۰) ۔

ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے اور تخلف وعدہ نہیں ہونے کا ۔ اور باوجود ان وعدوں اور ان کے عدم تخلف کے جابجا اپنے تئیں قادر مطلق اور فعّال لما یرید بیان کیا ہے ، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وعدہ اور عدم تخلف وعدہ اُس کے قادر مطلق ہونے اور اُس کی صفات کے مطلق عن القیود ہونے کے منافی نہیں ہے ۔

یہی حال قانون فطرت کا ہے جس پر یہ کائنات بنائی گئی ہے ۔ پہلا قولی وعدہ ہے اور قانون فطرت عملی وعدہ ۔ اُس قانون فطرت میں سے بہت کچھ خدا

نے ہم کو بتایا ہے اور بہت کچھ انسان نے دریافت کیا ہے ۔ گو کہ انسان کو ابھی بہت کچھ دریافت نہ ہوا ہو ، اور کیا عجب ہے کہ بہت کچھ دریافت نہ ہو ، مگر جس قدر دریافت ہوا ہے وہ بلاشبہ خدا کا عملی وعدہ ہے جس سے تخلف قولی وعدے کے تخلف کے مساوی ہے جو کبھی نہیں ہو سکتا ۔

خدا نے فرمایا ہے : انا کل شئی خلقناہ بقدر (آیت ۴۹ قمر ۵۴) ۔ پس جس اندازے پر خدا نے چیزوں کو پیدا کیا ہے ، اُس سے تخلف نہیں ہو سکتا ۔

پھر خدا فرماتا ہے : ولکل امة اجل فاذا جاء اجلھم لایستاخرون ساعة ولا یستقدمون (آیت ۳۲ اعراف ۷) ۔ پس ممکن نہیں ہے کہ جو وقت جس چیز کے لیے مقرر ہے وہ کسی طرح ٹل سکے ۔

پھر خدا فرماتا ہے : فاقم وجھک للدین حنیفا فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ذلک الدین القیّم ولکن اکثر الناس لا یعلمون (آیت ۲۹ ، الروم ۳۰) ۔ پس جس فطرت پر خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے اُس کی تبدیلی نہیں ہو سکتی ۔

دوسری جگہ فرماتا ہے : لا تبدیل لکلمات اللہ (آیت ۶۵ ، یونس ۱۰) ۔ ہمارے نزدیک کلمات اللہ اور خلق اللہ دو مرادف الفاظ ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ فطرت میں تبدیلی نہیں ہو سکتی ۔

پھر فرمایا ہے : ولن تجد لسنة اللہ تبدیلا (آیت ۶۲ ، احزاب ۳۳) ۔ پس جو طریق کہ خدا نے مقرر کیا ہے اُس میں تبدل نہیں ہو سکتا ۔

یہ تو عام ہدایتیں نسبت قانونِ فطرت کے تھیں ۔ مگر خدا نے ہم کو خاص خاص قانونِ فطرت بھی بتائے ہیں اور فرمایا ہے کہ لقد خلقنا الانسان من سلالة من طین ۔ ثم جعلناہ نطفة فی قرار مکین ۔ ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاما فکسونا العظام لحما ثم انشاناہ خلقا اخر ۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین (آیت ۱۲ - ۱۴ ، المومنین ۲۳) ۔

دوسری جگہ فرماتا ہے کہ فانا خلقناکم من تراب ثم من نطفة ثم من علقة ثم من مضغة مخلقة و غیر مخلقة لنبین لکم و نقر فی الارحام مانشاء الی اجل مسمی ثم نخرجکم طفلا

ثم لتبلغوا اشدکم و منکم من یتوفی و منکم من یرد الی ارذل العمر لکیلا یعلم من بعد علم شیئا (آیت ۵ - الحج ۲۲)

ایک جگہ فرماتا ہے : من آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا و جعل بینکم مودۃ و رحمۃ ان فی ذلک لایات لقوم یتفکرون - (آیت ۲۰ ، الروم ۳۰)

علاوہ ان کے اور بہت سی آیتیں اسی مضمون کی ہیں جن میں ہم کو قانونِ فطرت یہ بتاتا ہے کہ جوڑے سے یعنی زن و مرد سے اور نطفہ کے ایک مدتِ معیّن تک مقرر جگہ میں رہنے سے انسان پیدا ہوتا ہے - پس اس قانونِ فطرت کے برخلاف اسی طرح نہیں ہو سکتا جس طرح کہ قولی وعدے کے برخلاف نہیں ہو سکتا -

ایک جگہ فرماتا ہے : و آیۃ لھم اللیل نسلخ منہ النھار فاذا ھم مظلمون و الشمس تجری لمستقر لھا ذلک تقدیر العزیز العلیم - و القمر قدرناہ منازل حتٰی عاد کالعرجون القدیم - لا الشمس ینبغی لھا ان تدرک القمر و لا اللیل سابق النھار و کل فی فلک یسبحون - (آیت ۳۷ - ۴۰ ، سورۃ یسین ۳۶) -

پس یہ نہیں ہو سکتا کہ سورج خلافِ قانونِ فطرت جس طرح کہ وہ چلتا ہوا دکھائی دیتا ہے ، کسی کے لیے چلنے سے ٹھہر جاوے اور چاند اپنی منزلیں طے کرتا ہوا جس طرح ہلال ہوا تھا پھر ہلال نہ ہو - نہ یہ ہو سکتا ہے کہ سورج اور چاند ٹکرا جاویں - نہ یہ ہو سکتا ہے کہ رات دن گڈمڈ ہو جاویں - اور جب کہ یہ ثابت ہو گیا ہے کہ سورج کا چلنا زمین کی حرکت سے دکھائی دیتا ہے تو اسی آیت سے لازم آتا ہے کہ یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ زمین حرکت کرنے سے کسی وقت کسی کے واسطے ٹھہر جاوے - ایسا ہونا خلاف قانونِ فطرت کے ہے اور وہ ویسا ہی ناممکن ہے جیسے کہ قولی وعدے کے برخلاف ہونا ناممکن ہے -

پھر خدانے (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کی زبان سے قانونِ قدرت بتلایا کہ فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فات بھا من المغرب فبھت الذی کفر (آیت ۲۶۰ ، البقر ۲) - پس یہ بات غیر ممکن ہے کہ جب تک یہ قانونِ فطرت قائم ہے ، سورج مشرق سے طلوع نہ کرے - اور اسی کے ساتھ یہ

بھی ناممکن ہے کہ زمین مغرب سے مشرق کی طرف اپنے محور پر گردش نہ کرے ۔ اس کے برخلاف ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے کہ قولی وعدے کے برخلاف ہونا ناممکن ہے ۔

ایک جگہ (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کے قصے میں فرمایا ہے : فما کان جواب قومہ الا ان قالوا اقتلوہ او حرقوہ فانجاہ اللہ من النار ۔ (آیت ۲۳ ، عنکبوت ۲۹) (فانجاہ اللہ من النار سے ثابت ہوتا ہے کہ احراق خاصہ نار کا ہے) ۔

ایک اور جگہ تمثیل میں فرمایا ہے : فاصابہا اعصار فیہ نار فاحترقت (آیت ۲۶۸ ، البقر ۲) ۔ پس ان دونوں آیتوں سے خدا نے ہم کو قانونِ فطرت یہ بتایا ہے کہ آگ جلا دینے والی ہے ۔ پس جب تک یہ قانونِ فطرت قائم ہے اس کے برخلاف ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے کہ قولی وعدے کے برخلاف ہونا ناممکن ہے ۔

ایک جگہ (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کے قصے میں فرمایا ہے کہ و اذ فرقنا بکم البحر فانجیناکم و اغرقنا آل فرعون و انتم تنظرون ۔ (آیت ۴۷ ، البقرہ ۲) ۔

ایک جگہ فرماتا ہے : فاغرقناهم فی الیم بانہم کذبوا بآیتنا و کانوا عنہا غافلین ۔ (آیت ۱۳۲ ، اعراف ۷) ۔

ایک جگہ فرمایا ہے : و قوم نوح لما کذبوا الرسل اغرقناہم و جعلناہم للناس آیۃ (آیات ۳۹ ، فرقان ۲۵) ۔

ان آیتوں میں اور ان کی مثل بہت سی آیتوں میں خدا نے یہ قانونِ فطرت بتایا کہ پانی میں بوجھل چیز ڈوب جاتی ہے ۔ پس جب یہ قانونِ قدرت قائم ہے ، پانی سے یہ فطرت معدوم نہیں ہو سکتی ۔ اُس کا معدوم ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے کہ قولی وعدے کے برخلاف ہونا ناممکن ہے ۔

ایک جگہ خدا فرماتا ہے : ھو الذی ارسل الریاح بشرا بین یدی رحمتہ و انزلنا من السماء ماء طھوراً لنحیی بہ بلدۃ میتا و لسقیہ مما خلقنا انعاماً و اناسی کثیرا ۔ (آیت ۵ ، فرقان ۲۵) ۔ پس یہ نہیں ہو سکتا کہ بغیر بادل کے پانی برسے اور فوائد مینہ کے جو خدا نے بیان کیے ہیں وہ اس سے حاصل نہ ہوں ۔ اُن کے خلاف ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے کہ قولی وعدے کے خلاف ہونا ناممکن ہے ۔

یہ چند آیتیں ہم نے بطور مثال کے لکھی ہیں - ان کے سوا اور بہت کچھ قرآن مجید میں آیا ہے اور خدا نے ہم کو قانونِ فطرت بتایا ہے -

علاوہ اس کے انسان نے اُن چیزوں کے تجربے سے ، جو خدا نے پیدا کی ہیں ، اُس کی مخلوقات کے قانونِ فطرت کو معلوم کیا ہے - اور بے شبہ وہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اُس نے مخلوقات کے تمام قوانینِ فطرت کو دریافت کر لیا ہے - اُن میں سے بہت سے ایسے محقق ہیں جو درجۂ یقین کو پہنچ گئے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو ابھی درجۂ یقین کو نہیں پہنچے اور معلوم نہیں کہ ابھی تک کس قدر نامعلوم ہیں -

جو کچھ کہ ہم نے قرآن مجید کی آیتوں سے قانونِ فطرت بتایا ہے اُس پر کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ قانونِ فطرت عام نہیں ہے بلکہ اُس میں مستثنیات بھی ہیں لیکن اُس کے ذمے اُن مستثنیات کا قرآن مجید سے ثابت کرنا لازم ہوگا - مگر ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن مجید سے اُس قانونِ فطرت میں مستثنیٰ ہونا ثابت نہیں ہوتا جس کو ہم آیندہ بیان کریں گے -

جو قانونِ فطرت کہ انسان نے تجربے سے قائم کیا ہے اُس کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ جبکہ تمام قانونِ فطرت ابھی تک نامعلوم ہیں تو ممکن ہے کہ کوئی قانونِ فطرت ایسا ہو جس سے مستثنیات ثابت ہوتے ہوں - مگر یہ کہنا کافی نہیں ہے اس لیے کہ امکان عقلی تو کوئی شے وجودی نہیں ہے - صرف ایک خیال غیر محقق الوقوع ہے - و ان الظن لا یغنی من الحق شیئا - علاوہ اس کے امکان کا اطلاق اُس چیز پر ہوتا ہے جو کبھی ہو اور کبھی نہ ہو - لیکن جس چیز کا کبھی وقوع ثابت نہ ہوا ہو تو اُس پر امکان کا اطلاق غلط اور محض سفسطہ ہے - غرضکہ جو شخص قانونِ فطرت میں مستثنیات کا مدعی ہو اُس کو اُن مستثنیات کے کبھی واقع ہونے کو ثابت کرنا بھی لازم ہے -

۹- الاصل التاسع :

قرآن مجید میں کوئی امر ایسا نہیں ہے جو قانونِ فطرت کے برخلاف ہو - واما المعجزات فقد ثبت من القرآن انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ما ادعی باحد من المعجزات وقال علیہ السلام انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الٰھکم الٰہ واحد و قال علیہ السلام فی موضع

آخر انما انا بشیر و نذیر ۔ و لهذا قال المحقق الاجل الشاہ ولی اللہ فی التفهیمات الالٰهیه ولم یذکر اللہ سبحانه شیئا من المعجزات فی کتابه ولم بشر الیها قط ۔

مگر شاہ صاحب کے اس قول سے یہ بات سمجھنی مشکل ہے کہ اُن کی مراد اس نفی سے کیا ہے ؟ آیا اُن کا یہ مطلب ہے کہ قرآن مجید میں کسی نبی کے کسی معجزے کا ذکر نہیں ہے یا صرف آنحضرت صلعم کے کسی معجزے کا ذکر نہیں ہے؟ مگر ہم تنزلاً قبول کرتے ہیں کہ اُن کا مطلب صرف آنحضرت صلعم کے کسی معجزے کا ذکر نہ ہونے سے ہے ۔ مگر ہم کو دیکھنا چاہیے کہ اُن کا قول نسبت معجزات کے کیا ہے ؟ وہ لکھتے ہیں کہ فاللہ سبحانه احدی مجرد من الصفات فی مرتبة واحدة ولحاظ واحد و مقرون بالصفات فی مرتبة اخری و لحاظ آخر و علی هذا القیاس ان مواطن نفس الامر متفاوتة منها مواطن الاسباب و فیه العلة و المعلول فقط و السبب والمسبب فحسب و من المتحقق عندنا انه لم یترک الاسباب قط و لن یترک و لن نجد لسنة اللہ تبدیلا و انما المعجزات والکرامات امور اسبابیة غلب علیها السبوغ فباینت سایر الاسبابیات (تفهیمات الٰهیه ، صفحه ۵۳) ۔

پس شاہ صاحب معجزات کو مسبب باسباب سمجھتے ہیں اور اس قول پر معجزات کا وقوع قانونِ فطرت کے مطابق ہوتا ہے اور ہم کو اس میں کچھ بحث نہیں ہے ۔ بحث اس میں ہے جبکہ معجزات کو مافوق الفطرت قرار دیا جاوے جس کو انگریزی میں ''سپر نیچرل'' کہتے ہیں اور اُس سے انکار کرتے ہیں ۔ اور اُن کا وقوع ایسا ہی ناممکن قرار دیتے ہیں جیسے کہ قولی وعدے کا ایفا نہ ہونا ۔ اور علانیہ کہتے ہیں کہ کسی ایسے امر کے واقع ہونے کا ثبوت نہیں ہے جو مافوق الفطرت ہو اور جس کو تم معجزہ قرار دیتے ہو ۔ اور اگر بفرض محال خدا کی قدرت کے حوالے پر اُس کو تسلیم بھی کریں تو وہ ایک بے فائدہ امر ہوگا جو نہ مثبت کسی امر کا ہے اور نہ مسکت للخصم ۔

بے شک ہمارے بعض اخوان کو اس پر غصّہ آوے گا اور قرآن مجید میں سے بعض امور کو معجزہ قرار دے کر اور اُن کو مافوق الفطرت سمجھ کر پیش کریں گے اور کہیں گے کہ قرآن مجید میں معجزاتِ مافوق الفطرت موجود ہیں ۔ ہم اُن کے اس قول کو نہایت ٹھنڈے دل سے سنیں گے اور عرض کریں گے کہ

جو آیت قرآن مجید کی آپ پیش کرتے ہیں اور اُس سے معجزات مافوق الفطرت پر استدلال فرماتے ہیں ، آیا اُس کے کوئی دوسرے معنی بھی ایسے ہیں جو موافق زبان و کلام عرب کے اور موافق محاورات اور استعمالات اور استعارات قرآن مجید کے ہو سکتے ہیں ؟ اگر نہ ہو سکتے ہوں تو ہم قبول کریں گے کہ ہارا یہ اصول غلط ہے ۔ اور اگر ہو سکتے ہوں تو ہم نہایت ادب سے عرض کریں گے کہ آپ اس بات کو ثابت نہیں کرسکتے کہ قرآن مجید میں معجزات مافوق الفطرت موجود ہیں ۔ اگر وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں مفسّرین کے اقوال پیش کریں یا یہ کہیں کہ تیرہ سو برس سے کسی نے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین یا علماء مجتہدین و مفسّرین سے یہ معنی نہیں کہے ، بلکہ خدا بھی یہ معنی نہیں سمجھا جو تم کہتے ہو ، تو ہم ادب سے عرض کریں گے کہ اس دلیل سے ہم کو معاف رکھیے اور صرف یہ بتائیے کہ قرآن مجید کے الفاظ سے اور اُن محاورات اور استعارات سے ، جو قرآن مجید میں آئے ہیں ، وہ معنی جو ہم نے بیان کیے ، صحیح ہوتے ہیں یا نہیں ؟ غرض کہ جب تک کہ وہ ہم کو یہ ثابت نہ کریں کہ اُس آیت کے ، جو اُنھوں نے پیش کی ہے ، اور کوئی معنی بجز اُس کے جو وہ بیان کرتے ہیں ، ہو ہی نہیں سکتے اور وہ آیت مافوق الفطرت ہونے پر نص صریح ہے ، اُس وقت تک ہم اُس کا مافوق الفطرت ہونا تسلیم نہیں کریں گے ۔ لیکن کسی آیت کے کوئی معنی بیان کرنا اور اُس کی صحت کے لیے خدا کے قادر مطلق ہونے پر حوالہ کرنا صحیح نہ ہوگا ۔ کیونکہ ہمارے نزدیک خدا بموجب اپنے وعدے کے سب کام اُس قانون قدرت کے مطابق کرتا ہے جو اُس نے بنایا ہے ۔

و اما ماهیة نفس الانسان و القوی المودعة فیها وما یکون لها بعد الموت من حشر الاجساد و غیرها و کیف یکون یوم الآخرة وما حقیقت الجنّة و الجحیم وما کیفیة نعیمها و عقابها فکلها خارجة عن فهم الانسان لانها ما لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر و لهٰذا سبحانه جل شانه بیّنها بمثال یلیق بفهم الانسان و بیّن نعیمها علی افضل ما یرغب به الانسان و عقابها علی اکبر ما یدهش به فکلها لیست بخارجة عن قانون الفطرة بل کلها امثال و استعارات لاحوالها و نعیمها و عقابها لکی یتخیّل بها الانسان نوع تخیل مافیه

و ما بعد الموت وما نعیمها و ما عقابها و هذا سیاق الکلام المجید فی ضرب الامثال فی امور شتی لتفهیم الانسان و توضیح البیان بقدر الامکان و لا یخفی هذا علی من قراء القرآن بالامعان فتدبّر ۔

هذا قولی فی الفطرة التی قدرها الله سبحانه تعالیٰ لکنا لا نجد صفات الباری بحد بل نقول ان یشاء یذهب السموات والارض وما بینهما لاجل اجل لها و یات بآخرین علیٰ ای فطرت یشاء کما قال الله تعالیٰ ولله ما فی السموات وما فی الارض وکفی بالله وکیلا ان یشاء یذهبکم ایها الناس و یات بآخرین وکان الله علی ذلک قدیرا ۔ (آیت ۱۳۲ ۔ نساء م) ۔

۱۰۔ الاصل العاشر :

قرآن مجید جس قدر نازل ہوا ، بتمامہ موجود ہے ۔ نہ اُس میں سے ایک حرف کم ہوا ، نہ زیادہ ہوا ہے ۔ و تواترت علیہ جیل فی جیل فی قرن بعد قرن الی زماننا هذا وقال الله تعالیٰ انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون ۔ (آیت ۹ ۔ الحجر ۱۵) ۔

۱۱۔ الاصل الحادی عشر :

ہر ایک سورۃ کی آیات کی ترتیب میرے نزدیک منصوص ہے ۔ اذا انزلت الایات اشار رسول الله صلعم الیها من سورة کذا بعد آیته کذا و حفظها الحفاظ فی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم علی هذا الترتیب و لم یزل الصحابة والتابعون و من بعد هم یقرؤن القرآن علی هذا فثبت ترتیب الایات علی هذا المنوال من التواتر جیلا بعد جیل و قرنا بعد قرن الی زماننا هذا ۔ اور یہی قول شاہ ولی اللہ صاحب کا ہے جہاں ''فوز الکبیر'' میں اُنھوں نے فرمایا ہے کہ ''در زمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر سورۃ علیحدہ محفوظ و مضبوط بود'' ۔

۱۲- الاصل الثانی عشر :

قرآن مجید میں ناسخ و منسوخ نہیں ہے ، یعنی اُس کی کوئی آیت کسی دوسری آیت سے منسوخ نہیں ہوئی - و لیس فی القرآن نوعٌ من الاشارة علی هذا او اما آیته ما ننسخ من آیة او ننسها نأت بخیر منها او مثلها متعلقة بشرایع ما قبل الاسلام لابآیات القرآن و لا شک ان اهل الکتاب من الیهود و النصارٰی والمشرکین لا یودون من احکام الاسلام ما خالف شرایعهم فذکره سبحانه تعالٰی اولا وقال ما یود الذین کفروا من اهل الکتاب ولا المشرکین ان ینزل علیکم من خیر من ربکم و الله یختص برحمته من یشاء والله ذوالفضل العظیم - ثم قال ما ننسخ من آیة اوننسها نأت بخیر منها او مثلها الم تعلم ان الله علی کل شیئی قدیر - (آیت ۹۹ - ۱۰۰ - البقره ۶) - فظاهر ان النسخ المذکور فی الآیة المذکورة متعلق بشرایع ما قبل الاسلام لا بآیات القرآن ولا دلیل علی ان المراد بلفظ الآیة فی قوله و اذا بدلنا آیةً مکان آیة - (آیت ۱۰۳ - النحل ۶) - آیات القرآن ولا دلیل علٰی ان قوله یمحوا الله ما یشاء و یثبت و عنده ام الکتاب - (آیت ۳۹ - الرعد ۱۳) - متعلق بنسخ آیات القرآن - فتدبّر -

۱۳- الاصل الثالث عشر :

قرآن مجید دفعةً واحدةً نازل نہیں ہوا بلکہ نجماً نجماً نازل ہوا ہے - قال الله تعالی و قرآنا فرقناه لتقرأه علی الناس علی مکث و نزلنٰه تنزیلا - (آیت ۱۰۶ - بنی اسرائیل ۱۷) - وقتاً فوقتاً واقعات کے پیش آنے سے روح القدس یعنی ملکہؑ نبوت کو انبعاث ہوا اور اُس کے سبب سے وحی نازل ہوئی - پس وہ مختلف اوقات کے کلام کا مجموعہ ہے جو خدا نے وقتاً فوقتاً بمقتضا اُس وقت کے نازل کیا ہے - اور بطور ایک تصنیف کی ہوئی کتاب کے نہیں ہے جس میں اول مصنف ابواب و فصول کو تقسیم کر کے اُس کے مضامین کو ترتیب خاص سے مرتّب کرتا ہے - شاہ ولی الله صاحب ''فوز الکبیر'' میں لکھتے ہیں کہ ''قرآن را بروش متون مبّوب و مفصّل ساختہ نشدہ است تا ہر مطلبے ازاں در

بابے یا فصلے مذکور شود بلکہ قرآن را مانند مجموعۂ مکتوبات فرض کن، چنانکہ پادشاهان برعایائے خود بحسبِ اقتضائے حال مثال مینویسند و بعد زمانے مثال دیگر و علیٰ هذا القیاس تا آنکہ امثلہ بسیار جمع شود۔ شخصے آں امثلہ را تدوین کند و مجموعۂ مرتّب سازد۔ هم چنیں "ملکِ علی‌الاطلاق بر پیغمبر خود صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم برائے هدایتِ بندگان بحسبِ اقتضائے حال سورۂ بعد سورۂ نازل فرمود۔ و در زمان آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم هر سورتے علیحدہ محفوظ و مضبوط بود أما سورتہا تدوین نفرمودند و در زمان حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہا همہ سورتہا در یک مجلّد بترتیبِ خاص جمع نمودند و ایں مجموع بہ مصحف مسمّٰی شد" ۔ (فوز الکبیر ، ص ۳۷) ۔

قرآن مجید کا نجماً نجماً نازل ہونا اور وقتاً فوقتاً واقعات کے پیش آنے پر ملکۂ نبوت کا انبعاث ہونا اور وحی کا نازل ہونا ایک طبعی امر ہے ۔ انسان کے دماغ میں متعدد قسم کے علوم و فنون کا ملکہ موجود ہوتا ہے مگر بغیر محرّک کے وہ ملکہ تحریک میں نہیں آتا ۔ پس قرآن مجید کا اس منوال پر ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ایک تصنیف کی ہوئی کتاب نہیں ہے جس کے مضامین کو مصنف پہلے سے سوچ کر اپنی مرضی کے موافق کتاب مرتّب کرتا ہے ۔

قرآن مجید کے اوقاتِ مختلفہ کے کلام کے مجموعہ ہونے پر یہ بھی دلیل ہے کہ جس طرح مختلف اوقات میں کلام کرتے ہیں اور اُس وقت بمقتضائے محل اور بغرض مزید تنبیہ اشخاص کے اُس کلام کے دہرانے کی ضرورت پڑتی ہے جو کسی پہلے وقت میں کہا گیا تھا ، بعض مضمون کو جو مہتم بالشان ہیں ، ہر دفعہ کے کلام میں بار بار جتلانا پڑتا ہے ۔ بعض دفعہ کسی قصے کی تلمیح کرنی ہوتی ہے ۔ بعض دفعہ کسی قصے کے اُسی جزو کا بیان کافی ہوتا ہے جو اُس وقت کے کلام کے لیے ضرور ہے ۔ بعض دفعہ کسی قصے کو بالاجمال اور بعض دفعہ زیادہ تفصیل سے بیان کرنا مقتضائے کلام ہوتا ہے ۔ غرض کہ ہر ایک امر جو مختلف اوقات میں کلام کرنے میں پیش آتا ہے وہ سب قرآن مجید میں پایا جاتا ہے اور ، یہ کافی ثبوت اس بات کا ہے کہ قرآن ایک تصنیف کی ہوئی کتاب نہیں ہے ۔ اور جب کہ اس میں صرف کلماتِ وحی ہی لکھے گئے ہیں تو مبادیِ کلام ، جس سے وحی متعلق ہے ، اُس میں شامل نہیں ہیں اور اس سبب سے بعض مقامات قرآن مجید میں بلکہ متعدد ایسے ہیں کہ ایک مقصد بیان

کرتے کرتے دوسرا مطلب بیان ہونے لگا ہے جو ایک نیا یا اجنبی معلوم ہوتا ہے ۔ حالانکہ وہ ایسا نہیں ہے بلکہ مبادی کلام کے مندرج نہ ہونے سے ایسا معلوم ہوتا ہے ۔ بعض دفعہ قرینہ حالیہ کسی کلام کے مقتضا پر دلالت کرتا ہے اور متکلم بغیر اس کے کہ اپنے کلام میں اُس کی طرف اشارہ کرنے کی ضرورت سمجھے ، اپنا کلام شروع کر دیتا ہے ۔ اور جب کہ صرف متکلم ہی کا کلام بلا بیان اُس قرینہ حالیہ کے لکھا جاوے تو جو دلالت کلام کی قرینہ حالیہ سے پائی جاتی تھی وہ اس میں نہیں ہوتی اور اس لیے اُس کی تلاش یا تعیّن کی ضرورت پڑتی ہے ۔ اسی بنیاد پر علمائے اسلام نے آیات کی شانِ نزول تفتیش کرنے پر توجہ کی ہے جس کی بنیاد صرف روایاتِ ضعیف پر ہے ۔ اور اس لیے زیادہ پُر امن طریقہ یہ ہے کہ جہاں اُس کی ضرورت ہو حتی المقدور صرف قرآن مجید کے سیاق و سباق کلام سے اور اُس کے طرز ادائے کلام سے اُس کو تلاش کیا جاوے ۔ اور جو اصول کہ قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں اُن کو ہر ایسے مقام پر ملحوظ رکھا جاوے ۔

۱۴- الاصل الرابع عشر :

موجوداتِ عالم اور مصنوعاتِ کائنات کی نسبت جو کچھ خدا نے قرآن مجید میں کہا ہے وہ سب ہوبہو یا بحیثیتہ من الحیثیات مطابقِ واقع ہے ۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اُس کا قول اُس کی مصنوعات کے مخالف ہو یا مصنوعات اُس کے قول کے مخالف ہوں ۔ بعض جگہ ہم نے قول کو ورڈ آف گاڈ اور اُس کی مصنوعات کو ورک آف گاڈ سے تعبیر کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ ورڈ آف گاڈ اور ورک آف گاڈ دونوں کا متحد ہونا لازم ہے ۔ اگر ورڈ ، ورک کے کسی حیثیت سے مطابق نہیں ہے تو ایسا ورڈ ، ورڈ آف گاڈ نہیں ہو سکتا ۔

۱۵- الاصل الخامس عشر :

باوجود اس بات کے تسلیم کرنے کے کہ قرآن مجید بلفظہ کلامِ خدا ہے ، مگر جب کہ وہ عربی زبان میں اور انسان کی زبان میں نازل ہوا ہے تو اُس کے معنی اسی طرح لگائے جاویں گے جیسے کہ ایک نہایت فصیح عربی زبان میں کلام کرنے والے کے معنی لگائے جاتے ہیں اور جس طرح کہ انسان استعارہ و

مجاز و کنایہ و تشبیہ و تمثیل اور دلائل لمی و اقناعی و خطابی و استقرائی و الزامی کو کام میں لاتا ہے ، اسی طرح قرآن مجید میں بھی استعارہ و مجاز و کنایہ و تشبیہ و تمثیل اور دلائل لمی و اقناعی و خطابی و استقرائی و الزامی سب موجود ہیں - علاوہ اس کے ہم کو اُن اصول اور اُن قولی اور عملی وعدوں پر غور کرنا ضرور ہوتا ہے جو خود خدا نے کیے ہیں اور اُس طرز کلام اور طریق استعمال الفاظ کو دیکھنا لازم ہوتا ہے جو مخصوص قرآن مجید سے ہے ، اور جس کے لیے ہم کو ایک آیت کی تفسیر بیان کرنے میں دوسری آیت سے استمداد لینی پڑتی ہے -

ہر ایک کلام کے معنی قرار دینے میں ، وہ کلام کسی کا ہو ، خواہ خدا کا یا انسان کا ، مندرجہ ذیل باتوں کا محقق ہونا ضرور ہے :

۱- جس لفظ کے جو معنی قرار دیے گئے ہیں اُس کی نسبت جاننا چاہیے کہ وہ لفظ اُنھی معنوں میں وضع کیا گیا ہے -

۲- اس بات کا قرار دینا کہ جن معنوں میں وہ لفظ وضع کیا گیا تھا اُن معنوں سے کسی دوسرے معنوں میں مستعمل نہیں ہوا ہے -

۳- اگر وہ لفظ مشترک المعنی ہے تو اس بات کا قرار دینا لازم ہے کہ وہ ان مشترک معنوں میں سے کس معنی میں استعمال کیا گیا ہے - ضمائر جن کا مرجع مختلف ہو سکتا ہو وہ بھی الفاظ مشترک المعنی میں داخل ہیں -

۴- اس بات کو قرار دینا ضرور ہے کہ وہ (کلام) اُن اصلی معنوں میں بولا گیا ہے جو اُس سے متبادر ہوتے ہیں یا مجازی معنوں میں ؟

۵- اس بات کو قرار دینا کہ اُس کلام میں کوئی شے مضمر ہے یا نہیں ؟

۶- اس بات کو قرار دینا ضرور ہے کہ جن معنوں پر وہ لفظ دلالت کرتا ہے ، اُس میں کوئی تخصیص بھی ہے یا نہیں ؟

۷- یہ بات دیکھنی لازم ہے کہ جو معنی اُس لفظ کے قرار دیے گئے ہیں ، اُس پر کوئی عقلی معارضہ بھی ہے یا نہیں - اگر ہے تو وہ معنی اُس کے صحیح نہ ہوں گے - اور یہ بات کوئی نئی نہیں ہے بلکہ تمام علمائے اسلام نے سینکڑوں مقاموں میں اس کی پیروی کی ہے - مثلاً خدا کے عرش پر استوا ہونے میں ، اُس کے ہاتھ اور

منہ اور ساق ہونے ہیں ، اور مثل ان کے اور بہت سے لفظوں کے اصلی معنی اس لیے نہیں لیے گئے کہ دلیل عقلی اُن کے برخلاف تھی ۔ پس کوئی وجہ نہیں ہے کہ اور الفاظ کے ایسے معنی ، جو دلیل عقلی سے محال ہیں یا اُس قانون فطرت کے مخالف ہیں جو خود خدا نے بیان کیا ہے یا تجربے کے مخالف ہیں ، چھوڑ کر دوسرے معنی نہ لیے جاویں ۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وقت میں الفاظ کے معنی معیّن و مستعمل تھے ۔ اور اگر ہم تسلیم کر لیں کہ وہی معنی بتواتر ہم تک پہنچے ہیں ، تو اُس سے صرف امر اول کا تصفیہ ہو جاتا ہے ۔ مگر اس بات کا تصفیہ کہ وہ لفظ دوسرے معنوں میں مستعمل نہیں ہوا ، اور اگر وہ مشترک المعنی ہے تو کون سے معنوں میں مستعمل ہوا ہے ، اور وہ مجازی معنوں میں مستعمل ہوا ہے یا نہیں الی غیر ذلک ، نہیں ہو سکتا ۔ پس جب تک کہ ساتویں امر کی پیروی نہ کی جاوے جس کی پیروی بہت سے مقاموں میں علمائے اسلام نے کی ہے ، نہ کسی السان کے کلام کے معنی صحیح طور پر قرار دیے جا سکتے ہیں ، نہ خدا کے کلام کے ۔

قرآن مجید کے معنی قرار دینے میں ہم کو ایک اور مشکل پیش آتی ہے کہ عرب جاہلیت کا کلام بہت کم ہم تک پہنچا ہے ۔ اور کچھ شک نہیں کہ اس میں سے بہت بڑا حصہ ضائع ہو گیا ہے اور علمائے علم ادب اس بات کو خود تسلیم کرتے ہیں ۔ پس یہ امر قابل یقین نہیں ہے کہ اہل لغت اور علمائے علم ادب نے جو معنی الفاظ کے لغت کی کتابوں میں اور اُس کے محاورات اور استعارات کو لکھا ہے اُن کے سوا اور کوئی معنی اور استعارات زمانۂ جاہلیت اور خود زمانۂ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں نہ تھے ۔

بلاشبہ اس امر میں ہم مجبور ہیں اور بجز اس کے کہ قرآن مجید کے معنی قرار دینے میں موجودہ لغت کی کتابوں اور علم ادب کی کتابوں کی طرف رجوع کریں ، اور کچھ چارہ نہیں ہے ۔ لیکن اگر بالفرض ہم کو قرآن مجید سے کسی لفظ کا ایسے طور پر استعمال یا ایسے معنوں میں استعمال بطور یقین کے ثابت ہو جاوے جو کتب لغت یا علم ادب کی کتابوں میں نہ ملے ، تو ہم اُس کے اختیار کرنے میں کوئی وجہ تامل کی نہیں پاتے ۔ اور ایسا کرنے میں ہم

قرآن مجید کے ساتھ اس سے زیادہ کچھ نہ کریں گے جو کلام ِ جاہلیت کے ساتھ کیا ہے ، کیونکہ ہماری تمام لغت کی کتابوں اور علم ِ ادب کی کتابوں کی بنیاد اسی بات پر ہے کہ ہم نے وہ معنی یا محاورہ کلام ِ جاہلیت سے اخذ کیا ہے -

۸- قرآن مجید کے معنی قرار دینے میں ہم کو ایک اور امر کا تصفیہ بھی لازم ہے کہ جس کلام پر ہم استدلال کرتے ہیں ، آیا وہ کلام ِ مقصود ہے یا غیر مقصود ، کیونکہ اگر وہ کلام غیر مقصود ہے تو اس پر استدلال نہیں ہو سکتا - کلام ِ غیر مقصود قرآن مجید میں بہت جگہ پایا جاتا ہے اور انسان کے کلاموں میں بھی کلام ِ غیر مقصود ہوتا ہے جس پر حجّت قائم نہیں ہو سکتی - مثلاً خدا کا یہ فرمانا کہ ان الذین کذبوا بآیاتنا و استکبروا عنھا لا تفتح لھم ابواب السماء ولا یدخلون الجنۃ حتی یلج الجمل فی سم الخیاط - (آیت ۳۸ - اعراف ۷)

اس سے یہ استدلال نہیں ہو سکتا کہ کسی وقت میں اُونٹ سوئی کے ناکے میں سے نکل جاوے گا کیونکہ وہ کلام ِ غیر مقصود ہے اور صرف اُن لوگوں کے ، جنہوں نے خدا کے احکام کو جھٹلایا ہے ، جنت میں داخل ہونے کے عدم ِ امکان کا بیان ہے - اسی طرح اس آیت سے آسمان کے دروازوں کے ہونے پر بھی استدلال نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ کلام اس مقصد کے لیے نہیں بولا گیا ہے بلکہ صرف خدا کی رحمت سے محروم رہنے کے مقصد سے بولا گیا ہے - اسی طرح کلام ِ غیرمقصود کی بہت سی مثالیں قرآن مجید میں موجود ہیں اور اُن سے اُن کے اصلی معنوں پر استدلال نہیں ہو سکتا -

اسی کے ضمن میں ایک بہت بڑی بحث تاویل کی آتی ہے ؛ یعنی جب کسی لفظ کے اصلی معنی نہیں بن سکتے تو دوسرے معنی اختیار کرتے ہیں جس سے قول قائل کا صحیح ہو جاوے - مگر میں اس مقصد سے تاویل کو قرآن مجید میں جائز نہیں سمجھتا - اور میری رائے یہ ہے کہ تاویل اُس کو کہتے ہیں جب کہ یہ متحقّق ہو جاوے کہ قائل کا اس کلام سے درحقیقت یہ مطلب تھا اور وہ مقصد صحیح نہ ہو ، اور اُس وقت اُس کلام کے دوسرے معنی اختیار کیے جاویں تاکہ وہ کلام صحیح ہو جاوے - اور اگر قائل کا درحقیقت وہی مقصد ہو جو بعد تاویل کے قرار دیا گیا ہے تو وہ تاویل نہیں ہے بلکہ قائل کے

اصلی مقصد کا ظاہر کرنا ہے۔ مثلاً قائل کا یہ قول کہ ''زید اسد'' اگر قائل کا درحقیقت لفظ اسد سے حیوانِ معروف مراد ہو اور وہ زید پر صادق نہ آوے اور کوئی شخص خلاف مقصد اُس قائل کے اُس کے معنی شجاعت کے لے تو درحقیقت یہ تاویل ہے۔ اور اگر قائل نے اسد کے لفظ سے خود ہی شجاعت مراد لی ہو تو اسد سے شجاعت مراد لینا تاویل نہیں ہے بلکہ قائل کے اصلی مطلب کا اظہار ہے۔ اسی طرح جب ہم قرآن مجید کے کسی لفظ کے اصلی معنی نہیں لیتے بلکہ مجازی معنی لیتے ہیں تو ہم اُس کو تاویل نہیں کہتے، اس لیے کہ ہم بقدر اپنی طاقت کے یہی سمجھتے ہیں کہ خدا نے ان ہی مجازی معنوں میں اس لفظ کو استعمال کیا ہے۔

قرآن مجید کے معانی بیان کرنے میں سب سے زیادہ دھوکہ انسان کو اُن مقامات میں پڑتا ہے جہاں قرآن میں قصص انبیاے سابقین بیان ہوئے ہیں۔ انبیاے سابقین کے قصے عہدِ عتیق کی کتابوں میں بھی آئے ہیں اور علماے یہود نے بھی قصص انبیاء مستقل کتابوں میں لکھے ہیں جن میں بہت کچھ باتیں دور از عقل و خلافِ قانونِ فطرت مندرج ہیں۔ وہ قصے مشہور تھے اور ہمارے علما بھی اُن سے مانوس تھے اور اُن کے عجائبات کو، جو قانونِ فطرت کے برخلاف تھے، معجزات قرار دیتے تھے۔ وہ قصے قرآن میں بھی بیان ہوئے ہیں اور وہ بیان بہت کچھ اُسی کے مشابہ اور مماثل ہے جو اُن قصوں کی نسبت بیان ہوا ہے۔ مگر قرآن مجید کے الفاظ اُن قصوں میں اس طرح آئے ہیں کہ اُن سے وہ باتیں، جو دور از عقل اور خلافِ قانونِ قدرت اُن قصوں میں مشہور تھیں، اُن کا ثبوت نہیں ہوتا۔ ہمارے علماے متقدمین نے اس بات پر خیال نہیں کیا بلکہ جہاں تک اُن سے ہو سکا قرآن مجید کے الفاظ کو اُن قصوں پر بعینہٖ حمل کرنے پر کوشش کی۔ اور اُس کے کئی سبب تھے:

اول : یہ کہ اُن قصوں کی کیفیتِ مشہورہ اُن کے دل میں بسی ہوئی تھی اس لیے قرآن مجید کے اُن الفاظ پر اُنھوں نے توجہ نہیں کی۔

دوسرے : یہ کہ اُن کے پاس ہر ایک عجیب چیز کو، گو وہ کیسی ہی قانونِ فطرت کے برخلاف کیوں نہ ہو، خدا کی قدرتِ عام کے تحت میں داخل کر دینے کا نہایت سہل طریقہ تھا اور اس سبب سے اُن الفاظ کی حقیقت پر غور کرنے کو توجہ مائل نہیں ہوتی تھی۔

تیسرے : یہ کہ اُن کے زمانے میں نیچرل سائنسز نے ترقی نہیں کی تھی اور کوئی چیز اُن کو قانونِ فطرت کی طرف رجوع کرنے والی اور اُن کی غلطیوں سے متنبّہ کرنے والی نہ تھی ۔ پس نہ اسباب اور مثل ان کے اور بہت سے اسباب ایسے تھے کہ اُن کی کافی توجہ قرآن مجید کے اُن الفاظ کی طرف نہیں ہوئی ۔

مثلاً اُن کے زمانے میں یہ مسئلہ ثابت نہیں ہوا تھا کہ طوفان نوح کا تمام دنیا میں عام ہونا اور پانی کا اُونچے سے اُونچے پہاڑوں کی چوٹیوں سے بلند ہو جانا محالات سے اور خلاف واقع ہے ۔ اور اس لیے اُن کے خیال میں یہ بات نہ آئی کہ قرآن مجید میں جو الارض کا لفظ ہے ، اُس میں الف لام استغراق کا نہیں ہے بلکہ عہد کا ہے ۔

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے قصے میں کوئی نصِ صریح اس بات پر نہیں ہے کہ درحقیقت اُن کو آگ میں ڈال دیا گیا تھا ، مگر اُنھوں نے آگ کا کوئی اثر قبول نہیں کیا ۔

اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت میں کوئی نصِ صریح قرآن مجید میں موجود نہیں ہے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے ۔

اسی طرح حضرت یونس علیہ السلام کے قصے میں اس بات پر قرآن مجید میں کوئی نصِ صریح نہیں ہے کہ درحقیقت مچھلی اُن کو نگل گئی تھی ۔ 'ابتلع' کا لفظ قرآن میں نہیں ہے ، 'التقم' کا لفظ ہے جس سے صرف منہ میں پکڑ لینا مراد ہے کیونکہ جب کوئی لفظ تاکید کا اُس کے ساتھ نہیں ، جیسے التقمہ فلقمہا تو التقم کے معنی ابتلع کے نہیں ہو سکتے ۔ اور اگر فرض کرو کہ بغیر تاکید کے بھی اُس کے معنی ابتلع کے ہوں تو بھی لقم و التقم کے دو معنی ہیں ۔ ایک سرعۃ الاکل دوسرے و التبادر علیہ ۔ اور ان دوسرے معنوں سے بلع ثابت نہیں ہوتا ۔ پس دوسرے معنوں پر ، جو مطابق قانونِ فطرت کے تھے ، اُنھوں نے توجہ نہیں کی اور اس آیت میں کہ فلولا انہ کان من المسبحین للبث فی بطنہ الی یوم یبعثون (آیت ۱۴۳ - ۱۴۴ - سورۂ الصافات ۳۷) ، اس پر التفات نہیں کیا کہ لبث فی بطن الحوت کی نفی دو طرح پر متحقق ہو سکتی ہے ؛ اول اس طرح پر کہ مچھلی نے نگلا ہی نہیں ، دوسرے اس طرح کہ نگلا ہو مگر اُس کے پیٹ میں نہ ٹھہرے ہوں ۔ مثلاً کوئی کہے کہ اگر میں اُس کو نہ بچاتا تو وہ قبر میں ہوتا ۔ اُس کا مقصد

صرف یہی ہے کہ قتل نہیں ہوا ، نہ یہ کہ قبر میں جا کر نکل آیا ۔ مگر انھوں نے ان معنوں پر توجہ نہیں کی ۔ غرض کہ اس قسم کی بہت سی مثالیں قرآن مجید میں ہیں ۔ ہم کو ضرور ہے کہ صرف الفاظ قرآن مجید کے پابند رہیں ، نہ اُن قصوں کے جو یہود و نصاریٰ میں مذکور و مشہور ہیں ۔

شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ ''نقل از بنی اسرائیل بیشتر است کہ در دینِ ما داخل شد ، بعد ازآنکہ لا تصدقوا اهل الکتاب و لا تکذبوهم قاعدہ مقرر است ۔ پس دو چیز لازم آمد یکے آنکہ تعریض قرآن را در سنت حضرت پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم بیان یافتہ شود مرتکب نقل از اھل کتاب نباید شد ۔ مثلاً چون محمل آیت و لقد فتنا سلیمان و القینا علیٰ کرسیه جسدا ثم اناب'' در سنتِ نبویہ یافتہ می شود و آن قصہ ترک انشاء اللہ و مواخذہ بر آن است مرتکب ذکر سخرہ ما رد چرا باید شد ۔ دوم آنکہ الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ را در نظر داشتہ قدر اقتضاء تعریض سخن باید گفت تا بشہادت قرآن تصدیق کردہ باشم و از زیادت زبان باید کشید ۱۲ ۔ (فوز الکبیر : ۹۷ - ۹۸) ۔

ہم سے کہا جاتا ہے کہ قرآن مجید کے معنی اس طور پر قرار دینے ضرور ہیں جس طرح کہ ایک اُمّی آدمی اُس کے معنی سمجھ سکتا ہے ، کیونکہ بدوین اور تمام قبائل عرب کے ان پڑھ تھے ۔ پس اُس زمانے کے اہلِ عرب جس طرح سیدھے سادھے طور پر الفاظِ قرآن کے ظاہری معنی سمجھتے تھے ، اُسی طرح ہم کو بھی قرآن کے معنی بیان کرنے چاہییں ۔

ہم کہتے ہیں کہ ہم بھی اسی طرح کرتے ہیں کیونکہ الفاظ کے وہی معنی لیتے ہیں جو عربِ جاہلیت سمجھتے تھے ۔ کلامِ جاہلیت ہی کی بنا پر صرف و نحو و لغت کی کتابیں مبنی ہیں ، جن سے ہم قرآن مجید کے معنی بیان کرنے میں استمداد لیتے ہیں ۔ موجودہ علمِ ادبِ عربی زبان کا بدوین اور اہلِ عرب کے کلام کی بنا پر مبنی ہے ، مگر بحث اس پر آ جاتی ہے جبکہ بلحاظ علوم و فنون کے قرآن مجید پر توجہ کی جاتی ہے اور جس سے اہلِ عرب بالکل ناواقف اور عاری محض تھے ۔ اس حالت میں بھی ہم کوئی نئی بات پیش نہیں کرتے بلکہ خود موافق زبانِ اہلِ عرب کے قرآن مجید کے الفاظ کے اُن معنوں پر متوجہ کرتے ہیں جو علوم کی ترقی کے سبب ہم کو صحیح و درست معلوم ہوتے ہیں ۔

مثلاً اہلِ عرب بجز اس کے کہ جس پر وہ رہتے تھے ، اُس کو ارض کہتے تھے اور جو نیلی نیلی چیز گنبد نما اُن کے سر پر تھی ، اُس کو سما جانتے تھے ، اور اَور بحثوں سے ، جو علوم میں اُن سے متعلق ہیں ، محض ناواقف تھے ۔ اور باہں ہمہ جو نتیجہ ہدایت اور تعلیمِ روحانی اور وحدت و قدرت ذات باری کا قرآن مجید سے مقصود تھا ، وہ اُن کو حاصل ہوتا تھا ۔ مگر جب بلحاظ علوم کے قرآن کے الفاظ پر بحث کی جائے تو اُس وقت اُن سے کہتے ہیں کہ الفاظ قرآن کے وہ معنی لینے جو مطابق زبانِ عرب کے اور اُن علمی بحثوں کے مطابق ہیں ، کیوں نظر انداز کیے جاتے ہیں ۔ اور جو قانونِ فطرت خود خدا نے بتایا ہے ، اُس کے مطابق وہ معنی ، جو کلامِ عرب کے مطابق بھی ہیں ، کیوں نہیں لیے جاتے ؟

ہم سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید کا یہی سمجھتے ہیں کہ وہ اُس طرزِ کلام میں نازل ہوا ہے کہ اُمّی اور عالم و جاہل و فلسفی کسی طرح پر اُس کے معنی سمجھیں ، سیدھے سادے طور پر یا علمی و فلسفی طریقے پر ، مگر نتیجے میں سب متحد ہو جاتے ہیں ۔ کوئی کلام بجز قرآن مجید کے ایسا نہیں ہے کہ وہ جاہل اور اُمّی محض کو بھی اُسی نتیجے پر پہنچاوے جس نتیجے پر ایک عالم فلسفی کو پہنچاتا ہے اور ہر ایک بقدر اپنے علم اور استعداد کے اُس سے فائدہ اُٹھا کر ایک منزلِ مقصود پر پہنچتا ہے ۔

ہم سے طعناً کہا جاتا ہے کہ جب حکمت و ہیئت و فلسفۂ یونانی ، مسلمانوں میں پھیلا اور جو اُس زمانے میں بالکل سچ و صحیح اور مطابقِ حقیقتِ واقعہ سمجھا جاتا تھا ، علمائے اسلام نے قرآن مجید کے اُن مقامات کی ، جو اُن کے مطابق معلوم ہوتے تھے ، تائید کی اور اُن مقامات کو ، جو بظاہر مخالف اُن علوم کے معلوم ہوتے تھے ، اُن کے مطابق کرنے کی کوشش کی ؛ اب کہ معلوم ہوا کہ وہ علوم غلط اصول پر مبنی تھے اور اُن کا علمِ ہیئت بالکل خلافِ حقیقت تھا اور علم طبیعیات اور نیچرل سینسز[1] نے زیادہ ترقی کی تو اب اُن معنوں سے ، جو اگلے علما نے مطابق یونانی علوم کے قرار دیے تھے ، تخلف کرتے ہو اور دوسرے معنی اختیار کرتے ہو جو حال کے علوم کے مطابق ہیں ۔ اور کیا عجب ہے کہ آئندہ زمانے میں ان علوم کو اور زیادہ ترقی ہو اور جو امور اس وقت محقق معلوم

۱۔ نیچرل سائنسز ۔

ہوتے ہیں ، وہ غلط ثابت ہوں ، اُس وقت قرآن مجید کے الفاظ کے دوسرے معنی قرار دینے کی ضرورت ہوگی ۔ وھلم جرا ۔ پس قرآن لوگوں کے ہاتھ میں ایک کھلونا ہو جاوے گا ۔

ہم اس طعنے کو بطور ایک بشارت کے نہایت خوشی سے تسلیم کرتے ہیں کیونکہ ہمارا یقین ہے کہ قرآن مجید حقیقت امور کے مطابق ہے کیونکہ وہ ورڈ آف گاڈ ہے اور بالکل ورک آف گاڈ اُس کے مطابق ہے ، مگر اس میں بہت بڑا معجزہ یہ ہے کہ ہمارے ہر درجۂ علم میں ، اُن امور میں جن کی ہدایت کے لیے قرآن نازل ہوا ہے ، (وہ) یکساں ہدایت کرتا ہے ۔ اُس کے الفاظ ایسے اعجاز سے نازل ہوئے ہیں کہ جہاں تک کہ ہمارے علوم کو ترقی ہوتی جاوے گی اور اس ترقی یافتہ علوم کے لحاظ سے ہم اُس پر غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ اُس کے الفاظ اُس لحاظ سے بھی مطابق حقیقت ہیں ۔ اور ہم کو ثابت ہو جائے گا کہ جو معنی ہم نے پہلے قرار دیے تھے ،وہ ہمارے علم کا نقصان تھا (اور) قرآن مجید پر ایک نقصان سے بری تھا ۔

مثلاً فرض کرو کہ قرآن مجید سے ہم نے یہ سمجھا تھا کہ سورج زمین کے گرد پھرتا ہے ، جس سے طلوع و غروب ہوتا ہے ، اب معلوم ہوا کہ سورج ساکن ہے اور زمین سورج کے گرد پھرتی ہے ، اب ہم قرآن مجید پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سورج کا پھرنا قرآن مجید میں بطور حقیقتِ واقعہ کے بیان نہیں ہوا بلکہ علی ما یشہدہ الناس بیان ہوا ہے اور وہ سچ ہے ۔ پس ہم نے جو اُس کو بطور حقیقتِ واقعہ کے سمجھا تھا ، وہ ہماری غلطی تھی ، نہ قرآن مجید کی ۔ غرض کہ ترقیِ علوم سے ہم کو اُن امور سے رجوع کرنا ، جو ہم نے پہلے نسبت قرآن کے قرار دیے تھے ، اور قرآن مجید کا اُس کے مطابق پانا ، جس کی طرف ہم نے بعد ترقیِ علم رجوع کی ہے ، ہمارے علمِ سابق کا نقصان اور قرآن مجید کے کامل ہونے کا ثبوت ہے ۔ مگر ہماری نسبت کسی قسم کی طعنہ زنی کا سبب نہیں ۔

یہ بحثیں جہاں تک ہیں صرف اُن امور سے متعلق ہیں جو علوم سے اور طبیعات سے علاقہ رکھتے ہیں ۔ باقی رہے وہ امور جو روحانی تعلیم سے متعلق ہیں اور جن کو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ حاوی ہے ، ہر وقت میں ایک حالتِ مستقل پر قائم ہیں ۔ اُس میں نہ کبھی تبدل ہوا نہ ہوگا ، نہ ہونے کی حاجت ۔ جس کے لیے منطوق آیۂ کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت

علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا شاہد عادل ہے ۔

الآن نختم الکلام و نقول ھذہ اصول معدودۃ من الاصول التی اسسنا علیھا تفسیر القرآن و نبین کلھا فی وقت آخر ان شاء اللہ تعالیٰ ۔

الہ آباد ، ۱۵ نومبر ۱۸۹۲ع — سید احمد

(۲۹)

محبّی مہدی!۱

میں نے آپ کا مضمون ، جس کا عنوان ''سوال و جواب'' ہے ، دیکھا اور اسی طرح بے قصد دل سے اُٹھنے والے شوق سے وجد کیا جس طرح کہ آدم نے انجان جانب کار خدا کی بات پر وجد کیا تھا - زندہ باشی و جان من باشی - آمین ! مگر میں ایک بات پر آپ کی توجہ چاہتا ہوں کہ آپ نے تاویل الفاظ قرآن مجید کی اُن کے مدلول ظاہری سے یا اُن مدلولات سے ، جو لوگوں نے اپنے خیال میں اُن الفاظ کا مدلول ٹھہرا رکھا ہے یا اُس کی تصریح قرآن مجید میں نہیں ہے ، پانچ حالتوں میں جائز رکھی ہے - یا لاباس بہ تصور کیا ہے یا اس تاویل کو انکار جزو قرآن قرار نہیں دیا اور یہ بالکل حق اور سچ ہے ، آمنّا و صدّقنا - چنانچہ ایک مقام پر آپ ارقام فرماتے ہیں کہ ''اگر ان الفاظ اور کلمات کے لفظی معنی مراد لینے سے مخالفت قرآن کی کسی امر موجودہ واقعیہ سے ہوتی ہو تو ظاہری معنی مراد نہ لیے جائیں گے'' اور دوسرے مقام پر آپ ارقام فرماتے ہیں کہ ''اسمائے موجودات سے ، جن کا ذکر قرآن میں بلا تشریح اُن کی حقیقت کے ہے ، وہ حقیقت مراد نہ لینا جو لوگوں نے سمجھ رکھی ہو اور جس کا ثبوت نہ کتاب و سنت سے ہوتا ہو اور نہ جس کے اثبات پر سوائے اوہام و ظنون کے کوئی عقلی دلیل ہو ، تو اُن اسا سے موافق قرینۂ مقام کے کوئی ایک وجود مراد لینا منجملہ وجود خارجی یا حسی یا خیالی یا عقلی یا تشبیہی کے جائز ہے یا انکار جزو قرآن سے نہیں ہے'' جزاک اللہ فی الدارین خیرا ۔

اب خیال کرو کہ قرآن مجید میں ''شیطان'' کا لفظ یا نام آیا ہے مگر

۱- شائع شدہ در تہذیب الاخلاق ، ۱۵ ربیع الثانی ۱۲۸۹ھ -

اُس کی حقیقت و ماہیت کچھ بیان نہیں ہوئی - یہودیوں نے اور مشرکین عرب نے اُس کی ایک صورت اور حقیقت اپنے ذہن میں سمجھ رکھی تھی اور بعض قوموں نے ظلمت و نور کو اور بعضوں نے اہرمن و یزدان کو شیطان اور خدا سمجھ رکھا تھا اور علیٰ ھذا القیاس ہر ایک قوم نے اپنے اپنے خیالات کے موافق شیطان کی ایک حقیقت سمجھ رکھی تھی یا قرار دی تھی۔ قرآن مجید میں یہ نام تو (بے شک) آیا (ہے) مگر اُس کی حقیقت یا ماہیت کچھ بیان نہیں ہوئی -

البتہ ہم اس کی[1] کچھ صفات قرآن مجید اور بعض احادیث سے پاتے ہیں - بڑی صفت اُس کی جو بمنزلہ ذاتیات کے ہے اور جس سے گویا اُس کی حقیقت یا ماہیت پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ صرف مغوی آدم[3] ہی نہیں تھا بلکہ وہ تا قیامت مغوی الانسان علی المعصیۃ ہے - کما قال تبارک و تعالیٰ : قال فبعزتک لاغوینھم اجمعین - اور وہ یہ کہ وہ ہمارے بدن میں ہمارے خون کے ساتھ پھرتا ہے - کما روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الشیطان یجری من الانسان مجری الدم اور یہ کہ وہ ہم میں اور ہماری نماز میں ، خواہ نماز کا وجود موجود فی الخارج سمجھو یا نہ سمجھو ، حائل ہو جاتا ہے - کما روی عنہ صلعم الشیطان حال بینی و بین صلاتی پس یہی ''اوصافِ حمیدہ'' اُن بزرگ ذات کے ہیں جو ہم کو شارع (علیہ السلام) نے بتائے ہیں -

اب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ مثل اہلِ جنت کے لفظ شیطان سے ایک وجود مستقل موجود فی الخارج مراد لیں کیونکہ حتی المقدور اسی اسم سے اُس کے مسمّی کا موجود بوجود فی الخارج سمجھنا چاہیے - لیکن اس سمجھنے کے لیے یہ ضرور ہے کہ درحقیقت اُس کا ایسا وجود ہونے کے لیے اُس کے ایسے وجود کا ثبوت قطعی اور واقعی بھی چاہیے - کیونکہ صرف نام سے وجودِ خارجی تسلیم کر لینا کافی نہیں ہے - بلکہ اگر اُس کا وجودِ خارجی ثابت نہ ہو سکے گا تو لامحالہ وجودِ خیالی یا عقلی یا تشبیہی قرار دینا پڑے گا ، جیسا کہ آپ نے اصولِ محققہ پنج گانہ میں قرار دیا ہے -

اب ان صفاتِ شیطان کا ، جو ہمارے پاک خدا اور سچے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائی ہیں ، ہم اپنے میں اثر تو پاتے ہیں مگر کسی وجودِ خارجی کو نہیں پاتے۔ دن رات ہم کو شیطان بہکاتا ہے اور گناہوں میں پھنساتا ہے

۱- یعنی شیطان کی -

مگر کوئی وجودِ خارجی محسوس نہیں ہوتا - بلکہ ہم بالیقین پاتے ہیں کہ خود ہم ہی میں ایک قوت ہے جو ہم کو سیدھے راستے پر پھیرتی ہے ، ہم کو بے انتہا ترغیبوں سے بہکاتی ہے - (ہم) شیطان سمجھ کر اُس کی ڈاڑھی پکڑ لیتے ہیں اور زور سے طمانچے مارتے ہیں مگر جب آنکھ کھلتی ہے تو اپنی ہی سفید ڈاڑھی اپنے ہاتھ میں اور اپنا ہی گال لال دیکھتے ہیں -

پس اگر ہم شیطان کے لفظ سے وجودِ خارجی مراد لیں تو نہ تو مراد لے سکتے ہیں ، اس لیے کہ اس کے وجودِ خارجی کا ثبوت واجب ہے حالانکہ کچھ ثبوت نہیں ، اور نیز امور موجودہ واقعیہ کے برخلاف ہے -کیونکہ اس کی صفات منصوصہ کا اثر ہم کسی دوسرے وجود سے نہیں پاتے ، بلکہ خود اپنے آپ میں پاتے ہیں - اور نیز کتاب و سنت سے اُس کے وجودِ خارجی کا ثبوت نہیں ہوتا ہے بلکہ صرف اوہام و ظنون نے لوگوں نے اُس کا وجودِ خارجی ٹھہرایا ہے - اس لیے واجب ہے کہ منجملہ اقسام وجود کے سوائے وجودِ خارجی کے اور کسی قسم کا وجود شیطان کا سمجھا جاوے - فتدبروا - والسلام

(۳۰)

پیارے مہدی[۱] !

افسوس ہے آپ نے مجھ کو بہت انتظار میں رکھا اور میرے خط کا ، جو ۱۵ ربیع الثانی کے 'تہذیب الاخلاق' میں چھپا ، کچھ جواب نہ دیا - یہ نہ کھلا کہ میں خطاب کے لائق نہ تھا یا میرا خط لاجواب تھا -

میرے پیارے مہدی ! میں آپ کو ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ جو خراب اثر مشرقی طریقۂ تعلیم کا انسان کے دل اور طبیعت پر ہوتا ہے اُس سے آپ کبھی ایمن نہ رہیں - آپ سمجھتے ہیں کہ نبی آخر الزمان صلعم کو اُمّی محض رکھنے میں کیا حکمت تھی - یہی حکمت تھی کہ نیچرل فیض جو اندرونی چشموں کا جاری رہتا ہے ، اُس کو کوئی بیرونی چیز مزاحم نہ ہو اور جو کچھ باہر نکلے خالص بے میل ہو - پس آپ ہمیشہ نیچر کے سرچشمہ کے جاری رکھنے پر متوجہ رہا کریں اور جس علم کی نسبت یہ کہا گیا ہے کہ العلم حجاب الاکبر اُس کے پیرو ہرگز نہ ہوویں -

۱- شائع شدہ در 'تہذیب الاخلاق' بابت ۱۵ جادی الاول ۱۲۸۹ھ -

مجھے یقین ہے کہ اب آپ کا دل یہ بات کہتا ہوگا کہ لفظ ''شیطان'' سے اگر کوئی وجود خارج من الانسان مراد لی جاوے تو ضرور قرآن مجید کو نعوذ باللہ غلط یا خلافِ واقعہ ماننا پڑے گا ، کیونکہ حقیقت میں کوئی وجودِ خارجی مغوی الانسان موجود نہیں ہے -

اور یقینی آپ کا دل اس بات پر بھی گواہی دیتا ہوگا کہ ''شیطان'' کے وجودِ خارجی ہونے کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے - جو لوگ اس کے قائل ہوئے ہیں انھوں نے خود اپنی ہی صورت آئینے میں دیکھی ہے -

اور یقینی آپ کا دل اس بات کی بھی تصدیق کرتا ہوگا کہ جو لوگ ''شیطان'' کے وجودِ خارجی کا دعویٰ کرتے ہیں اُس کا اثبات اُنھی کے ذمے ہے - اور اُن لوگوں کی دلیلوں کو ، جو اُس کے وجودِ خارجی سے منکر ہیں ، ناقص کہہ دینا اور اُن سے مخالفت کرنا اور اُن کی سمجھ اور فہم پر افسوس کرنا کافی نہیں ہے -

اور میں یقین کرتا ہوں کہ آپ نے جو الفاظ ارقام فرمائے ہیں کہ ''وجودِ جسمانی سے شیطان کے انکار کرنا کفر نہیں ہے ، گو بڑی غلطی اور نادانی ہے'' اب آپ کو اس تحریر سے نہایت افسوس ہوا ہوگا - پس ہمیشہ ایسی بات کہا کرو کہ جس کے بعد افسوس نہ ہو -

اب یہ دوسرا خط میں آپ کو آدمؑ کے قصے کی نسبت لکھتا ہوں - ممکن نہیں ہے کہ جو کچھ قرآن مجید میں لکھا ہے اُس سے بیانِ حال کے سوا اور کچھ مراد لی جا سکے یا سمجھی جا سکے -

پہلی بسم اللہ قرآن مجید میں لفظ ''قال'' کا بہ نسبت خدا اور فرشتوں اور شیطان کے آیا ہے - کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ ان تینوں جگہ لفظ قال کا اپنے حقیقی معنوں میں مستعمل ہے - کیونکہ کوئی شخص خدا کے قول کو مثل اقوالِ انسان مرکبِ صوت و الفاظ یقین نہیں کر سکتا - اور غالباً اقوال فرشتگان و شیطان کے بھی اس قسم کے نہ ہوں گے - بس اب لفظ قال سے کوئی اور معنی مراد لو - بمجرّد ترک کرنے معنیِ حقیقی کے جو کچھ کہ آدم و شیطان اور فرشتوں کی نسبت بیان ہوا ہے وہ قصہ اور حکایت نہیں رہنے کی بلکہ صرف

حال رہ جاوے گا وما ھو الّا ما الھمنی ربی[1] -

پھر لفظ شجر کا قرآن مجید میں موجود ہے - کیا حقیقت میں وہ ایسا ہی درخت تھا جیسا للّتو مالی اور کلّتو کسان بویا کرتا ہے اور جیسے کہ حقیقی معنی لفظِ شجر کے ہمارے خیال میں آتے ہیں ؟ غالباً اُس کا تو آپ اقرار نہ کریں گے بلکہ کوئی اور مراد شجر سے لو گے - پس جہاں آپ نے لفظ شجر سے اُس کے حقیقی معنی یا للّتو اور کلّتو کا بویا ہوا درخت مراد نہ لیے تو صرف وہ ایک تمثیل رہ جاوے گی - وما ھو الا ما الھمنی ربی -

کیا آپ سچ مچ یقین کرتے ہیں کہ لفظ ''فبدت لھما سوأتھما'' سے حقیقت میں یہی مراد ہے کہ نعوذ باللہ حضرت آدم[۲] کی وہ چیز گول گول و لمبی لمبی دکھائی دینے لگی تھی ؟ کیا حقیقت میں اُس سے حضرت حوّا کی شرمگاہ مراد ہے ؟ اگر ان الفاظ کو آپ اپنے حقیقی معنوں میں مستعمل سمجھتے ہیں تو کس قدر رنج و غم کی بات ہے کہ آپ سا آدمی جو مہدی ھذا الزمان ہو ، معنوں اور ترجمہ نویسوں کی ایسی بلادت کی پیروی کرے - کیا لفظ ''سؤة'' کے اور معنی عرب کی زبان میں نہیں ہیں[1] ؟ اور کیا یہ لفظ اور معنوں میں مستعمل نہیں ہوتا ہے ؟ اسی سورة میں اور انھی لفظوں کے بعد خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے : یا بنی آدم قد انزلنا علیکم لباساً یواری سوأتکم و ریشا و لباس التقویٰ ذلک خیر ذلک من آیات اللہ لعلھم یذکرون - یا بنی آدم لایفتننکم الشیطان کما اخرج ابویکم من الجنة ینزع عنھما لباسھما لیریھما سوأتھما[2] - انه یراکم ھو و قبیله من حیث لاترونھم انا جعلنا الشیاطین اولیاء للذین لایومنون - یعنی اللہ تعالیٰ سورۂ اعراف میں فرماتا ہے کہ ''اے آدم کے بچو ! تم کو شیطان نہ بہکاوے ، جس طرح کہ تمہارے ماں باپ کو بہشت میں سے (بہکا کر) نکالا -

---

۱- یعنی ''اور یہی بات مجھ پر میرے رب نے الہام کی ہے'' - یہ فقرہ سرسید نے اس خط میں جگہ جگہ لکھا ہے -

۱- فی القاموس السؤة الفرج الفاحشه و الخلة القبیحه -
فی تفسیر الکبیر بدوة کنایة عن سقوط الحرمة و زوال الجاہ و المعنی ان غرضه من القاء تلک الوسوسة الیٰ آدم زوال حرمة و ذھاب منصبة الخ -

۲- ای لباس تقوھما بدلیل قوله تعالیٰ ''و لباس التقویٰ ذلک خیر'' -
ای الخلة القبیحة التی کانت مستورا فیھا -

چھین لیا اُن سے اُن کا لباس (یعنی لباسِ تقویٰ) تاکہ دکھاوے اُن کو اُن کی برائیاں ۔ بے شک وہ اور اُس کا کنبہ تم کو دیکھتا ہے ، اس طرح پر کہ تم اُن کو نہیں دیکھتے ۔ بےشک ہم نے شیطانوں کو اُن لوگوں کا مربی کیا ہے ، جو ایمان نہیں لاۓ'' ۔

پس ان تمام آیتوں کو ملاؤ اور غور کرو کہ یہ سب تشبیہ و استعارہ ہے ۔ ان سے معنی حقیقی مراد نہیں ہیں ۔ جیسا کہ اور علماء نے بھی تسلیم کیا ہے ۔ پس اب تمثیل ہونے میں کیا باق رہ گیا ۔ وما ھو الا ما الھمنی ربی ۔

بھائی مہدی ! براۓ خدا آپ ذرا انصاف کریں کہ قرآن مجید کے یہ معنی لینے کہ جب آدم و حوا نے گیہوں کے درخت کا پھل کھا لیا تو اُن کے اعضاۓ مخصوصہ دکھائی دینے لگے ، قرآن مجید کی خوبی اور اس کے ادب اور اُس کے حکمت سے بھرے ہوۓ ہونے پر یقین کرنا ہے ۔ یا یہ معنی لینے کہ اس قوت کی ترغیب نے ظاہر کر دیا کہ انسان میں خدا کی نافرمانی کرنے کی برائی ہے ، قرآن کی بزرگی اور اُس کی عزت اور اُس کا حکمت و معرفت سے بھرا ہوا ہونا یقین کرنا ہے ۔ اگر پہلے ہی معنی سچ ہوں تو مجبوری سے کہنا پڑے گا کہ ''سخن فہمی عالم بالا معلوم شد ۔'' حضرت کو بھکڑ بولنے بھی نہیں آتے چہ جاۓ خدائی ۔ کجا گیہوں کھانا اور کجا اعضاۓ مخصوصہ کا دکھائی دینا ۔ نعوذ باللہ منھا ۔

خدا کی عظمت و شان کو خیال کرو اور پھر قصۂ آدم کو دیکھو اور کہو کہ تمہارا دل یقین کرتا ہے کہ خدا میں اور فرشتوں میں ایسی تکرار اور مناظرہ ہوا ہو جیسا کہ الفاظِ ظاہری سے سمجھا جاتا ہے ؟ پس اگر ان الفاظ کے وہی معنی ہوں تو خدا میں اور فرشتوں میں خدائی اور بندگی کاہے کو ہوئی ۔ بھٹیاروں کی 'تو 'تو میں میں ہوئی ۔ اگر یہ سچ ہے تو ہم کو اپنے نوکروں کی بھی شکایت نہیں رہنے کی ، کیونکہ خدا کے نوکر ہمارے نوکروں سے بھی زیادہ ٹرے ہیں ۔

اس تمام قصے سے اگر وہی ظاہری معنی مراد ہوں تو خدا کے علوِ مرتبہ اور تقدّس اور تنزیہ میں بٹا لگتا ہے ۔ پس اُسی اصول سے جو آپ نے قائم کیا ہے کہ ایسی حالت میں عدول معنی حقیقی سے ضرور ہے ، یہ تمام تمثیل رہ جاتا ہے نہ اصلی ۔ وما ھو الا ما الھمنی ربی ۔

اور اگر آپ نے اس بات کا یقین کر لیا ہے ، اور میں یقین کرتا ہوں کہ یقین کر لیا ہے ، کہ شیطان کا کوئی وجود خارج من الانسان نہیں ہے تو سرگزشت آدم کے تمثیلی اور بیان حال ہونے میں کچھ کلام ہی نہ رہے گا ۔ و ما ھو الا ما الھیٰ ربی ۔

آپ کی تحریر میں ایک جگہ لکھا ہے کہ "قرآن مجید میں جنّت اور آدم اور درخت کے کھانے اور ملائکہ کے سجدہ کرنے وغیرہ کا ذکر ہے مگر اُن کی کچھ زیادہ تر حقیقت خدا نے نہیں بتائی کہ وہ درخت کیا تھا اور کھانے سے مراد کیا ہے" اور پھر اس کے بعد ارقام فرماتے ہو کہ "اگر ایسی تاویل نصوص صریحہ کی (کی) جائے تو بالکل اعتبار ظاہر شریعت سے اُٹھ جائے۔" بھائی یہاں ذرا انصاف کرو کہ خود ہی (تو) لکھتے ہو کہ ان چیزوں کی کچھ زیادہ تر حقیقت خدا نے نہیں بتائی اور پھر (خود ہی) اُن کو "نصوص صریحہ" کہتے ہو ۔ جب (خدا نے) اُن کی حقیقت ہی نہیں بتائی تو وہ "نصوص صریحہ" کیونکر ہوئیں ؟ فتدبّروا

خدا تعالیٰ نے قرآن مجید تمام انسانوں کے لیے نازل کیا ہے جن میں ہر درجۂ علم و عقل و فہم کے لوگ شامل ہیں اور معجزۂ قرآن یہ ہے کہ مضامین دقیقہ اور مسائل حکمیہ نیچریہ ایسے لفظوں میں بیان کیے ہیں کہ ہر درجے کے لوگوں کو یکساں نتیجہ اور یکساں روحانی تربیت حاصل ہوتی ہے ۔

اس کی تصدیق سرگزشت آدم سے بخوبی حاصل ہے ۔ انسان کا نیچر جن قوتوں سے بنا ہے اور جو جو قوتیں بھلائی اور برائی کی اس میں رکھی ہیں ، اور جس طرح کہ وہ ان قوتوں پر قادر ہے ، اور جس طرح کہ وہ اُن قوتوں کے سبب سے مجبور ہے ، اُن کا بیان کرنا اور ہر درجے کے لوگوں کو یکساں نتیجہ روحانی تربیت کا پہنچانا ایسا مشکل کام تھا جو انسان کی طاقت سے باہر تھا ۔ یہ خدا ہی کا کام تھا کہ اُس نے اس کو ایسے لفظوں میں بیان کیا ہے کہ اگر عام آدمی یہ سمجھ لیں کہ انسان ایک وجود ہے اور شیطان ایک وجود علیحدہ ہے ، جو ہم کو دکھائی نہیں دیتا پر ہم کو وہ دیکھتا ہے اور ہم کو اس طرح چپکے سے بہکا لیتا ہے کہ ہم نہیں جانتے اور ہم کو گناہوں میں پھنسا دیتا ہے ، پس ہم کو چاہیے کہ ایک لمبی تسبیح مثل شیطان کی دم کے لے کر لاحول پڑھتے رہیں اور دل کو اس کے پھندے میں نہ آنے دیں ، بلکہ خدا کی فرمانبرداری اور عبادت

میں مصروف رہیں تو اس سمجھ سے بھی وہی نتیجہ اور روحانی تربیت حاصل ہوگی ، جس طرح کہ ایک دانا نیچرلسٹ اُس کی حقیقت کو خیال کرے اور سمجھے کہ وہ سب انسان کے نیچر کا بیان ہے جو تمثیلی لفظوں میں انسان کے نیچر کی زبانِ حال سے بیان ہوا ہے ۔ پس اس طرح سے بیان کرنا ایک بہت بڑا معجزہ قرآن مجید کا ہے ۔ مگر کس قدر افسوس کی بات ہے کہ آپ نے اس کو بدعت لکھا ہے ۔ اگر حقیقتِ اسلام اور اسرارِ دین بدعت ہیں تو معلوم نہیں کہ ہدایت کیا ہوگی ؟

آپ خیال کیجیے کہ علمائے سابقین اسلام کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اس قسم کے مطالب کا بیان کمتر کرتے تھے ۔ کچھ تو ان کو بسبب شدت اتقا اور خوف معصیت کے یہ وہم ہوتا تھا کہ جو کچھ حقیقت ہم سمجھے ہیں ، شاید وہ درحقیقت نہ ہو اور خدا کی مراد وہ نہ ہو اور اس کے بیان سے ہم گنہگار ہوں ۔ اور کچھ اُن کو یہ خیال تھا کہ ان باتوں کی حقیقت بیان کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے ۔ کم علم اور جاہل بکثرت ہیں ، وہ اُنھی لفظوں سے کافی روحانی تربیت حاصل کرتے ہیں ۔ اور جو عالم ہیں ، جیسے امام حجۃ الاسلام غزالی وغیرہ ، وہ خود ان کی حقیقت جانتے اور کافی روحانی تربیت پاتے ہیں ۔ ان خیالات سے اُنھوں نے اُنھی الفاظ کو بیان کر دینا مناسب سمجھا جو قرآن مجید میں تھے ۔ اور اُن کی مراد کی نسبت کہہ دیا کہ ''خدا کو معلوم ہے ، ہم تو کلامِ خدا پر ایمان لائے ہیں اور جو اس کی حقیقت خدا کے علم میں ہو وہی ہمارا ایمان ہے ۔''

مگر ان کا زمانہ ایسا تھا کہ ''لا ادری'' کہہ کر ان کا پیچھا چُھٹ گیا مگر ہمارا زمانہ ایسا نہیں ہے ۔ تمام علوم گو ہم میں نہ سہی مگر دوسری قوموں میں بدرجۂ اعلیٰ پہنچ گئے اور پہنچتے جاتے ہیں ، حقائق اشیا روز بروز واضح ہوتی جاتی ہیں اور جہاں تک بغیر کسی شک کے معلوم ہوگئی ہیں وہ درجۂ یقین پر پہنچ گئی ہیں ۔ پس اس زمانے میں کسی بات کے مدعی کو دعویٰ کرنا اور پھر ''لا ادری'' کہہ دینا کافی نہیں ۔ ایسا کرنا خود اپنی ہنسی اُڑانا ہے ۔ بلکہ ہر بات کا ثبوت اور کافی تسلی بخش بیان چاہیے ۔ اس لیے جو لوگ دعوئ اسلام کرتے ہیں اُن کا کسی مسئلۂ اسلامی کی نسبت ''لا ادری'' کہنا خود اپنی حماقت ظاہر کرنا ہے ۔ پس اس زمانے میں ضرور ہے کہ دھوکے کی ٹٹی کو اُٹھا ڈالا جائے اور تمام مسائلِ اسلام کی حقیقت علانیہ بیان کی جاوے تاکہ اس کی

روشنی آفتاب کی طرح چمکے اور اسرارِ دین سب کو معلوم ہوں اور لوگ یوں کہنے لگیں :

سرّ خدا کہ عارف و عابد بکس نگفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

ایک خط جناب مولوی عبیداللہ صاحب عبیدی کا اسی قصہ' آدم کی نسبت میرے پاس آیا ہے ۔ اُس کی نقل آپ کے ملاحظے کے لیے اس میں شامل ہے ۔
اب کسی فرصت کے وقت تیسرا خط آپ کو عیسائیوں کی گردن مروڑی مرغی کی نسبت لکھوں گا اور اُمید ہے کہ آپ مثل اُن دونوں خطوں کے اس کو بھی منصفانہ اور معتقانہ تصور فرمائیں گے ۔

خدا آپ کو خوش رکھے اور اپنا محبوب (بنائے) ، گو کہ ہم رشک کیا کریں ۔ والسلام

سید احمد

(۳۱)

میرے عزیز مہدی[۱] !

میں نے اپنا وعدہ پورا کرنے میں ، یعنی عیسائیوں کی گردن مروڑی ہوئی مرغی کی نسبت آپ کو خط لکھنے میں بہت توقف کیا ۔ آپ مجھے معاف کریں ۔ اب میں اس معاملے میں آپ کو خط لکھتا ہوں اور اپنا وعدہ تیسرا خط لکھنے کا پورا کرتا ہوں ۔

میں نے آپ کی تحریرات کو اور آپ کے محاکمہ' منصفانہ کو ، جو رسالہ احکامِ طعامِ اہلِ کتاب اور امداد الاحتساب پر آپ نے ارقام فرمایا اور نیز ایک نامی رسالہ 'مزیل الاوہام' کو جسے میرے قدیم شفیق مولوی محمد علی صاحب نے نہایت خوبی اور متانت سے تحریر فرمایا ہے ، بغور دیکھا ۔ ان تمام تحریروں میں جو باتیں اُوپر اُوپر کی اور اِدھر اُدھر کی ہلم ڈولم تحریر ہوئی ہیں اُن کی نسبت لکھنا آپ بھی غیر ضروری سمجھتے ہوں گے اور جو اصل بات اس مسئلے میں ہے اُسی کو لکھنا بہتر خیال فرماتے ہوں گے ۔ اس لیے میں اس خط کو مثل مباحثہ کرنے والے اور رد و قدح کرنے والے کے نہیں لکھتا بلکہ صرف اصل مطلب ہی کی تحریر پر قناعت کرتا ہوں ۔

۱۔ شائع شدہ در 'تہذیب الاخلاق' بابت یکم ذی تعدہ ۱۲۸۹ھ ۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے جو کسی طرح ہمارے مقاصد اور ترقیِ حسنِ معاشرت کا حارج ہو ۔ اگر کوئی شخص عیسائیوں کے ساتھ کھانا کھانے میں عیسائیوں کی گردن مروڑی مرغی نہ کھاوے اور اس کو حرام سمجھے تو چشم ما روشن ۔ دوسری رکابی کا کھانا نوش فرماوے ۔ ہم اس کو محتاط کہیں گے اور اس کے فعل کو اَولیٰ سمجھیں گے ۔ انگریزوں کے ساتھ کھانا کھانے میں یہ ضرور نہیں ہے کہ جو چیز سامنے آوے خواہ مخواہ اس کو کھا ہی لے ۔ پس ایسی حالت میں اس مسئلے میں زیادہ بحث کرنی کچھ بھی ضرور نہیں ہے ۔ مگر جو کہ یہ بات کہی جاتی ہے کہ میں نے ایک حکم خاص منصوصِ قرآنی کے برخلاف کیا اور کہا اس لیے صرف اسی قدر لکھنا اور اسی بات کی تحقیقات کرنا کہ پرندِ منخنقہ کی حرمت بموجب آیتِ مستدلہ کے منصوص قرآنی ہے یا نہیں ، کافی اور وافی ہوگا ۔

میری تحقیق یہ ہے کہ پرندِ منخنقہ کی حرمت باستدلالِ آیتِ مستدلہ منصوص قرآنی نہیں ہے ۔ وہ آیت جس میں منخنقہ کا ذکر ہے یہ ہے : ''حرمت علیکم المیتة و الدم و لحم الخنزیر و ما اهل لغیر الله به والمنخنقة والموقوذة والمتردية والنطیحة و ما اکل السبع الا ما ذکیتم و ما ذبح علی النصب و ان تستقسموا بالازلام ذالکم فسق ۔'' اب غور کرو کہ اس آیت میں چار لفظ ہیں : المنخنقة ، الموقوذة ، المتردیة ، النطیحة ۔ ان چاروں میں حرف تائے فوقانی موجود ہے ۔ اور ہم کو بموجب محاورۂ زبانِ عرب کے اس بات کا قرار دینا باقی ہے کہ یہ ت کس قسم کی ہے ۔ اور جو کہ کسی دوسری آیتِ قرآن مجید سے قسم ت کا تعیّن ، جو کلمۂ منخنقہ میں ہے ، نہیں پایا جاتا اس لیے ہم کو اپنے اجتہاد سے اُس کا تعیّن کرنا پڑتا ہے ۔ پس اب ہم اُس ت کو کسی قسم کا قرار دیں اور کسی جانور کی حرمت کا مسئلہ اس سے نکالیں ، اُس کی حرمت منصوص نہ ہوگی کیونکہ ممکن ہے وہ ت اُس قسم کی نہ ہو بلکہ دوسری قسم کی ہو اور اُس قسم کے جانوروں کی حرمت پر حاوی نہ ہو ۔

مثلاً ہم قرار دیتے ہیں کہ ان چاروں لفظوں میں تائے تانیث ہے جیسا کہ اکثر مفسّروں نے قرار دیا ہے ۔ پس اس حالت میں بموجب محاورۂ زبانِ عرب کے ضرور ہے کہ چاروں لفظ صفت ہوں کسی موصوفِ محذوف مؤنث کے ۔

اب ہم کو دوسرا اجتہاد کرنا پڑا کہ وہ موصوفِ مؤنث محذوف کون ہے جس کو ہم قرار دیں ؟ بہرحال جس کو (بھی) قرار دیں اُس کی حرمت البتہ اس

آیت سے نکلے گی مگر اس کی حرمت اجتہادی ہوگی نہ منصوصی، کیونکہ ہم نے دو باتوں کو، یعنی قسم ت کو اور موصوف محذوف کو، نص قرآنی سے نہیں بلکہ صرف اپنے اجتہاد سے قائم کیا ہے ۔ امام فخرالاسلام رازی فرماتے ہیں کہ یہاں موصوف مؤنث محذوف ''شاۃ'' ہے کہ وہی اکثر کھانے میں آتی ہے اور باقی تمام جانوروں چرند و پرند کی حرمت کا اسی پر قیاس کیا جاتا ہے ۔ قبول کروکہ یہی اجتہاد صحیح ہے ۔ اس حالت میں اُس مرغی کی حرمت دو اجتہادوں اور ایک قیاس غیر منصوص العلت سے قرار پاوے گی، نہ نص قطعی سے ۔

مگر امام صاحب نے لاحق شاۃ کو موصوف مؤنث مانا ہے ۔ ہم اُن کو اُس سے بھی عمدہ موصوف مؤنّث بتاتے ہیں جس میں تمام منخنقہ جانوروں کی حرمت آ جاتی ہے اور بکری کی حرمت پر باقی جانوروں کے قیاس کی حاجت نہیں رہتی؛ اور وہ موصوف مؤنث محذوف نفس ہے ۔ پس تقدیر کلام یہ ہوگی کہ ''حرمت علیکم النفس المنخنقة'' الخ ۔ اور اس میں تمام منخنقہ جانوروں کی حرمت، یہاں تک کہ مچھلی اور ٹڈی کی بھی، داخل ہو جاوے گی ۔ اب قبول کرو کہ یہی اجتہاد صحیح ہے تو بھی مرغی کی حرمت دو اجتہادوں مذکورہ بالا سے قرار پاوے گی، نہ نص قطعی سے ۔

اب ہم اس ت کو تائے تانیث نہیں قرار دیتے بلکہ تاے نقل و تحویل قرار دیتے ہیں جیسا کہ صاحب تفسیر بیضاوی نے قرار دیا ہے ۔ اور جو کہ یہ ت صفت کو اسم بنا دیتی ہے اس لیے کسی موصوف مؤنث محذوف کی تلاش کی حاجت نہیں رہتی ۔ اور جس پر اطلاق منخنقہ اور متردیہ وغیرہ کا ہوگا، اس کی حرمت اس آیت سے ثابت ہوگی ۔ مگر اس کی حرمت کا ثبوت ایک اجتہاد سے یعنی حرف ت کو تائے نقل قرار دینے سے ہوگا، نہ نص صریح قطعی سے ۔ فتدبّروا ۔

اب میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک ان چاروں کلموں میں تائے تانیث ہے اور موصوف مؤنث محذوف بہیمہ ہے بمعنی مویشی یا چوپایہ یا چرند کے ۔ پس تقدیر آیت کی یہ ہے کہ ''حرمت علیکم البهیمة المنخنقة والبهیمة الموقوذة والبهیمة المتردیة و البهیمة النطیحة ۔'' پس پرند اس حکم میں داخل نہیں ہیں ۔

خود قرآن مجید سے بوجوہات مفصلہ ذیل ثابت ہے کہ یہاں موصوف محذوف بہیمہ ہے ۔ اول یہ کہ خود قرآن مجید میں اسی آیت کے قبل شروع سورۃ میں خدا نے فرمایا ''احلت علیکم بهیمة الانعام الا ما یتلٰی علیکم'' یعنی حلال ہوئے تمھارے لیے چوپائے مویشی مگر وہ جو آگے بتائیں گے ۔ پس اس کے بعد جو

حرام جانور باشارہ و صفتِ مؤنث بتائے وہ خود خدا کے فرمانے سے اُسی استثنا کی تفصیل ہیں جس کی نسبت فرمایا تھا ''الا ما یتلیٰ علیکم'' نہ اور کسی کی ۔ اور موصوفِ مؤنث محذوف بھی وہی بہیمہ ہے جس کی نسبت اُوپر فرمایا تھا کہ ''احلت علیکم بھیمۃ الانعام'' ۔ پس اگر انصاف سے ، بغیر تعصّب اور بغیر اُن خیالات کے جو تقلیداً بغیر تحقیق کے دل میں بیٹھ گئے ہیں ، دیکھو تو خود خدا نے صاف بتا دیا ہے کہ وہ موصوفِ مؤنث محذوف بہیمہ ہے ۔ نہ امام رازی صاحب کی بکری اور نہ ہماری تمھاری کُکڑی ۔ اب کون شخص ہے جو اپنی دلی سچائی سے اس بات پر کہ اس آیت میں پرند داخل ہیں ، دلی یقین کرتا ہوگا ، گو تقلیداً خواہ تعصّباً اُس کو منہ سے نہ نکالے[1] ۔

دوسرے یہ کہ منجملہ صفاتِ چہارگانہ کے جو اس آیت میں مذکور ہوئیں ، اخیر دو صفتوں ، 'تروی' یعنی اُوپر سے گر کر مر جانے اور 'نطح' یعنی لڑنے میں سینگ کی چوٹ سے مر جانے کی صفت سوائے بہیمہ یعنی چرند کے پرند میں متحقق ہی نہیں ہو سکتی ۔ باقی رہا 'وقذ' یعنی لکڑی یا لٹھ سے یا اور کسی چیز سے مار ڈالنا ، اگرچہ یہ فعل پرند کی نسبت بھی ممکن ہے مگر جو لوگ اگلے زمانے کی تاریخ سے اور جنگلی قوموں کے حالات سے اور خود عرب کے بیابان کے رہنے والوں کی عادات سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ صرف چوپائے جانوروں کا اس طرح پر شکار ہوتا تھا ، کہ اُن کو گھیر کر لٹھوں سے مار ڈالتے تھے ، نہ پرند کا ۔ پس یہ صفت بھی درحقیقت مختص بہائم سے ہے ، نہ پرند سے ۔ اب بحث طلب رہا 'خنق' یعنی گلا گھونٹ کر مار ڈالنا ، اگرچہ یہ فعل پرند کی نسبت بھی شاید ممکن ہے مگر عرب میں چوپاؤں کا گلا گھونٹ کر مار ڈالنا مروج تھا جس کی حرمت میں یہ آیت نازل ہوئی ۔ پس نہایت افسوس ہے کہ انسان اپنے خیالات کے پھندے میں پڑے اور احکامِ الٰہی کی منشا اور مراد کو نہ سمجھے ۔

امام فخرالدین رازی صاحب ''تفسیر کبیر'' میں لکھتے ہیں کہ ''واعلم ان المنخنقۃ علیٰ وجوہ منھا ان اھل الجاھلیۃ کانوا یخنقون الشاۃ فاذا ماتت اکلوھا و منھا ما ینخنق بحبل الصائد و منھا ما یدخل رأسھا بین عودین فی شجرۃ فتختنق فتموت'' الخ ۔ پس اس بیان سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ جو احکام اس آیت میں مذکور ہیں وہ بہیمہ کی نسبت ہیں ، نہ پرند کی ۔ اس لیے اس آیت سے طیور منخنقہ کی حرمت منصوص نہیں ہے ؛ البتہ ممکن ہے کہ قیاسی ہو ۔

اس تقریر پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اگر اس آیت میں اُس استثنا کی تفصیل ہے جس کا ذکر ''الا ما یتلیٰ علیکم'' میں ہے تو یہ آیت من اولہا الیٰ آخرہا بھیمۃ الانعام ہی سے متعلق ہوگی۔ پھر کلمۂ میتہ ، دم ، وما احل لغیر اللہ ، و ما اکل السبع ، و ما ذبح علی النصب سے کیوں حرمت چرند و پرند کی لی جاتی ہے ؟ چاہیے کہ وہ بھی مخصوص بہ بھیمۃ الانعام رہیں۔

مگر یہ سوال صحیح نہیں ہے ، اس لیے کہ اُن تمام کلموں کا مفہوم عام ہے ، گو محل خاص ہو۔ اس لیے بسبب اپنے مفہوم عام ہونے کے چرند و پرند دونوں کو شامل ہیں۔ برخلاف منخنقہ و موقوذہ و متردیہ و نطیحہ کے ، کہ بسبب صفت ہونے ایک موصوفِ محذوف کے ، نہ اُن کا مفہوم عام ہے اور نہ محل عام ہے۔ اس لیے وہ سوائے جنس مستثنیٰ منہ کے اور کسی سے متعلق نہیں ہو سکتے۔ اور ایسے طیور منخنقۂ اہل کتاب کو آیہ کریمہ ''و طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم'' نے ہمارے لیے حلال کر دیا ہے۔

اگرچہ میں نے چاہا تھا کہ جو کچھ اس باب میں میری تحریر کی نسبت لوگوں نے لکھا ہے اور غلط فہمیاں میری تحریر کی نسبت ہیں یا جو مسامحہ کسی تحریر میں خود مجھ سے ہوا ہے اور جو غلط استدلال توریت مقدس سے اس معاملے میں لوگوں نے کیا ہے ، اُس سب کو بالتفصیل لکھتا مگر جیسا کہ میں نے ابھی التماس کیا ، صرف اسی بات کے بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ آیتِ مذکورہ حرمتِ طیورِ منخنقہ کو شامل نہیں ہے۔ پس اس کو منصوص کہنا صحیح نہیں۔ البتہ قیاسی غیر منصوص العلت ہونا ممکن ہے۔ فمن یشاء یسلمہ و من یشاء لا یسلمہ[۱]۔ عیسائی مذہب کے بموجب جیسا کہ اُن کے رہبان اور قسیس قبلِ نزولِ قرآن مجید کے سمجھتے آئے تھے ، طیورِ منخنقہ حرام نہیں ہیں اور اس کے دلائل عیسائی مذہب کی کتبِ دینیہ میں مندرج ہیں۔ پس جبکہ عیسائی وہ فعل مطابق اپنے مذہب کے کرتے ہیں تو باستدلال ''و طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم'' ہمارے لیے حلال ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے لیے میرا یہ اجتہاد کافی ہے۔ دوسرا شخص خواہ اس کو صحیح سمجھے یا نہ سمجھے۔ مگر آپ سے اتنی بات اور کہنا چاہتا ہوں کہ تم اپنے دل کو خوب ٹٹولو کہ کہیں یہ تمھارا اختلاف میرے ساتھ اُسی تقلید کا اثر تو نہیں ہے جس سے انسان قبل تحقیق ہر

۱۔ یعنی جس کا دل چاہے مان لے ، جس کا دل نہ چاہے نہ مانے۔

ایک بات کا فیصلہ کر دیتا ہے ۔ اب میں اس نیاز نامے کو ختم کرتا ہوں اور اگر کبھی دل میں آیا تو ابوداؤد کی حدیث کی نسبت بھی آپ کو خط لکھوں گا ۔

والسلام

سید احمد

(بعض مفترق مکتوبات)

(۳۲)

ڈوور ہال ۔ ۱۹ ، بالی گنج ، کلکتہ

عزیز و مکرمِ من !

عنایت (نامہ) پہنچا ۔ ترقیِ تنخواہ خدا مبارک کرے ۔ بڑھتی دولت ہو ۔ آپ کی بڑھتی دولت ہونے میں تین خوشیاں ہوتی ہیں ؛ ایک آپ کی ذات کے خیال سے ، دوسرے ایسے عزیز دوستِ یگانہ کے خیال سے (جیسے کہ آپ ہیں) ، تیسرے مدرسۃ العلوم کی بڑھتی دولت ہونے سے ۔ یہ تینوں مبارک (بادیاں) آپ کو اور خود اپنے آپ کو ، اور اپنی قوم کو ، اگر کم بخت سمجھے ، دیتا ہوں ۔ خدا قبول کرے ۔

میں ایک قانونِ خاص مسلمانوں کے فائدے کے لیے بنا رہا ہوں اور دیگر ممبرانِ کونسل کو اپنے ساتھ شریک کرنا چاہتا ہوں ۔ اگر وہ منظور ہوگیا تو مسلمانوں کے لیے ایک رحمت ہوگا ۔

آپ کی رخصت کی وسعت کافی ہوگئی ۔ اُمید ہے کہ قبل روانگی اور بھی خط آوے گا ۔ میں بھی آپ کا جلد (واپس حیدر آباد) جانا چاہتا ہوں ۔ شاید نواب بشیر الدولہ بہادر نقشہ دیکھ کر کچھ اور مدد کریں ۔ والسلام

کلکتہ ، ۲ جنوری ۱۸۷۹ء خاکسار ، سید احمد

میرے (پاس) آئندہ سے جو خط بھیجا جاوے اُس پتا و نشان سے بھیجا جاوے جو عنوانِ خط پر چھپا ہوا ہے ۔ فقط

(۳۳)

واہ واہ جناب محسن الملک واہ واہ !

عنایت نامہ رجسٹری شدہ پہنچا ۔ اُلٹی شکایت ہے ؟ متعدد خط بھیجے ،

ایک کا جواب نہیں آیا ۔ تار تک کا جواب مرحمت نہیں ہوا ۔ اور ہم کو لکھا جاتا ہے کہ تم بھول گئے اور خط نہیں لکھا ۔ واہ حضرت واہ ـــــ بہرحال آپ کا عنایت نامہ آیا ، خدا کا شکر کیا ۔ آپ خوش ہیں اور اچھی طرح ہیں ، یہی ہم چاہتے ہیں ۔ خوش رہو ، زندہ رہو ۔ مگر میرے اخیر عریضے کا جواب ضرور دوحرف بھیج دو کہ (جو) چھ ہزار روپے کا مدرسے کے لیے وعدہ کیا ہے وہ میری زندگی میں ادا ہوں گے یا نہیں ؟

مولوی محمد مشتاق حسین صاحب نے جو آپ پر مہربانی کی اُس کا شکر ہے ۔ اس طرف مشہور ہے کہ مولوی مشتاق حسین حیدر آباد کے مالک ہیں ۔ مگر وہ مثل آپ کے ہم کو اور ہمارے کالج کو بھول گئے ہیں ۔ آپ سب لوگوں کی ترقی سے اُمید تھی کہ کالج کو نہ بھولیں گے مگر یہ (خیال) غلط نکلا ۔ لوگ کہتے ہیں کہ "مولوی مشتاق حسین نے کالج کو نہال کر دیا ہوگا" ہم کہتے ہیں کہ "ہاں صاحب سچ ہوگا ۔"

کیا آپ سید محمود کی شادی میں تشریف لاویں گے جو تاریخ کے تقرر کی اطلاع نہ کرنے کا الزام دیتے ہو ؟ اگر آپ یاد کریں تو اس قدر اس کی کہ اُن کی شادی ہونے کو ہے ، میں آپ کو اطلاع دے چکا ہوں ۔ خیر جو کچھ ہو سو ہو ۔ آپ چھ ہزار روپے جو مدرسے کو دیتے نہیں ہیں ، بھیج دیجیے ۔ اصل بات یہ ہے ، باقی سب باتیں ہی باتیں ہیں ۔ والسلام

علی گڑھ[1] ، ۹ فروری ۱۸۸۸ء خاکسار ، سید احمد

۱۔ سرسید کا ۹ فروری ۱۸۸۸ء کا یہ غیر مطبوعہ خط محترمی جناب ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب نے مکرمی جناب طفیل احمد صاحب کے رسالے نقوش' لاہور کے مئی ۔ جون ۱۹۵۳ء کے شمارے میں شائع کرایا تھا ۔ اس کے ساتھ جو تشریحی نوٹ جناب ڈاکٹر صاحب موصوف نے لکھا تھا ، وہ نیچے درج کیا جاتا ہے :

"محسن الملک نے جو روپے (وقتاً فوقتاً) علی گڑھ (کالج) کو دیے ، ان کی تعداد معلوم نہیں ۔ خود سرسید کی زندگی میں انھوں نے مختلف اوقات میں اور مختلف مدوں میں بڑی بڑی رقمیں دیں ۔ خطبات احمدیہ کی اشاعت کے لیے اپنی پوری تنخواہ بھیج دی تھی ۔ خزنۃ البضاعت کو چار سو روپے دیے ۔ کالج

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

(۳۴)

(از رسالہ 'فکر و نظر' علی گڑھ ، جلد ۱ ، نمبر ۱ ، بابت جنوری ۱۹۶۰ء)

یہ بہت عجیب اور اہم خط صاحب زادہ شہزاد احمد خاں صاحب
مرحوم نے ڈاکٹر مختار الدین احمد کو عطا فرمایا اور انھوں
نے 'فکر و نظر' میں شائع کر کے مجھے اس کا تراشا بھیج دیا ۔

علی گڑھ ، ۱۱ ستمبر ۱۸۸۹ء

مکرمی مہدی !

مجھے یقین ہے (کہ) تم میری بات کو بالکل (. . . سمجھتے) ہو ۔ میں آپ کو ایسے یقین سے کہتا ہوں (جیسا یقین) مجھ کو اپنی موت پر ہے (کہ) سید محمود کو اگر اس وقت اُن عہدوں پر ، جو اُن کے لیے تجویز کیے گئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کے آٹھ کمرے تیار ہوئے ، ان کی تعمیر کی مد میں معینہ لاگت سے زیادہ روپیہ دیا ۔ پھر تعمیری فنڈ میں ایک ہزار نقد کے ساتھ چھ ہزار کی دستاویز سرسید کو لکھ کر دی ۔ ۱۸۸۱ء میں سرسید کے چندۂ یادگار میں، جو حاجی محمد اسماعیل نے کھولا تھا ، پانچ سو روپے دیے ۔ نظام میوزیم کی تعمیر میں بارہ سو روپے دیے ۔ ایک موقع پر پھر چھ ہزار دیے ۔ ۱۸۹۱ء میں جب سرسید حیدر آباد گئے تو ایک ہزار روپیہ بہ نام دعوت پیش کیا ۔ پھر کالج میں غبن کے نقصان کی تلافی میں ایک ہزار مزید دیے ۔ غرض کوئی فنڈ اور کوئی عمارت ایسی نہیں جس کی نواب صاحب نے معقول امداد نہ کی ہو (حیاتِ محسن ، ص ۲۱۱ و ۲۱۲) ۔ میرا خیال ہے کہ سرسید کے اس خط میں جن چھ ہزار روپوں کا ذکر ہے وہ غالباً نظام میوزیم کی تعمیر کے سلسلے کے ہیں ۔ سرسید کے مضامین میں اس رقم کا ایک جگہ ذکر ملتا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں :

''. . . مہدی علی نے تو اس سعادت کے حاصل کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی ۔ ہمیشہ مدرسۃ العلوم کی مدد کی ہے اور ابھی مبلغ چھ ہزار روپیہ اس لیے دینا منظور کیا ہے کہ اس روپے سے ایک کمرہ بنوا دیا جائے ۔ خدا تعالیٰ اس عطیے کو قبول کرے ۔''

(مختار الدین احمد)

ہیں، مقرر نہ کیا جاوے تو کالج کو سردست اور نیز آئندہ کو ایسا سخت نقصان پہنچے گا کہ برباد محض ہو جاوے گا ۔

تم یہ کہو (گے) کہ تمھاری یہ رائے غلط ہے ۔ شاید غلط ہو ۔ مگر اس بات کو فرض کر کے کہ میری رائے ایسی ہے جس کو میں دل سے یقین کرتا ہوں، تو کیا میں کوئی کام (ایسا کر) سکتا ہوں جس کا میرے یقین (. . .) ۔

آپ کو خوب معلوم ہے کہ میں (اپنے) کانشنس اور ایمان پر کام کرتا ہوں اور کچھ پرواہ نہیں کرتا کہ کوئی کیا کہتا ہے اور اس لیے مجھے اس کی کچھ پرواہ (نہیں . . .) ۔ اس کام کو نیک نیتی سے سمجھو یا بدنیتی سے اور مولوی سمیع اللہ خاں صاحب اس کو موافق اپنی طبیعت کے بوجہ رنج و ضد سمجھیں یا جس طرح پر چاہیں، پس جو امر متنازعہ فیہ ہے اس سے نہ میں ٹل سکتا ہوں، نہ مولوی سمیع اللہ خاں صاحب ۔ انھوں نے علی گڑھ میں صاف کہہ دیا کہ میں سیکرٹری ہونا نہیں چاہتا ہوں، نہ پریسیڈ(نٹ) ۔ صرف سید محمود کی نسبت جو دفعات ہیں وہ خارج ہونی چاہتا ہوں ۔

جو کچھ ان کو اب تک کرنا تھا، انھوں نے کیا ۔ خاص علی گڑھ میں بہت بڑی مجلس کی ۔ مولوی محمد کریم صاحب نے اپنی (. . .) گری کے خوب زور دکھائے ۔ اور جو کرنا ہے وہ کریں، میں تو ان باتوں کو پر مگس کے برابر بھی نہیں سمجھتا ۔ آیندہ جو کچھ (ہوگا) دیکھا جاوے گا ۔ صاحب مجسٹریٹ (علی گڑھ) نے مجھ سے پوچھا کہ آئندہ کیا ہوگا؟ میں نے کہا کہ آئندہ آپ کی کچہری میں بہت بڑا جلسہ ہوگا ۔ وہ متعجب ہوئے ۔ میں نے کہا کہ آپ متعجب نہ ہوں ۔ ضرور ہم دونوں میں جوتی بیزار اور فوج داری ہوگی ۔ تھانے دار دونو(ں کو) پکڑ کر آپ کی کچہری میں لے جاوے گا اور کل شہر و قصبات کے لوگ تماشا دیکھنے آویں گے ۔ معلوم نہیں کہ آپ جرمانہ کریں گے یا قید کریں گے ۔ اگر نہایت مہربانی فرماویں گے تو عدم فساد کے مچلکے ضرور لیں گے ۔ انھوں نے کہا: ''نہیں نہیں، ایسا نہ ہوگا ۔'' میں (نے) کہا: ''نہیں نہیں ضرور ہوگا ۔''

پس (. . .) آپ نے کیا سنا ہے جو آئندہ سنیں گے ۔ آپ بے شک مولوی سمیع اللہ خاں صاحب کو میرا یہ خط بھیج دیں اور جتلا دیں کہ (. . .) اور مفسدانہ (. . .) ہی سے کام نہیں چلتا ۔ وہ دیکھیں (گے) کہ میں کس طرح

پیش آتا ہوں اور کہاں تک نوبت پہنچاتا ہوں ۔ وہ ہیں کس خیال میں ۔ جہاں تک ہم نے اُن کا خیال کیا ، جس لائق وہ تھے اس (سے) بہت زیادہ بڑا ان کو بنایا اور سمجھا ۔ اب ان کا دماغ چل گیا ہے تو میں ہر طرح جوتی پیزار ، لاٹھی پوگھا[۱] ، چُھری کٹاری جس طرح وہ چاہیں ان سے (لڑنے کو) موجود ہوں ۔ اگر مرد ہیں تو فرانس کی عمل داری میں چلیں اور گولی سے لڑیں ۔ پھر آپ کیا ڈراتے ہیں اور وہ کیا ڈراتے ہیں کہ کالج کو نقصان پہنچا دیں گے ۔ بے شک تم ان کو متنبّہ کرو کہ اگر کسی مجلس میں ، میں اور وہ شریک ہوں گے تو ان کو (. . .) اور سیدھی سیدھی طرح بات چیت اور کارروائی کرنی چاہیں گے (؟) ورنہ نتیجہ وہی ہوگا جو ہوگا ۔

انہوں نے ، جب وہ علی گڑھ آئے تھے ، تو محمد سعید خاں[۲] کی معرفت کہلا بھیجا کہ ان کا ارادہ تمہارے پاس چلے آنے کا ہے ۔ میں نے کہا کہ اگر وہ برسر اتحاد ہوں (تو) میں خود ابھی ان کے پاس جاتا ہوں اور ہاتھ پکڑ کر کہتا ہوں کہ جو کچھ ہوا سو ہوا ''لاتثریب علیکم الیوم''۔ لیکن اگر وہ اپنی ضد یا (اپنی) بات سے نہ ہٹیں تو میرا یا ان کا آنا جانا بے فائدہ ہے ۔ محمد سعید خاں نے ان سے کہا (جس پر) اُن کا جواب نفی (میں) تھا ۔ کیا (ان) پر شیطان چڑھا ہے کہ بجز اس کے کہ آگ میں ہو تو یا مسلمان ہو[۳] ، دوسری بات نہیں ہے ۔ میرا دل خدا نے ایسا صاف بنا (یا) ہے کہ غدر میں جن لوگوں نے (مجھے) قتل کرنے میں کچھ باقی نہیں چھوڑا تھا ، تمام تکلیفیں ہوئی تھیں ، مال اسباب سب لوٹ لیا ، ان سے (. . .) میرے دل میں کسی طرح کا رنج نہ تھا اور بالکل دل صاف تھا ۔

۱- 'پوگھا' خدا جانے کس زبان کا لفظ اور کس دیس کی بولی ہے ۔ دہلی میں تو یہ لفظ ہرگز نہیں بولا جاتا ۔ شاید ''پونگا'' سے سرسید نے گھڑ لیا ہو جس کے معنی بانس کے ہیں ۔ ''لاٹھی پونگا'' محاورہ بھی ہے مگر لفظ پوگھا کا لغت میں نشان نہیں ملتا ۔

۲- محمد سعید خاں ، سرسید کے ایک پرانے دوست تھے ۔ ان کا تذکرہ ان کے نام کے خطوط کی تمہید میں کیا گیا ہے ۔

۳- یہ ضرب المثل ایسے موقع پر بولا کرتے ہیں جب کسی شخص کو ایسے کام پر مجبور کیا جائے جو اُس کے ضمیر کے خلاف ہو ۔

سمیع اللہ خاں کی باتیں اور ان کی حماقتیں میرے دل پر کیا کدورت (پیدا کر) سکتی ہیں ۔ میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ اس وقت بھی جس قدر غصہ ہو (. . .) کدورت یا رنج مولوی سمیع اللہ خاں صاحب کی طرف سے میرے دل میں نہیں ہے ۔ میں ان کی باتوں کو حماقت پر محمول کرتا ہوں ۔ مگر میں کوئی ایسی بات جس سے مجھ کو تکلیف (. . .) دوسری چیز میں نقصان کا ہے جس پر (میں) اپنی (زندگی) قومی فلاح کے لیے (وقف . . .) سمیع اللہ خاں (کی) مخالفت سے بھی نقصان ہوگا ۔ اگر فرض کیا جاوے کہ ہوگا تو وہ بہت کم اس سے ہوگا جو اس کی دوسری صورت میں میرے یقین کے موافق ہونے والا ہے ۔ پس جو بلا کہ اخف ہے ، اس کو اختیار کرنی[1] چاہیے ۔

(یہ) جواب تو ایک خط کا تھا ۔ دوسرا خط آپ کا میں نے پڑھا اور نہایت افسوس ہوا ۔ ڈنر پر جو اسپیچ تم نے کی مولوی مشتاق حسین صاحب نے اس کا جواب دیا تھا یا نہیں ۔ والدۂ راس مسعود کے نام کا جو خط ہے میں ان کو دے دوں گا ۔ آج ہی شام کو میں الہ آباد (جاتا ہوں) ۔ کل صبح (ان شاء اللہ) وہاں پہنچ جاؤں گا ۔

یہ تو سب باتیں ہوئیں ۔ آپ سے اور (. . .) بھابی صاحبہ سے دست بستہ یہ عرض ہے کہ ''نظیر'' کی شادی میں بہت دھوم دھام ہوئی ، دعوتیں ہوئیں اور ہم کو نہ پوچھا گیا ۔ ہمارا حصہ کہاں ہے ۔ میں نے خط بھی بھابھی صاحبہ کی خدمت (میں) مبارک باد (اور) بطلبِ حصہ روانہ کیا ۔ اس کا جواب تک نہیں آیا[2] ۔ والسلام

خاکسار ، سید احمد

۱- نقل مطابقِ اصل ہے مگر صحیح فقرہ ''اختیار کرنا چاہیے'' ہے ۔
۲- اس خط میں سرسید نے مولوی سمیع اللہ خاں کے متعلق جو سخت ترین الفاظ استعمال کیے ہیں ، اُن کا پس منظر یہ ہے کہ مولوی سمیع اللہ خاں ابتدا سے سرسید کے نہایت درجہ معاون اور مددگار رہے اور کالج کے لیے فراہمیِ چندہ میں انتہائی کوشش کرتے رہے لیکن جب ۱۸۸۹ء میں سرسید نے اپنے بعد اپنے لڑکے سید محمود کو اپنا مستقل جانشین مقرر کرنا چاہا تو مولوی سمیع اللہ خاں نے اس کی نہایت شدید مخالفت کی اور اخباروں میں اس کے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

(۳۵)

مکرمی مہدی[1] !

میں آج الہ آباد سے علی گڑھ جاتا ہوں - آپ کا تار درباب قرضہ دس ہزار کے پہنچا - آپ نے لکھا ہے کہ میں آپ کی ضمانت پر کنگ کنگ اینڈ کو بمبئی سے دس ہزار روپیہ، پانچ سو روپیہ مہینے کی قسط پر قرض لوں - مگر یہ بتانا چاہیے کہ کیا طریق اس سے قرض لینے کا ہوگا - مجھ سے اور کنگ کنگ سے اس قسم کا معاملہ کبھی نہیں ہوا - پس آپ اُس کو ایک چٹھی لکھیں تاکہ (وہ) مجھ کو دس ہزار روپیہ قرض دینا آپ کی ضمانت پر منظور کر لے - جب وہ منظور کر لے گا تو میں اُس سے خط و کتابت کروں گا - جو ہینڈ نوٹ اُس کو دیا جائے گا غالباً وہ اُس پر آپ کے دستخط بھی چاہے گا - بہرحال صاف طور پر بتانا چاہیے کہ اُس سے یہ معاملہ کیوں کر طے ہوگا ؟ اس امر کے طے کرنے میں تاخیر نہیں چاہیے - جس قدر جلد ممکن ہو اس کا انجام ہو جانا نہایت ضرور ہے - جواب بمقام علی گڑھ روانہ فرمائیں - والسلام

علی گڑھ ، ۳۰ ستمبر ۱۸۸۹ء خاکسار ، سید احمد

آپ کنگ کنگ اینڈ کو کو لکھ بھیجیے کہ فارم اس کاغذ کا ، جس کو مجھے لکھ دینا اور دستخط کر دینا ہوگا ، میرے پاس بھیج دے - فقط

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

متعلق سخت سے سخت مضامین لکھے - جس پر سرسید نے نہایت بُرا منایا اور اُسی وقت سے دونوں میں سخت دشمنی اور عداوت قائم ہو گئی جو آخر وقت تک برقرار رہی - اور اسی دشمنی اور عداوت کی حالت میں ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء کو سرسید کا انتقال ہوگیا - سرسید کے بعد مولوی سمیع اللہ دس برس زندہ رہے مگر کالج کے معاملات سے بالکل بے تعلق رہے - آخر ۷ اپریل ۱۹۰۸ء کو خداوند کریم کے ہاں سے اُن کا بھی بلاوا آ گیا -

یہ خط اُسی زمانے میں کسی طرح سرسید کے مخالفوں یعنی مولوی سمیع اللہ خاں کے ہواخواہوں کے ہاتھ آ گیا تھا اور اُنھوں نے اُسے چھاپ کر شائع کر دیا تھا ، جس پر سرسید نے نہایت ناراضگی کا اظہار کیا -

۱- یہ غیرمطبوعہ خط مکرمی مختار الدین احمد صاحب نے 'نقوش' کے مئی ۱۹۵۳ء کے شمارے میں شائع کرایا تھا - اس کی اصل مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ کے شعبۂ مخطوطات میں محفوظ ہے -

۸۰

بنام مولوی محمد ابراہیم آروی

(خطوط سرسید ، مرتبہ سر راس مسعود ، مطبوعہ ۱۹۲۴ع)

(۱)

جناب مولانا مخدوم و مکرمِ من مولوی محمد ابراہیم صاحب زاد فیضہ !

السلام علیکم و رحمة اللہ و برکاتہ ۔ آپ کا نوازش نامہ مورخہ نہم دسمبر پہنچا ۔ ممنون ہوا ۔ میں آپ کے عنایت نامے کو باعثِ افتخار اور آپ کے دعائیہ کلمات کو باعثِ نجات سمجھتا ہوں ۔ آپ نے باوجود اس کے کہ جو حقیقتِ حال میری تصنیفات کی تھی (اور جو) میں نے پوست کندہ آپ کی خدمت میں عرض کر دی تھی ، دوبارہ آپ نے اُن کو طلب فرمایا ہے ۔ میں اُن کو نذر کرنے سے افتخار حاصل کروں گا ۔ اس وقت میں رام پور جاتا ہوں ۔ دو تین روز میں واپس آؤں گا اور جس قدر کتابیں موجود ہیں اُن کا ایک ایک نسخہ خدمتِ عالی میں بھیج دوں گا ۔ آخر (ی) عنایت نامے میں آپ نے دو سوالوں کا ذکر فرمایا ہے ؛ اول یہ کہ آپ علما کی اصلاح کے لیے کون سا طریقہ اور کون سا پہلو مناسب خیال فرماتے ہیں ؟ اس پر میں اس قدر اور زیادہ کروں گا کہ مسلمانوں کے اسلام پر قائم رہنے کے لیے کون سا طریقہ مناسب خیال کرتے ہیں ؟ اُس فقرے کا جو آپ کے سوال کا فقرہ ہے میں یہ جواب دیتا ہوں کہ میرے نزدیک اگر علما کی اصلاح ناممکن نہیں تو قریب قریب ناممکن کے (ضرور) ہے ۔ نفاق اور

ضد اور تفوق ایک دوسرے پر ، اور بعضوں کا دین داری کو ذریعۂ معاش بنانا ، اور تقلید میں ایسا غلو کرنا کہ شرک فی النبوۃ کی حد تک پہنچ گیا ہے ۔ اور اُن بزرگوں کا ، جن کو عام لوگ وہابی اور (وہ) خود اپنے تئیں اہلِ حدیث کہتے ہیں ، تعصّب اور ادنیٰ مسائل کے اختلاف میں فریقین کا ایک دوسرے کو کافر و مشرک کہنا اور اس حدیث کے الفاظ کو (میں نہیں جانتا کہ احادیثِ صحیحہ میں سے ہے یا نہیں) من استقبل قبلتنا و اکل ذبیحتنا فھو مسلم مردود قرار دینا علمائے زمانہ کا دیدن ہو گیا ہے ۔ اور اخوتِ اسلامی جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے بندھی ہوئی ہے اُس سب کو توڑ دیا ہے ۔ جب یہ حال ہے تو خدا ہی اُن کی اصلاح کرے تو ہو ورنہ ظاہر اسباب میں تو ہوتی ہوئی نہیں معلوم ہوتی ۔ لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا ۔ میرے نزدیک اس سے تو آپ ہاتھ دھوئیے ، مگر جو فقرہ میں نے مستزاد کیا ہے اُس پر توجہ فرمائیے ۔ اور میرے نزدیک وہ مطلب حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ علمائے زمانہ ، ابنِ رشد نے جو رائے ظاہر کی ہے ، اُس کی پیروی نہ کریں ۔ میں ایک پرچہ 'تہذیب الاخلاق' کا خدمتِ عالی میں روانہ کرتا ہوں جس میں اس امر کے متعلق ابنِ تیمیہ ، ابنِ رشد اور شریف مرتضیٰ کی آرا مندرج ہیں ۔ علما کی باہم اصلاح ہو یا نہ ہو مگر ہر مسلمان کا اور خصوصاً علما کا فرض ہے کہ مسلمانوں کے اسلام پر قائم رہنے کی فکر کریں ۔

دوسرا سوال در باب مہیا کرنے زمانہ کی تصنیفات و تالیفات کے ہے ۔ افسوس ہے کہ یہ کچھ آسان کام نہیں ہے ۔ اُس کے لیے روپیہ اور ہمت اور استقلال اور صبر درکار ہے ۔ اس زمانے کی تصنیفات و تالیفات نہ عربی و فارسی میں ہیں ۔ اگر کچھ ہیں تو محض غیر مفید ، پوچ لچر ہیں ۔ (در حقیقت اس وقت) غیر مذہب کے علما کی تصنیفات و تالیفات کے جمع کرنے کی اور دیکھنے کی ضرورت ہے جو علومِ جدیدہ پر مبنی ہیں اور جن کی بنا پر اسلام پر اعتراضات (ہو رہے) ہیں اور نعوذ باللہ اُس کو غلط اور باطل ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور وہ سب زبانِ غیر میں ہیں ۔ پھر کیونکر اُن سے فائدہ حاصل ہو سکتا ہے ؟ میں ایک رسالہ در باب استرقاق خدمت میں بھیجتا ہوں جو میری دالست میں

کافی جواب ہے اُن اعتراضوں کا جو مخالفین نے اسلام پر کیے ہیں ۔ میں یقین جانتا ہوں کہ خود علمائے اسلام اُس رسالے کو دیکھ کر مجھ کو کافر و مرتد بناویں گے ۔ پس اگر آپ نے اس زمانے کی تصنیفات جمع بھی کر لیں اور کسی طریق سے اُن سے مطالب دریافت بھی کیے تو کیا نتیجہ ہوگا ؟ کیا آپ ایسی جرأت کریں گے جو برخلاف تمام علمائے سابقین کوئی امر تحریر فرمائیں ۔ مجھ کو معاف فرمائیے گا کہ جو باتیں میرے یقین میں تھیں اُن کو صاف صاف عرض کیا ہے ۔ والسلام علیکم

علی گڑھ ، ۱۲ دسمبر ۱۸۹۳ع خاکسار ، سید احمد

(۲)

(خطوط سرسید ، مرتبّہ سر راس مسعود ، مطبوعہ ۱۹۲۴ع)

جناب مولانا مخدوم و مکرم من مولوی محمد ابراہیم صاحب !

سلام مسنون ۔ عنایت نامہ پہنچا ۔ ممنون عنایت ہوا ۔ مسلمانوں کی بہتری و فلاح میں جو تدبیر ہو سکے اُس میں دل سے شریک ہوں مگر لومت لائم کے خوف سے کسی چیز کو مخفی طور پر ، جو ایک نوع کی تدلیس ہے ، کرنا نہیں چاہتا : ع

نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

آپ کی جماعت مقدسہ اور مکرمہ اگر مجھ کو اس قابل نہیں سمجھتی کہ کوئی ممبر اُس جماعت کا مجھ سے ملاقات کرے تو آپ کو یہی مناسب ہے کہ میری ملاقات سے مجتنب رہیں ۔ انجمن اسلامیہ لاہور کا جلسہ ۲۳ ، ۲۴ فروری کو ہے اور آپ کے مدرسے کا جلسہ ۲ شعبان (مطابق) ۱۷ فروری کو ہوگا ۔ ہم لوگ غایت درجہ ۲۰ فروری کو روانہ پنجاب ہو جائیں گے کیونکہ اور جگہ بھی جانا اور رستے میں ایک آدھ جگہ ٹھیرنا ہے ۔ انجمن حمایت اسلام کے لکچراروں نے میرا نام غلط لکھ دیا ہے ۔ میں کوئی لکچر نہیں دینے کا ۔ میری طبیعت اچھی نہیں ہے ۔ ایک چھوٹا سا لکچر جو میں نے اپنے کالج کے طالب علموں کو دیا تھا ، وہ بھی بیٹھ کر دیا تھا ۔ کھڑا نہیں رہ سکا ۔ ایک کاپی اُس لکچر کی بھی خدمت عالی میں مرسل ہے ۔

غرض کہ آپ لوگوں کے جلسے اور ہم لوگوں کی روانگی کی تاریخیں ایسی قریب ہیں کہ نواب محسن الملک مولوی مہدی علی آپ کے مدرسے کے جلسے میں کسی طرح شریک نہیں ہو سکتے ۔ بلاشبہ آپ کی یہ تجویز کہ مولوی مہدی علی صدر انجمن جلسہ ہوتے ، بہت عمدہ تھی مگر اُن کی شرکت بہ سبب روانگی پنجاب غیرممکن ہے ۔

اگر آپ کا تشریف لے جانا لاہور ہوا اور مجھ کو آپ کی ملازمت حاصل ہوئی تو میں اُس کو باعث افتخار سمجھوں گا ۔

جس صفائی دلی اور سچائی اور نیک دلی اور اخلاص قلبی سے آپ نے عنایت نامہ لکھا ہے ، میں اُس کی نہایت قدر کرتا ہوں اور دل سے شکر ادا کرتا ہوں ۔ مولوی مہدی علی کو ہماری مخالفت سے اس قدر تو فائدہ ہوا کہ آپ کی جماعت کے لوگوں نے اُن کو اچھا سمجھا لیکن اگر وہ ہمارے موافق ہوتے تو زیادہ رتبہ پاتے کہ فرشتے بھی اُن کو اچھا سمجھتے ۔ آپ کا عنایت نامہ مولوی مہدی علی کو دکھلاؤں گا ۔ میری عادت ہے کہ تمام خطوط کو چاک کر ڈالا کرتا ہوں ۔ لیکچر سید محمود و رسالہ فیصلہ قسمت مسلمانان و دیگر روئداد ہائے کانفرنس مرسل خدمت ہیں ۔ والسلام

علی گڑھ ، ۵ فروری ۱۸۹۵ء خاکسار ، سید احمد

(۳)

(خطوط سرسید ، مرتبہ سر راس مسعود ، مطبوعہ ۱۹۲۴ء)

جناب مولانا مخدوم و مکرم من ، مولوی ابو محمد ابراہیم صاحب !

سلام مسنون ۔ بے ادبی اور جرأت ، جو اس عریضے میں ہے ، آپ معاف فرمائیے گا ۔

ہماری جماعت اس بات کو مناسب خیال کرتی ہے کہ میں ، جو اس جماعت کا ایک حقیر ممبر ہوں ، آپ سے ملاقات کروں ۔ ہاں ہمیں اس بات کا بے شک خیال ہے کہ آپ کی ملاقات ہمارے مقاصد کے لیے ، جو ہماری کمیونٹی اور ہمارے سرکل کی اصلاح سے متعلق ہے ، مفید ہو اور مضر نہ ہو ۔ اگر ہم اپنی اور آپ کی ملاقات کو اپنی کمیونٹی کی آنکھوں میں مہتم بالشان ہونے کا موقع دیں گے تو پھر وہ ہمیں اپنے بُھِھرے پر ہاتھ نہ دھرنے دے گی ۔ پھر ہمارے

مقاصد بھی فوت ہو جائیں گے اور ہم اس کی اصلاح میں قاصر رہیں گے - اگر ہم اپنی کمیونٹی کو اپنے سے بھڑکا دیں گے تو ہمارا کام خراب ہو جائے گا - کمیونٹی سے ہماری مراد ان چند علما کے جتھے سے نہ تھی جسے ہم اپنی جماعت سے تعبیر کرتے ہیں (بلکہ) وہ ہزاروں ہزار مسلمان مراد ہیں جن سے ہماری قوم بنی ہے - شاید ہم نے اپنے پچھلے خط میں لفظ "کمیونٹی" کے عوض غلطی سے "کمیٹی" لکھ دیا ہوگا ، جس نے غلط مفہوم پیدا کر دیا -

جناب مولانا ! جو خیال آپ نے اپنے عنایت نامے کے اس فقرے میں ظاہر فرمائے ہیں جو اس عریضے میں چسپاں ہے ، یہ اسی قسم کے خیالات ہیں جن سے بڑے بڑے عالم و واعظ ، خدا پرست ، دین دار ، کلمۃ الحق کے کہنے سے باز رہے ہیں - میں بڈھا ہوں اور اپنی عمر میں ہر فرقے کے جت بڑے بڑے شخصوں کو دیکھا ہے - اسی چیز نے اور اسی خیال نے کلمۃ الحق کے کہنے سے اُن کو باز رکھا - مولانا اسماعیل شہید اگر اسی قسم کے خیالات میں مبتلا رہتے تو ہندوستان میں سے شرک و بدعت کی تاریکی کیسے دور ہوتی ؟ آپ کو معلوم نہ ہوگا مگر آپ معاف فرمائیے گا کہ میں نے وہابیوں کی تین قسمیں قرار دی ہیں : (۱) ایک (صرف) وہابی - (۲) دوسرے وہابی اور کریلہ - (۳) تیسرے وہابی کریلہ اور نیم چڑھا - میں اپنے تئیں تیسری قسم میں قرار دیتا ہوں - اور بجز حق کے حق جو میرے نزدیک ہو (اُس کے بیان کرنے میں) ذرا برابر دریغ نہیں کرتا اور سمجھتا ہوں کہ یہ اول سیڑھی اسلام کی ہے - اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قسم کے خیالات ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ اُن کی زبان سے انی وجہت وجھی للذی فطر السمٰوٰت و الارض نکلتا - اگر ہمارے دادا اور ہمارے ہادی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ایسے خیالات ہوتے تو امکان نہ تھا کہ ہزاروں دشمنوں کے رہتے لا الہ الا اللہ کا کلمہ زبان پر لاتے - ہمارا دشمن شیطان دین داری کے پردے میں ہم کو سب سے زیادہ دھوکے میں ڈالتا ہے - ہم سمجھتے ہیں کہ "ہم نیک کام کر رہے ہیں اور لوگوں کو نیک راہ بتا رہے ہیں - (اس حالت میں) اگر فلاں کلمۂ حق کہیں تو سب بدک جائیں گے اور جو نیکی ہم پھیلا رہے ہیں اُس کو نقصان پہنچے گا -" یہ دین داری کے پردے میں شیطان کا دھوکا دینا ہے - حق بات کو چھپانا یا باز رکھنا اور اس سے نیکی پھیلانے کی توقع رکھنا ایسا ہی ہے جیسے جَو بونے اور گیہوں (پیدا) ہونے کی توقع رکھنا - اگرچہ جو فقرہ آپ کا اس خط میں چسپاں ہے ، اُس میں

خاص میری نسبت بات ہے مگر میں نے اس سے قطع نظر کر کے عرض کیا ہے کہ کسی خیال سے حق بات کو ظاہر نہ کرنا ، گو وہ کیسی ہی ادنلی ہو ، ٹھیک نہیں ہے ۔ جناب مولوی سید نذیر حسین صاحب دہلوی کو میں نے ہی نیم چڑھا وہابی بنایا ہے ۔ وہ نماز میں رفع یدین نہیں کرتے تھے مگر اس کو سنتِ ہدیٰ جانتے تھے ۔ میں نے عرض کیا کہ نہایت افسوس ہے کہ جس بات کو آپ نیک جانتے ہیں ، لوگوں کے خیال سے اُس کو نہیں کرتے ۔ جنابِ ممدوح میرے پاس تشریف لائے تھے ۔ جب یہ گفتگو ہوئی ، میں نے سنا کہ میرے پاس سے اُٹھ کر وہ جامع مسجد میں عصر کی نماز پڑھنے گئے اور اُس وقت سے رفع یدین کرنے لگے ۔ گو اُن پر لوگوں نے بہت حملے کیے مگر کلمۃ الحق ہمیشہ کلمۃ الحق ہے ۔ والسلام علیکم

خاکسار ، سید احمد

علی گڑھ ، ۱۰ فروری ۱۸۹۵ع